

# مِنَهَاجُ الْقَاصِدِ

تصنيف

امام عبدالرحمن ابن جوزي

تلخيص

امام احمد بن محمد بن عبد الرحمن بن قدامة مقدسي

آداب معارف اسلامي

منصوب • لاہور • پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ  
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# مِنْهَاجُ الْفَاصِدِیْنَ

تصنیف

امام عبدالرحمن ابن جوزیؒ

تلخیص

امام احمد بن محمد بن عبدالرحمن بن قدامہ مقدسیؒ

اُردو ترجمہ

محمد سلیمان کیلانی

## ادارہ معارف اسلامی

منصورہ — لاہور — پاکستان

یکے از مطبوعات، ادارہ معارف اسلامی، لاہور  
(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

۲۲۵  
ایسن - عم

۱۹۸۵ء	:	بار اول
ایک ہزار	:	تعداد
اللہ والا پرنٹرز دی مال لاہور	:	مطبع
۱۰۰ روپے	:	قیمت

تقسیم کنندگان

المنار بک سینٹر، منصورہ، لاہور نمبر ۱۸

پاکستان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

# المكتبة الرحمانية

۹۹... ۶۱ ال ۲۰۱۰... ۱۰۱۰

۰۶۲۷۴

فہرست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۲	علماء رؤساء اور علمائے حق	۱۳	دیباچہ
۴۷	کتاب الطہارت	۱۹	دیباچہ مؤلف
۴۹	فصل اول	۲۱	طالبانِ حق سے خطاب
"	طہارت، اس کے اہم اور نماز کے متعلقہ	۲۵	کتاب العلم
۵۲	فصل دوم	۲۷	فصل اول
"	نماز کی فضیلت	"	علم، اس کی فضیلت اور تعلقات
۵۷	فصل سوم	۳۱	فصل دوم
"	جمعہ اور نماز جمعہ کے آداب	"	حقیقی علم کی تعریف
۶۰	فصل چہارم	۳۴	فصل سوم
"	نوافل کا بیان	"	علم معادلہ اور اس کی تفصیل
۶۱	نماز کے مسائل	۳۷	فصل چہارم
۶۳	کتاب الزکوٰۃ	"	علم کے فوائد
۶۵	فصل اول	۳۸	مناظرہ بازی کی قباحتیں
۶۵	زکوٰۃ اولیٰ اس کے اہم اور متعلقات	۳۹	فصل پنجم
۶۶	زکوٰۃ کے باطنی آداب	"	استاد و شاگرد کے آداب
		۴۲	فصل ششم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۴	خزوات کا بیان	۷۹	فصل دوم
۹۷	کتاب الأذکار	۷۹	نکوة لینے والے کے آداب
۹۹	فصل اول	۷۷	نقلی صدقہ، اس کی فضیلت اور آداب
	اذکار و اوراد	۷۳	کتاب الصوم
۱۰۰	اوراد، ان کی فضیلت اور اوقات	۷۳	فصل اول
۱۰۸	فصل دوم	۷۵	روزہ، اس کے اہم امور اور تعلقات
۱۰۸	رات کے اوراد	۷۵	روزے کی سنتیں
۱۱۳	فصل سوم	۷۷	فصل دوم
۱۱۳	اوراد کے اوقات	۷۷	روزے کے آداب
۱۱۶	فصل چہارم	۸۱	کتاب الحج
۱۱۶	قیام الیل اور اس کی فضیلت	۸۱	فصل اول
۱۱۹	فضیلت ولے دن اور راتیں	۸۳	حج اور اس کے اسرار و فضائل
۱۲۱	کتاب الطعام	۸۳	فصل دوم
۱۲۳	فصل اول	۸۵	حج کے باطنی آداب اور اسرار
۱۲۳	کھانے پر لکھا ہونے اور ضیافت کے آداب	۸۵	کتاب التلاوت
۱۲۵	فصل دوم	۸۹	فصل اول
۱۲۵	بل کر کھانے کے آداب	۹۱	قرآن کی تلاوت کے آداب اور فضیلت
۱۲۷	ضیافت کے آداب	۹۳	فصل دوم
۱۲۹	کتاب النواج	۹۳	آداب تلاوت
۱۲۹		۹۳	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۷	حلال اور حرام	۱۳۱	فصل اول
۱۶۰	فصل دوم	"	نکاح اور اس کے متعلقات
"	بے انصاف حکام سے معاملات	۱۳۲	بیوی کے اوصاف
۱۶۲	فصل سوم	۱۳۴	فصل دوم
"	قلب کی کیفیات	"	خاندان اور بیوی کے فرائض
۱۶۴	فصل چہارم	۱۳۹	کتاب المعاش
"	آداب اخوت و معاشرت	"	"
۱۶۷	فصل پنجم	۱۴۱	فصل اول
"	وہ صفات جو دوست میں ہونی چاہئیں	"	معاش کی فضیلت اور معاملات کی درستی
۱۶۹	فصل ششم	۱۴۴	فصل دوم
"	انسان کے ذمے اپنے بھائی کے کون	"	معاشرتی معاملات میں ظلم
"	کون سے حقوق ہیں	۱۴۵	عدل اور احسان
۱۷۳	سُن معاشرت	۱۴۶	فصل سوم
۱۷۵	فصل ہفتم	"	تجارت میں دیانتداری اور خوفِ خدا
"	قرابتداری اور ہمسائیگی کے حقوق	۱۴۸	فصل چہارم
۱۷۹	فصل ہشتم	"	رزقِ حلال
"	ذوی الارحام کے حقوق	۱۴۹	حرام اور حلال کے درجات
۱۸۰	تنبہائی اور گوشہ نشینی	۱۵۰	فصل پنجم
۱۸۲	فصل نہم	"	پرہیزگاری
"	گوشہ نشینی کے فوائد اور نقصانات کی وضاحت	"	"
۱۸۶	فصل دہم	۱۵۵	کتاب التَّحْرِيمِ
"	عزت کے نقصانات	۱۵۷	فصل اول

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۲۸	فصل ششم	۱۹۱	کتاب السیاحت
"	سابع کے احکام	۱۹۳	فصل اول
۲۳۱	فصل ہفتم	"	آداب سفر
"	آداب معیشت و اخلاق	۱۹۵	فصل دوم
۲۳۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہجرات	"	کچھ مسائل
۲۳۵	کتاب واردات قلب	۱۹۶	سافر کے لیے لازمی چیزیں
۲۳۷	فصل اول	۱۹۷	کتاب معروقات و منکرات
"	واردات قلب کی تشریح	۱۹۹	فصل اول
۲۳۱	فصل دوم	"	بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا
"	دل کی کیفیات	"	برائی سے روکنے کے مارج اور ان کے متعلق روایات
۲۳۳	کتاب الاخلاق	۲۰۰	فصل دوم
۲۴۵	فصل اول	۲۰۱	درجات و آداب
"	ریاضت نفس اور تہذیب و اخلاق	"	فصل سوم
۲۳۸	فصل دوم	۲۰۸	محبوب کے فرائض
"	تہذیب اور اخلاق	"	فصل چہارم
۲۳۹	امراضِ دل کی علامات اور نفس کے عیب	۲۱۰	ان برائیوں کا بیان جو عادت میں شامل ہیں
۲۵۲	اچھی بری خواہشات	"	فصل پنجم
۲۵۳	فصل سوم	۲۱۳	امراء و سلاطین کو نیکی کا حکم دینا اور
"	اچھے اخلاق کی علامات	"	برائی سے روکنا
۲۵۶	فصل چہارم		



صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۹۰	کینہ اور حسد	۲۵۶	ابتدائی عمر میں بچوں کی ریاضت
۲۹۷	فصل ہشتم	۲۵۸	آخرت کا خوف
"	دنیا کی مذمت		
۳۰۳	دنیا کی حقیقت	۲۶۱	کتاب التَّوَكُّيْمِ
۳۰۴	فصل نہم		(حصہ اول)
"	مال کی مذمت اور مدح اور	۲۶۳	فصل اول
	تفاعلت و سخاوت	"	شکم اور عین کی خواہشات کا سدباب
۳۰۷	سوس و طرح کی مذمت اور تعاملت	۲۶۶	فصل دوم
	کی مدح	"	زبان کی آفات
۳۰۸	فصل دہم	۲۶۷	کلام کی آفات
"	سوس اور طبع کا علاج	۲۷۳	فصل سوم
۳۰۹	تفاعلت کے فوائد	"	غیبت پر آمادہ کرنے والے اسباب
۳۱۳	فصل یازدہم		ادراں کا سل
"	بجھل اور اس کی مذمت	۲۷۴	غیبت سے بچاؤ اور کفارہ
۳۱۴	ایتار کی فضیلت	۲۸۱	فصل چہارم
۳۲۱	فصل دوازدہم	"	غضب، کینہ اور حسد کی مذمت
"	حُب جاہ کا علاج	۲۸۳	غضب کو بھڑکانے والے اسباب
۳۲۲	حقیقی اور مفروضی زہد	۲۸۷	فصل پنجم
		"	غصہ پی جانا
۳۲۵	کتاب التَّوَكُّيْمِ	۲۸۹	فصل ششم
	حصہ دوم	"	علم اور غم و درگزر
۳۲۷	فصل اول	"	فصل ہفتم
"	ریا، اس کی حقیقت، اقام اور مذمت	۲۹۰	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۹۷	فصل دوازدهم	۵۲۱	فصل دوم
"	دوت مندوگ	"	عبادات میں ریاء
۳۷۱	کتاب المنجیات	۳۳۴	کونسی ریاء سے عمل ضائع ہو جاتا ہے۔
"	حصہ اول	۳۳۵	فصل سوم
"	فصل اول	"	ریاء کے امراض کا علاج
۳۷۳	توبہ اور اس کے تعلقات	۳۳۸	فصل چہارم
"	فصل دوم	"	عبادت میں تساہل اور اس کا سدباب
۳۷۵	گناہوں کی اقسام	۳۳۹	ریاء کی اقسام اور اس کا علاج
"	ایک اور تقسیم	۳۴۲	فصل پنجم
۳۷۶	فصل سوم	"	تکبر اور غرور کی مذمت
۳۷۹	آخرت میں درجات کی تقسیم	۳۴۴	فصل ششم
"	فصل چہارم	"	تکبر کے درجے
۳۸۲	دو اسباب جن سے سفیرہ گناہ کبیرہ بن جاتی ہے۔	۳۴۷	فصل ہفتم
"	فصل پنجم	"	تکبر کا علاج اور تواضع کا حصول
۳۸۵	توبہ کی شرائط	۳۵۱	فصل ہشتم
"	فصل ششم	"	عجب کے متعلق تعریحات
۳۸۸	توبہ کے لیے مجاہدہ	۳۵۴	فصل نہم
"	فصل ہفتم	"	دھوکا اور اس کی اقسام
۳۹۱	توبہ کی قبولیت کا راز	۳۵۶	فصل دہم
"	فصل ہشتم	"	گراہیوں کی قسمیں
۳۹۶	مبرا اور شکر	۳۶۵	فصل یازدہم
"		"	ریاء کا صوفی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۳۵	فصل ششم	۴۹۹	فصل نہم
=	میرا فضل ہے یا شکر	=	میر کی اقسام
۴۳۶	امید اور خوف	۴۰۳	فصل دہم
۴۴۰	فصل ہفتم	=	میر کے آداب
=	امید کی فضیلت	۴۰۶	فصل یازدہم
۴۴۴	فصل ہشتم	=	میر کی دوا اداس کے معادن
=	خوف اس کی حقیقت اور درجات		
۴۴۵	خوف دیگر رحمت بھی ہے	۴۰۹	کتاب المتجیات
۴۴۶	خوف کی اقسام		(حصہ دوم)
۴۴۸	فصل نہم	۴۱۱	فصل اول
=	خوف اور امید	=	شکر، اس کی فضیلت اور نعمتوں کا تذکرہ
۴۵۱	فصل دہم	۴۱۲	شکر کس طرح کیا جائے
=	خوف پیدا کرنے والی باتیں	۴۱۳	شکر کے محرکات
۴۵۶	ملائکہ علیہم السلام کا خوف	۴۱۸	فصل دوم
۴۵۷	انبیاء علیہم السلام کا خوف	=	نعمتیں ادا کرنے کے اسباب
۴۵۸	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف	۴۲۰	فصل سوم
۴۵۹	تابعین اور بعد کے لوگوں کا خوف	=	نعمتوں کے اسباب
		۴۲۴	فصل چہارم
۴۶۳	کتاب الفقر	=	وسائل حیات
۴۶۵	فصل اول	۴۲۵	نعمت سے غفلت کے اسباب
=	زہد و فقر	۴۳۰	فصل پنجم
۴۶۷	فصل دوم	=	میرا دیشکر کس طرح اکٹھا ہو سکتے ہیں
=	فقر کی غنا پر فضیلت		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۰۴	فصل سوم	۴۶۹	فقر کے آداب
"	اللہ کی محبت کو تقویت دینے والے آداب	۴۷۱	فصل سوم
۵۰۷	فصل چہارم	"	عطیہ قبول کرنے کے آداب
"	شوق کا مطلب	۴۷۲	مجبور فقیر کے آداب
۵۰۹	فصل پنجم	۴۷۲	فصل چہارم
"	بندے اور اللہ تعالیٰ کی محبت	"	زہد کی حقیقت اور درجات
۵۱۴	فصل ششم	۴۷۵	زہد کے درجات اور اقسام
"	اللہ کی تقدیر پر راضی ہونے کا مطلب	۴۷۷	فصل پنجم
۵۱۷	فصل ہفتم	"	فردیاتِ زندگی میں زہد
"	اللہ کی تقدیر اور انسان کی خواہش	۴۸۰	زہد کی علامتیں
۵۲۱	فصل ہشتم	۴۸۳	کتاب التَّوْحِيدِ
"	اللہ اور بندے کا تعلق	۴۸۵	فصل اول
۵۲۵	کتابُ الْأَخْلَاصِ	"	توحید اور توکل کی فضیلت
۵۲۷	فصل اول	۴۸۶	توکل کے حالات اور اعمال
"	نیت، اخلاص اور صبر	۴۸۹	فصل دوم
"	نیت اور اس کی حقیقت	"	توکلین کے اعمال
۵۳۳	فصل دوم	۴۹۳	کتابُ الرِّضَا
"	اخلاص اور اس کی فضیلت	۴۹۵	فصل اول
۵۳۵	فصل سوم	"	محبت، شوق، انس اور رضا
"	اخلاص کی حقیقت	۵۰۰	فصل دوم
۵۳۶	ملاوٹ والے عمل کا حکم	"	اللہ کی جلالتِ شان

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۷۱	فصل سوم	۵۳۸	فصل چہارم
۱۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی وفات	۱۱	صدق اور اس کی حقیقت
۵۷۳	ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موت	۵۴۱	کتاب الحاسبہ
۵۷۴	عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی موت	۵۴۳	فصل اول
۵۷۵	عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی موت	۱۱	محاسبہ اور مراقبہ
۵۷۶	علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی موت	۵۴۴	شارحہ
۵۷۷	فصل چہارم	۵۴۷	فصل دوم
۱۱	موت کے وقت صحابہ سے منقول کلمات	۱۱	مراقبہ
۵۸۲	فصل پنجم	۵۴۸	عمل کے بعد محاسبہ
۱۱	قبر کا تذکرہ	۵۴۹	نفس کی گوشمالی
۵۸۵	کتاب الجزاء	۵۵۲	فصل سوم
۵۸۷	فصل اول	۱۱	غور اور فکر
۱۱	قیامت اور دوزخ اور جنت کا احوال	۵۵۵	غور اور فکر کے نتائج
۵۸۹	جہنم کا تذکرہ	۵۵۷	خاتم خداوندی پر غور
۵۹۱	راہ نجات	۵۶۱	کتاب الموت
۵۹۲	جنت کا تذکرہ	۵۶۳	فصل اول
۵۹۴	فصل دوم	۱۱	موت اور ما بعد الموت
۱۱	اللہ کی رحمت کی وسعت	۵۶۷	فصل دوم
		۱۱	امید اور موت



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### دیباجہ

امام عبدالرحمن ابن جوزیؒ (۵۱۱ھ - ۵۹۷ھ) کی کتاب منہاج القاصدین (جو تخلص و ترجمہ کی صورت میں پیش کی جا رہی ہے) بلاشبہ انہی عظیم کتابوں میں سے ہے جنہیں حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے "علم کے موتی" کے نام سے یاد کیا ہے اور جو محض کتاب نہیں، بلکہ تحریک انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہیں۔

کتاب کے مصنف جس دور میں اصلاح امت کا کام سرانجام دے رہے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب عباسی خلافت کا آفتاب ایک مدت تک نصف النہار پر ضیا پاشیاں کرنے کے بعد مائل بزوال ہو چکا تھا۔ اگرچہ مسلمانوں کا ظاہری شہادت باٹ اب بھی مرعوب کن تھا، ان کے دارالخلافت بغداد کو عروس البلاد کہا جاتا تھا اور ان کی سلطنت دنیا کی سب سے بڑی سلطنت شمار کی جاتی تھی، لیکن حقیقت یہ تھی کہ ان کے عصائے اقتدار کو گھن لگ چکا تھا۔ سلطنت کے ظاہری روپ کی طرح ان کی ظاہری زندگی پر بھی اسلام کا خول ضرور موجود تھا، لیکن عملی زندگی میں انہیں اس دین سے کچھ زیادہ علاقہ نہ رہ گیا تھا اور یقیناً یہ ان کی بے عملی ہی کا نتیجہ تھا کہ ایک طرف وہ اندرونی خلفشار اور طوائف الملوک کا شکار ہو رہے تھے اور دوسری طرف کافر قومیں انہیں لپچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی تھیں۔

شاید یہ قدرت کا محکم قانون ہے کہ قوموں کے دور زوال میں ان کے اندر کچھ بڑے آدمی ضرور پیدا ہوتے ہیں جو کونامہوں کی نشاندہی کر کے زوال کے عمل کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں؛ چنانچہ عباسیوں کے دور زوال میں بھی بہت قدر شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے عوام الناس کے اندر نئے سرے سے دینی اور اخلاقی روح پیدا کی اور اپنی درسگاہوں میں علم و عمل کے لیے چراغ روشن کیے کہ حکمرانوں کے جھلمل کرتے دہاروں کی کافر شمشعیں دھندلا کر رہ گئیں۔ امام عبدالرحمن ابن جوزیؒ انہی عظیم مصلحین میں سے ایک ہیں۔

امام کا پورا نام عبدالرحمن بن علی بن محمد ابوالفرج جمال الدین البکری، الحنبلی، البغدادی الجوزی ہے۔ پندرہ پشتوں کے بعد ان کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ ان کے لقب ابن الجوزی کی وجہ تیسریہ بیان کی گئی ہے کہ ان کے ایک دادا، جن کا نام جعفر تھا، بصرہ کے ایک محلے جوزہ میں رہتے تھے۔ اسی نسبت سے وہ ابن الجوزی کہلائے۔ ابن الجوزی کی پیدائش راج قوں کے مطابق ۵۱۱ ہجری میں بغداد میں ہوئی۔ تین سال کے تھے کہ ان کے والد علی بن محمد کا انتقال ہو گیا جو تانبے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ وہ اپنے پیچھے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے بڑی جائیداد چھوڑ گئے تھے۔ ابن الجوزی کی والدہ محترمہ نے تربیت کے لیے انہیں ان کی ایک نیک نفس اور خدا پرست پھوپھی کی تحویل میں دے دیا۔ جب یہ کچھ بڑے ہوئے تو وہ خاتون انہیں بغداد کے ایک مشہور عالم محدث ابوالفضل محمد بن ناصر کی خدمت میں لے گئیں۔ ابن الجوزی نے ان کے پاس قرآن کریم حفظ کیا اور ساتھ ہی حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ بھی سینے میں محفوظ کر لیا، بلکہ محدثین کے طریقے کے مطابق امام احمد بن حنبل کے مسند اور متعدد دیگر کتب حدیث کا ان سے سماع کیا۔ شیخ محمد بن ناصر جب تک زندہ رہے ابن الجوزی نے ان کی صحبت ترک نہیں کی۔

حصول علم کے معاملے میں ابن الجوزی نے صرف ایک دو علوم پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ حدیث و فقہ سے لے کر لغت و ادب، خطابت و مناظرہ اور دیگر کئی علوم و فنون میں دسترس حاصل کی۔ ابن الجوزی نے اپنی کتاب شیخہ ابن جوزی میں اپنے اساتذہ کی تعداد ۸۰ سے اوپر بیان کی ہے۔

حصول علم کا شوق گویا ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ بالکل چھوٹی عمر میں یہ حال تھا کہ کتاب کے سوا کوئی چیز اچھی لگتی ہی نہ تھی اور مطالعے کے علاوہ کوئی بات پسند آتی ہی نہ تھی۔ خود بیان کیا ہے "ہم عمر بچے جن مشاغل میں مصروف رہتے تھے مجھے ان میں سے کوئی پسند آتا تھا یا طالب علمی کے زمانے میں تقریباً بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اللہ نے حافظہ بھی قابل رشک دیا تھا جس کی برکت سے تمام مرادجہ علوم میں درجہ کمال حاصل کیا۔ جو بات ایک بار سن لیتے تھے ذہن میں محفوظ ہو جاتی تھی۔"

امام ابن جوزی کے سوا بخ ننگار اس بات پر متفق ہیں کہ وہ ایک جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی ذات میں اتنی وجاہتیں جمع ہو گئی تھیں کہ کسی ایک شخص کو کم ہی میسر آتی ہیں۔ بہت خوش رو اور خوشحال ہونے کے ساتھ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے مفسر، محدث، مصنف، خطیب اور مؤرخ تھے۔

انہوں نے مختلف علوم و فنون پر اپنی گرفتاری (۵۹۰ - ۵۹۵ء) تک جو کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ ربائی کے بعد بھی ان کی تصانیف کا سلسلہ جاری رہا۔ ان میں اکثر و بیشتر چھپ چکی ہیں اور متعدد اچھی مخطوطوں کی شکل میں ہیں یا نایاب ہو چکی ہیں۔



تعلیم سے فارغ ہوتے ہی ابن الجوزیؒ نے حالات کا رخ دیکھ کر بغداد میں وعظ و ارشاد کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ وہ نہ صرف علم و فضل کا پیکر تھے؛ بلکہ اخلاص و لہمیت اور تقویٰ و پارسائی میں بھی بے مثال تھے۔ ان کے درسوں کا بڑا پیر چاہوں نے لگا اور ہر طبقے کے لوگ ان میں شرکت کرنے لگے۔ ”خدا جہ القدرین السادس والسابع“ کے مطابق: ”ان کے درسوں میں خلفاء اور وزراء بھی شرکت کرتے تھے، امراء و اعیان ملک بھی اولیٰ علماء و عوام بھی اور حاضرین کی کم از کم تعداد دس ہزار ہوتی تھی۔ جمعہ کے وعظ میں یہ حاضری ایک لاکھ تک پہنچ جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت اور مہمیت دونوں پیدا کر دی تھیں۔“

ابن الجوزیؒ نے بروایت ”تراجیح رجال القدرین“ خود بیان فرمایا کہ: میں نے اپنی عمر میں ان دو انگلیوں کے ساتھ دو ہزار مجلہات تحریر کی ہیں۔ میرے ہاتھ پر ایک لاکھ افراد نے توبہ کی اور دس ہزار یہودی اور عیسائی مسلمان ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ابن الجوزیؒ کی عمر اور علم دونوں میں برکت عطا فرمائی اور لوگ چالیس سال تک بغداد کے اندر ان کے مواظف و دروس کی خوشبو سے معطر ہوتے رہے۔ ان کے درسوں سے مردہ دلوں میں جان پڑ گئی، بے راہ رو راہ راست پڑ آگئے اور مسلم معاشرے کے اندر ایمان و اخلاق کی بہار تازہ ہو گئی۔

ابوالفرج ابن الجوزیؒ کی وفات ۱۲ رمضان - ۵۹۷ ہجری میں ہوئی۔ تراجم رجال القدرین نے ان کی وفات کے بارے میں لکھا ہے :-

”ایک روز منبر و وعظ سے اترے اور لیکایک بیمار ہو گئے اور پھر پانچ روز تک بغداد میں اپنے گھر میں مرض میں مبتلا رہے۔ چھٹے روز جمعرات کو مغرب اور عشاء کے درمیان جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دو۔ ان کی والدہ رحمہا اللہ بتاتی ہیں کہ: موت سے چند لمحات پہلے میں نے اُن کے منہ سے یہ الفاظ سنے:

”آپ لوگ طاؤس لے کر آگئے ہیں۔ میں ان طاؤسوں کو کیا کروں؟“

بغداد کے محدث شیخ ضیاء الدینؒ ابن جبیر نے سحری کے وقت ابن الجوزیؒ کو غسل دیا۔ پورا بغداد اُن کی طرف اُٹھ آیا۔ بازار بند ہو گئے۔ لوگوں نے ابن الجوزیؒ کے تابوت کو رسیاں باندھ دیں اور وہ شہر کے جنازہ کو تھما دیں۔ ان کا جنازہ اسی مقام پر لے جایا گیا جہاں ان کی مجلس وعظ ہوتی تھی۔ نماز جنازہ ان کے بیٹے ابوالقاسم علی نے پڑھائی، اس لیے کہ دوسرے سرکردہ علماء ہجوم کی وجہ سے تابوت تک نہ پہنچ پائے۔ پھر ان کا تابوت بغداد کی جامع المنصورہ میں لے جایا گیا اور وہاں دوسرا جنازہ پڑھا گیا۔ حالت یہ تھی کہ مسجد اپنی وسعت کے باوجود لوگوں کے لیے تنگ ہو رہی تھی۔ وہ دن بغداد کا ایک لم دن تھا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس انہیں دفن کر دیا گیا۔ جب ان کے جسم مبارک کو قبر میں اتارا جا رہا تھا، بغداد کی مسجدوں سے اللہ اکبر کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

لوگ غم و الم سے نڈھال ہو گئے تھے بہر طرف آہ و بکا کی آوازیں تھیں۔ خلق کثیر رمضان بھران کی قبر کے پاس بیٹھی رہی اور لوگ قرآن کریم ختم کرتے رہے۔

یہ روایت بھی انہی کے بارے میں بیان کی گئی ہے کہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو وصیت کی کہ مجھے غسل دینے کے لیے وہ تراشے ایندھن کے طور پر استعمال کیے جائیں جو علم بناتے ہوئے جمع ہوئے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ قلم کے تراشے اس مقدار میں جمع ہو چکے تھے کہ غسل کا پانی گرم کرنے کے بعد بھی بچ گئے۔

ابوالفرج ابن الجوزیؒ کی تصانیف کی تعداد اوپر بیان ہو چکی ہے، ان میں سے چند ایک نمایاں تصانیف یہ

ہیں:-

- ۱- زاد المسیر (قرآن کریم کی تفسیر۔ اس میں مصنف نے تمام تفسیری اقوال کا احاطہ کیا ہے)
- ۲- تلمیح فہوم الآثار (سیر و تاریخ)
- ۳- مناقب عمر بن عبدالعزیز
- ۴- المقیم المقعد (عربی زبان کی نزاکتوں اور لطافتوں کے بارے میں)
- ۵- صولة العقل علی الجوی (اخلاقیات)
- ۶- الناسخ و المنسوخ
- ۷- تلبیس ابلیس (اردو میں چھپ چکی ہے)
- ۸- فنون الافنان فی عجائب علوم القرآن (قرآنی علوم پر ایک جامع کتاب)
- ۹- المنتظم فی تاریخ الملوک والامم (اقوام ہاضیہ کی تاریخ)
- ۱۰- الذہب المسبوك فی سیر الملوک (مختلف حکمرانوں کے حالات اور ان کا تجزیہ)
- ۱۱- مناقب عمر بن الخطاب
- ۱۲- مناقب امام احمد بن حنبل
- ۱۳- صید الغاطر
- ۱۴- مشیر عزم الساکن الی اشرف الاماکن (مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی تاریخ)
- ۱۵- الضعفاء و المتروکین (رجال حدیث)
- ۱۶- نزہة الاعین النواظر فی علم الوجوه و النظائر (قرآن وحدیث میں مترادف اور متوارکلمات کی تشریح)
- ۱۷- الموضوعات (موضوع احادیث کا ذخیرہ)

۱۸۔ منہاج القاصدین (جس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے)

منہاج القاصدین کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں قرآن، حدیث، فقہ اور تزکیہ و تصوف کو جمع کر دیا گیا ہے اور یوں اس خطرناک تفریق کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس نے فقہ و حدیث کا راستہ الگ اور تزکیہ و تصوف کا راستہ الگ کر دیا تھا اور یہ تفریق محض علم و فکر کی حد تک نہ رہی تھی، بلکہ اس کی بنیاد پر امت مختلف گروہوں میں بٹ رہی تھی۔ ایک طرف فقہاء و محدثین کا گروہ تھا اور دوسری طرف ارباب تزکیہ و تصوف کا طائفہ۔ منہاج القاصدین دینی علوم کے اندر وحدت پیدا کرتی ہے۔ اس میں احکام شریعت کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کا ماخذ قرآن و سنت ہے اور ان کے مقاصد روح کی نشوونما اور تعلق باللہ کی استواری قرار پاتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب تحریک اسلامی کے کارکنوں کے لیے نہایت مفید سرمایہ علم و عمل ثابت ہوگی۔ خود اس کتاب کا تازہ نسخہ ایسے منظر یہ واضح کرتا ہے کہ جس زمانے میں منہاج القاصدین لکھی گئی، مسلمانوں کی بے علمی اور عقیدے میں بگاڑ انتہا کو پہنچا ہوا تھا اور اس کے نتیجے میں وہ جوہر ان سے قریب قریب چھین چکا تھا جو قوموں کو عزیز اور آزاد رکھتا ہے؛ چنانچہ ان کی اسی کمزوری کی وجہ سے تاتاریوں کی یلغار انہیں اس طرح روندتی چلی گئی جس طرح کسان تیار فصل کاٹتا ہے۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر تاتاریوں کے حملے سے پہلے عقائد و اعمال کی اصلاح کا وہ کام نہ کر لیا گیا ہوتا جو امام ابن جوزیؒ اور ان کے ہم مرتبہ علمائے کیا، تو مسلمانوں کے سنبھال لینے کا امکان بھی محروم ہو جاتا۔ اتنی بڑی تباہی کے بعد بھی اگر مسلمان اپنا وجود برقرار رکھنے اور اپنی اجڑی ہوئی ملکوتوں کو پھر منظم کرنے میں کامیاب ہوئے، تو اس کا باعث یہی تھا کہ ان کی تباہ شدہ صفوں میں ایک عنصر ایسا ضرور موجود تھا جس میں صحیح دینی غیرت کے ساتھ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی سکت بھی تھی اور یہ وہی عنصر تھا جس نے دین میں تفریق ختم کر کے اس کی صحیح تعلیم کی اشاعت کی اور نہ صرف مسلمانوں کے احوال و اعمال کی اصلاح کر دی، بلکہ فاتح اقوام کو بھی آخر کار اسلام کے قدموں میں لا ڈالا۔

امام ابوالفرج ابن الجوزیؒ کی کتاب "منہاج القاصدین" وسیع و عریض ابواب و مضامین پر مشتمل ہے۔ اسے علماء و عوام کے لیے آسان بنانے کی خاطر ایک اور محنت اور فقیہ نے اس کی تخصیص کی جس کا اردو ترجمہ تم تارین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ بزرگ امام احمد بن محمد قدامتہ المقدسی ہیں جو بیت المقدس کے نامور جنابلی علماء میں سے ہیں۔ تفسیق میں اونچا مقام رکھنے ہیں۔ طبقات الخباہ کے مصنف ابن رجب جنابلی نے انہیں زاہد و عابد اور علم الفرائض کے اندر اونچا پایہ رکھنے والا شمار کیا ہے۔ ان کا لقب شرف الدین اور کنیت ابوالعباس ہے۔ موصوف ۱۲ محرم ۶۱۲ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۵ محرم ۶۸۰ ہجری کو دارفانی سے کوچ کر گئے۔ بیت المقدس میں روضہ کے مقام پر اپنے نانا، نامور فقیہ شیخ الاسلام موفق الدین قدامتہ کے جوار میں دفن ہوئے۔

احمد بن محمد المقدسی نے اپنے نانا شیخ الاسلام موفق الدین ابن قدامہ سے حدیث کا سماع کیا۔ نیز اپنے دور کے دیگر علما نے حدیث و فقہ سے بھی مختلف علوم اخذ کیے۔ فقہ میں وہ التقی بن العز کے شاگرد تھے۔ ابن حیب حنبلی سمجھتے ہیں،

”احمد بن محمد نامور عالم اور صالح انسان تھے۔ زہد و عبادت میں مشہور تھے۔ کم پر قناعت اور بے نیازی ان کا شعار تھا۔ علم الفرائض میں خصوصی دستگاہ رکھتے تھے۔ علم جبر و مقابلہ میں بکیتا تھے۔ جامع المنظر میں ان کا حلقہ درس قائم تھا جس میں سالہا سال بغیر کسی اجرت کے درس دیتے رہے۔ علماء کے گروہ کثیر نے ان سے استفادہ کیا ہے۔“

ادارہ معارف اسلامی کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ مختصر منہاج القاصدین کا اردو ترجمہ اردو دان طبقہ کو خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ یہ ترجمہ مولانا محمد سلیمان کیلانی نے کیا ہے اور پھر دیگر متعدد اہل علم نے اس پر نظر ثانی کر کے اسے ہر لحاظ سے ثقہ اور مستند بنا دیا ہے۔ یہاں یہ بھی ذکر کر دینا مناسب ہے کہ یہ کتاب دراصل اُس عظیم منصوبے کی ایک کڑی ہے جس کے تحت ادارہ معارف اسلامیہ فقہ و حدیث، تاریخ و رجال اور سیرت و اخلاق سے متعلق اہم کتب کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ارادے کو بروئے کار لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں اخلاص سے نوازے اور ہم سے اپنے دین کی وہ خدمت لے جو آخرت میں ذریعہ نجات بن جائے۔

خلیل احمد حامدی

ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی، منصورہ

لاہور

## دیباچہ از مؤلف

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کی رحمت تمام بندوں کے شائبہ حال ہے اور سیدھے راستے کی ہدایت کے لیے اُس نے اہل طاعت کو مخصوص کر رکھا ہے اور کرم گستی سے ان کا اچھے اعمال کی توفیق عطا فرمائی ہے اور وہ اپنی مراد کو پہنچے ہیں۔

میں اُس کی بے انتہا نوازشوں کا اقرار کرتے ہوئے اُس کی تعریف کرتا ہوں اور دوہر کر دینے اور ہانک دینے کے خواہ سے اس کی پناہ لیتا ہوں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں ایسی شہادت دیتا ہوں جس کو میں قیامت کے روز کے لیے ذخیرہ بناؤں۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں جنہوں نے اصلاح و ہدایت کی راہ واضح کی۔ ضدی اور کج روگوں میں سے، بے دنیوں اور منکدوں کا قلع تھج کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کی آل کرام پر ایسی رحمتیں نازل فرمائے جو ان کی آرزوں کی انتہا تک پہنچادیں۔

ابا بصد۔ مجھے ایک دفعہ شیخ، امام، یگانہ نودگار عالم، جمال الدین ابن جوزیؒ کی کتاب منہاج القاصدین دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے اسے بے حد مفید اور بہترین پایا۔ یہ کتاب مجھے بڑی پسند آئی۔ میں نے چاہا کہ اس کو حاصل کر کے تفصیلی مطالعہ کروں، چنانچہ جب میں نے اسے دوبارہ غور سے پڑھا تو میرے اندازے سے بھی بہت زیادہ بہتر ثابت ہوئی، لیکن کتاب بڑی ضخیم تھی۔ یہ محسوس کر کے مجھے خیال آیا کہ اس کی تلخیص اس طرح کروں کہ پورے مفاد بھی درج ہو جائیں اور اس پر کچھ حواشی بھی دے دوں جس سے فائدہ میں اضافہ بھی ہو جائے۔

بحمد اللہ اس ارادے کو جاہلہ عمل پہنکانے کی توفیق نصیب ہوئی۔

یہ کام کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا کہ ماسوائے ان ظاہری مسائل کے جو کتاب کی ابتدا میں نزوحات سے تعلق رکھتے ہیں کہ وہ فقہ کی متداول کتابوں میں مشہور ہیں کوئی ضروری بات چھوٹنے نہ پائے۔  
میں نے ابن جوزی کی ترتیب اور بعینہ ان کے الفاظ کی پابندی کا التزام نہیں کیا، بلکہ اختصار کے لیے بعض مقامات کا ضمن بیان کر دیا ہے اور ضرورت محسوس ہونے پر کوئی حدیث بھی ذکر کر دی ہے جو اصل کتاب میں نہ تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## طالبانِ حق سے خطاب

مصنف رحمہ اللہ نے خطبے کے بعد فرمایا:  
اے نزم بالجزم رکھنے والے صادق مرید! میں دیکھتا ہوں کہ تو نے اپنے نفس کو امدادہ کیا ہے کہ دنیا

لے تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو غفلت کی بند میں سونے والوں کو جگا دیتے ہیں اور ان کے ذریعے بیدار  
کونے والا ہے اور توبہ کرنے والوں کو اعظیوں کی نزم نزم باتوں سے پاک کرنے والا ہے اور جو عارفین سے  
ان کی خلوت میں نہایت تیرس یا نڈاز میں باتیں کرنے والا ہے اور زاہدوں کو اونچی خواہش کو اپنانے سے بچانے والا  
ہے۔ یہاں تک کہ وہ ظاہر بینوں سے الگ ہو گئے اور نفس کے ساتھ جنگ کرتے کے لیے اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے  
جیسے پھر اہر اشیر! جس چیز کی حفاظت کا ان سے مطالبہ تھا اس کی حفاظت کی۔

میں اللہ تعالیٰ کی باقی رہنے والے انفاظ میں تعریف کرتا ہوں اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر  
درود و سلام بھیجتا ہوں جس نے سوا کاظ کے دن بلذبان فصحاء کے بیانات کو باطل کر دیا اور ان کی آگ اور صحابہ پر  
بھی جو اہل یقین اور متقی اور بیدار دل تھے۔

ایسا درود و سلام جس سے میں قیامت کے روز اس آگ کے شعلوں سے بچ سکوں جس کا ایندھن آدمی  
اور پتھر ہیں اور جس پر بڑے سخت گیر فرستے مقرر ہیں۔

میں نے اپنی اس کتاب کا نام ”منہاج القاصدین و مفید اصداقین“ لکھنے سے اور اللہ تعالیٰ  
سے دعا کرتا ہوں کہ اس سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمام پڑھنے سننے والے دیکھنے والوں کو بھی نادرہ دے اور  
اسے خالص اپنی رضامندی کے لیے انتخاب کرے اور بارہا تہاترہ بالخیر ہوا اور وہ ہمیں ایسے قول اور فعل اور  
نیت کی توفیق دے جسے خود پسند کرتا ہے اور ہمارے تعمیرت سے دو گز نرم لے اور ہمیں پلک جھپکنے تک بھی ہمارے  
نفس کے سپرد نہ کرے اور نہ اپنا کسی اور مخلوق کی طرف توجہ دلائے وہی ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

کی تفصیلی تہذیبوں کی مشغولیت سے الگ ہو جائے اور اپنی توجہ آخرت پر مرکوز کر دے۔ اس لیے کہ جو جانتا ہے کہ مخلوق کی صحبت پر گندہ کرتی ہے اور نفس کا محاسبہ نہ کرنا ہی تعمیرات کی بنیاد ہے۔ زندگی کو با مقصد نہ بنایا جائے گا تو ایک دن موت اسے آئے گی اور انسانوں کی سواریاں سوار کو جلدی موت کی تیزان تک پہنچا دیں گی۔ سو میں نے غور کیا کہ کونسی کتاب ہو جو تیری خلوت کی ساتھی ہو اور جب تو خاموش ہو تو وہ بولے۔

اگر تو کتاب اُعیانِ علوم الدین کو پسند کرے اور خیال کرے کہ وہ اپنی شان میں بے مثال اور اپنی ذات میں نفیس ترین ہے تو یہ جان لینا چاہیے کہ کتاب اُعیان میں کچھ آفتیں ہیں جن کو صرف علماء ہی جانتے ہیں۔ اس کی کتر آفت احمادیتِ باطلہ، موقوفہ اور معاہداتِ اہل توفیق ہیں، جن کو مرفوع حدیث بنا دیا گیا ہے۔ مصنف نے ان کو جیسا پڑھا ہے ویسا ہی نقل کر دیا ہے۔

میں کیسے پسند کروں کہ تو دن رات ایسی نمازیں پڑھے جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم نہ فرمایا ہو اور یہیں کیسے پسند کروں کہ تیرے کانِ متعوقین کے لیے کلام کی طرف گئے رہیں جن کو انھوں نے خود گھج کیا ہے اور جن کا کچھ بھی حاصل نہیں۔ مثلاً فتا اور بقاع کے مباحث اور بھوکا ہونے کا حکم دینا۔ بغیر ضرورت کے سیاحت کے لینے نکلنا اور بغیر خرچ کے جنگلوں میں جا کر بیٹھ جانا وغیرہ۔

یہ نساں کاموں کے نقصانات اپنی کتابِ تلبیس ابلیس میں کھول کر بیان کر دیے ہیں اور اب میں تیرے لیے ایسی کتاب لکھ رہا ہوں جو ایسے تمام نفا سے پاک ہے۔ میں نساں میں صحیح اور مشہور روایات نقل کی ہیں۔ اچھے اور پائیدار معانی کو ملحوظ رکھا ہے۔

اس کے بعد فرمایا، جب نفس سے پورا پورا اتق وصول کرنے اور اس کی روک تھام کے لیے گوشہ نشینی پر تیرا ارادہ نچھتے ہو جائے، تو اس پر تسل و تسل عام ہونا چاہیے۔ نواہشاتِ نفس کی باریکیوں کو اچھی طرح کریدنا کہ تو سلامت رہے۔

ان دو آدھیوں کی راہ سے نچ کر رہنا!  
ایک اس عالم کی راہ سے جو ذوق میں جھگڑا کرتا ہے۔ اپنی سرداری پر نفاعت کر چکا ہے یا بیچ کے عہدے پر فائز ہے اور اپنے عہدے کی حفاظت میں کوشش کرتا رہتا ہے یا وہ بڑا اچھا و اعظ ہے اور اپنے مجال کے طے تنگ کرتا جاتا ہے۔



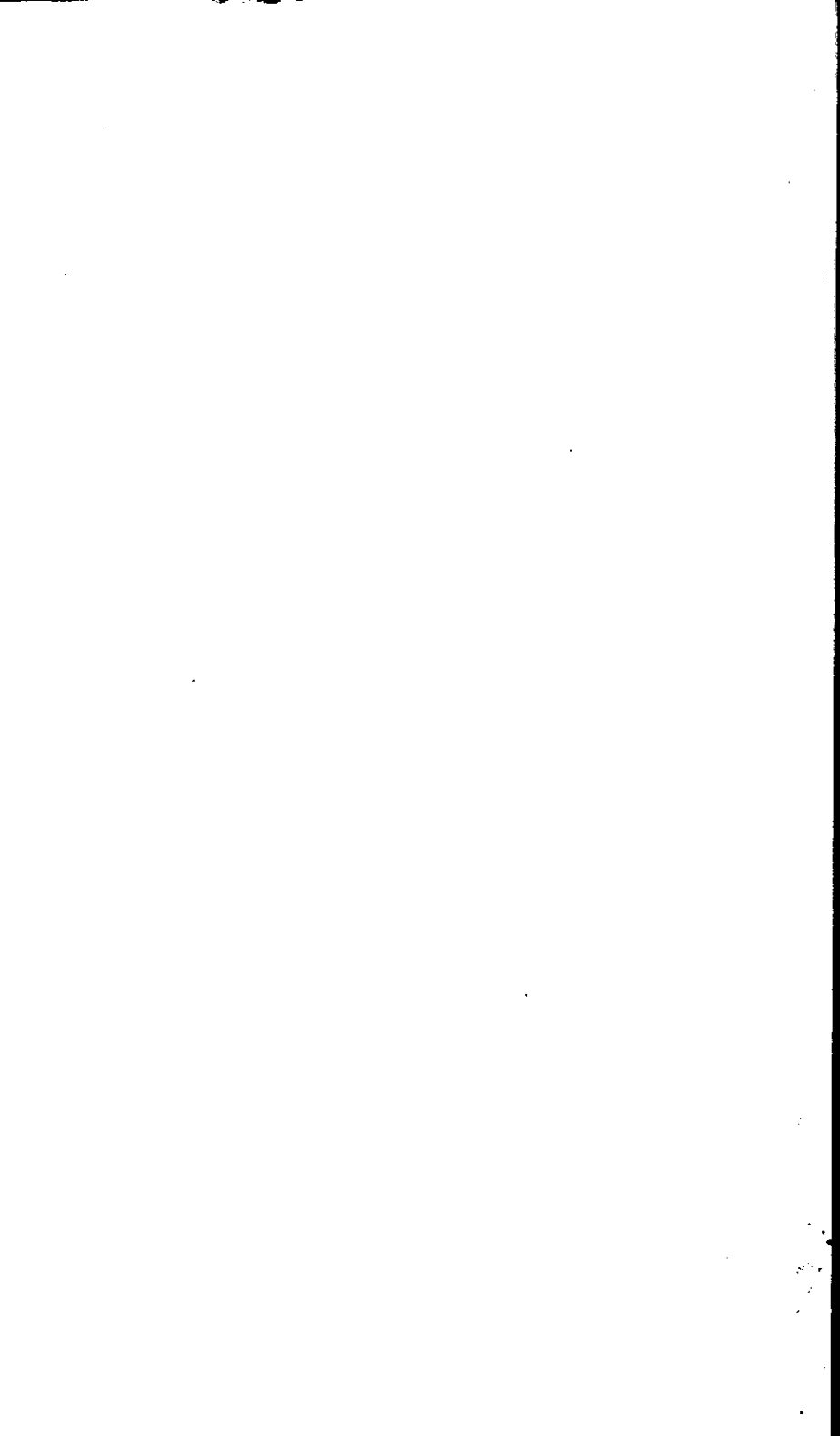
دوسرے اس زمانہ کی راہ سے جو اپنی جہالت میں اپنی فاسد رائے کو سند بناتا ہے۔ اپنے ہاتھوں کو بوسہ دینے والوں کو عزت و تکریم ہے اور اپنی ذات کے بابرکت ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اور اللہ کی شریعت اور نبی کی سنت چھوڑ کر اپنی خواہش پر عمل کرتا ہے۔

یہ دونوں صحیح راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور گمراہی کو چھوڑ کر کھٹکوں پر قناعت کر چکے ہیں۔ یہ بتدی لوگوں کو اپنی ظاہری آب و تاب سے دھوکہ دیتے ہیں۔ ان کا طریقہ سلف صالحین کے طریقے سے جو کہ استقامت و سلامتی کا طریقہ تھا بالکل الگ ہے۔

میں اس کتاب میں ان شاء اللہ تعالیٰ سلف صالحین کے اذاعت و روح کروں گا جن سے ان کے آثار کا پتہ چلے گا۔ آسانی کے خیال سے میں نئے سے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے :

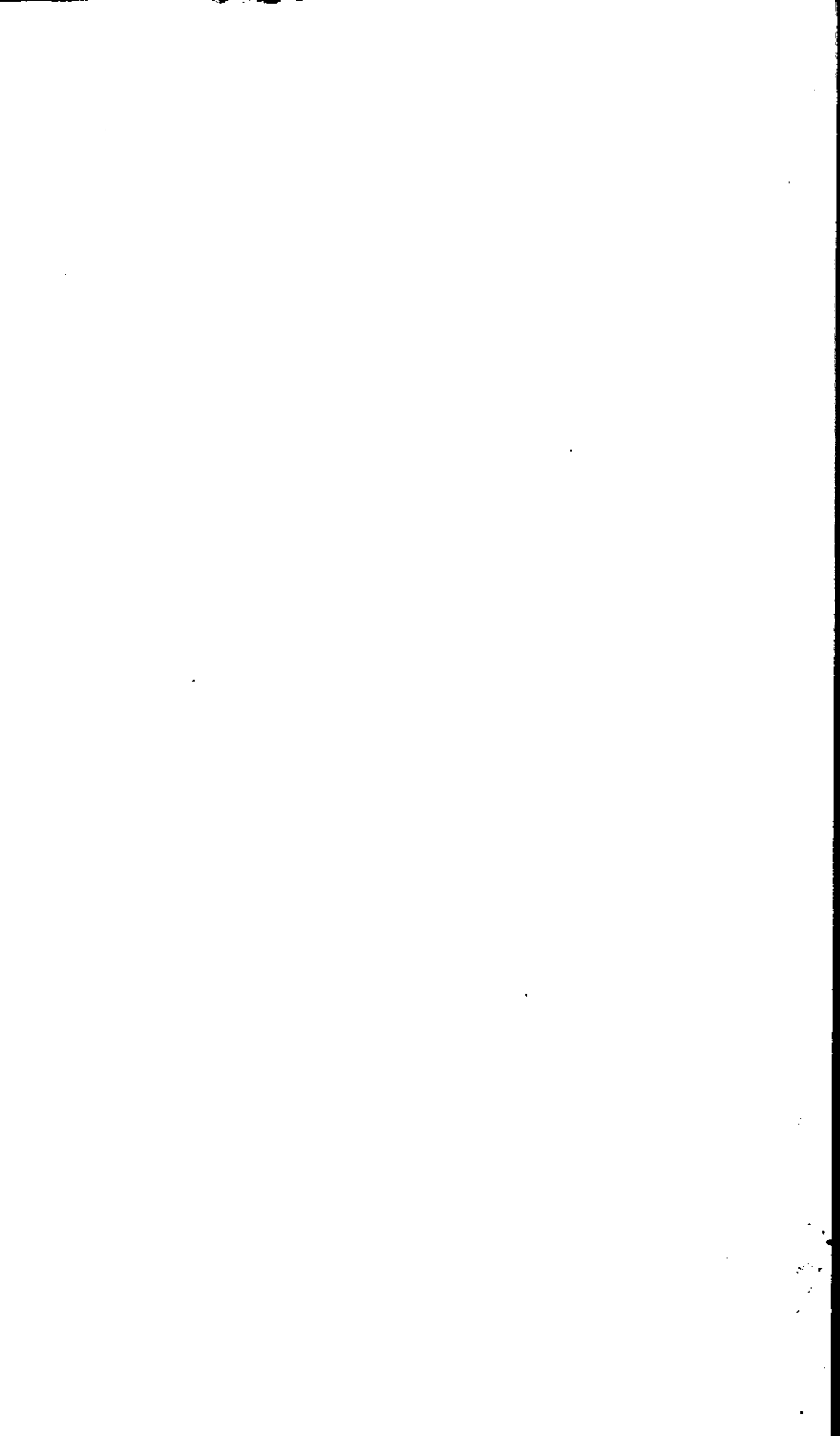
پہلا حصہ عبادات کے متعلق ہے، دوسرا عبادات کے متعلق، تیسرا جنگ چیزوں کے بیان میں اور چوتھا نجات و بخشش کے تذکرے میں۔

یہ چاروں حصے کئی ابواب اور فصول میں منقسم ہیں۔



# کتاب العلم

- علم، اُس کی فضیلت اور متعلقات
- حقیقی علم کی تعریف
- علم معاملہ اور اُس کی تفصیل
- علم کے فوائد
- مناظرہ بازی کی قباحتیں
- اُستاد و شاگرد کے آداب اور آفاتِ علم کا بیان
- علماء سوادِ علماء حق



## فصل اول

## علم، اس کی فضیلت اور متعلقات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (آپ کہیں کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں)۔

ایک ماہر بگڑا ارشاد ہوا: يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (تم میں سے مومنوں اور علم والوں کو اللہ تعالیٰ درجات میں بلند کرے گا)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: علما کو عام مومنوں پر سات سو درجوں کی بلندی نصیب ہوگی اور دو درجوں کے درمیان پانچ سو سالہ راہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (اللہ سے اس کے عالم بندے ہی ڈرتے ہیں) صحیحین میں مجاہد بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے: جس کا اللہ بھلا کرنا چاہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمیوں کا تذکرہ ہوا: ایک ان میں سے عالم تھا اور دوسرا عابد، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی مجھ کو تم میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معلم خیر اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتے ہیں اور اس کے فرشتے اور زمین اور آسمانوں کے رہنے والے اس کے لیے دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ چیر نہ لیاں اور چھیلیاں بھی رحمت کی دعا کرتی ہیں۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا اور حسن صحیح کہا۔

ایک اور حدیث میں ہے: عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے چودھریں رات کے چاند کو عام ستاروں پر

۱۱ سورہ مجادلہ آیت:

۹: سورہ نمل آیت

۱۲ سورہ ناطر آیت: ۲۸

قرن یا علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء و درہم اور دنیا اور (روپیہ پلیمہ) کا درتہ نہیں چھوڑتے۔ وہ دوتے میں علم چھوڑ کر جاتے ہیں جس نے علم حاصل کر لیا اس نے بہت سا حصہ لے لیا۔ اسے ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے طالب علم کے مقصود پر خوش ہو کر اپنے پر اس کے سامنے بچھا دیتے ہیں۔ اسے احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔  
خطابی نے کہا: پر بچھانے کے تعلق تین قول ہیں:  
۱۔ وہ حقیقتاً پر بچھاتے ہیں۔

۲۔ طالب علم کی تنظیم کے لیے تواضع کرتے ہیں۔

۳۔ علم کی مجلسوں میں ناڈل ہوتے ہیں اور اڈنا چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت البرہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی علم کی تلاش میں کسی رستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔ اسے سلم نے روایت کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا جو آدمی اسلام کو زندہ کرنے کے لیے علم حاصل کرتے ہوئے مر جائے تو جنت میں اس کے اور نبیوں کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔ اس مضمون میں اور بہت سی احادیث ہیں۔

ایک حکیم کا قول ہے: میں نہیں سمجھتا کہ جسے علم نصیب نہ ہوا اسے کیا ملا اور جسے علم مل گیا وہ کس چیز سے محروم ہے:

تعلیم دینے کی فضیلت کے متعلق صحیحین میں سہیل بن سعد کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو یہ تیرے لیے سوخا اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔

ابن عباس نے کہا جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا ہے اس کے لیے ہر جاندار پر خیر بخشش کی دعا کرتی ہے

لہ اسے دانی نے حسن سے مسلا روایت کیا ہے اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس سے مرفوعاً ایسی ہی حدیث روایت

کی ہے اور اس کی سند میں محمد بن جعفر متروک ہے

یہاں تک کہ دویاؤں اور مندروں کی مچھلیاں بھی؟

ایک مرفوع حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ قول مروی ہے۔

یہ سوال کہ مچھلیاں معلم کے لیے کیوں بخشش کی دعا کرتی ہیں، تو اس سوال کا جواب سادہ لفظوں میں یہ ہے کہ علم کا نفع ہر چیز کو پہنچتا ہے، یہاں تک کہ مچھلیوں کو بھی۔ کیونکہ علماء و علم کی وجہ سے حلال و حرام کو جانتے ہیں اور وہ درج ہونے والے جانوروں اور مچھلیوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس حسن سلوک کے بدلے میں تمام جانوروں کو اہم کر رکھا ہے کہ وہ علماء کے لیے استغفار کریں۔

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال بارش کی ہے۔ کچھ زمین تو بہت اچھی تھی اس نے پانی کو جذب کیا اور گھاس اور سبزی اگائی اور کچھ خشک تھی (گڑھے وغیرہ) تو اس نے پانی کو روک لیا۔ اُس سے اللہ نے لوگوں کو نافرمانہ دیا۔ انھوں نے پیادہ پلایا اور کھیتی باڑی کی اور کچھ صاف چٹیل اور بنجر تھی اُس نے پانی کو روکا اور نہ گھاس اگائی۔ تو یہ اس آدمی کی مثال ہے جس نے دین کا علم حاصل کیا اور اللہ نے اسے اس کے ساتھ نفع دیا اُس نے پڑھا بھی اور پڑھایا بھی اور اس کی مثال بھی جس نے اسے سناٹھا کر نہ دیکھا اور نہ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کیا جسے مجھے دے کر بھیجا گیا ہے: اسے صحیحین نے روایت کیا ہے۔ اللہ تم پر رحم فرمائے اس حدیث پر غور کرو کہ مخلوق کے کتنی مطالبہ حال ہے۔ عقلمند اور فقما روگت تو اس زمین کی طرح ہیں جس نے پانی کو قبول کیا اور گھاس اگائی کیونکہ انھوں نے علم حاصل کیا اور سمجھا اور سنبھالا کیا اور لوگوں کو سکھایا۔ دوسرے محدثین سے نقل کرنے والے لوگ جن کو خود فقہ اور فہم و فراست سے حصہ نہ ملا ان کا حال اس زمین جیسا ہے جس نے پانی کو روک لیا اور لوگوں نے ان کے علم سے نائدہ اٹھایا۔ لہے وہ جنھوں نے سنا اور علم حاصل نہ کیا اور نہ یاد رکھا تو یہ جاہل عوام ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ چار پائیوں کی طرح ہوتے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علم حاصل کرو کہ اللہ کے لیے علم حاصل کرنا خشیت، اُس کا طلب کرنا عبادت، اُس کا پڑھنا پڑھانا تسبیح، اُس کی تحقیق کرنا جہاد، بے علم کو علم سکھانا صدقہ اور اُس کے اہل پر اُس کی سخاوت کرنا قرب الہی کا ذریعہ ہے اور وہی تہائی کا انیس اور خلوت کا ساتھی ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے موسیٰ  
بھلائی کا علم حاصل کرو اور وہ لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں بھلائی کے معلم اور متعلم دونوں کی قبروں کو نو سے  
بھر دیتا ہوں کہ وہ قبروں میں وحشت محسوس نہ کریں۔“

---



## فصل دوم

# حقیقی علم کی تعریف

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اسے احمد نے "علم" میں روایت کیا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے کہا لوگوں کا اس میں اختلاف ہے۔

فقہاء کہتے ہیں یہ نقد کا علم ہے کیونکہ اسی سے حرام حلال معلوم ہوتا ہے۔

مفسرین اور محدثین کہتے ہیں کہ یہ کتاب و سنت کا علم ہے کیونکہ انہی سے تمام علوم ہم تک رسائی

ہوتی ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ اخلاص اور آفاتِ نفس کا علم ہے۔

متکلمین کہتے ہیں یہ علم کلام ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کچھ اقوال ہیں جن میں کوئی بھی پسندیدہ قول نہیں

اور صحیح یہ ہے کہ یہ بندے کا اپنے رب سے معاملے کا علم ہے اور وہ معاملہ جس کا بندہ مکلف ہے تین

قسم پر ہے:

عقیدہ، عمل اور منہیات سے پرہیز۔

اس لیے جب بچہ پانچ ہو جائے تو سب سے پہلے فرض اس پر یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ کلمہ شہادتین سیکھے۔

لے اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ بوسیری نے زوائد میں کہا اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ حفص بن

سلیمان ضعیف راوی ہے۔ سیوطی نے کہا شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا تو کہا سنداً

ضعیف ہے اگرچہ مطلب کے لحاظ سے صحیح ہے۔ آپ کے شاگرد جمال الدین مزین نے کہا یہ حدیث کئی طرق سے

مردی ہے اس لیے جن کے دربار تک پہنچ جاتی ہے۔ "سیوطی نے کہا میں نے اس کے پچاس طرق دیکھے ہیں اور میں نے

ان کا ایک ہزار میں صحیح کر دیا ہے۔

اور ان کے معانی سمجھے۔ چاہے اس نے ان کے باب میں غور و فکر نہ کیا ہو اور دلائل سے ان کی صداقت معلوم نہ کی ہو۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اہل لوگوں سے صرف تصدیق ہی قبول فرمائی تھی۔ ان کو دلیل کا علم حاصل نہ تھا۔ اس کے بعد اس پر واجب ہے کہ استدلال اور غور و فکر سے بھی کام لے۔

پھر اس پر نماز اور طہارت کا سیکھنا فرض ہوگا اور رمضان المبارک کے روزے رکھے گا اور اس کے پاس مال ہوگا تو سال گزر جانے پر نہ کوڑا ادا کرنا واجب ہوگا۔ اسی طرح صاحبِ حیثیت ہونے کی صورت میں حج کرنا واجب ہوگا۔

باقی رہے منہیات تو وہ حالات کے مطابق ہوتے ہیں کیونکہ اندھے پر واجب نہیں ہے کہ وہ ایسی چیزوں کا علم حاصل کرے جن کو وہ کھینٹ مٹے ہے۔ گونگے پر واجب نہیں کہ وہ جانے کہ کون سی بات کہنا حرام ہے۔ پھر اگر کسی شہر میں خراب نوشی اور شیمی لباس پہننے کا عام رواج ہو تو اس پر فرض ہے کہ ان کی حرمت کو جانے۔ جن عقائد میں نیالائت فاسد کی دخل اندازی ہو، ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر اس کو کلہ و شہادت کے معانی میں کوئی شک ہو تو واجب ہے کہ ایسی چیزوں کا علم حاصل کرے جن سے شک نازل ہو جائے۔ اگر کسی شہر میں بدعات کا عام رواج ہو تو اس پر واجب ہے کہ حق سیکھے جیسے کہ کوئی تاجر اگر کسی ایسے شہر میں ہو جہاں سودی کا رواج عام ہو تو اس پر سود سے پرہیز کرنے کا علم حاصل کرنا واجب ہوگا۔

یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قیامت اور عجزت و دوزخ پر ایمان لانے کا علم حاصل کرے۔

ہمارے مذکورہ بیان سے واضح ہو گیا کہ طلبِ علم سے مراد وہ علم ہے جو فرضِ عین ہے اور جن کا ویسب اشخاص پر متعین ہو۔

فرضِ کفایہ وہ علم ہے جو دنیاوی امور کے لیے ضروری ہو مثلاً علمِ طب کہ وہ ابدان کو صحت پر باقی رکھنے کی حاجت میں ضروری ہے اور حساب کہ وہ وراثت اور وصیتوں کی تقسیم کے لیے ضروری ہے۔

یہ علوم ایسے ہیں کہ اگر کوئی شہر ایسے علوم کے جاننے والوں سے خالی ہو تو تمام شہروں کو تکلیف ہو بہا کہ اس قول پر تعجب نہ کیا جائے کہ طب اور حساب وغیرہ علوم فرضِ کفایہ ہیں سے ہیں کیونکہ مناسبات کے اصول بھی فرضِ کفایہ ہیں۔ مثلاً کاشتکاری اور کپڑا بنانا بلکہ کھینے اور سنگی لگانا بھی۔ کیونکہ اگر کوئی شہر ایسے ماہرین سے خالی ہوگا تو ان کی طرف ہلاکت تیز رفتاری سے آئے گی۔

لے میں کہتا ہوں کہ طلبِ علم اور تمام کوئی علوم فرضِ کفایہ ہیں اور ان میں دسوخ حاصل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے تاکہ وہ ان کے اچھے اور مفید نتائج سے فائدہ اٹھا سکیں جن سے ان کو خیر اور نفع حاصل ہو اور مسلمانوں کی شرکت اور عظمت تو اسلام

بعض علوم مباح (مانند) ہیں جیسے ایسا شعار کا علم جن میں بے وقوفی، کمزوری، یا وہ گوئی نہ ہو اور اختیار کی تاریخ وغیرہ۔ اور بعض علوم مذہب سے ہیں۔ جیسے جادو اور طلسم اور نریب کا باری وغیرہ۔

باقی رہے شرعی علوم تو یہ سب اچھے علم ہیں اور ان کی چار قسمیں ہیں: اصول، ذریعہ، مقدمات اور تمہات۔ پھر اللہ کی کتاب، اس کے رسول کی سنت اور اجماع امت اور آثار صحابہ ہیں۔

ذریعہ سے وہ معانی مراد ہیں جہاں اصولوں سے ذہنی بیداری کی وجہ سے سمجھ میں آجائیں، یہاں تک کہ ملفوظ معنی کے ساتھ ذہن ان معانی تک بھی پہنچ جائے جن کے لیے الفاظ نہیں۔ جیسا کہ آنحضرت کے اس قول سے کہ قاضی غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے؛ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بھوک کی حالت میں بھی فیصلہ نہ کرے۔

مقدمات وہ علوم ہیں جو آلات کے قائم مقام ہیں، جیسے علم نحو و لغت وغیرہ کہ یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے علم کے آلات ہیں۔

تمہات جیسے قراءت اور مخارج حروف کا علم یا جیسے اسماء الرجال اور ان کی عدالت اور ان کے حالات کا جاننا کہ یہ سب شرعی علوم ہیں اور سب اچھے ہیں۔

## فصل سوم

## علمِ معاملہ اور اس کی تفصیل

پھر علمِ معاملہ ہے اور وہ ہے دل کے حالات کا علم، جیسے خوف، امید، رضا، صدق اور اخلاص وغیرہ تو انہی کی وجہ سے علماء و بلند مراتب تک پہنچے اور ان کا تذکرہ چارہ دانگ عالم میں ہوا۔ جیسے سفیان ثوری، ابو سعید، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل وغیرہ۔

ان مقامات سے علماء اور فقہاء کا مرتبہ جو گر گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ علم کی صورت میں تو مشغول رہے لیکن نفس پر گرفت نہ کی کہ وہ ان کے حقائق تک پہنچتے اور ان کے خفیات پر عمل کرتے۔ تم نصیبہ کو دیکھو کہ ظہار، لعان، گھوڑہ ڈور اور تیر اندازی پر گفتگو کرے گا اور ایسے ایسے مسائل بیان کرے گا جس سے ساری زندگی واسطہ نہ پڑے لیکن اخلاص پیدا کرنے اور ریا سے بچنے کے متعلق گفتگو نہ کرے گا حالانکہ یہ اس پر فرض عین ہے کیونکہ ان کو چھوڑ دینے میں اس کی ہلاکت ہے۔

اگر اُس سے سوال کیا جائے کہ اخلاص اور ریا کی بحث کیوں ترک کر دی ہے؟ تو اس کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ یاں اگر لعان اور تیر اندازی کے مسائل میں مشغول ہونے کا سبب پوچھا جائے تو وہ کہے گا یہ فرض کفایہ ہے۔ بیشک یہ فرض کفایہ ہے لیکن اُس سے یہ بات کیوں مخفی رہی کہ علمِ حساب حاصل کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ بات یہ ہے کہ اس کا نفس مغرور ہے کیونکہ اس کا مقصد ریا اور سمعہ دکھانا اور نشانہا ہے اور وہ مناظر سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ علمِ حساب کی تحصیل سے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں تبدیلی اور تحریف ہو چکی ہے۔ اب ان کے وہ معنی ہیں جو سلف صالحین کے وقت نہیں تھے اور انہی میں سے لفظ فقہ بھی ہے۔ انھوں نے اس میں تحریف کر ڈالی ہے اور اسے فروع اور اس کے علل و اسباب کی معرفت سے ناہم کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ عصرِ اول میں فقہ کا لفظ آخرت کی راہ اور آفاتِ نفوس کے قائل کی معرفت اور مفسداتِ اعمال اور دنیا کی حقارت کے معاظر کی قوت اور آخرت کی نعمتوں کی شدید خواہش اور دل پر خوف کے قلبے پر لولا جاتا تھا۔

حضرت حسن بصریؒ نے کہا فقیر وہ ہے جو دنیا سے بے نیاز، آخرت کا طالب، دین پر توجہ رکھنے والا۔ ہمیشہ اپنے رب کی عبادت کرنے والا، پرہیزگار، مسلمانوں کی بے عزتی کرنے سے باز رہنے والا۔ ان کے مال و اسباب کا محافظ اور مال کا خیر خواہ ہو۔ وہ اکثر فقہ کا لفظ علم آخرت پر بولا کرتے تھے، کیونکہ اس وقت وہ صرف فتاویٰ میں مشغول ہونے کو فقہ نہیں کہتے تھے بلکہ وہ اس کو عموم و شمول کے طریق سے لیتے تھے۔ اب اس تخصیص سے ایک ایسی تبلیغ پیدا ہوئی جس نے اس لفظ کو صرف ظاہری فتاویٰ کے علم کے لیے خاص کر دیا اور معاملہ آخرت کے علم سے بے نیازی ہو گئی۔

دوسرا لفظ علم ہے۔ پہلے یہ لفظ اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کے مفہوم میں بولا جاتا تھا، یعنی بندوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کے افعال پر۔ پھر زیادہ تر فقہی مسائل میں بحث کرنے والے پر استعمال کرنے لگے۔ اگرچہ وہ تفسیر اور احادیث سے جاہل ہی کیوں نہ ہو۔

تیسرا لفظ توحید ہے یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ تم تمام امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھو اور اس طرح سمجھو کہ اسباب اور وسائل سے توجہ یوری طرح ہٹ جائے۔ اس سے توکل اور رضا حاصل ہوگی، لیکن اب اس کے معنی پر اصول دین میں فن کلام یا اصول میں صنعت کلام، حالانکہ سلف صالحین اس مفہوم سے بالکل نا آشنا تھے۔

چوتھا لفظ تذکرہ اور ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ يُنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ** (اور نصیحت کر کہ نصیحت مومنوں کے لیے مفید ہے۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **حُبُّ حَبْنَتِ كَيْبَانِ عَالَمٌ** سے گزر دو تو کچھ کھاپی لیا کرو۔ صحابہ نے پوچھا **حَبْنَتِ كَيْبَانِ** کون سے ہیں؟ تو فرمایا **ذِكْرُ كَيْبَانِ**۔

اب یہ لفظ منتقل ہو کر واقعات اور قصہ گو لوگوں کی، بکو اس اور یا وہ گوئی پر بولا جانے لگا ہے۔ جو اپنے وعظ میں سنے سنائے قصے بیان کرنے کا عادی ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر واقعات جو بیان کیے جاتے ہیں ان کا کوئی ثبوت نہیں مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنا ازار بند کر لیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنا ہاتھ منہ میں لے کر کاٹ رہے تھے۔ یا حضرت

داؤد علیہ السلام نے اوریا کو میدانِ جنگ میں بھیج دیا یہاں تک کہ وہ مارا گیا۔ ایسے واقعات بیان کرنا اور سننا نقصان سے خالی نہیں۔ ایسی شیطیات اور بے سرو پا باتوں کا سننا عوام کے لیے بہت زیادہ نقصان ہے کیونکہ ان میں عموماً محبت اور وصال اور فراق کے دکھ کا تذکرہ ہوتا ہے اور مافزین بالجزم اجد اور غیر مذہب ہوتے ہیں۔ ان کے باطن خواہشات و شہوت اور اچھی موڑوں کی محبت سے بھرے ہوتے ہیں؛ چنانچہ یہ باتیں ان کے دلوں میں شہوانی تحریک کرتی ہے۔ اس سے شہوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور وہ چیخ اٹھتے ہیں اور یہ سب کچھ بگاڑ ہی بگاڑ ہے۔

پانچواں لفظ حکمت ہے۔ حکمت علم اور اس کے مطابق عمل کرنے کا نام ہے۔ ابن قتیبہؒ نے کہا آدمی اس وقت تک حکیم نہیں ہوتا جب تک علم اور عمل کو جمع نہ کر لے، لیکن اب یہ طبیعت اور نجومی پر بولا جانے لگا ہے۔

## فصل چہارم

# علم کے فوائد

معلوم ہونا چاہیے کہ اچھے علوم دو قسم کے ہیں :

پہلا وہ ہے جو اپنی انتہا تک اچھا ہی اچھا ہے اور جتنا زیادہ ہوتا ہے اچھا ہے اور یہ علم ہے اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کے افعال اور دنیا پر آخرت کو مرتب کرنے کی حکمت کا علم۔ یہ علم اور اس کے ذریعے سے آخرت کی سعادت کا حصول مقصود باقدرات ہے اور یہ وہ سمندر ہے جس کی گہرائی کی انتہا نہیں۔ اس کے گرد پھرنے والے عموماً اس کی گہرائی کے بجائے اس کے ساحل اور اطراف پر اپنی ہمت کے مطابق پھرتے ہیں۔

دوسرا وہ علم ہے جس کی ایک خاص مقدار بھی محدود ہے اور یہ وہی علوم ہیں جن کو ہم فرض کفایہ کہتے ہیں۔ ان علوم میں ادنیٰ، درمیانہ اور انتہائی تینوں مراتب ہیں۔

تم دو آدمیوں میں سے ایک بن جاؤ یا تو اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول رہو یا اپنے نفس کی اصلاح سے فارغ ہو کر دوسروں کی اصلاح کی کوشش کرو لیکن خبردار! اپنے نفس کی اصلاح سے پہلے دوسروں کی اصلاح میں مشغولی نہ ہونا۔ تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ اپنے نفس کو جیسی صفات سے پاک کرنے میں مشغول ہو جاؤ، جیسے حرص، حسد، ریا اور غرور وغیرہ سے۔

اس کے بعد اپنے ظاہر کی اصلاح کرو (ان شاء اللہ) اس کا مفصل بیان ربع جہدات کے حصے میں آئے گا) یہ بات ضروری ہے کہ جب تک تم اس سے فارغ نہ ہو تو فرض کفایہ کی طرف توجہ نہ کرو کہ مخلوقات میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو یہ فرض ادا کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو ہلاک کر رہے اور دوسرے کی اصلاح چاہے ویسے دتوف ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے کپڑوں میں بچھو داخل ہو جائیں اور وہ اس کی طرف سے غافل رہ کر دوسروں کی مکھیاں اٹا رہا ہو۔

پھر جب تم اپنے نفس اور اس کی تطہیر سے فارغ ہو جاؤ۔ اور یہ کتنی مشکل بات ہے۔

تو قرآنِ کفایہ میں مشغول ہو جاؤ اور ان میں بھی مراتب کا خیال رکھو۔  
 پہلے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے شروع کرو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر توجہ کرو پھر قرآنی علوم  
 تفسیر اور تاسیخ و منسوخ اور محکم و منشاہ وغیرہ کو دیکھو۔  
 اسی طرح حدیث میں بھی تفکر کرنا چاہیے۔ پھر فروع و شروعات شروع کرو اور اصول فقہ دیکھو اور باقی علوم  
 کے حصول میں کوشاں ہو جاؤ اور جس قدر بھی عمر اور وقت اجازت دے انھیں حاصل کرو۔ ایک ہی  
 فن کی انتہا تک پہنچنے میں اپنی عمر برباد نہ کر دو کہ علوم تو بے شمار ہیں جب کہ عمر بہت محدود ہی ہے۔  
 پھر یہ بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ علوم محض آلات ہیں مقصود کچھ اور ہے اور ہر وہ چیز جو دوسروں کی وجہ  
 سے مطلوب ہو اس کا یہ حق نہیں کہ اس میں آدمی اپنا مقصد ہی مچھول جائے۔

## مناظرہ بازی کی قیامتیں

معلوم ہونا چاہیے کہ مناظرہ جس کا مقصد دوسرے پر غالب آنا اور فخر کرنا ہو وہ اخلاقِ ذمیرہ  
 کا منبع ہے۔ یہ صورت ہوتی ہے مناظرہ تکبر اور مغلوب کو حقارت سے دیکھنے کی برائی سے کبھی محفوظ نہیں  
 رہ سکتا۔ وہ اپنے نفس پر مغرور ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے جیسے بہت سے لوگوں پر فزونی حاصل کر  
 لیتا ہے۔ اس کے علاوہ ربا سے بھی نہیں بچ سکتا کیونکہ ایسے مناظر کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے  
 کہ لوگوں کو اس کے غلبے کا علم ہو جائے اور وہ اس کی تعریف و ترحیف میں رطب اللسان ہوں۔ ظہیر  
 ہے ایسا آدمی اپنی زندگی برباد کر لیتا ہے۔ یقیناً ایسے علوم کسی کام کے نہیں جو مناظرے میں توڑ دگا  
 ہو سکتے ہیں، لیکن آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ جیسے نوادرات و شذوذ کا یاد کرنا اور  
 تحسینِ الفاظ وغیرہ۔

حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ قیامت کے روز سب سے سخت عذاب اس عالم  
 کو ہوگا جس کو اس کے علم نے فائدہ نہ دیا۔



## فصل پنجم

## اُستاد و شاگرد کے ادب اور آفاتِ علم

شاگرد کو چاہیے کہ پہلے اپنے نفس کو رومی اخلاق اور مذہبِ صفات سے پاک کرے، پھر علم حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہو کیونکہ علم دل کی عبادت ہے۔ علم سے چاہیے کہ دنیاوی معاملات میں مشغول کرنے والے تعلقات کو ختم کر دے کیونکہ جب فکر تقسیم ہو جائے تو وہ حقائق کا ادراک نہیں کر سکتا۔ سلف صالحین علم کو ہر چیز پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ امام احمد کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے چالیس سال کے بعد نکاح کیا۔ ابو بکر بن انباری کو ایک نوٹری ہدیہ میں دی گئی جب وہ آپ کے پاس آئی تو آپ کسی مسئلے کے استخراج میں غور کر رہے تھے۔ اس کی وجہ سے توجہ بٹ گئی اور آپ کی فکر نے کام نہ کیا۔ فرمایا "دلال کے پاس لے جاؤ کروا لے بیچ دے"۔ اس نے کہا "میرا کوئی گناہ؟" آپ نے کہا "کوئی گناہ نہیں بات یہ ہے کہ میرا دل تجھ میں مشغول ہو گیا اور تیرے جیسی عورت کی قدر و منزلت اتنی نہیں کر تجھے میرے علم سے روک دے"۔

شاگرد پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو اس طرح استاد کے سپرد کر دے جیسے مریض اپنے آپ کو طبیب کے حوالے کر دیتا ہے۔ استاد سے تواضع کے ساتھ پیش آئے اور اس کی خدمت میں مبالغہ نہ کرے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کی کتاب تھا م لیتے اور کہتے ہیں علماء سے ایسا ہی سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اگر شاگرد کسی ایسے آدمی سے استفادہ کرنے سے گریز کرے جو اس میں مہارت کی شہرت نہ رکھتا ہو تو وہ برباد ہے کیونکہ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے وہ جہاں بھی اُسے پائے لے۔ شاگرد کو چاہیے استاد کی باتوں کے سامنے اپنی رائے چھوڑ دے کیونکہ استاد کی غلطی بھی شاگرد کے لیے اس کی باتوں کے مقابلے میں مفید ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تجربہ پر عالم کا یہ حق ہے کہ تو تو م کو عام سلام کہے لیکن عالم کو خصوصاً سلام کا تعظیماً ہدیہ پیش کرے اور اس کے سامنے مودب بیٹھے اور اس کے پاس اپنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرے نہ آنکھ سے بے باکانہ دیکھے۔ کثرت سے سوال نہ کرے اور نہ جواب دینے میں اس کی مدد کرے۔ جب وہ سست ہو تو

اصرار نہ کرے اور خاموش ہو جائے جب وہ اٹھے تو اس کا کپڑا نہ کپڑے۔ اس کے راز کو فاش نہ کرے۔ اس کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرے اور اس کی لغزش کی جستجو نہ کرنا ہے۔ اگر وہ لغزش کر جائے تو اس کے عذر کو قبول کرے اور اس کے سامنے ایسا نہ کہے کہ میں نے فلاں سے اس طرح نہلے اور یہ نہ کہے کہ فلاں آدمی آپ کے خلاف کہتا ہے۔ اس کے سامنے کسی عالم کی تعریف نہ کرے۔ اس کی لمبی صحبت سے اکتا نہ جائے اور اس کی خدمت سے دست بردار نہ ہو۔ جب اس کا کوئی کام ہو تو لوگوں سے اس کام میں سبقت کرے۔ وہ ایک پھل دار درخت ہے۔ انتظار کر کہ کب کوئی پھل تجھ پر گرتا ہے۔

جو علم حاصل کرنے کا خواہاں ہو اسے چاہیے کہ ابتدا میں لوگوں کے اختلافات کی طرف توجہ نہ کرے اس سے اس کی عقل حیران اور ذہن پریشان ہو جائے گا۔ اُسے چاہیے کہ ہر چیز سے اس کا بہترین حصہ حاصل کرے کیونکہ عمر میں تمام علوم حاصل کرنے کی وسعت نہیں ہے۔ پس لازم ہے کہ اپنا پورا وقت بہترین علم پر صرف کرے اور وہ آخرت سے تعلق رکھنے والا علم ہے کہ جس سے وہ یقین حاصل ہوتا ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا تھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شہادت دی اور فرمایا ابو بکر جو تم پر سبقت لے گئے ہیں تو وہ نماز روزے سے نہیں لے گئے وہ دل کے یقین سے آگے بڑھے ہیں۔

یہ تو شاگرد کے فرائض تھے اسی طرح استاد پر بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اولان میں سے شاگردوں پر شفقت بھی ہے۔ ان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا اور علم سکھانے پر کسی ممانعت کا طلب گار نہ ہو۔ زبان سے جواہر اور تشکر یہ کا خواہشمند رہے، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے پڑھاٹے۔ شاگردوں پر کچھ احسان نہ رکھے بلکہ ان کی قدر کرے کہ انہوں نے اپنے دلوں کو علم کی زراعت کے سبب اللہ کے تقرب کے لیے تیار کیا ہے اور یوں ان کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو کسی کو عاریتہ زمین کاشت کرنے کے لیے دے دے۔ معلم کو تعلیم کی مزدوری صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرنی چاہیے۔ سلف صالحین تو شاگرد کا ہدیہ بھی قبول نہیں کیا کرتے تھے۔

استاد کا فرض ہے کہ شاگرد کی غیر خواہی میں کوئی ذقیقہ فرگزاشت نہ کرے۔ انھیں بڑے اخلاق سے تعلیم دے۔ اشارہ بھی ڈانٹ ٹھٹپ نہ کرے کیونکہ اس سے ذہنی پستی پیدا ہوتی ہے۔

استاد کا فرض ہے کہ شاگرد کے فہم و فراست اور عقل کی مقدار معلوم کرے۔ اس کو ایسی چیز نہ بتائے کہ اس کا فہم اس کا ادراک نہ کر سکے اور اس کی عقل اس کے احاطے سے محذور ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

روایت کیا گیا ہے کہ آیت نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے ان کی عقول کے مطابق خطاب کروں۔  
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہاں ایک ایسا علم بھی ہے کہ اگر میں اس کے حاملین پاتا تو انہیں اس کی تعلیم دیتا۔ اہم شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

- ۱- کیا میں اونٹ چرانے والوں کے آگے موتی بکھیر دوں؟ کیا بکریوں کے چرواہوں کے لیے موتی پرووں؟
- ۲- جس نے جاہلوں کو علم دیا اس نے علم کو ضائع کیا اور جس نے قابل آدمیوں سے علم کو روکا اس نے بھی ظلم کیا۔

ان باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ استاد اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرے اور اس کا کردار اس کی گفتار کی تکذیب نہ کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنَا مَوْءِدٌ لِّلنَّاسِ بِالسَّيْرِ وَتَحْسُونَ اَلْفَسْكَوَا نَسْمُ تَمَلُّوْنَ اَلِكِتَابِ۔ (کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ”دو آدمیوں نے میری کمر توڑ دی ہے عالم بکر دار اور جاہل عبادت گزار نے“

۱۔ اس مضمون کی کوئی مریخ مرفوع حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور یہ مضمون حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے لوگوں سے ایسی بات کو جس کو وہ سمجھ سکیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ اور رسول کی تکذیب کی جائے؟ اسے بخاری نے اپنی صحیح (۱: ۱۹۹) میں تعلقاً روایت کیا ہے اور ابن مسعود کا قول بھی اسی طرح ہے، اگر تو لوگوں سے ایسی بات کرے گا جو ان کی عقل میں نہ آئے، تو یہ بات بعض کے لیے قفسے کا باعث بنے گی۔ اسے مسلم (۱۱: ۱۱۱) نے روایت کیا۔

۲۔ سورۃ بقرہ آیت: ۲۴

## فصل ششم

### علماء سوء اور علماء حق

علمائے سوء (بڑے عالم) وہ ہیں جن کا علم حاصل کرنے سے مقصود دنیوی آسائش، دنیا داروں کو نظروں میں اعتبار حاصل کرنا اور جاہ و منزلت تک پہنچنا ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو آدمی دنیا کا سامان حاصل کرنے کے لیے ایسا علم سکھے جس سے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہو تو وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔“

دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا: ”جس نے اس لیے علم حاصل کیا کہ علماء سے مقابلہ کرے یا جہلدار سے جھگڑے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائے تو وہ آگ میں داخل ہوگا۔“ ۱ سے ترمذی نے روایت کیا۔ اسی مفہوم کی اور بہت سی احادیث ہیں۔

بعض سلف نے کہا: ”موت کے وقت سب سے زیادہ ندامت کو تاہی کرنے والے عالم کو ہوتی ہے۔“ معلوم ہونا چاہیے کہ عالم پر صرف ادا امر و نواہی کی پابندی ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ دنیا سے بے رغبت ہو اور جان چیزوں سے پرہیز کرے۔ ہاں اُسے یہ ضرور چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو دنیا تھوڑی حاصل کرے۔ اس لیے کہ ہر ایک جسم ہر قسم کی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ یہاں کیا جاتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری بڑے خوش خوراک تھے اور کھا کرتے تھے جب تک تم گھوڑے کو اچھی خوراک نہ دو گے وہ کام نہیں کرے گا۔ ان کے مقابلے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بڑی سخت زندگی پر بھی صبر کر لیتے تھے طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔

علمائے حق کی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کو حقیر سمجھتے ہیں اور آخرت کو بزرگ اور ان کے افعال ان کے اقوال کے مخالف نہیں ہوتے اور ان کا میلان اس علم کی طرف ہوتا ہے جو آخرت میں نفع دے۔ وہ زیادہ مفید کو پسند کر کے تھوڑے فائدے والے علوم کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت شقیق

طبعی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے حاتم سے کہا: تم انہی مدت میرے پاس رہے، تم نے کیا سیکھا؟

انھوں نے جواب دیا، آٹھ باتیں:

پہلی یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر آدمی کا کوئی نہ کوئی محبوب ہوتا ہے اور جب وہ قبر میں جاتا ہے تو محبوب جدا ہو جاتا ہے پس میں نے اپنی نیکیوں کو اپنا محبوب بنا لیا تاکہ وہ قبر میں میرے ساتھ رہیں۔

دوسری یہ کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دیکھا: **وَنَفْسٍ مِّنَ الْمُضِلِّينَ** (اور نفس کو خواہشات سے روکا) تو میں نے اسے خواہشات کو روکنے کی مشقت دی اور میرا نفس اللہ کی عبادت پر آکر ٹھہر گیا۔

تیسری یہ کہ میں نے دیکھا کہ جس کسی کے پاس کوئی قیمتی چیز ہوتی ہے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو **عَايِدُوا مَن يُتَّقِ اللَّهَ فَمَا يَسُدَّ اللَّهُ فَايِدُهُ** (جو تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا) تو جب بھی میرے ہاتھ میں کوئی قیمتی چیز آتی میں نے اسے خدا کی لڑائی میں خرچ کر دیا تاکہ وہ میرے پاس باقی رہے۔

چوتھی یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ مال اور حسب و نسب اور بزرگی کو دیکھتے ہیں اور ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں، تو میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کیا **إِنَّ كَثِيرًا مِّنكُمْ عِندَ اللَّهِ غَالِقُونَ** (تم میں سب سے معزز وہ ہے جو زیادہ پرستار گا رہے) اور تقویٰ اختیار کیا تاکہ میں اللہ کے نزدیک معزز بن جاؤں۔

پانچویں یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ آپس میں حسد کرتے ہیں تو میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کیا **وَلَا تَحْسَبَنَّ الْحَسَنَاتِ كَمِثْلِ السَّيِّئَاتِ** (میں نے ان میں زندگی کے اسباب تقسیم کیے ہیں) اور حسد چھوڑ دیا۔

چھٹی یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ ایک دوسرے سے دشمنی رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دیکھا **إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوا لَهُ عَدُوًّا** (کہ شیطان تمھارا دشمن ہے تم بھی اس کو اپنا دشمن سمجھو) تو

۱۰: سورہ نازعات آیت ۴۰      ۳۲: سورہ زخرف آیت ۳۲      ۹۶: سورہ نحل آیت ۹۶

۶: سورہ فاطر آیت ۶      ۱۳: سورہ حجرات آیت ۱۳

میں نے لوگوں کی دشمنی چھوڑ کر صرف شیطان سے دشمنی باقی رکھی۔

ساتویں یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ رزق کی تلاش میں اپنے نفس کو ذلیل کرتے ہیں تو میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دیکھا: وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (اور زمین میں جو بھی جاندار ہے اس کا روزی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے) تو ان چیزوں میں مشغول ہو گیا جو اس نے میرے ذمے لگائی ہیں اور اس کی فکر چھوڑ دی جس کا میرے لیے اس نے ذمہ لیا ہے۔

آٹھویں یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ اپنی تجارت اور صنعت اور جسمانی صحت پر بھروسہ کرتے ہیں تو میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا۔

اور علمائے حق کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بادشاہوں سے کچھے رہتے ہیں اور ان کے ملنے ملانے سے پرہیز کرتے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قفنی کے مقامات سے بچو! پوچھا گیا وہ کون سے مقامات ہیں؟ تو فرمایا: امراء کے دروازے۔ تم میں سے کوئی آدمی امیر کے پاس جاتا ہے تو اس کے جھوٹ کی تصدیق کرنا ہے یا اس کی جھوٹی تعریف کر کے اسے خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ امراء کے دروازوں پر جاتا ہے، تو اس سے پوچھو وہ جو ہے؟

بعض سلف نے کہا: جتنی تم ان سے دنیا حاصل کرو گے اس سے زیادہ وہ تمہارا دین خراب کریں گے۔ علمائے حق کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ فتویٰ دینے میں جلدی نہیں کرتے اور صرف وہی فتویٰ دیتے ہیں جس کا ان کو یقین ہو۔

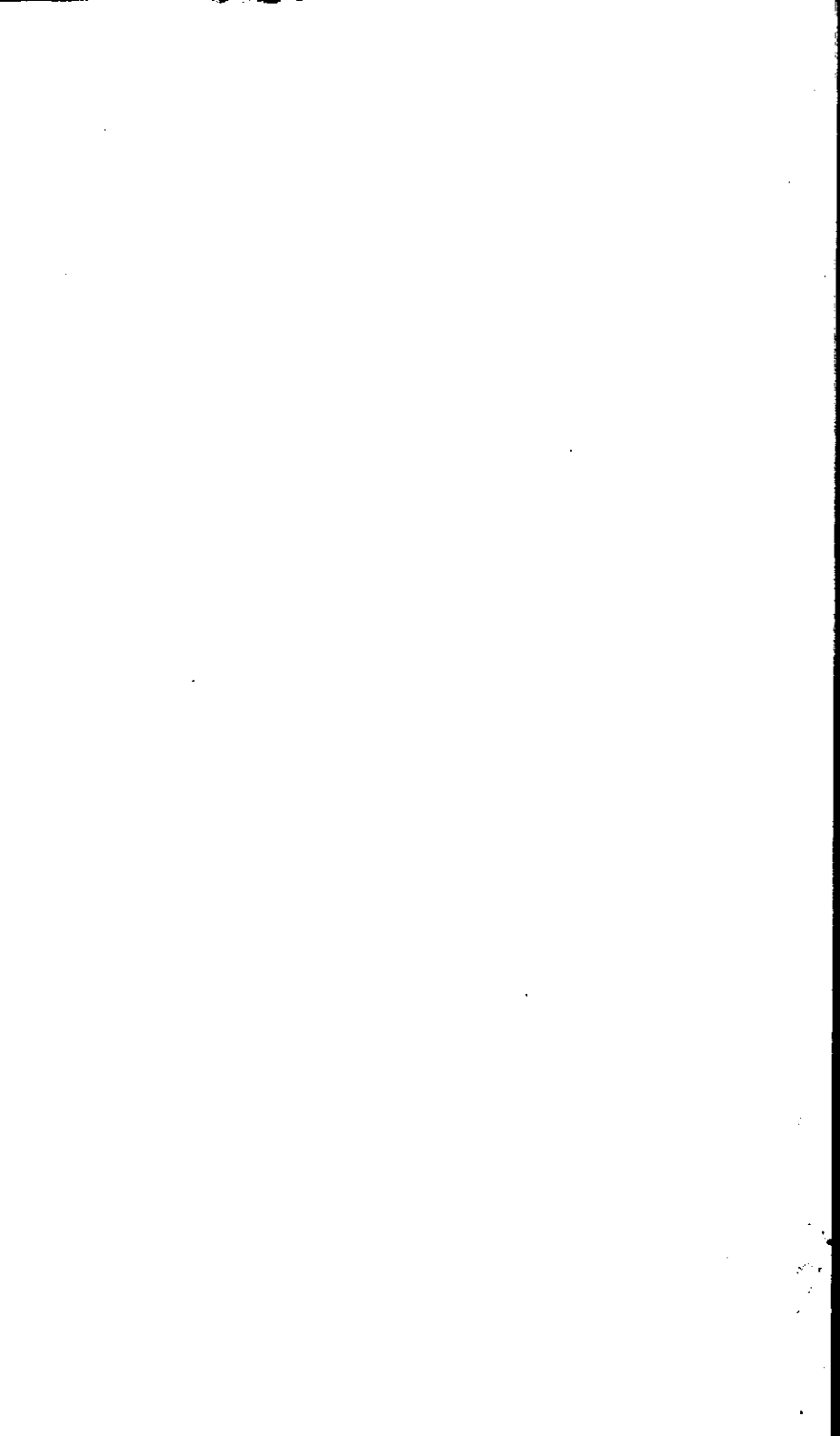
سلف فتویٰ کو ایک دوسرے پڑھاتے جاتے یہاں تک کہ پہلے کے پاس ہی آجاتا۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے کہا: میں نے اس مسجد میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سو بیس صحابہ کرام کو دیکھا ہے، ان میں سے جس کسی سے بھی کوئی حدیث یا فتویٰ پوچھا جاتا اس کا دل ہی چاہتا کہ کوئی دوسرا بھائی اس کا جواب دے دے، لیکن اب معاملہ ان لوگوں کی حجرات تک آپہنچا ہے جو ایسے مسائل

کا جواب دینے کے لیے جبری ہو جاتے ہیں کہ اگر وہی مسائل عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو پیش کرتے تو اہل بدد کو اکٹھا کر کے اُن سے شورہ لیتے۔

اُن کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ اُن کی اکثر بحث اعمال کے علم میں ہوتی ہے کہ عمل کس طرح ضائع ہو جاتے ہیں اور دل مکتد کیسے ہوتے ہیں اور وساوس کیوں پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ اعمال کی صورتیں قریب اور آسان ہوتی ہیں، چنانچہ ان کو پاک صاف رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اور دین کی بنیاد اس بات پر ہے کہ آدمی بُرائی سے بچے، لیکن سب تک اس کا علم نہ ہو انسان بُرائی سے کیسے بچ سکتا ہے۔

اُن کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اعمالِ شرعیہ کے اسرار اور حکمتوں کے متعلق بحث کرتے تھے، لیکن اگر وہ معلوم نہ ہو سکیں تو شریعت کے سامنے جھک جانے کو کافی سمجھتے تھے۔

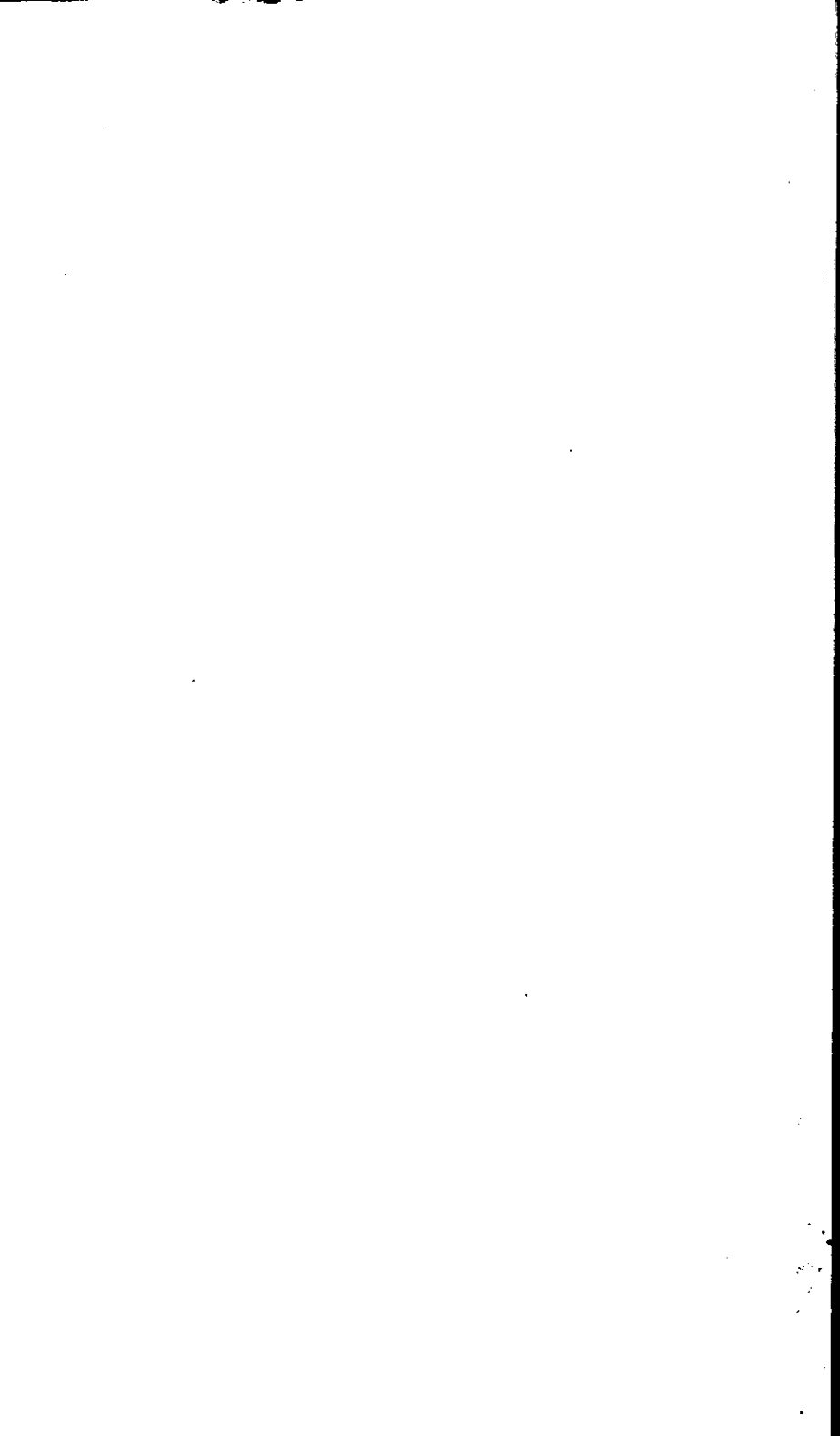
اُن کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ صحابہ اور خیار تابعین کی اتباع کرتے اور بدعت سے بچتے ہیں۔





# کتاب الطہارت

- طہارت، اُس کے اہم اراد اور نماز کے متعلقات
- نماز کی فضیلت
- جمعہ اور نمازِ جمعہ کے آداب
- نوافل کا بیان
- نماز کے مسائل



## فصل اول

## طہارت، اس کے اسرار اور نماز کے متعلقات

معلوم ہونا چاہیے کہ طہارت کے چار مرتبے ہیں :  
 پہلا : ظاہری طہارت۔ نجاست، فضلات اور حدت سے پاک ہونا۔  
 دوسرا : اعضاء کو گناہوں سے پاک صاف رکھنا۔  
 تیسرا : دل کو اخلاق ذمیر اور ناپسندیدہ و ذلیل چیزوں سے پاک رکھنا۔

اور چوتھا : اپنے باطن کو اللہ کے سوا ہر چیز سے پاک کر دینا اور یہی سب سے بڑا مقصد ہے جس کی بصیرت طاقتور ہوگی وہ اس مطلوب تک پرواز کرے گا، لیکن جس کی بصیرت اندھی ہوگی وہ طہارت کے مراتب میں سے صرف پہلا مرتبہ ہی جان سکے گا۔ تم اُسے دیکھو گے کہ وہ اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ استنجائیں زور لگانے اور کپڑے دھونے میں ضائع کر دے گا۔ دوسووں اور تینتالیسوں کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ طہارت مطلوب صرف یہی ہے۔ وہ متقدمین کی عادات سے جاہل ہے کہ وہ دن کو پاک کونے میں اپنی ساری زندگی ختم کر دیتے تھے اور ظاہر کے معاملے میں سہل انگاری سے کام لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے ایک عیسائی عورت کے ٹکے سے وضو کیا۔ وہ میل کھیل کی وجہ سے بسا اوقات ہاتھ بھی صاف نہ کرتے، زمین پر نماز پڑھتے، ننگے پاؤں چلتے اور استنجاء میں صرف ڈھیلوں کے استعمال پر اکتفا کر لیتے، لیکن اب اُن لوگوں تک معاملہ اپنچا ہے جو سحراقت کو نظافت کہتے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ اُن کا زیادہ وقت ظاہری ٹیپ ٹاپ میں گزرتا ہے جبکہ اُن کا باطن خراب ہے۔ اس میں تکبر، غرور، جہالت، ریا اور نفاق وغیرہ کی گندگیاں بھری ہوئی ہیں۔ اگر وہ کسی کو دیکھیں کہ صرف ڈھیلوں کے استعمال پر اکتفا کرتا ہے اور زمین پر ننگے پاؤں چلتا ہے یا ننگی زمین پر نماز پڑھتا ہے یا کسی بڑھیا کے برتن سے وضو کرتا ہے تو اس پر سخت اعتراض کریں۔ اُسے گندہ کا لقب دیں اور ساتھ کھانے سے انکار کر دیں۔ دیکھو، اُن لوگوں نے سادگی کو جو کہ ایمان کا حصہ ہے کس طرح گندگی اور اسحقناہ فعل کو نظافت بنا دیا اور اہل

برائی کو بھلائی اور بھلائی کو برائی میں بدل ڈالا۔

جو آدمی اس ظہارت سے نطفہ کا اوارہ کرے اور پانی بہانے میں اسراف نہ کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ زیادہ پانی استعمال نہ کرنا دین کا منشا ہے تو یہ کوئی برسی بات نہیں، نجاستوں اور پیلیدیوں کی پہچان کے لیے فقہی کتابوں کی طرف رجوع کرو گا اس کتاب کا مقصود آداب ہے۔

فضلات کا دور کرنا دو طرح پر ہے :

ایک تو میل کچیل ہے جس کو زائل کیا جائے جیسے کہ سر میں میل جمع ہو جائے، تو اسے غسل اور کنگھی کر کے صاف کیا جائے اور تیل لگائے کہ بالوں کی پریشانی ختم ہو۔ اسی طرح کان اور ناک میں جو میل جمع ہو جائے اس کا دور کرنا مستحب ہے۔

سواک اور کُل کرنا بھی مستحب ہے کہ دانت اور زبان میل کچیل سے پاک ہو۔ اسی طرح ہاتھوں کے پوروں کا میل ہے اور پھر تمام بدن کا میل جو راستے کے غبار اور جسم کے پسینے سے جمع ہو جاتا ہے اور اس کو غسل زائل کرتا ہے۔

حمام میں غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ وہاں میل کچیل اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت حمام جایا کرتی تھی، لیکن جو وہاں جائے اس پر لازم ہے کہ ستر پوشی کا خیال رکھے۔ جو شخص حمام میں داخل ہو اس پر لازم ہے کہ اس کی حرارت سے آتش دوزخ کی حرارت یاد کرے کیونکہ مومن کی فکر دنیا کے ہر معاملے میں آخرت کی طرف چلی جاتی ہے۔ ہر برتن سے وہی چھلکتا ہے جو اس میں ہو۔

کیا تم غور نہیں کرتے کہ اگر ایک آباد گھر میں بڑا زاد بڑھئی اور مہار اور جولا با داخل ہوں، تو بڑا زرخش کو دیکھے گا اور اس کی قیمت کا اندازہ کرے گا۔ جولا یا کپڑے کی بنائی دیکھے گا۔ بڑھئی مکان کی چھت پر غور کرے گا اور مہار دیواروں کو دیکھے گا۔ اسی طرح مومن اگر اندھیرا دیکھے گا تو قبر کا اندھیرا یاد کرے گا اور اگر کوئی حدیث ناک آواز سنے گا تو نغمہ صو کو یاد کرے گا۔ بعتیں دیکھے گا تو اسے جنت کی نعمتیں یاد آئیں گی اور اگر عذاب دیکھے گا تو آگ کو یاد کرے گا۔

سورج غروب ہونے کے قریب اور مغرب اور عشاء کے درمیان حمام میں جانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ شیطانوں کے پھیلنے کے اوقات ہیں۔

فضلات کے ازالہ کی دوسری قسم :  
کچھ اجزاء وہ ہیں جن کو کاٹا جاتا ہے۔ مثلاً مونچھوں کے بال، بغل کے بال، موٹے زباز اور ناخن۔  
سفید بالوں کا اکھاڑنا مکروہ ہے، لیکن خضاب لگانا مستحب۔ طہارت کے باقی مراتب مہلکات و  
منہیات کے رُبع میں آئیں گے۔ ان شاء اللہ۔

---

## فصل دوم

# نماز کی فضیلت

رہا معاملہ نماز کا تو یہ دین کا ستون ہے اور تمام طاعات سے افضل نماز کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں اور اس کے بہترین آداب میں سے خشوع ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: فرض نماز کا وقت آجائے تو جو آدمی اچھا وضو کرے، اچھا خشوع و رکوع کرے، تو یہ نماز اس کے پہلے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی حیرت تک کہ کوئی کبیرہ گناہ نہ کرے، اور ایسا ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔“

آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اور حدیث بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی دو رکعت نماز پڑھے اور اس میں خیالات اور وساوس نہ لائے تو اس کے پہلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔“

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جب نمازیں کھڑے ہوتے، تو خشوع کی وجہ سے ایسے معلوم ہوتے جیسے لکڑی کھڑی ہے۔ آپ سجدہ کرتے تو چڑیاں آپ کی پٹھیر پر آکر بیٹھ جاتیں۔ ایک دن آپ حکیم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک تمہر آپ کے کپڑے کا کچھ حصہ اڑاتا ہوا آپ کے سامنے آگرا لیکن آپ پھر بھی نماز میں مشغول رہے۔

میرمن بن مہران رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے مسلم بن یسار کو کبھی نماز میں ادھر ادھر توجہ کرتے نہ دیکھا۔ ایک دفع مسجد کا ایک حصہ گر پڑا۔ اس کے گرنے سے بازار والے گھبرا گئے لیکن وہ نماز میں مشغول رہے۔ علی بن حسین رضی اللہ عنہ جب وضو کرتے تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا۔ آپ سے پوچھا گیا۔ وضو کے وقت آپ کی یہ حالت کیوں ہو جاتی ہے؟ تو آپ نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ میں کس کس کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں؟

معلوم ہونا چاہیے کہ نماز کے کچھ ارکان ہیں۔ کچھ واجب اور سنتیں۔ اور اس کی روح نیت، اخلاص

نشوع اور حضور قلب ہے۔ اور نماز کچھ اذکار و مناجات اور چند افعال پر مشتمل ہے۔ اگر دل حاضر نہ ہو تو اذکار اور مناجات بے اثر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اگر زبان سے دل کی صحیح ترجمانی نہ ہو تو وہ ہدایان کے مریض کی باتوں کے مانند ہے۔ اسی طرح محض افعال سے بھی اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ قیام کا مقصد خدمت اور کوع و سجدہ کا انکساری اور اللہ کی تعظیم و کبریائی کا اقرار و پہچان ہے۔ اگر دل حاضر نہ ہو تو مقصود حقیقی حاصل نہ ہوگا۔ اگر فعل اپنے مقصود سے خارج ہو جائے تو صرف اس کی صورت باقی رہ جاتی ہے اور اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُنْ يَسْأَلُ اللّٰهُ لِحُومِهَا وَاَوْلَادِهَا وَاَوْلَادِ كُنْ يَسْأَلُ اللّٰهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (اللہ کے پاس نہ قربانی کے گوشت پہنچتے ہیں نہ خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے)۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک جو چیز پہنچتی ہے وہ، وہ کیفیت ہے جو دل پر غالب آتی ہے اور بندہ کو مطلوبہ اور امر کی تعمیل پر آمادہ کرتی ہے۔ نماز میں دل کا حاضر ہونا ضروری ہے، لیکن شارع نے اسے غالب کرنے والی غفلت میں کچھ نرمی رکھی ہے۔ اگر نماز کے ابتداء میں دل حاضر تھا تو باقی ساری نماز پر وہی حکم جاری ہوگا۔

وہ معافی جن سے نماز پوری طرح مکمل ہوتی ہے وہ بہت سے ہیں اور ان میں سے ایک حضور قلب ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دل کو ان تمام چیزوں سے خالی کر دے جو اس سے متعلق ہیں لیکن یہ بدوں تمہت نہیں ہو سکتا، کیونکہ جب کوئی اہم کام ہوگا تو لازماً دل اس کی طرف متوجہ ہوگا۔ اس کو حاضر کرنے کی یہی صورت ہے کہ تمہت کو نماز کی طرف پھیر دو اور تمہت کا پھرنا آخرت پر ایمان اور دنیا کی مختفارت کے مطابق کمزور اور طاقتور ہوگا۔ پھر جب تم محسوس کرو کہ دل حاضر نہیں ہو رہا تو سمجھ لو اس کا سبب ایمان کی کمزوری ہے۔ اس کو طاقتور بنانے کی کوشش کرو۔

دوسری بات کلام کے معانی کا سمجھنا ہے اور یہ حضور قلب کے علاوہ اور چیز ہے، کیونکہ بعض اوقات دل بھی حاضر ہوتا ہے اور لفظ بھی صحیح ادا ہوتے ہیں، لیکن معافی پر توجہ نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں دل کے خیالات اور ان کے اسباب کو ختم کر کے معافی کے ادراک کی طرف ذہن کو پھیرنا چاہیے کیونکہ جب تک سبب ختم نہ ہوگا خیالات کی آمد و رفت ختم نہ ہوگی۔

سبب یا تو ظاہری ہوگا یا باطنی، اور یہ بہت سخت ہے جیسے وہ آدمی جس کے خیالات دنیا کی واردیوں

میں منتشر ہو جائیں تو اس کی توجہ ایک چیز پر مرکوز نہیں ہو سکتی اور نہ اسے آنکھوں کا بند کرنا کچھ فائدہ دے سکتا ہے، کیونکہ جو کچھ دل میں موجود ہے وہ مشغول ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اگر سبب ظاہری ہے تو جو چیزیں آنکھوں اور کانوں کو مشغول کرتی ہیں ان کو ختم کر دیا جائے۔ یہ فائدہ اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان قیلے کی طرف متوجہ ہو جائے اور نگاہ کو مسجد سے کی جگہ جمائے رکھے۔ نیز نقش و نگار والی جگہ پر نماز پڑھنے سے پرہیز کرے اور اپنے پاس کوئی ایسی چیز نہ رہنے دے جو اس کی حس کو مشغول کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب منقش انبیاء پر نماز پڑھی تو اس کو ہٹا دیا۔ فرمایا: "اس نے میری نماز سے مجھے غافل کر دیا۔"

یہ سبب اگر باطنی ہے تو اس کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ نفس کو زبردستی نماز کی قرات کی طرف متوجہ کر لے دوسرے خیالات کو چھوڑ کر نماز کا خیال کرے اور نماز شروع کرنے سے پہلے اس کی تیاری کرے کہ اپنے تمام اشغال سے فارغ ہو جائے اور اپنے دل کو فارغ کرنے کی کوشش کرے اور اپنے نفس پر آخرت کی یاد کو مسلط کرے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کی بابت سوچے اور حشر کے ہولناک منظر کو یاد کرے۔ پھر اگر اس سے بھی خیالات نہ رکیں تو جان لے کہ وہ اپنی سب سے اہم اور مرغوب خواہش میں غور کر رہا ہے تو اس خواہش کو چھوڑ دے اور ان علانی کو ختم کر دے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بیماری اگر نچتہ ہو چکی ہو تو اس کو طاقتور دوا ہی فائدہ دے سکتی ہے اور جب کوئی روحانی بیماری طاقتور ہوگی تو وہ نمازی کو کھینچے گی اور نمازی اسے کھینچے گا اور اس کٹمنکٹس میں نماز ختم ہو جائے گی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص درخت کے نیچے بیٹھا ہو اور کیسٹو ہو کر کسی ممالے پر غور کرنا چاہے اور پڑیوں کی آوازیں اسے پریشان کر رہی ہوں اور اس کے ہاتھ میں لکڑی ہو جس سے وہ چڑیوں کو اڑائے اور ابھی وہ اپنی سوچ میں کیسٹو بھی نہ ہوا ہو کہ چڑیاں پھراس درخت پر آجائیں۔ تو اسے کہا جائے گا کہ یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ اگر تم اس سے خلاصی حاصل کرنا چاہتے ہو تو درخت کو کاٹ دو یہی مثال خواہشات کے درخت کی بھی ہے جب یہ پھلتا پھوکتا ہے اور اس کی شاخیں دور دور چلی جاتی ہیں تو افکار اس کی طرف اس طرح کھینچے چلتے ہیں جیسے درخت پر چڑیاں اور گندگی پر کھیاں؛ چنانچہ عمر بن ابیسی چیزوں کی مدافعت میں ختم ہو جاتی ہے جو دفع نہیں ہوتیں۔ اس قوی خواہش کا سبب دنیا کی محبت ہے۔ عاصم بن عبد قیس سے پوچھا گیا کیا آپ کو بھی نفس از میں

۱۔ ایک کپڑے کا نام ہے جو منہ میں بٹا جاتا ہے اور یہ شہر حلب کے علاقہ میں ہے اور بعض نے کہا کہ یہ انبیا شہر کی طرف نسبت ہے۔



دنیاوی خیالات ستائے ہیں تو انھوں نے کہا: ”مجھ پر ایسی حالت کے طاری ہونے سے یہ بہتر ہے کہ مجھ پر تیروں کی بوجھاڑ ہو“

معلوم ہونا چاہیے دنیا کی محبت کو دل سے نکالنا ایک مشکل کام ہے اور پوری طرح اس کو زائل کرنا تو بہت ہی مشکل ہے۔ بہر حال جہان تک ممکن ہو سکے اس کی کوشش کرے اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور مددگار ہے۔

تیسری بات اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور سبیت ہے اور یہ دو چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کی معرفت اور نفس کی حقارت اور یہ کہ اسے غلام بنا لیا گیا ہو ان دونوں معرفتوں سے خشوع اور عاجزی پیدا ہوتی ہے۔

انہی میں سے اُمید بھی ہے جو خوف سے زائل اور علیحدہ چیز ہے۔ بادشاہ کی تعظیم کرنے والے بہت سے لوگ جس طرح اس کی عظمت کی وجہ سے خوف زدہ ہوتے ہیں اسی طرح اس کے احسان کے امیدوار بھی ہوتے ہیں۔ نمازی کو چاہیے کہ وہ اپنی نماز کے ثواب کی بھی اُمید رکھے جیسا کہ اس میں کوتاہی کرنے سے سزا کا خوف رکھنا ہے۔ نیز یہ بھی چاہیے کہ نماز کی ہر حالت میں دل کو حاضر رکھے۔ جب مُؤذن کی آواز سننے تو اُسے قیامت کی دُعا کا نمونہ سمجھے۔ اُس کی تعمیل میں اُٹھ کھڑا ہو۔ مگر سبب باندھے اور غور کرے کہ کس حال میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ اپنے باطن کی برائیوں کو یاد کرے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کوئی نہیں جانتا اور کوئی نہیں جانتا اور اُن کو چھپا سکے اور اُن کا کفارہ مدامت، حیا اور خوف سے ہوتا ہے۔

جب قبیلے کی طرف مُنہ کیا تو اپنے چہرے کو تمام جہات سے ہٹا کر بیت اللہ شریف کی طرف کر دیا۔ اسی طرح اپنے دل کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دے اور جیسے کہ قبیلے کی طرف مُنہ اُس وقت تک نہیں ہوتا جب تک لوگوں کی طرف پیٹھ نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف بھی تو جیسا اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ ماسومی اللہ سے منہ نہ موڑ لے۔

اے نمازی! جب تو نے تکبیر کہی تو تیرا دل تیری زبان کی نگذیب نہ کرے۔ اگر تیرے دل میں اللہ تعالیٰ سے بڑی کوئی چیز ہوگی تو تو جھوٹا ہوگا اور اس سے ڈر کر تیری نگاہ میں خواہشِ نفسِ اللہ سے بڑی ہو کہ تو اُس کی موافقت کرے اور اللہ کی اطاعت کو چھوڑ دے۔

پھر جب تو اعدا بذاتِ اللہ پڑھے تو تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ پکڑنا ہے۔ اگر تو

اپنے دل سے پناہ نہ پکڑے گا تو تیرا کلام نغمہ ہوگا۔ اپنی تلاوت کے معافی پر غور کر، جب تو الحمد للہ لب العلمین (تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں) کہے تو اپنے دل میں اس کو سمجھا اور جب الرحمن الرحیم (نہایت شفقت کرنے والا مہربان) کہے تو اس کی مہربانیوں کو ذہن نشین کر۔ اور مالک یوم الدین (روز جزا کا مالک) کہے تو اللہ کی عظمت ذہن میں لا اور اسی طرح باقی ساری تلاوت پوری کر! گرارہ بن ابی اوقی رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے نمازیں یہ آیت پڑھی: فَإِذَا انْقَرَضَتْ السُّجُودُ (پھر جب سُّجُود میں پھونکا جائے گا) تو آپ کی وفات ہو گئی اور آپ گھر پڑے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ انہوں نے اس حالت کا تصور کیا تو سبیت سے جان نکل گئی۔

رکوع میں تواضع کا تصور کرو اور سجدے میں زیادہ سے زیادہ ذلت کا، کیونکہ تم نے نفس کو اس کے مقام پر رکھ دیا اور مٹی پر سجدہ کر کے جس سے تم پیدا ہوئے تھے فرع کو اصل کی طرف لوٹا دیا۔ دیگر اذکار کے معنی تم فوق سے معلوم کر لو گے۔

جاننا چاہیے کہ ان شرائط سے اگر نماز ادا کی جائے، تو دل کا رنگ سدور کر کے اس کو روشن کر دیتی ہے اور ایسے نور حاصل ہوتے ہیں جن کے سبب محبوب کی عظمت نظر آنے لگتی ہے اور آدمی اسرار الہی پر مطلع ہوتا ہے۔ ان باتوں کو عالم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

جو آدمی صرف نماز کی صورت ادا کرتا ہے۔ اُس کے معافی کو نہیں سمجھتا، وہ ان میں سے کسی چیز پر بھی مطلع نہیں ہو سکتا۔

## فصل سوم

# جمعہ اور نماز جمعہ کے آداب

آداب جمعہ پندرہ ہیں:

پہلا: یہ کہ اس کے لیے جمعرات کے روز اور جمعہ کی رات ہی سے تیاری شروع کرنے۔ کپڑے دھوئے اور نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے خود کو تیار کرے۔

دوسرا: جمعہ کے دن غسل کرے جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے اور غسل میں بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے وقت سے تھوڑا سا پہلے غسل کرے۔

تیسرا: بدن کو پاک صاف کر کے خوشنما بنائے، ناخن کاٹے، مسواک کرے اور تمام فضیلت کو جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے دُور کرے۔ خوشبو لگائے اور اپنے بہترین کپڑے پہنے۔

چوتھا: یہ کہ جمعہ کے لیے نماز کے وقت سے کچھ پہلے روانہ ہوا اور پیدل جائے جامع مسجد کی طرف جانے والے پر لازم ہے کہ وقار اور تسلی اور خشوع سے چلا اور مسجد سے نکلنے کے وقت تک مسجد میں اعتکاف کرنے کی نیت کرے۔

پانچواں: یہ کہ لوگوں کی گردنیں نہ پھیلائے اور مقبول گفتگو کے بغیر دوا دمیوں کے درمیان میں نہ بیٹھے۔ ہاں اگر کوئی خالی جگہ دیکھے تو آگے چلا جائے۔

چھٹا: یہ کہ کسی نماز کی آگے سے نہ گزرے۔

ساتواں: یہ کہ پہلی صف میں بیٹھنے کی کوشش کرے۔ اگر وہاں کوئی قباحت محسوس کرے تو بیٹھے بیٹھنے میں کوئی سوج نہیں۔

آٹھواں: یہ کہ جب امام اپنے حجرے سے باہر نکلے تو ذکر اور نفل پڑھنا ختم کر دے، اذان کا جواب دے اور پھر توجہ سے خطبہ سنے۔

نواں: یہ کہ جمعہ کے فرضوں کے بعد سنت ادا کرے۔ دو رکعت یا چار رکعت یا چھ رکعت جتنی چاہے۔

دسواں یہ کہ عصر کی نماز پڑھنے تک مسجد میں ٹھہرے اور اگر مغرب تک ٹھہرے تو افضل ہے۔

گیارہواں یہ کہ اس ساعتِ سعید کی جو جمعہ کے دن میں ہے حضورِ قلب اور ذکرِ الہی سے طلب کرے۔

اس ساعت کے تسعین وقت میں اختلاف ہے۔ مسلم کی مفرد روایتوں میں حضرت ابو موسیٰ کی حدیث ہے کہ

امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت بسے لے کر نماز کے ختم ہونے تک ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ امام کے

تخلیے سے فارغ ہونے سے لے کر نماز ختم ہونے تک ہے۔ حضرت جابر کی حدیث میں ہے کہ وہ عصر کے بعد کی آخری

ساعت ہے۔ حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ اُسے عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک تلاش کرو۔

حضرت ابو بکر انورؓ نے کہا یہ احادیث دو وجہوں سے خالی نہیں ہیں۔ یا بعض احادیث بعض سے زیادہ

صحیح ہوں گی اور یا پھر یہ ساعت مختلف اوقات میں منتقل ہوتی رہتی ہوگی۔ جیسا کہ لیلۃ القدر رمضان کی

آخری دس راتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

بارہواں یہ کہ اُس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بہت زیادہ پڑھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

مردی ہے کہ آپ نے فرمایا جو آدمی جمعہ کے دن چھ پر اسی مرتبہ درود شریف پڑھے اس کے اسی سال کے گناہ

معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر پسند کرے تو درود میں آپ کے لیے دعا کا اضافہ بھی کر لے جیسا کہ یہ دعا ہے۔

اللَّهُمَّ اَنْتَ مُحَمَّدٌ وَالْمَوْسِلَةُ وَالْفَضِيْلَةُ وَالِدَّرَجَةُ الرَّفِيْعَةُ وَابْتَعْتَهُ مَقَامًا  
مُحَمَّدًا يَا اَذِي وَوَعْدَتَهُ ، اللَّهُمَّ اجْزِنَّا بِسَيِّئَاتِنَا مَا هُوَ اَهْلُهُ .

(اے اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ وسیلہ اور فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما اور آپ کو

مقامِ محمود پر پہنچا جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ ہمارے نبی کو ہماری طرف سے وہ جزا

عطا فرما جس کے وہ اہل ہیں)

درود کے ساتھ استغفار کو بھی ملا لے کہ اُس دن میں استغفار کرنا مستحب ہے۔

تیرھواں یہ کہ سورۃ کہف پڑھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے حدیث میں آیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی سورت نہ بتاؤں جس کی عظمت نے زمین و آسمان

کو بھر دیا ہے اور اُس کے لکھنے والے کے لیے بھی اتنا ہی اجر ہے اور جو اُس کو جمعہ کے دن پڑھے تو اُس کے

جمعہ سے لے کر جمعہ تک اور تین دن کے زیادہ بھی گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جو آدمی سوتے وقت اس کی

آخری پانچ آیتیں پڑھے تو وہ رات کے جس حصے میں بھی اٹھنا چاہے گا اللہ اسے اٹھائے گا۔ تو لوگوں نے

کہا ہاں، اے اللہ کے رسول ضرور بتائیے تو آپ نے فرمایا: ”سورۃ کہف“ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو اسے جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں پڑھے گا وہ نقتنہ سے محفوظ رہے گا۔“  
مستحب ہے کہ جمعہ کے دن قرآن کریم کی تلاوت بہت زیادہ کرے اور اگر ہو سکے تو جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن میں قرآن مجید ختم کرے۔

چودھواں یہ کہ: جتنا ہو سکے جمعہ کے دن صدقہ کرے اور صدقہ مسجد سے باہر کرے مستحب ہے کہ جمعہ کے دن نماز تہن سبج پڑھے۔

پندرہواں یہ کہ جمعہ کے دن کراخت کے اعمال کے لیے رکھے اور دنیا کے تمام کام اس دن چھوڑے۔

## فصل چہارم

### نوافل کا بیان

جان لو کہ فرض نماز کے علاوہ جو بھی نماز ہے اس کی تین قسمیں ہیں؛  
سنن، مستحبات اور نوافل۔

سنت تو وہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشگی کی ہو، جیسے کہ فرائض کے بعد سنن مؤکدہ اور تروغیرہ۔

مستحب وہ ہے جس کی فضیلت تو احادیث میں آئی ہو، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت نہ کی ہو، جیسے کہ گھر میں داخل ہوتے یا گھر سے نکلنے وقت نماز پڑھنا۔  
نوافل وہ ہیں جو ان کے علاوہ ہوں جن کے متعلق کوئی حدیث نہ آئی ہو، لیکن انسان اُسے اپنی خوشی سے کرے اور ان تینوں اقسام کا نام نفل ہے۔ نفل نماز حیرت کو کہتے ہیں اور یہ فرائض سے تراکم میں معلوم ہونا چاہیے کہ بدن کی نفلی عبادت میں سب سے افضل نماز ہے۔

نوافل کی اقسام اور ان کے فضائل فقہ کی کتابوں میں مذکور و مشہور ہیں، لیکن ان میں سے ہم نماز تسبیح کا ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کی کیفیت سے بعض لوگ واقف نہیں۔ عکرم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا: اے چچا! کیا میں آپ کو عطیہ نہ دوں؟ کیا میں آپ کو کچھ تعلیم نہ دوں؟ اور اسی نے حدیث ذکر کی یہاں تک کہ فرمایا: آپ چار رکعت چنانچہ پڑھیں، ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی اور سورۃ پڑھیں۔ جب پہلی رکعت میں قراءت سے فارغ ہو جائیں تو قیام کی حالت ہی میں پندرہ مرتبہ تسبیح پڑھیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پھر رکوع کریں اور رکوع میں یہی تسبیح دس مرتبہ پڑھیں۔ پھر رکوع سے سر اٹھائیں تو دس مرتبہ پڑھیں، پھر سجدے میں جاؤں تو دس مرتبہ پڑھیں، پھر سجدے سے سر اٹھائیں تو دس مرتبہ پڑھیں۔ پھر سجدے میں جاؤں تو دس مرتبہ پڑھیں، پھر سجدے سے سر اٹھائیں تو کھڑے ہونے سے پہلے دس مرتبہ پڑھیں۔

یہ ایک رکعت میں پچھتر تسبیحات ہوتیں۔ اسی طرح چاروں رکعات میں پڑھیں۔ اگر طاقت ہو تو یہ نماز ہر روز پڑھیں، اگر نہ ہو سکے تو ہر جمعہ میں ایک بار پڑھیں۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینے میں ایک بار پڑھیں۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو سال میں ایک مرتبہ اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو عمر میں ایک دفعہ پڑھ لیں۔

## نماز کے مسائل

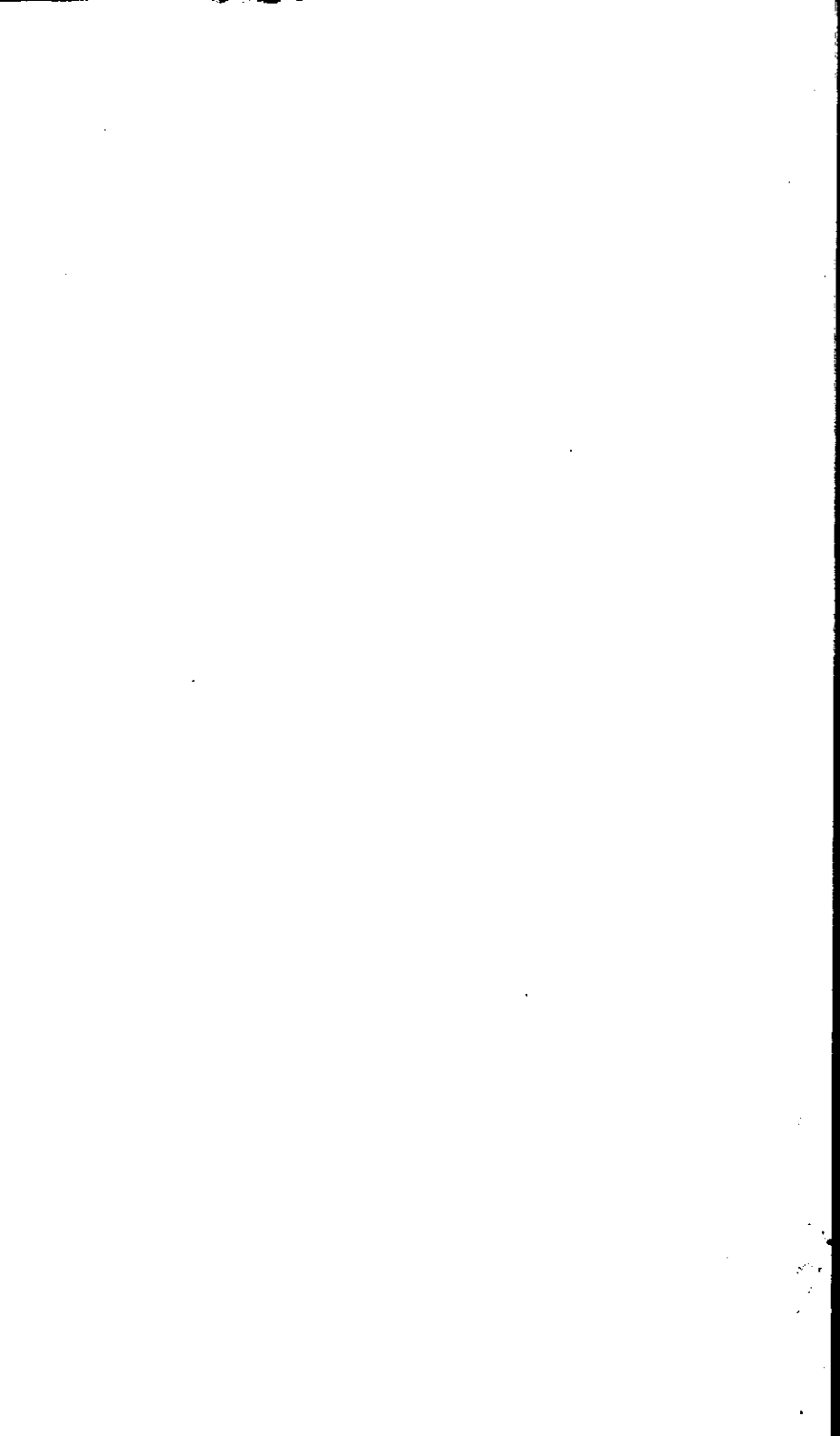
منوع اوقات میں ایسی نفل نماز نہ پڑھے جس کا سبب نہ ہو جیسے کہ نماز تسبیح کیونکہ ممنوع اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت بڑی ٹوٹکہ ہے۔ یہ نفل نمازیں ضعیف ہیں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، ہاں جن کا کوئی سبب ہو جیسے تہیۃ المسجد اور سورج یا چاند گرہن کی نماز اور استسقاء کی نماز وغیرہ تو ان کے متعلق دونوں قسم کی روایات ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ تینوں اوقات میں نماز پڑھنے کی جو ممانعت ہے اس میں تین راز نہ ہیں!

پہلا یہ کہ سورج کے سچا ریوں کی مشابہت نہ ہو۔

دوسرا یہ کہ شیطان کے کنارہ سر کو سجدہ کرنے سے بچ جائے کہ سورج چڑھتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ (کنارہ سر) ہوتا ہے۔ پھر جب سورج بلند ہوتا ہے تو وہ الگ ہو جاتا ہے لیکن جب دوپہر کو ٹھہرتا ہے تو اس سے آلتا ہے اور جب ڈھلتا ہے تو الگ ہو جاتا ہے۔ پھر جب غروب ہونے کے لیے ٹھکتا ہے تو آلتا ہے۔ پھر جب غروب ہوتا ہے تو الگ ہو جاتا ہے۔

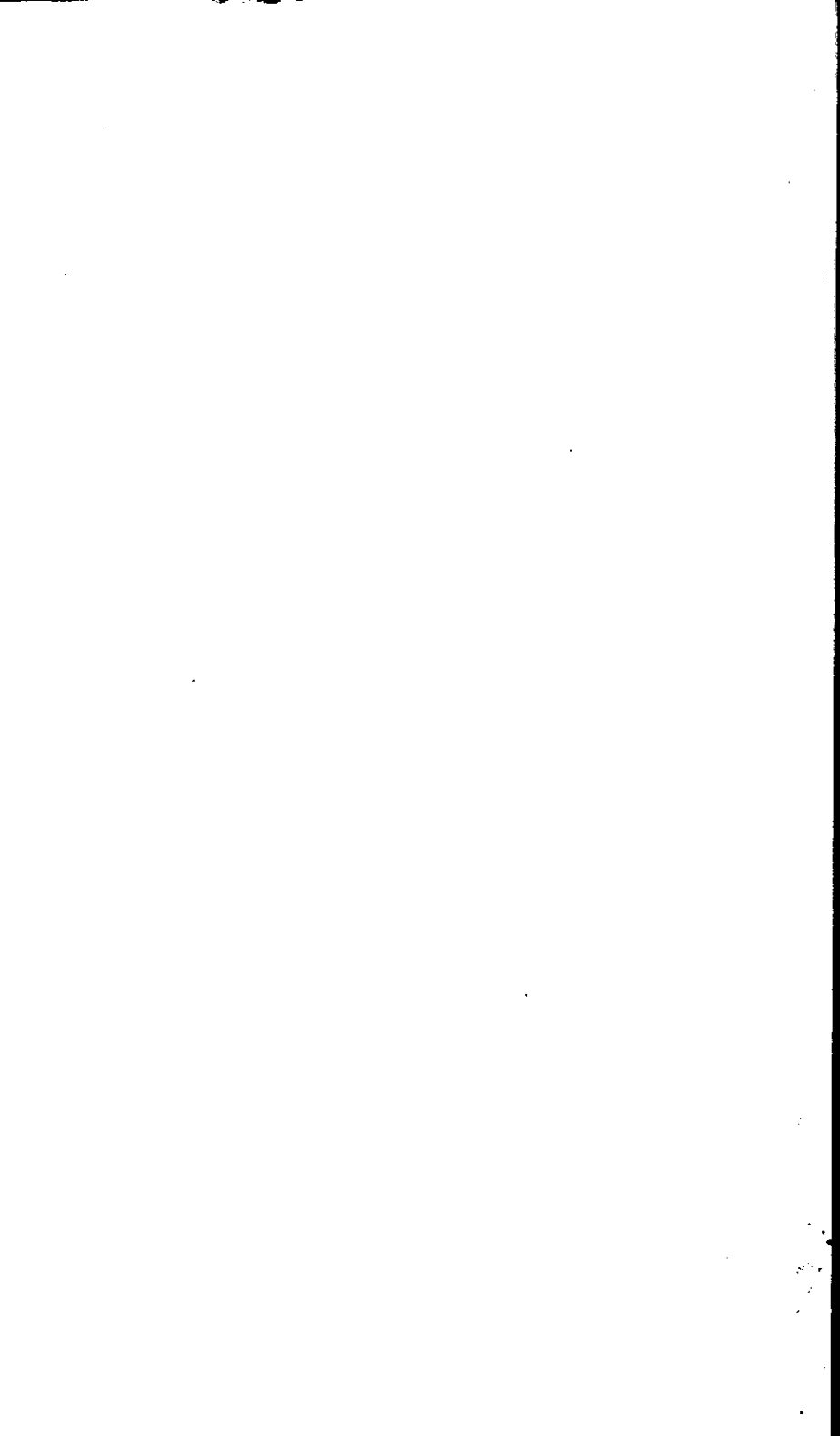
تیسرا یہ کہ آخرت کی راہ پر چلنے والے عبادات پر ہمیشگی کرتے ہیں اور ایک ہی طریقے پر ہمیشگی کرنا انسان کو اکتا دیتا ہے۔ پھر جب رکاوٹ واقع ہو جائے تو لذت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ جس چیز سے نفس کو روکا جائے وہ اس کی خواہش کرتا ہے۔ ممنوع اوقات میں انسان کو صرف نماز سے روکا گیا ہے، دوسری عبادات سے نہیں روکا گیا۔ مثلاً قرأت اور تسبیح، تاکہ عبادت گزار ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتا رہے جیسا کہ نماز میں بھی کئی قسم کے ارکان ہیں۔ قیام اور قعود اور رکوع و سجود وغیرہ۔ واللہ اعلم۔





# كِتَابُ الزَّكَاةِ

- زکوٰۃ اور اُس کے اسرار و متعلقات
- زکوٰۃ کے باطنی آداب
- زکوٰۃ لینے والے کے آداب
- نفلی صدقہ، اُس کی فضیلت اور آداب



## فصل اول

## زکوٰۃ اور اُس کے اسرار و متعلقات

زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو نماز کے ساتھ ملا یا ہے۔ فرمایا:  
 فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْحَنِيفِ دِينِ أَبِيكَ الَّذِي كَرِهَ لِلْكَافِرِينَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو)

زکوٰۃ کے انواع و اقسام اور اس کے وجوب کے اسباب تو ظاہر ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں اپنے مواقع پر مرقوم ہیں۔ ہم صرف بعض شرائط اور آداب کا تذکرہ کریں گے۔

شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مخصوص علیہ چیز سے زکوٰۃ ادا کی جائے اور اُس کی قیمت ادا نہ کی جائے صحیح یہی ہے۔ وہ جس نے قیمت ادا کرنے کو جائز کہا ہے اُس نے صرف حاجت پوری کرنے کو ملحوظ رکھا ہے اور حاجت کا پورا کرنا ہی مقصود نہیں ہے، بلکہ اس کا کچھ حصہ ہے، کیونکہ شریعت کے واجبات میں قسم کے ہیں؛

ایک قسم تو وہ ہے جس میں صرف بندگی کا اظہار ہے، جیسے جرات کو لنگریاں مارنا۔ اس سے شریعت کا مقصد صرف بندے کا امتحان ہے کہ وہ تمیل کرتا ہے یا نہیں تاکہ بندے کی غلامی ایسے فعل سے ظاہر ہو جس کے معنی میں وہ نہیں سمجھ سکتا۔

دوسری قسم اس کے برعکس ہے اور وہ ایسے واجبات ہیں جن سے اظہارِ غلامی مقصود نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد خاص حقوق ہیں جیسے لوگوں کا قرضہ ادا کرنا اور چھینی ہوئی چیز کو واپس کرنا وغیرہ۔ اس میں نیت اور فعل کا اعتبار بھی نہیں ہے، بلکہ جس طرح بھی مستحق کو اس کا حق پہنچ جائے مقصود حاصل ہو جائے گا۔ یہ دونوں قسم کے واجبات خیر مرگب ہیں۔

تیسری قسم مرگب واجبات کی ہے اور ان سے دونوں چیزیں مقصود ہوتی ہیں۔ تکلف کا امتحان بھی اور بندوں کے حقوق بھی۔ ان میں جرات کو لنگر مارنے کی عبودیت اور حقوق ادا کرنے کا حصہ دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

لہ سورہ بقرہ - آیت ۴۳

ضروری نہیں کہ ان میں سے جو زیادہ باریک معنی میں، یعنی اظہارِ عبودیت ان کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اور شاید جو زیادہ دقیق ہے، وہ زیادہ اہم ہے اور زکوٰۃ بھی اسی قسم سے ہے۔ اس میں فقیر کا حصہ حاجت پوری کرنے میں ہے اور عبودیت کا حق حکم کی تفصیلات میں اتباعِ شریعت، شریعت کا مقصد ہے اور اسی اعتبار سے زکوٰۃ، نماز اور حج کے قریب ہو گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

## زکوٰۃ کے باطنی آداب

معلوم ہونا چاہیے کہ آخرت کے طلبگار پر اس کی زکوٰۃ میں چند ایک ذمہ داریاں ہیں :  
 پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مقصد کو سمجھے اور تین چیزیں ہیں۔ پہلی اپنی محبوب چیز نکالنے سے اللہ کی محبت کے دعوے پر نکالنا کا امتحان۔ دوسری بخل سے پاک ہونا اور تیسری مال کی نعمت کا شکر۔  
 دوسری ذمہ داری یہ کہ زکوٰۃ پوشیدہ طور پر نکالی جائے کیونکہ اس میں ریاکی آمیزش نہیں ہوتی۔ ظاہر کر کے دینے میں لینے والے کی ذلت کا اظہار بھی ہے پھر اگر اسے خوف ہو کہ زکوٰۃ نہ دینے کا اس پر الزام عائد ہوگا تو علانیہ طور پر کسی ایسے حاجتمند کو دے جو جماعت کے سامنے لینے کو برا نہ سمجھتا ہو۔  
 تیسری یہ کہ احسان جتا کر اور تکلیف دے کہ اس کو فائدہ نہ کرے اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ انسان جب اپنے آپ کو زکوٰۃ لینے والے پر احسان کرنے والا اور انعام کرنے والا سمجھتا ہے تو بسا اوقات اس سے اس کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ اگر غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ حاجتمند خود اس پر احسان کرنے والا ہے کیونکہ وہ اس سے اللہ کا وہ حق قبول کرتا ہے جو اس کے مال کو پاک کرتا ہے۔

ساتھ ہی اس بات کو بھی مد نظر رکھے کہ اس کا زکوٰۃ ادا کرنا نعمتِ مال کا شکرانہ ہے، تو پھر اس کے اور زکوٰۃ لینے والے کے درمیان کوئی تعلق ہی نہیں رہتا اور یہ کسی صورت بھی درست نہیں کہ لینے والے کو اس کی غریبی کی وجہ سے حقیر سمجھے کیونکہ نہ مال سے فضیلت ہے اور نہ غریبی کوئی نقص۔

چوتھی یہ کہ اپنے عطیے کو حقیر سمجھے، کیونکہ اپنے کام کو عظیم سمجھنے والا مغرور ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حقیقی نیکی تین باتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اُسے ہلکا سمجھا اور جلدی کرے اور پوشیدہ کرے۔

پانچویں یہ کہ اپنے مال میں سے سب سے زیادہ حلال اور پاک اور محبوب مال کا انتخاب کرے۔ حلال اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے اور اچھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَمِيمُوا الْخَيْثُ مِنْهُ نَفَقَاتٌ (اور خرچ کرتے وقت رومی چیز کا انتخاب نہ کرو)۔

چاہیے کہ اس میں دو باتوں کو ملحوظ رکھے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کا حق تعظیم ہے اور اللہ کا زیادہ حق ہے کہ اس کے لیے منتخب چیز دی جائے، اگر کوئی شخص اپنے بہانوں کے سامنے ردی کھانا رکھے تو اس کا سینہ جل اٹھے گا۔ دوسری یہ کہ جو کچھ وہ آج آگے بھیجے گا کل قیامت کو وہی کچھ اس کو ملے گا؛ چنانچہ چاہیے کہ اپنے لیے بہتر چیز کا انتخاب کرے۔

باقی رہی سب سے پیاری چیز تو وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ** (تم اس وقت تک بھلائی نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہ کرو) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی عادت تھی کہ جب آپ کسی چیز سے بہت زیادہ محبت کرتے تو اسے خدا کی راہ میں قربان کر دیتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ حج میں آئے تو بیمار تھے۔ آپ نے مچھلی کھانے کی خواہش کی۔ بڑی مشکل سے صرف ایک ہی مچھلی ملی۔ بیوی صاحبہ نے تیار کر کے آپ کے سامنے رکھی تو اسی وقت ایک مسکین ہو گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وہ مچھلی اسے عطا فرمادی۔ بیوی صاحبہ نے کہا ہمارے پاس اور بہت کچھ کھانے کو ہے۔ ہم وہ اسے دے دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا: نہیں ہی دو، کیونکہ ہمیں یہی سب سے زیادہ پسند ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ربیع بن خلیثم کے دروائے پر ایک سائل آیا۔ آپ نے فرمایا اسے انگور یا کھجوریں کھلاؤ۔ گھروالوں نے کہا ہم اسے روٹی کھلا دیتے ہیں وہ اس کے لیے زیادہ اچھی ہے، تو آپ نے فرمایا، تم پر افسوس ہے، اسے انگور کھلاؤ کیونکہ ربیع کو انگور پسند ہیں۔

چھٹی یہ کہ اپنے صدقے کے لیے مستحق آدمی کا انتخاب کرے اور یہ کچھ خاص لوگ ہیں اور ان کی کچھ صفات یہ ہیں:

پہلی صفت تقویٰ ہے۔ اپنے صدقے کے لیے پرہیزگار لوگوں کو منتخب کرے کہ اس سے ان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف اور زیادہ ہو جائے گی۔

حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر عبادت گزاروں کو مسجد نے کی حالت میں دنیا پسند کرتے۔ آپ دنیا ریا درہم کی تھیلی لے آتے اور چپکے سے ان کے پاؤں کے پاس رکھ دیتے اس طرح کہ ان کو تھیلی کا توپتہ چل

جاتا، لیکن یہ پتہ نہ چلتا کہ کون رکھ گیا ہے۔ آپ سے کہا گیا آپ ان کے گھروں میں کیوں نہیں بھیج دیتے؛ تو جواب دیا: مجھے یہ پسند نہیں کہ جب وہ مجھے یا میرے ایلیچی کو دیکھیں تو ان کا چہرہ ندامت سے متغیر ہو جائے۔ دوسری صفت علم ہے کہ عالم کو دینے میں علم اور دین کی تبلیغ میں امانت ہے اور یہ شریعت کی تقویت ہے۔ تیسری یہ کہ وہ ان لوگوں سے ہوں جو انعام صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور اسباب کی طرف اتنا ہی متوجہ ہوتے ہیں جتنا کہ شکر یہ ادا کرنے کے لیے مستحب ہے۔ وہ آدمی جو عطیہ لے کر مدح کرنے کا عادی ہو اس کو جب نزلے گا تو وہ ہوجو بھی کرے گا۔

چوتھی یہ کہ وہ اپنے فقر کی حفاظت کرنا ہو، یعنی اپنی حاجت کو چھپاتا ہو۔ تکلیف کو ظاہر نہ کرنا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **يَحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ أَعْيُنًا مِّنَ السَّمَاءِ** (سوال سے بچنے کی وہ سے بے خبر آدمی ان کو دولت مند سمجھتا ہے۔

اور ایسے لوگ بڑی تحقیق کے بعد ملتے ہیں۔

پانچویں یہ کہ وہ عیالدار ہو یا بیماری یا قرضے میں گرفتار ہو تو یہ مختصر (بند کیے گئے) لوگوں میں سے ہے اور ان پر صدقہ کرنا ان کو تندرست سے چھڑانا ہے۔

چھٹی یہ کہ وہ قرابت دار ہو اور ذوی الارحام سے تعلق رکھتا ہو، کیونکہ ان پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ جس آدمی میں ان میں سے دو صفیں یا زیادہ پائی جائیں تو اس کو دینا اتنا ہی افضل ہوگا۔

## فصل دوم

## زکوٰۃ لینے والے کے آداب

ضروری ہے کہ زکوٰۃ لینے والا آٹھ قسموں میں سے ہو، کیونکہ زکوٰۃ لینے میں بھی کچھ شرائط ہیں۔  
 اول یہ کہ وہ سمجھے اللہ تعالیٰ نے اُس کو زکوٰۃ اُس لیے دلوائی ہے کہ اُس کی پریشانیاں دور ہو جائیں  
 اور اسے ایک ہی فکر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کی رہ جائے۔

دوسرا یہ کہ دینے والے کا شکریہ ادا کرے اور اُس کے لیے دعا۔ اور اُس کی شنا کرے اور یہ  
 چیزیں صرف اتنی ہوں جتنی کہ سبب کا شکر ادا کرنے کی ہوتی ہیں، کیونکہ جس نے لوگوں کا شکریہ ادا کر لیا  
 اُس نے خدا کا شکر بھی ادا کر لیا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور پورا شکریہ ادا کرنے کا ایک حصہ یہ بھی  
 ہے کہ اس عطیے کو حقیر نہ سمجھے، اگرچہ وہ تھوڑا سا بھی ہو اور اُس کی مذمت نہ کرے اور اُس میں اگر کوئی عیب  
 ہو تو اس کو ظاہر نہ کرے اور جیسا کہ دینے والے کا ذمہ یہ ہے کہ وہ اپنے عطیے کو حقیر سمجھے اسی طرح  
 لینے والے کا ذمہ یہ ہے کہ اُسے بڑا سمجھے اور یہ تمام باتیں نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنے کے برخلاف  
 نہیں ہیں، کیونکہ جو آدمی واسطے کو واسطہ نہ سمجھے وہ جاہل اور جو واسطہ کو اصل سمجھے لے وہ متکر ہے۔  
 تیسرا یہ کہ جو کچھ اُسے مل رہا ہے اس میں غور کرے۔ اگر وہ حلال مال سے نہ ہو تو بالکل نہ لے  
 کیونکہ غیر حلال مال سے دینا زکوٰۃ نہیں۔ کچھ بھی مشتبه ہو تو اُس سے پرہیز کرے الایہ کہ تنگی میں مبتلا ہو۔  
 پھر جس کا اکثر مال حرام کا ہو وہ زکوٰۃ نکالے اور جو مال نکال لہے اُس کے خاص معین مالک کو نہ جانتا  
 ہو تو اس میں فتویٰ یہ ہے کہ اس سارے مال کو صدقہ کر دے؛ البتہ تنگی کے وقت اگر صاف مال نہ  
 مل سکے تو اس مال سے بقدر ضرورت لینا جائز ہے۔

غلے خالی کی عبارت یہ ہے کہ جب لینے والے پر معاملہ تنگ ہو جائے اور جو اسے دیا جا رہا ہے اُس کے معین مالک کو نہ جانتا ہو، تو  
 وہ بقدر ضرورت لے۔ اور اگر لے لے گا تو یہ زکوٰۃ کا لینا نہ ہوگا، کیونکہ دینے والا اگر حرام سے لے گا تو وہ زکوٰۃ نہ ہوگی۔

چوتھا یہ کہ جتنا لیتا ہے اُس میں بھی شہادت کے مواقع سے پرہیز کرے اور صرف اتنا ہی لے جتنا اُس کے لیے جائز ہے۔ اگر وہ مقرض ہے تو قرض کی مقدار سے زیادہ نہ لے یا غازی ہے تو عینی ضرورت ہے اتنا لے اور اگر تنگ دستی ہے تو ضرورت کے مطابق لے۔ دولت اکٹھی کرنے کی کوشش نہ کرے اور یہ سب کچھ اُس کے اپنے اندازے پر موقوف ہے۔ پرہیزگاری مشتہب چیز کو چھوڑ دینے میں ہے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کتنا سرمایہ پاس ہو تو زکوٰۃ لینا منع ہے۔ اس میں صحیح بات یہ ہے کہ اُس کے پاس اتنا ہو کہ اُس کی عام ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ تجارت ہو یا صنعت یا زمین کی آمدن یا کوئی اور ذریعہ۔ اور اگر بعض ضرورتیں پوری ہوتی ہوں تو باقی کے لیے لے لے اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بقدر ضرورت لے لے، لیکن جو بقدر کفایت لے وہ سال کے خرچ سے زیادہ نہ ہو۔ سال کا اعتبار اس لیے کیا گیا ہے کہ جب سال پورا ہو جائے گا تو پھر لینے کا وقت آجائے گا اور اگر سال سے زیادہ لے گا تو دوسرے فقرات تنگ ہو جائیں گے۔

## نقلی صدقہ، اُس کی فضیلت اور آداب

صدقہ کے فضائل بے شمار اور مشہور ہیں۔ اُن میں سے وہ بھی ہے جو امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہو؟ صحابہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے اپنا مال پیارا نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا اُس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا اور وارث کا وہ ہے جو پیچھے چھوڑا۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا۔ اور اللہ کے ہاں پاکیزہ چیز ہی قبول کی جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے پھر اس کے مالک کے لیے اس کی پرورش کرتا ہے جیسے کوئی تم سے اپنے کچھیرے کی پرورش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

۱۰ عربی لفظ بیانِ فَلَوْہے اور فَلَوْہ کوڑے کے بچے کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر کھڑ والے جانور کے بچے کو فَلَوْ کہہ دیتے ہیں۔



ایک اور حدیث میں ہے کہ صدقہ خدا کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بڑی موت سے بچاتا ہے۔ اسی مضمون کی ایک اور حدیث میں ہے کہ صدقہ کرو صدقہ جہنم سے آزادی ہے۔“

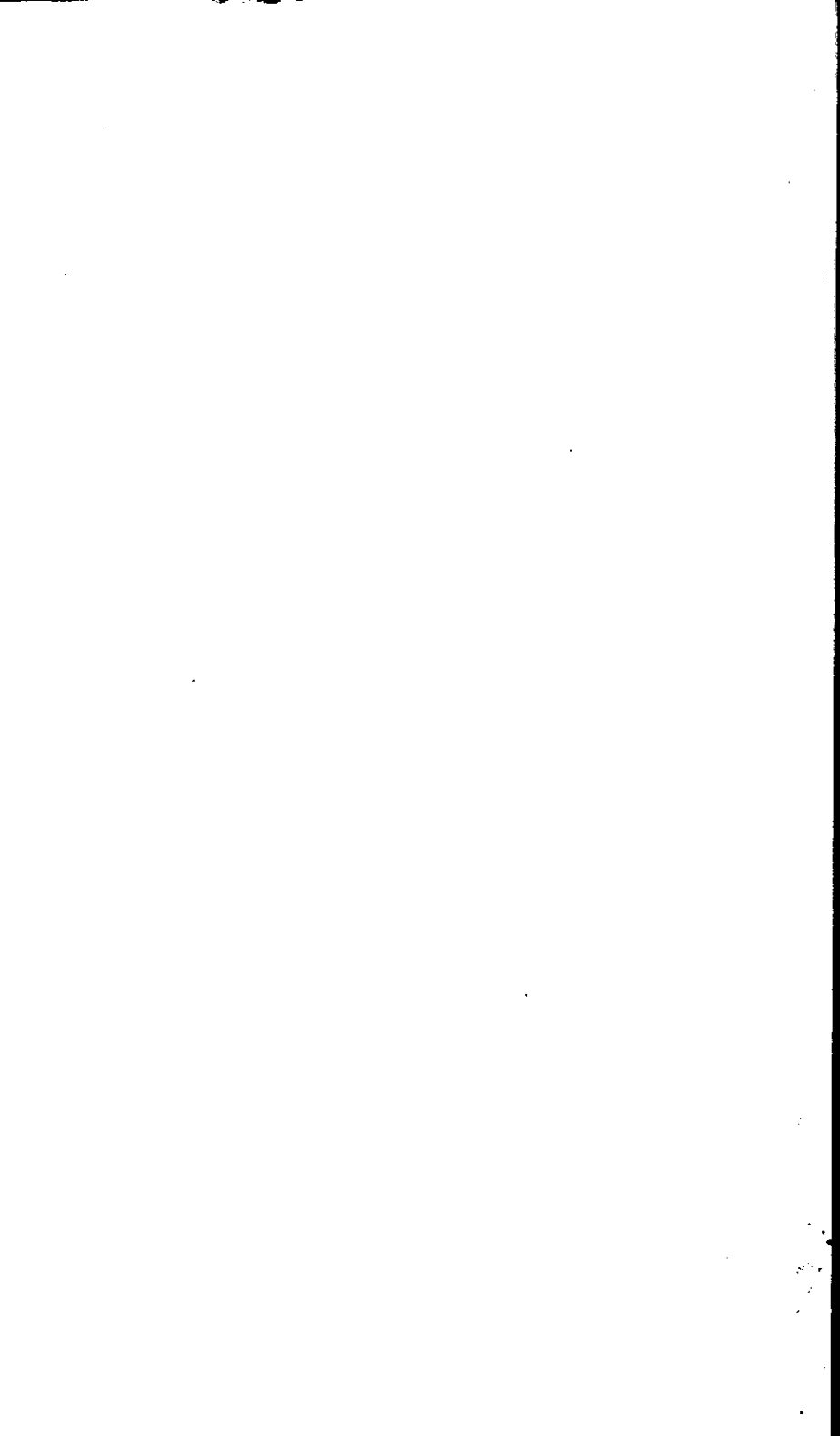
حضرت جریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی آدمی صدقہ کرتا ہے تو اس آدمی سے ستر شیطانوں کے جبرے کھل جاتے ہیں یعنی وہ ان سے آزاد ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقے سے مال کم نہیں ہوتا۔“

آئم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ انھوں نے بکری ذبح کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس میں سے کیا کچھ باقی رہ گیا ہے؟ انھوں نے کہا: ایک شانے کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ تو آپ نے فرمایا: سب کچھ باقی رہا صرف شانہ نہیں رہا۔“

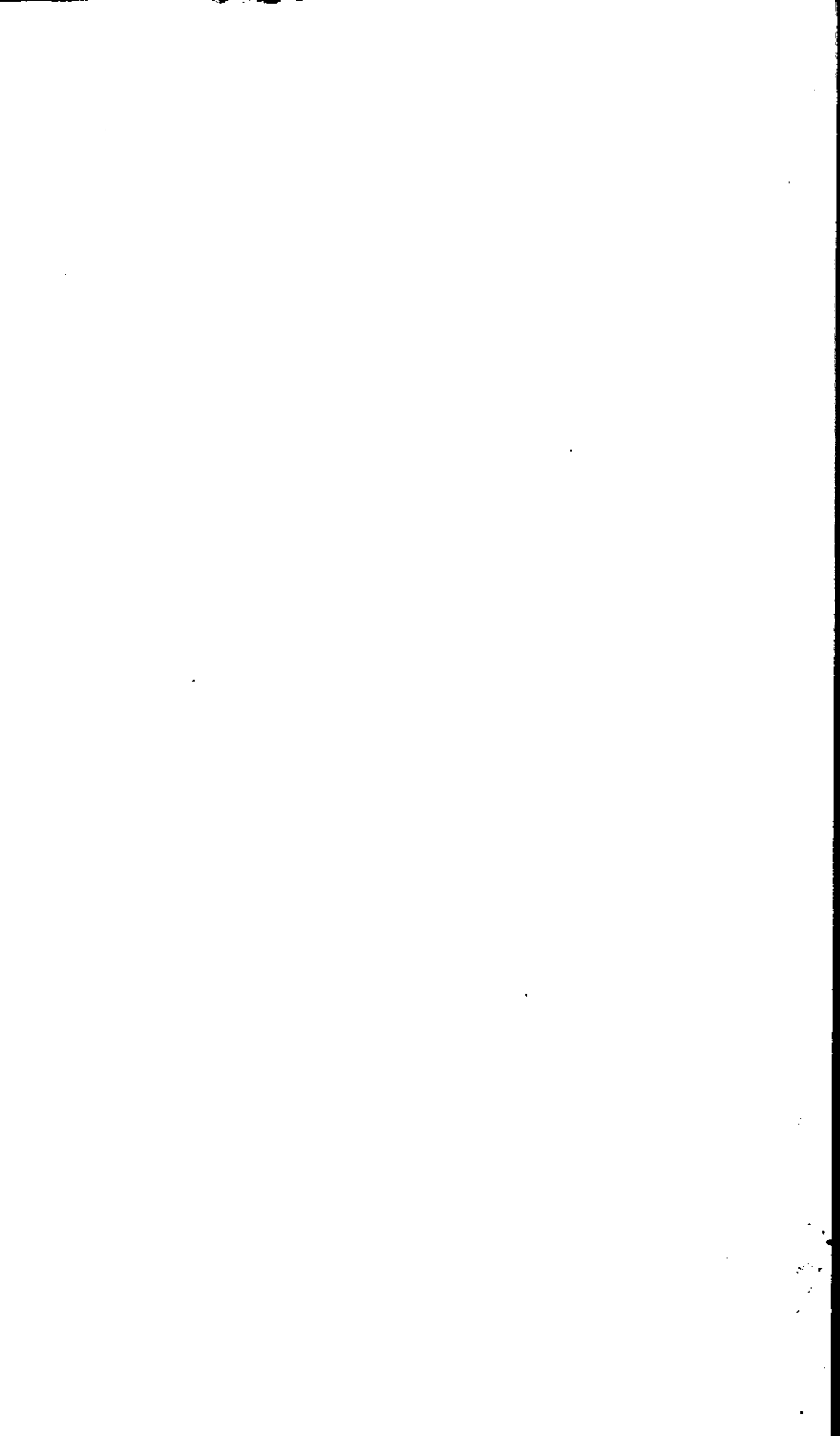
صدقے کے آداب وہی ہیں جو زکوٰۃ میں بیان ہو چکے ہیں، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے فقیر کے لیے کون سی چیز بہتر ہے، یعنی وہ زکوٰۃ لے یا صدقہ؟ تو کچھ لوگوں نے کہا زکوٰۃ افضل ہے اور دوسروں نے کہا صدقہ لینا بہتر ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ بہترین صدقہ کونسا ہے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو صحت اور ضرورت کے ہوتے ہوئے صدقہ کرے۔ تجھے تنگ دستی کا خوف ہو اور دو تہمتی کی خواہش ہو اور اتنی دیر نہ کرے کہ جان حلق تک آجائے اور تو کہے، اتنا فلاں کو دے دو اور اتنا فلاں کو دے دو۔ وہ تو اب فلاں کا ہو ہی چکا ہے۔“ اسے شیخین نے صحیحین میں روایت کیا۔



# كِتَابُ الصَّوْمِ

- روزہ، اس کے اہم امور اور متعلقات
- روزے کی مستتین
- روزے کے آداب



## فصل اول

## روزہ، اُس کے اہم امور اور متعلقات

معلوم ہونا چاہیے کہ روزے میں کچھ خصوصیتیں ہیں جو دوسری عبادات میں نہیں ہیں۔ مثلاً اُس کا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونا جیسے کہ اللہ تعالیٰ حدیثِ قدسی میں فرماتے ہیں: "روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا" اور یہ نسبت بہت بڑا شرف ہے جیسا کہ بیت اللہ کا شرف کہ اُس کو بھی انہی طرف منسوب کر کے فرمایا و کَلِّمْتَہُ (اور میرے گھر کو پاک کر) اور روزے کی فضیلت دو طرح سے ہے:

پہلی یہ کہ یہ پوشیدہ اور باطن کا عمل ہے۔ اسے مخلوق نہیں دیکھ سکتی اور یوں اس میں ریا نہیں۔ دوسری اس لیے کہ یہ اللہ کے دشمن کو مغلوب کرتا ہے کیونکہ دشمن کا وسیلہ خواہشات ہیں اور خواہشات کھانے پینے سے قوت پکڑتی ہیں۔ جب تک خواہشات کی زمین ہری بھری رہے گی شیطان اس پر گاہ میں آتے ہی نہیں گے، البتہ خواہشات ختم ہو جانے سے ان پر راستے تنگ ہو جاتے ہیں۔ روزے کے متعلق بہت سی احادیث ہیں جو اس کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

## روزے کی سنتیں

سحری کا کھانا اور آخر وقت میں کھانا۔ روزہ جلدی افطار کرنا اور کھجور سے افطار کرنا۔ یہ سب میں سنت ہیں۔ اور یہ بھی سنت ہے کہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے سہاوت کرے، نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ نیز قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور اعتکاف میں بیٹھا، خصوصاً آخری عشرے میں سنت ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر باندھ لیتے اور شب بیداری کرتے اور اپنے گھر والوں کو جگاتے۔  
کمر باندھنے کے علاوہ دو معنی بیان کیے ہیں: ایک یہ کہ عورتوں کی صحبت سے اجتناب کرتے۔  
دوسرے یہ کہ نیک اعمال کے لیے بہت کوشش کرتے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ زیادہ نیکی کرنے کا مطلب یہ ہونا  
کہ آپ لیلۃ القدر کو تلاش کرتے۔

---

## فصل دوم

### روزے کے آداب

روزے کے تین درجے ہیں۔ عام روزہ، خاص روزہ اور خاص النخاص روزہ۔  
عام روزہ تو یہ ہے کہ خود کو پیٹ بھرنے اور شہوت سے روکے۔ خاص روزہ یہ ہے کہ نظر، زبان، ہاتھ، پاؤں، کان اور تمام اعضاء کو گناہ سے بچائے اور خاص النخاص روزہ یہ ہے کہ دل کو ردی خیالات اور خدا سے ڈور کرنے والے افکار سے پاک کرے اور اللہ کی یاد کے سوا ہر چیز سے رک جائے اس روزہ کی کئی شریعی ہدایات ہیں جو کسی اور جگہ بیان ہوں گی۔

خاص روزے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ نگاہ نیچی رکھے، زبان کو تکلیف دینے والی بے فائدہ باتوں سے روکے اور اپنے باقی اعضاء کو بھی برائیوں سے بچائے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "جس نے ٹھوٹا اور اس پر عمل کو نہ چھوڑا اللہ کو اس کے کھانا اور پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

روزے کے آداب میں سے ہے کہ رات کو پیٹ بھر کر نہ کھائے، بلکہ بعد رکفایت کھائے، کیونکہ پیٹ سے زیادہ بڑا کوئی برتن ابن آدم نہیں بھرتا اور جب پہلی رات میں سیر ہو کر کھاٹے کا تو باقی رات میں اپنے نفس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ اسی طرح اگر سحری پیٹ بھر کے کھاٹے کا تو ظہر تک اپنے نفس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے گا، کیونکہ زیادہ کھانے سے سستی اور فتور پیدا ہوتا ہے۔ پھر زیادہ کھانے سے روزہ کا مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ روزے کا مقصد تو یہ ہے کہ بھوک کا مزہ بھی چکھے اور خواہشات کے ترک کرنے کی تکلیف بھی اٹھائے۔

اے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل کی پروا نہیں کرتے اور ناس کو دیکھتے ہیں کیونکہ اس نے ان چیزوں کو تو چھوڑ دیا جو روزے کے وقت کے علاوہ اس کے لیے حلال تھیں اور جو ہر وقت حرام تھیں ان سے پرہیز نہ کیا۔

نفلی روزے کے متعلق معلوم ہونا چاہیے کہ فضیلت والے دنوں میں نفلی روزہ رکھنے کی تاکید ہے اور فضیلت والے دن بعض تو سال کے دوران میں پائے جاتے ہیں، جیسے رمضان کے بعد شوال کے تھپوڑے اور یوم عرفہ کا روزہ اور عاشوراء اور ذی الحجہ کے دس روزے اور محرم کے روزے وغیرہ۔ نیز فضیلت والے بعض دنوں کی گردش ہر مہینے میں ہوتی ہے مثلاً ہر مہینے کے ابتداء، درمیان اور آخر کے روزے جس نے مہینے کے اول اور درمیان اور آخر میں روزہ رکھا، اُس نے اچھا کیا، لیکن بہتر یہ ہے کہ ایام بیض کے تین روزے رکھے۔ اسی طرح فضیلت والے بعض دنوں کی تکرار ہر ہفتے میں ہوتی ہے جیسے پیر اور جمعرات کا روزہ۔

نفلی روزوں میں سب سے افضل داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے، وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور اس میں تین مقاصد ہیں :

پہلا یہ کہ افطار کے دن نفس کو اس کا حصہ دیا جائے اور روزے کے دن عبادت کا حق ادا کیا جائے اس میں انسان کے فرائض اور حقوق و ذولوں کو جمع کیا گیا ہے اور یہی عدل ہے۔

دوسرا یہ کہ کھانے کا دن شکر کا دن ہے اور روزے کا دن صبر کا دن ہے اور ایمان دو نصف، صبر اور شکر کا مجموعہ ہے۔

تیسرا یہ کہ یہ نفس پر بجا ہرے میں زیادہ مشکل ہے کیونکہ جب وہ کسی حالت سے مانوس ہوتا ہے تو اس سے پھیر دیا جاتا ہے۔ باقی رہا ہمیشہ کا روزہ رکھنا، تو مسلم میں ابوقادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ”جو ہمیشہ روزہ رکھے وہ کیسا ہے؟“ تو آپ نے فرمایا ”اُس نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا“ اور یہ اس آدمی کے متعلق ہے جو ان ایام میں بھی روزہ رکھتا ہے جن میں روزہ رکھنا منع ہے اور وہ ہیں دونوں عیدوں کے دن اور تشریق کے دن، لیکن اگر کوئی ان دنوں میں افطار کرے اور باقی سارا سال روزے رکھتا جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کے باپ عروہ مسلسل روزہ رکھتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی مسلسل روزہ رکھتی تھیں۔

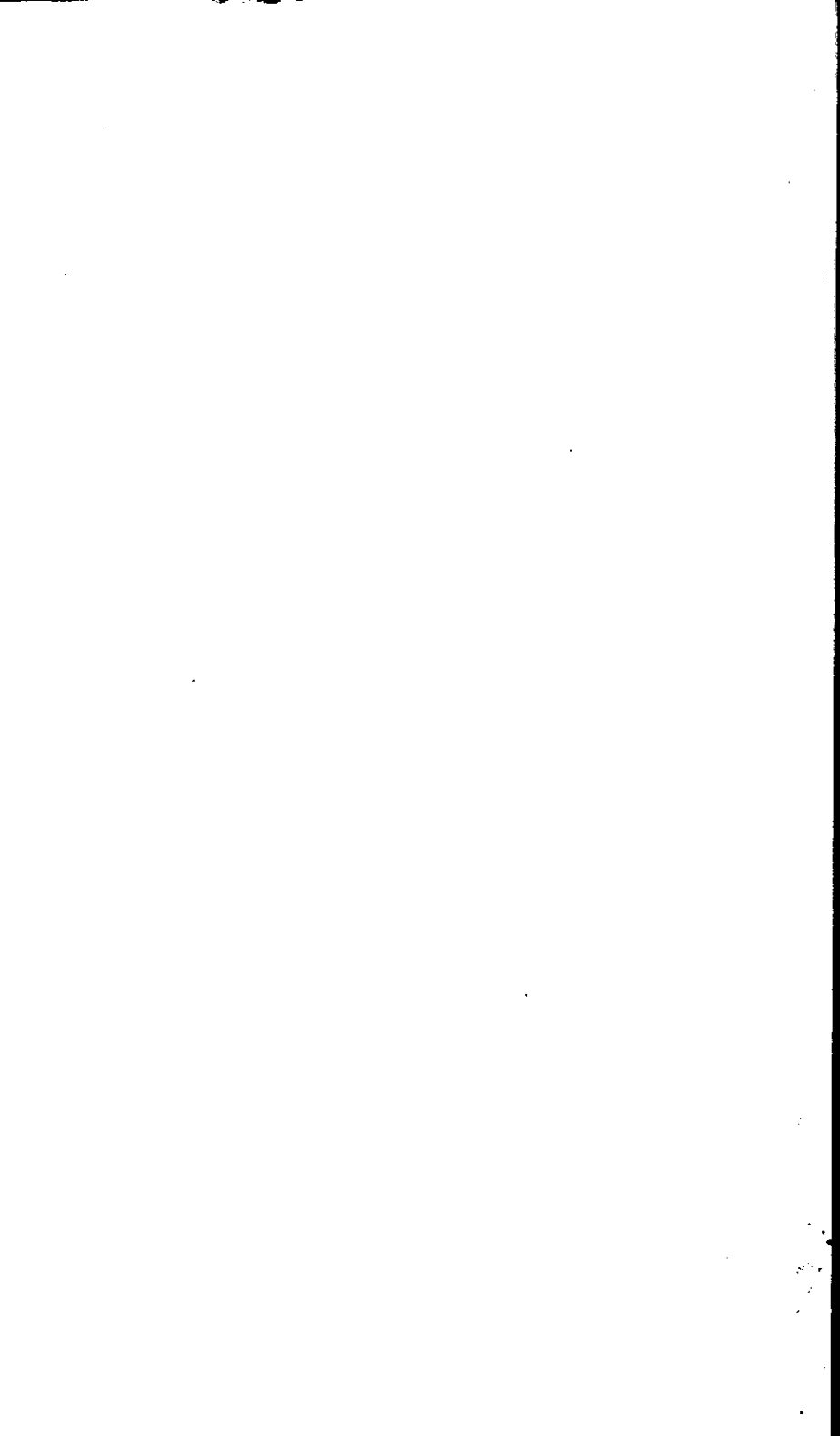
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوطحہ نے چالیس سال تک روزے رکھے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے وہ روزے کے مقصد کو سمجھتا ہے



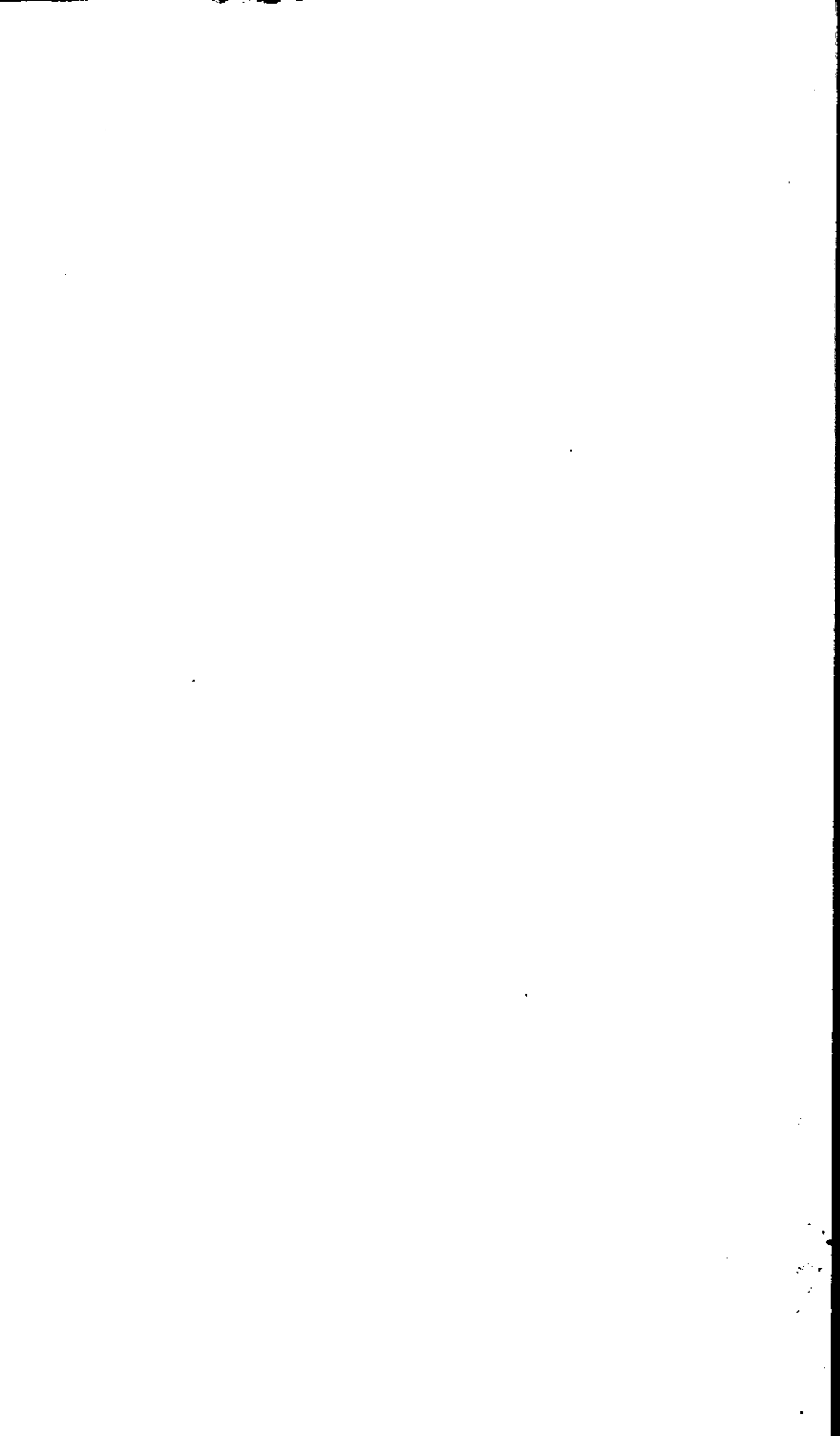
وہ اپنے نفس پر آنا ہی بوجھ ڈالتا ہے جو اسے روزے سے افضل کام سے عاجز نہ کر دے۔  
 حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بہت تھوڑے روزے رکھتے تھے۔ کہتے اگر میں زیادہ روزے رکھوں،  
 تو نماز سے کمزور ہو جاؤں گا اور میں نماز کو روزے سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔  
 حضرات صحابہ میں بعض کا حال یہ تھا کہ روزہ رکھتے تو قرآن کی تلاوت سے عاجز آجاتے۔ پھر وہ زیادہ  
 دن افطار کرتے، یہاں تک کہ تلاوت پڑھا در ہو جاتے۔ ہر آدمی اپنے حالات اور اپنی اصلاح کو خوب  
 جانتا ہے۔

۱۔ ابن عبد البر نے تہذیب میں کہا ہے کہ عمری عابد نے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف لکھا وہ انھیں گوشہ نشینی اور عبادت گزاروں  
 کی ترغیب دینا چاہتے تھے اور انھیں اپنے ماں کے علمی اجتماع سے دل برداشتہ کرنا چاہتے تھے تو امام مالک نے  
 ان کو لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کی طرح اعمال بھی تقسیم کیے ہیں۔ کسی آدمی کی طبیعت نماز میں لگتی ہے روزے میں نہیں  
 لگتی اور کوئی آدمی صدقہ خوب کرتا ہے لیکن روزے اتنے نہیں رکھتا اور کوئی جہاد میں خوش رہتا ہے اور نماز اتنی  
 نہیں پڑھتا۔ اور علم کو پھیلانا اور اس کی تعلیم دینا انسان کے بہترین اعمال میں سے ہے اور اس میں سے جو اللہ تعالیٰ  
 نے میرے حصے میں لکھا ہے میں اس پر خوش ہوں۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ میرا عمل تمہارے عمل سے کم تر ہے۔  
 مجھے امید ہے کہ ہم دونوں ہی نیکی اور صوابی پر ہیں اور ہم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر خوش  
 رہنا چاہیے۔ والسلام۔



# کتاب الحج

- حج اور اُس کے اسرار و فضائل
- حج کے باطنی آداب اور اسرار



## فصل اول

### حج اور اس کے اسرار و فضائل

جو آدمی حج کا ارادہ کرے اُسے چاہیے کہ پہلے توبہ کرے اور جن پر ظلم کیا ہے ان کا توبہ کرے، قرض ادا کرے اور جن کے اخراجات کا ذمہ دار ہے واپسی تک کے لیے ان کے خرچ کا انتظام کرے۔ نیز لوگوں کی امانتیں واپس کرے۔ علاوہ ازیں اپنے ساتھ حلال مال اتنا لے جائے جس سے بغیر کسی گنجوسی اور تکلیف کے آجلا سکے۔ نہ صرف سفر کے دوران میں خورد و نوش کا اچھا انتظام کر سکے بلکہ تقیروں کو بھی دینے کے قابل ہو۔ مناسب مقدار میں روپے کے علاوہ اپنے ساتھ بدنی آرائش کی چیزیں بھی لے جائے۔ مثلاً مسواک، کنگھی، تیشہ، سرمدانی وغیرہ۔

حج کے لیے جانے لگے تو گھر سے نکلنے سے پہلے کچھ صدقہ کرے اور جب اونٹ کرایہ پر لے تو اونٹ والے کو تمام سامان خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ ضرورتاً دے کہ یہ چیزیں اونٹ پر رکھے گا۔ ابن مبارک سے ایک آدمی نے کہا فلاں آدمی کے لیے میرا ایک رقعہ لے جاؤ تو آپ نے کہا ٹھہرو میں اونٹ والے سے اجازت لے لوں۔

چاہیے کہ کوئی نیک ساتھی تلاش کرے جو نیکی پسند کرنے والا اور نیکی کے کاموں میں مددگار ہو۔ اگر بھول جائے تو وہ اسے یاد کرائے اور اگر یاد ہو تو وہ اس کی مدد کرے اور اگر اس کا سینہ تنگ ہو تو اسے صبر کی تلقین کیا کرے۔ علاوہ ازیں اہل قافلہ باہمی مشورے سے اپنے میں سے بہتر آدمی کو اپنا امیر بنالیں۔ یہ شخص ایسا ہو کہ ساتھیوں سے اچھے اخلاق سے پیش آئے۔ اُن سے نرم بڑا ڈکرے اور امیر کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ رائیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے کوئی کام بھی منظم طریقے سے انجام نہیں پاسکتا۔ امیر کا فرض ہے کہ توہم سے نرمی کرے۔ ان کی مصلحت پر غور کرے اور اپنے آپ کو ان کے لیے ڈھال بنائے رکھے۔

سفر کے دوران میں ہر شخص کو چاہیے کہ اچھی گفتگو کرے، دوسروں کو کھانا کھلائے اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے کہ سفر باطن کی پوشیدہ چیزیں ظاہر کر دیتا ہے، جو آدمی سفر میں جہاں کہ بے چینی ہوتی ہے اچھے خلق والا ہو

تو اپنے گھر میں تو وہ اس سے بھی اچھے خُلق والا ہوگا۔

کہا گیا ہے کہ جب کسی آدمی سے سفر میں معاملہ کرنے والے اور سفر میں اُس کے ساتھ رہنے والے تعریف کریں تو اس کے اچھا ہونے میں شک نہ کرو۔

حج پر روانہ ہونے والے کو چاہیے اپنے عزیزوں، دوستوں اور اہلِ محلہ کو الوداع کہے۔ اُن سے دعا کی درخواست کرے اور جمعرات کے دن صبح کے وقت گھر سے نکلے۔ نکلنے سے پہلے اپنے گھر میں دو رکعت نماز پڑھے۔ اہلِ دعیاں کو اللہ کے سپرد کرے اور گھر سے نکلنے اور سوار ہونے اور اترنے کے وقت منقول دعائیں اور اذکارِ مسنونہ پڑھے۔ یہ دعائیں مناسکِ حج کی کتابوں میں درج ہیں۔

اسی طرح حج کے تمام مناسک، احرام، طواف، سعی اور عرفات کا وقوف وغیرہ یہ اطمینان ادا کرے اور جو اذکار و دعیاں اور آداب اُن کے بارے میں لکھے ہیں انہیں پوری صحت کے ساتھ ادا کرے۔ یہ سب باتیں فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے درج ہیں۔

## فصل دوم

## حج کے باطنی آداب اور اسرار

معلوم ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ آدمی اس کی عبادت کے لیے دوسری چیزوں سے الگ ہو جائے۔ عیسائی راہب اللہ تعالیٰ سے اُنس حاصل کرنے کے لیے پہاڑوں میں گوشہ نشین ہو جاتے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ کو ایسا کرنے سے منع کیا گیا، لیکن حج کو اللہ کے لیے وقف ہو جانے کا ذریعہ بنا دیا گیا، چنانچہ حج کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ حج میں تجارت وغیرہ سے الگ ہو کر اللہ کی اطاعت کے لیے مجتمع رہے اور غبارِ آلود، ثویلیدہ مواد پر نشیان حال ہو کر اسے پکارے اور زینت کا زیادہ خیال نہ کرے۔

محل میں بغیر عذر کے سوار ہونے سے پرہیز کرے، مثلاً کوئی گجاوے پر نہ بیٹھ سکتا ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر حج کیا اور آپ کے نیچے پرانا ٹشکتہ بجا دیا تھا۔

حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حاجیوں کے ساتھ فرشتوں کو گواہ بنا تا ہے اور کہتا ہے میرے بندوں کو دیکھو میرے پاس ہر راستے سے عبادت گزار اور پریشان بال آئے ہیں میں تم کو گواہ بنا تا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو شرف اور عظمت عطا فرمائی ہے اور اپنے بندوں کے لیے اسے مقصد مقرر کیا ہے اور اُس کے ماحول کو محض اُس کی عظمت، شان اور بزرگی کے لیے حرم بنایا ہے اور عرفات اُس کے لیے مقدس میدان مقرر کیا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حج کے تمام افعال میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت کا سامان ہے اور ان میں سے یہ بھی ہے کہ جب زادِ راہ حاصل کرے تو زیادہ گئے کہ آخرت کے سفر کے لیے زادِ راہ (نیکی اعمال) کی ضرورت ہوگی۔ ریبا اور مُمبہ سے اعمال کو ضائع ہونے سے بچائے کہ وہ ناس کا ساتھ دے سکیں گے نہ اس کے کام آسکیں گے۔ اُن کی مثال اُس کھانے کی سہی ہے

جو سفر کی پہلی منزل ہی میں تراب ہو جائے اور ضرورت کے وقت کھانے والا پریشانی کے سوا کچھ نہ پائے۔ جب اپنے وطن سے نکلے اور جنگل میں گھاٹیوں کو دیکھے تو دنیا سے قیامت کے میدان کی طرف اپنے نکلنے کو اور موت سے قیامت تک کے باہن ہونے والے ہونا ک مناظر کو یاد کرے۔

اُن میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے احرام باندھنے اور کپڑے اتارنے کے وقت اپنے کفن کو یاد کرے کہ وہ غمگین اپنے رب کو ایسے لباس میں ملے گا جو دنیا والوں کے لباس سے مختلف ہوگا اور جب بلیک کہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کا تصور کرے جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: **وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ** (اور لوگوں کو حج کی آواز دو) اور اس کی قبولیت کی اُمید رکھے نیز قبول نہ ہونے کا ڈر بھی رکھے۔ اسی طرح جب حرم شریف تک پہنچے تو چاہیے کہ عذاب سے امن کی اُمید رکھے اور یہ ڈر بھی رکھے کہ ایسا نہ ہو کہ میں مقربین میں شمار نہ ہوؤں، البتہ اُمید غالب رہنی چاہیے کیونکہ اللہ کی بخشش بڑی عام ہے اور زیارت کے لیے آنے والے کے حقوق کی رعایت کی جاتی ہے اور پناہ لینے والے کے حق کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

ان میں سے یہ بھی ہے کہ جب بیت اللہ شریف کو دیکھے تو اللہ کی عظمت کو اپنے دل میں حاضر کرے اور اُس کا شکر یہ ادا کرے کہ وہ اُس کے پاس ساکن بن کر آنے والوں کے مرتبہ تک پہنچی ہے اور طواف کی عظمت کو سمجھے کہ وہ نماز ہے اور حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت عقیدہ رکھے کہ وہ خدا تعالیٰ سے اُس کی اطاعت کی بے گناہی اور اُس کے ساتھ ہی بیعت کو پورا کرنے کا عزم بھی رکھے اور خانہ کعبہ کے پردے کو کپڑے وقت اور منترم سے چھٹتے وقت تصور کرے کہ گنہگار غلام اپنے مالک کی پناہ لے رہا ہے اور مُجرب محبوب کے قریب ہو گیا ہے۔

اس کے متعلق بعض نے یہ اشعار پڑھے ہیں:

۱- تیرے گھر کے پردے تیری طرف سے امن کی علامت ہیں اور اے خداوند نہیں تیری پناہ لینے کی خاطر اُن سے چھٹا ہوں۔

۲- اور جب میں نے آگ سے ڈر کر ان پردوں کو کپڑا لیا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ تو مجھے آگ کے قریب نہ کرے گا۔

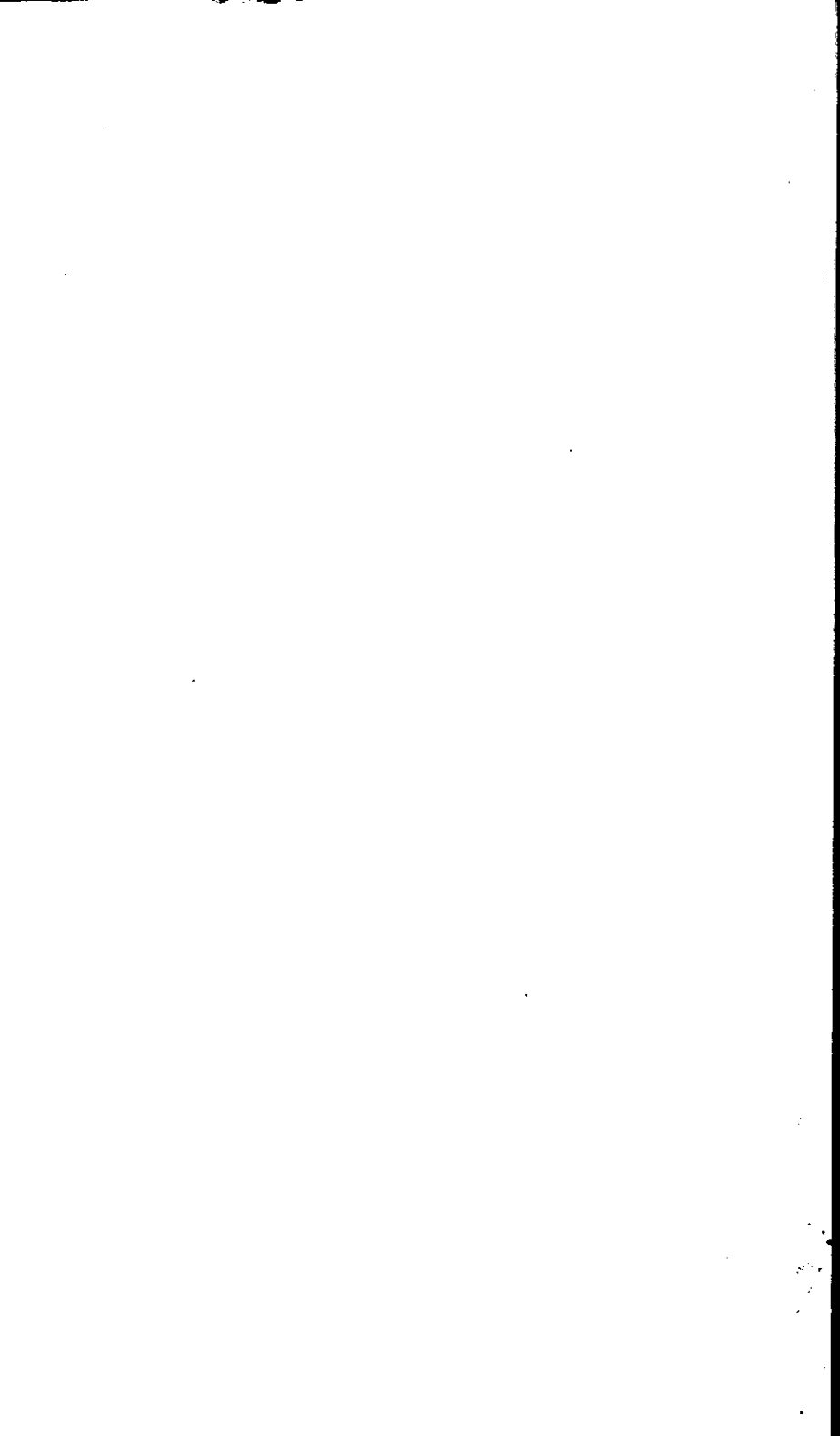


۳ - اور بان میں تیرے گھر کا ہمسایہ ہوں جس کے حج کا تو نے سکم دیا ہے اور تو نے ہمسائے سے اچھا سلوک کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔

ادمان میں سے یہ بھی ہے کہ جب صفا اور مروہ کے درمیان دوڑے، تو اسے ترازو کے دونوں پلٹوں کی طرح سمجھے اور ان کے درمیان اپنی آمد و رفت کو میدانِ قیامت کے درمیان بھاگ دوڑ خیال کرے۔ تصور یہ ہو کہ غلام اپنے مالک کے دروازے پر اس کی خدمت میں خلوص کے اظہار، اس کی رحمت کی امید اور اپنی حاجت روائی کی خاطر آخار ہا ہے۔

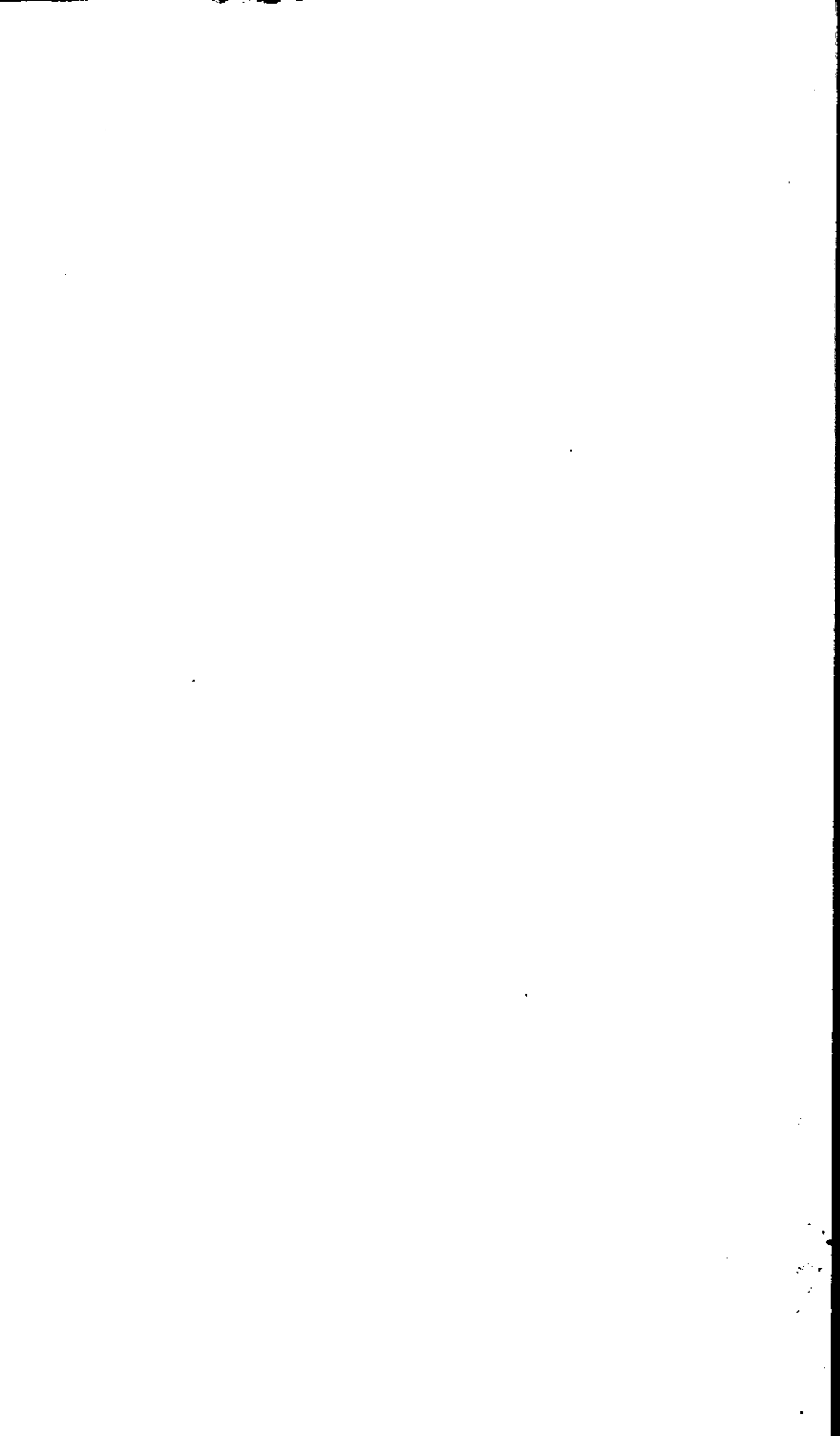
عرفات کے میدان میں خلعت کی بھیر، ان کا آذانیں بلند کرنا اور ان کی زبانوں کا اختلاف دیکھ کر قیامت کا میدان یاد کر کے کس طرح اُمتیں اُس میدان میں اکٹھی ہوں گی اور کس طرح وہ شفاعت کی آرزو کریں گی۔ پھر جب حجرات کو کنگریاں مارو تو اُس سے حکم کی تعمیل اور غلامی اور عبودیت کے اظہار کا ارادہ کرواؤ یہ جان لو کہ زندگی کا مقصد نفسانی خواہش پورا کرنے کے بجائے صرف اطاعت ہے۔

جب شہر مدینہ نظر آنے لگے تو یاد کرو کہ یہ وہ شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے پسند کیا۔ اُس کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا اور اپنے نبی کی قبر اُس میں رکھی۔ پھر تصور کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم آتے جاتے وقت کہاں کہاں پڑے ہوں گے نیز آپ کے خشوع اور وقار و سکینہ کا تصور کرو۔ پھر جب آپ کی زیارت کا قصد کرو تو اپنے دل میں آپ کی تعظیم اور بہت طاری کرو۔ اور آپ کی صورتِ گرامی کو خیال میں لاؤ اور اپنے دل میں آپ کے عظیم مرتبے کو حاضر کرو پھر آپ پر سلام پڑھو اور جان لو کہ آپ کو تمہارے حاضر ہونے اور سلام کہنے کا علم ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔



# بکاء التلاوت

- قرآن کریم کی تلاوت کے آداب اور فضیلت
- آداب تلاوت
- قراءت کا بیان



## فصل اول

# قرآن کریم کی تلاوت کے آداب اور فضیلت

قرآن کریم کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں خود اس کی عظمت بیان فرمائی ہے۔ فرمایا: هَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مَبَآرَكًا (اور ہم نے اس کتاب کو اتارا یہ برکت والی ہے) اور فرمایا: إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلْسَبْحِ هِيَ أَحْسَمُ (یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بہت سیدھی ہے) اور فرمایا: لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ يَاطِلُ نَرَسَلْنَاهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ نَزِيحًا (اس پر اسکتا ہے نہ پیچھے سے)۔

بنجاری شریف کے افراد میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ بندے اللہ تعالیٰ کا اہل و عیال ہیں، کہا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ تو فرمایا: قرآن والے ہی اللہ کا اہل و عیال اور اس کے ہم بندے ہیں؟ اسے نسائی نے روایت کیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس دل کو عذاب نہ کرے گا جس نے قرآن یاد رکھا۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن والے سے کہا جائے گا پڑھتا جا اور پڑھتا جا اور تزیل سے پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا۔ تیری منزل وہاں ہے جہاں تجھے تیری آخری آیت کی قرات پہنچا دے۔ اسے ترمذی نے صحیح کہا۔

۱۰۰ سورۃ السراء - آیت ۹۰

۱۰۰ سورۃ النعام - آیت ۹۲

۱۰۰ سورۃ فصلت (احم السجدة) آیت ۲۲

06274

حضرت جریدہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”قیامت کے دن قرآن اپنے ساتھی کو ملے گا جبکہ وہ قبر سے کمزور اور زرد رنگ نکلے گا تو کہے گا - کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا میں نہیں پہچانتا“ تو وہ کہے گا - ”میں تیرا ساتھی قرآن ہوں کہ میں نے تجھے گرمی میں پیسا رکھا اور دات کو جگایا اور ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے اور میں آج تیرے لیے ہر تجارت سے اچھا ہوں“ پھر اُس کے دائیں ہاتھ میں اختیار دیا جائے گا اور بائیں ہاتھ میں ہمیشہ رہنا اور اُس کے سر پر دقار کا ناچ رکھا جائے گا اور اس کے ماں باپ کو دُستلے (جوڑے) پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا ان کی قیمت نہیں بن سکتی تو وہ کہیں گے ”یہ مجھے ہیں کس سبب سے پہنائے گئے ہیں؟“ کہا جائے گا تمہارے بیٹے نے قرآن یاد کیا تھا۔ پھر کہا جائے گا ”جنت کے درجات اور بالائے انوں میں پڑھتا جا اور پڑھتا جا۔ وہ جب تک پڑھتا جائے گا پڑھتا رہے گا خواہ تیزی سے پڑھے یا آہستہ“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ”قرآن والے کو چاہیے کہ وہ اپنی رات کو پہچانے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ اور اپنے دن کو جبکہ لوگ کھانا کھا نہیں اور اپنے غم کو جبکہ لوگ خوش ہوں اور اپنے رونے کو جبکہ لوگ ہنسیں اور اپنی خاموشی کو جبکہ لوگ باتیں کریں اور اپنے خشوع کو جبکہ لوگ تکبر کریں۔“

تاری کے لائق نہیں کہ وہ سنگدل، غافل، شور مچانے والا اور مغلوب الغضب ہو۔“

فضیل نے کہا - ”قرآن کا حامل اسلام کا علمبردار ہے۔ اسے لائق نہیں کہ لغو گوئی کرنے والوں کے ساتھ مل کر لغو گوئی کرے۔ بھولنے والوں کے ساتھ بھول جائے اور کھیلنے والوں کے ساتھ کھیلے۔ اسے چاہیے کہ اللہ کی عظمت کو ملحوظ رکھے! ورنہ یہ لائق ہے کہ وہ اپنی حاجت کسی کے پاس لے کر جائے، بلکہ لوگ اپنی حاجتیں اُس کے پاس لے کر آئیں۔“

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ”میں نے خواب میں رب العزت کو دیکھا، میں نے عرض کیا: اے میرے رب! آپ کی جناب میں تقرب حاصل کرنے والے کس چیز سے تقرب حاصل کرتے ہیں؟ فرمایا اے احمد میرے کلام سے۔“ میں نے عرض کیا ”سمجھ کر پڑھنے سے یا بغیر سمجھ کر پڑھنے سے بھی؟“ فرمایا ”سمجھ سے بھی اور بغیر سمجھ کے بھی۔“

## فصل دوم

## آداب تلاوت

قرآن کریم پڑھنے والے کو چاہیے کہ با وضو ہو، ادب سے بیٹھے، سر نیچا کیے ہوئے اور چاروں طرف دیکھ کر لگا کر منکروں کی طرح نہ بیٹھے۔ بہترین حالت یہ ہے کہ نماز میں کھڑا ہو کر پڑھے اور مسجد میں ہو۔ باقی رہا یہ کہ کتنا پڑھے، تو اس میں سلف کی عادت مختلف تھی، بعض ایک دن رات میں ختم کر لیا کرتے تھے بعض ایک دن رات میں پورا قرآن ختم کر کے کچھ زیادہ بھی پڑھتے اور بعض تین دنوں میں ختم کرتے۔ بعض ایک ہفتے میں ختم کرتے بعض ایک مہینے میں ختم کرتے کیونکہ وہ قرآن کے سمجھنے میں مشغول ہوتے یا علم کو پھیلانے میں یا تعلیم دینے میں یا قرأت کے علاوہ کسی اور عبادت میں یا دنیا کی محنت مزدوری کے شغل کی وجہ سے۔ بہتر یہ ہے کہ اتنا پڑھے جس سے اس کے ضروری کاموں میں رکاوٹ نہ پیدا ہو اور نہ اس کے جسم کو تکلیف ہو اور نہ تریل اور تدبیر کے بغیر قرآن ضائع ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں صرف سورۃ بقرہ اور آل عمران پڑھ لوں اور ان کو تریل سے پڑھوں اور ان میں غور و فکر کروں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں سارا قرآن تیز تیز پڑھ جاؤں۔ جسے فرحت ہو وہ زیادہ قرأت کو غنیمت سمجھے تاکہ زیادہ ثواب حاصل کرے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وتر کی ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھتے تھے۔ اور امام شافعیؒ رمضان میں ساٹھ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

باقی رہا ہمیشہ کا معاملہ تو جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اپنی ہمت کے مطابق رکھے۔ بعض نے پسند کیا ہے کہ اگر دن کو ختم کرے تو صبح کی سنتوں میں یا ان کے بعد ختم کرے اور اگر رات کو ختم کرے تو مغرب کی سنتوں میں یا ان کے بعد ختم کرے، یعنی ختم کرنے کے لیے رات کی ابتدا یا دن کے شروع کا وقت انتخاب کرے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو قرآن ختم کرے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب قرآن ختم کرتے تو اپنے گھروالوں کو اکٹھا کرتے اور دعا مانگتے۔

## قراءت کا بیان

اچھی آواز سے قراءت کرنا مستحب ہے۔ اگر کسی کی آواز اچھی نہ ہو تو جتنا ہو سکے اچھا بنائے، اگر کم ایسا کرنے کو سلف مکروہ سمجھتے تھے۔

مستحب یہ ہے کہ قراءت آہستہ آواز سے کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ پوشیدہ قراءت علانیہ قراءت سے ایسے ہی بہتر ہے جیسے پوشیدہ صدقہ ظاہری صدقہ سے بہتر ہے۔ "یا انسا فرددہو کہ اپنے آپ کو آواز سنائی دے۔ علاوہ ازیں صحیح مقصد کے لیے بعض اوقات بلند آواز سے قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً حفظ میں عمدگی پیدا کرنے کے لیے یا اپنی نیند اور سستی دور کرنے کے لیے یا سوتے ہوؤں کو جگانے کے لیے۔

نماز میں قراءت کا حکم کیا ہے اور فرض نمازوں میں کتنی قراءت کرے اور کب بھری قراءت کرے اور کب برتری؛ تو یہ سب چیزیں فقہ کی کتابوں میں معروف و مشہور ہیں۔

جس کے پاس قرآن مجید کا نسخہ ہو اسے چاہیے کہ ہر روز اس سے دیکھ کر چند آیتیں ضرور پڑھا کرے تاکہ قرآن چھوٹا ہوا معلوم نہ ہو۔ قرآن کیم کی تلاوت کرنے والے کو چاہیے کہ غور کرے کس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے فہم کی طرف قرآن کے معانی کو پہنچا کر مہربانی فرمائی ہے۔ یہ بھی ذہن میں رکھے کہ جو پڑھ رہا ہے وہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ کلام والے کی عظمت کو ذہن نشین کرے اور کلام پر غور و تدبیر کرے کیونکہ قراءت کا مقصد ہی تذکر قرآن ہے۔ اگر بغیر تکرار کے تدبیر حاصل نہ ہو تو تکرار کرے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک ہی آیت: **رَأٰنَ تَعٰذِبُهُمْ فَاٰنٰهُمْ عِبَادٌ مُّسٰلِمٌ** (اگر تو ان کو منرادے تو وہ تیرے بندے ہیں) کی تکرار کرتے ہوئے رات کا قیام پورا کیا۔ تیس دنوں تک یہی ایک ہی آیت پڑھتے ہوئے رات گزار دی اور وہ یہ آیت تھی: **اَمْ رَحِیْبَ الَّذِیْنَ اٰجِبُوْهُمُ السَّیِّئَاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** (کیا بکر دار لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم ان کو مومن، نیکو کار لوگوں کے برابر کر دیں گے) اسی طرح ربیع بن خثیم نے بھی ایک آیت سے رات بھر



قیام کیا۔

تلاوت کرنے والے کو چاہیے کہ ہر آیت کے مناسب اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے۔ جب آیت: خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ (اس نے زمین آسمان پیدا کیے) پڑھے تو ہر نظر آنے والی چیز میں اس کی عظمت اور قدرت کا تصور کرے اور جب آیت: أَقْرَأَ يَتِيمٌ مَّا لَمْ يَمُنْ بِشَيْءٍ كَمَا جِئَتْهُ لُفْظَةً يُدْرِكُهَا (ہو) تو لفظ میں غور کرے کہ اس کے اجزاء کیسے ایک دوسرے سے متشابہ ہیں، پھر وہ گوشت، ہڈی، رگ اور پتھے میں کس طرح تقسیم ہو جاتا ہے اور پھر اس کی مختلف شکلیں سر، ہاتھ اور پاؤں کس طرح بنتی ہیں۔ پھر جو اس میں صفات شریفہ مثلاً سننا، دیکھنا اور سمجھنا وغیرہ کس طرح نمودار ہوتی ہیں، ان سب عجائبات پر غور کرے۔

جب جھٹلانے والوں کے حالات کی تلاوت کرے تو اس بات کا احساس کرے کہ نافرمانی کی صورت میں کس قدر خوفناک حالت ہوگی۔

تلاوت کرنے والے کو سمجھنے میں رکاوٹ بننے والی چیزوں کو دل سے نکال دینا چاہیے۔ مثلاً یہ کہ شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ تلاوت کا حق ادا نہیں ہوا۔ حروف اپنے مخرج سے نہیں نکلے یا یہ کہ تلاوت کرنے والا تکرار کرتا رہے اور معافی کا ادراک کرنے میں طبیعت الجھ جائے۔

تلاوت کرنے والا لگاہ پر اصرار نہ کرے۔ متکبرانہ ہوا اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے میں مبتلا نہ ہو کیونکہ ان سے دل میں غلٹت پیدا ہوتی ہے اور دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال زنگ آلود شیشے کی ہے کہ وہ حق کی تجلی کو روک دیتا ہے۔ دل آئینے کی طرح ہے اور خواہشات زنگ کی مثل۔ اور قرآن کے معانی ان شکلوں کی طرح ہیں جو شیشے میں نظر آتی ہیں۔ خواہشات کو دور کرنے کی ریاضت سے دل آئینے کی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ تلاوت کرنے والے کو چاہیے یہ جان لے کہ قرآن کے خطاب اور اس کے وعید کا مخاطب وہی ہے اور واقعات

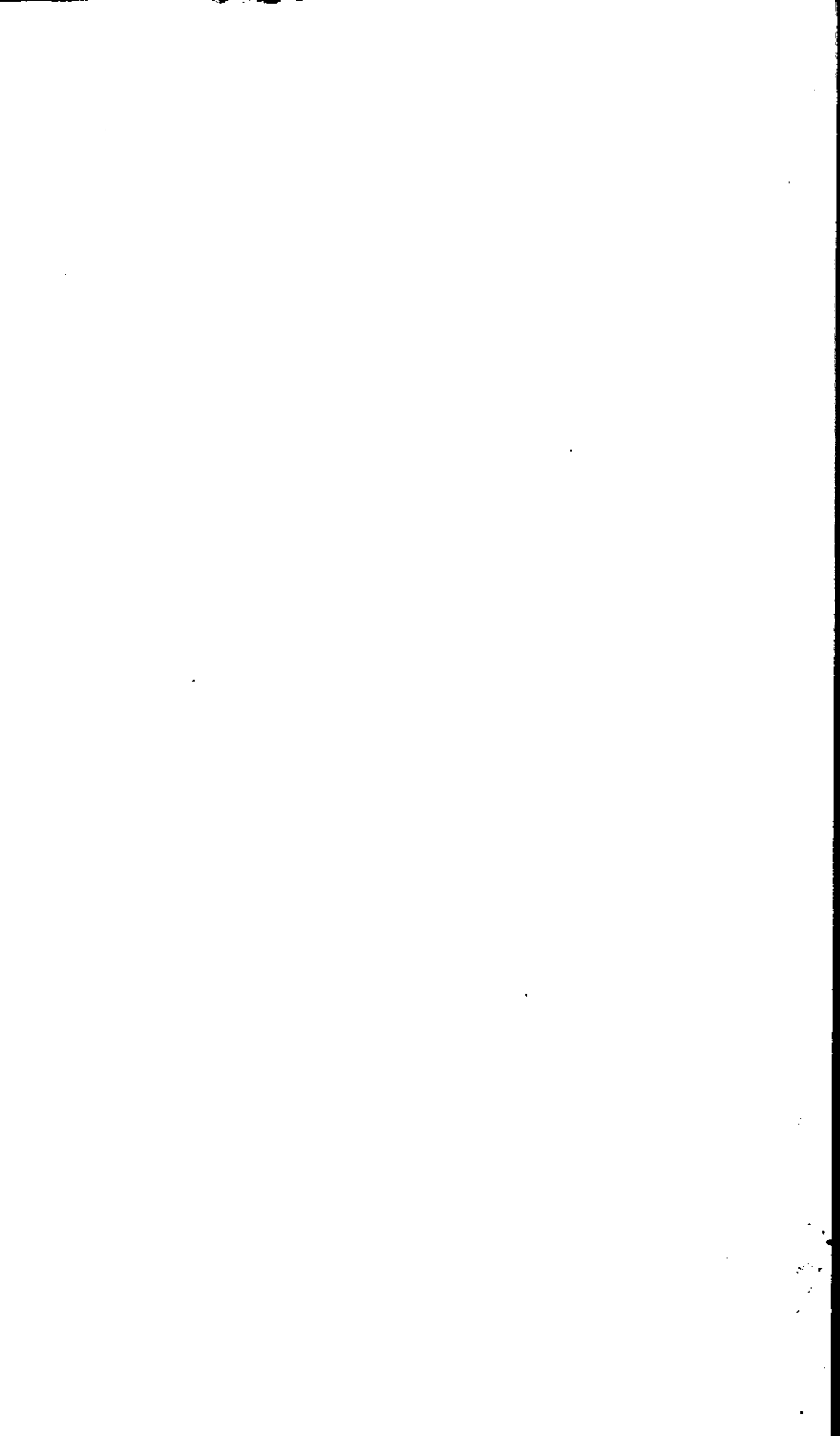
جو بیان ہوئے ہیں یہ قصے اور کہانیاں نہیں ہیں، بلکہ یہ عبرت کا سامان ہے۔ پس اس سے متنبہ ہو جائے ایسی صورت میں اس کی تلاوت ایسی ہوگی جیسے مالک اپنے غلام کو اپنے مقصد کے متعلق لکھے کہ وہ اس کے مکتوب کو غور سے پڑھے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ قرآن کریم کو دسمہ کو پڑھ کر نافرمانی کرنے والے کی مثال ایسی ہے

جیسے کوئی بادشاہ کا خط پڑھے، لیکن اُس کے مکتوب پر عمل کرنے اور اُس کی حکومت کو مضبوط کرنے سے لوگردانی کرے۔ ایسا آدمی بادشاہ کے حکم کی مخالفت کرنے والا ہے۔ ایسی تملادت عذاب کا مستحق بناتی ہے۔  
چاہیے کہ اپنی قوت اور طاقت پر بالکل بھروسہ نہ کرے۔ اپنے نفس کو پاک نہ سمجھے اور نہ اُس کو خوشنودی کی نگاہ سے دیکھے۔ جو آدمی اپنے نفس کی کوتاہی پر نظر رکھتا ہے اُس کا یہ فعل قربت الہی کا سبب بن جاتا ہے۔

---

## کتاب الازکار

- اذکار و اذعیہ
- اوراد و اُن کی فضیلت اور اوقات کے مطابق عبادت
- رات کے اوراد
- اوراد کے اوقات
- رات کے قیام کی فضیلت اور آسان کرنے والے اسباب
- فضیلت والے دن اور راتیں



## فصل اول

## اذکار و اذعیہ

معلوم ہونا چاہیے کہ زبان کی عبادات میں سے قرآن کریم کی تلاوت کے بعد اللہ کے ذکر اور تخلص دعا کے ذریعہ اس کی جناب میں حاجتیں پیش کرنے سے افضل کوئی بات نہیں۔ ذکر کی فضیلت پر آیات و روایات دلائل کرتی ہیں: فاذا کوئی اذکر کہہ (تم مجھے یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا) اور فرمایا: اَللّٰہُ یُنِیْدُ کُودَ اللّٰہِ رَقِیًّا مَا وَتَعُوْدًا وَّ عَلٰی جَنُوْبِہِمْ (وہ جو اللہ کو کھڑے بیٹھے بیٹھے یاد کرتے ہیں) اور فرمایا: وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اِنَّ اللّٰہَ کَبِیْرًا وَّالْاَسْمَاءُ اَلْکَرِیْمَاتُ (اور اللہ کا بہت بڑا کرنے والے مردا در عورتیں)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب تک کہ میرا ذکر کرتا رہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر سے ہلتے رہیں۔“

مسلم کے افراد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو لوگ بھی اللہ کے ذکر کے لیے بیٹھے ہیں ان کو فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں۔ ان پر رحمت چھا جاتی ہے۔ ان پر وقار اور سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان کا تذکرہ کرتا ہے۔“

فضائل اعمال میں ذکر کے متعلق اور بہت سی احادیث مذکور ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو قوم بھی کسی مجلس میں بیٹھے اور اللہ کے ذکر کے بغیر اٹھ جائے وہ گویا گدھے کا مزدا رکھا کر اٹھے اور یہ مجلس قیامت کے روز ان کے لیے حسرت و افسوس کا باعث ہوگی۔“ ایک اور حدیث میں ہے: ”جو لوگ مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رونا نہ بھیجیں، تو قیامت کے دن ان کو اس مجلس کا افسوس ہوگا۔“

۱۵۰: آیت - آل عمران - آیت: ۱۵۰

۱۵۱: آیت - بقرہ - آیت: ۱۵۱

۲۴: آیت - احزاب - آیت: ۲۴

دُعا کی فضیلت کے متعلق ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دُعا سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کوئی چیز اچھی نہیں ہے اور بہترین عبادت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے اور جو اللہ سے نہ مانگے اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے؛ ایک اور حدیث میں ہے: اللہ سے اس کا فضل مانگو، اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اُس سے مانگا جائے۔“

دُعا کے کچھ آداب ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ افضل اوقات کا خیال رکھے، جیسے سال میں سے عرفہ کا دن، مہینوں میں رمضان کا مہینہ اور ہفتوں میں سے جمعہ کا دن اور رات میں سحری کا وقت اور فضیلت والے اوقات میں اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت اور فرض نمازوں کے بعد اور باش بستے وقت اور اللہ کی راہ میں لڑائی کے وقت اور قرآن شہم کرنے کے بعد اور سجدے میں اور روزہ افطار کرتے وقت اور جب دل حاضر ہو اور خدا کا ڈر اس پر غالب ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ اوقات کی بزرگی کا دار و مدار حالات کی بزرگی پر ہے۔ جیسے سحری کا وقت دل کی صفائی اور فراغت کا وقت ہے اور سجدے کی حالت ذلت کی حالت ہے۔

دعا کے آداب یہ ہیں کہ قبل رخ ہو۔ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے۔ پھر ان کو چہرہ پر ملے اور دُعا آہستہ آواز سے کرے۔ دعا سے پہلے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رُو د بھیجے اور دعائیں تاقیہ بندی نہ کرے۔ اس کے آداب میں سے ایک باطنی ادب بھی ہے اور وہی قبولیت میں اصل ہے، یعنی توبہ اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی۔

## اوراد، ان کی فضیلت اور اوقات

معلوم ہونا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے وعدوں کی تصدیق حاصل ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو کہ عمر بہت تھوڑی ہے تو واجب ہے کہ اس تھوڑی سی عمر میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ نفس ایک ہی حال پر قائم رہے تو اُس سے اکتا جاتا ہے۔ اُس پر زحیٰ یہ ہے کہ اس کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَاَصِيلاً وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ كَيْلًا طَوِيلًا** (اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور رات کے وقت

خدا کو سجدہ کر اور لمبی رات تک اُس کی تسبیحیں بیان کرے یہ آیت اور اس جیسی اور آیتیں بھی جو اس مضمون میں بیان ہوئی ہیں دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ اوقات کا ضبط اور انہیں اذکار سے ہمیشہ آباد رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **هُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَدَانَ** **يَذْكُرُ أَوْ آدَانَ شُكْرًا** (وہ اللہ وہ ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا اس کے لئے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزار کرے) مطلب یہ ہے کہ اگر دن کے وظائف میں سے کچھ رہ گیا ہے تو رات کو پورا کرے اور رات کے رہ گئے ہیں تو دن کو پورا کرے۔

دن کے اور اداسات ہیں اور رات کے چھہ۔ ہم ہر ایک ورد کی فضیلت، اُس کے وظیفے اور متعلقات بیان کرتے ہیں۔ دن کے اوقات میں سے پہلا ورد طلوع فجر کے وقت سے سورج کے طلوع ہونے تک ہے اور یہ وقت بڑی بزرگی والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی قسم اٹھائی ہے فرمایا: **وَالصُّبْحُ إِذَا تَنَفَّسْتُمْ** اور صبح کی قسم جب پو پھٹے مرید کو یاد ہے کہ جب نیند سے بیدار ہو تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ذکر کرے اور کہے: **الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَذَلَّ إِلَيْهِ النُّسُورُ** (تمام تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اُس کی طرف اٹھ کر جانا ہے) بخاری نے اپنے افراد میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ مسلم کے افراد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شام کرتے تو کہتے:

**أَمْسِنَا دَامَسَىٰ إِلَيْكَ اللَّهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ رَبِّ اسْأَلْكَ خَيْرَ مَا فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَذِهِ اللَّيْلَةِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهَا رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُنْهِ وَسُوءِ الْبُكْرِ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ فِي النَّارِ وَعَذَابِ فِي الْقَبْرِ۔**

(ہم نے اور اللہ کے سارے ملک نے شام کی اور رات ہی کی تعریف ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی بادشاہی ہے اور اس کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے میرے اللہ میں تجھ سے اس رات کی اور اس کے بعد کی بھلائی کا سوال کرتا

ہوں۔ اور اس رات کی برائی اور اس کے بعد کی برائی سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ اے میرے اللہ! میں  
سستی اور انتہائی بڑھاپے اور دوزخ اور عذابِ قبر سے تیری پناہ لیتا ہوں۔  
اللہ کے رسولؐ صبح کرتے تو بھی یہی دعا کرتے اور کہتے:

أَصْبَحْتُ وَأَصْبَحَ الْمَلَكُ لِلَّهِ.....

بھنے اور اللہ کے سامنے ملک نے صبح کی..... آخر تک۔

اور کہتے:

بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّهُ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

(اس اللہ کے نام سے جس کے نام کی برکت کے باعث زمین اور آسمان کی کوئی چیز تکلیف نہیں دے سکتی  
اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔)

یہ دعائیں مرتبہ پڑھتے اور کہتے:

رَضِيتُ يَا رَبِّكَ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا وَرَسُولًا۔

(میں راضی ہوں اللہ کے رب، اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی و رسول ہونے پر۔)

پھر جب صبح کی نماز پڑھ لیتے اور ابھی دوزا نوٹھے ہوتے تو کلام کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھتے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ  
وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

(اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی اور اسی

کی تعریف ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

مزید کو چاہیے کہ یک کلمہ دس مرتبہ پڑھے۔ اس کے بعد سید الاستغفار پڑھے جو یہ ہے:

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ  
مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتَ الْبُوعُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَالْبُوعُ عَبْدِي  
فَاعْفِرْ لِي يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

(اے اللہ تو ہی میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا اور میں  
تیرا غلام ہوں اور میں تیرے عہد اور وعدے پر طاعت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنے اعمال کی



برائی سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ میں اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھلے عترت کرتا ہوں۔ سو تو مجھے بخش دے کہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا۔

اس کے بعد کہے:

أَصْبَحْنَا عَلَىٰ فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ وَدِينِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَمِلَّةِ آبَائِنَا إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ -

(ہم نے صبح کی فطرت اسلام اور کلمہ اخلاص اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر جو کہ ایک رُخ پر اور اللہ کا فرمانبردار تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔)

پھر یہ دعا مانگے:

اللَّهُمَّ صَلِّحْ لِي دِينِي الَّذِي هُوَ عِصْمَتِي وَأَمْرِي وَاصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَايِشِي  
وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي فِيهَا مَعَادِي وَاجْعَلْ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ وَاجْعَلْ  
الْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ -

(اے میرے اللہ! میرے دین کو درست کر دے جس پر میرے سارے معاملات کا مدار ہے اور میری دنیا کو بھی درست کر دے جس میں میری روزی ہے اور میری آخرت کو بھی درست کر دے جس میں مجھے کوٹ کر جانا ہے اور میری زندگی کو ہر جھلائی میں زیادتی کا باعث بنا۔ اور موت کو ہر برائی سے بچاؤ کا ذریعہ بنا۔)

پھر حضرت ابوالدرداء اولیٰ دعا مانگے:

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لِأَنَّكَ أَنْتَ عَلَيَّ تَوَكَّلْتُ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ مَا سَأَلْتُكَ  
كَانَ وَمَا لَمْ يَسْأَلْكَ لَمْ يَكُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ اللَّهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ أَعُوذُ بِكَ اللَّهُ عَلَىٰ  
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنْتَ اللَّهُ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا - اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ  
نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ -

(اے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تو بڑے عرش کا رب ہے، جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو اس نے نہ چاہا نہ ہوا۔ اور نیکی کرنے کی طاقت اور گناہ

سے بچنے کی قوت صرف اللہ بزرگ و بزرگی توفیق سے ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ نے ہر چیز کو اپنے علم میں گھیر رکھا ہے۔ اے اللہ! میں اپنے نفس کی برائی اور ہر جاندار کی برائی سے جس کی پشیمانی تیرے ہاتھ میں ہے تیری پناہ لیتا ہوں۔ بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ (میر کیوں دعاؤں کا یاد کرنا نہایت ضروری ہے۔ اُسے نماز فجر کی طرف نکلنے سے پہلے اپنے گھر میں دو سنتیں پڑھنی چاہئیں، پھر مسجد کی طرف نکلے اور کہے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ النَّاسِ سَلِينٍ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَشَايِ هَذَا إِنِّي لَمَّا خَرَجْتُ أَشْرًا وَلَا بَطْلًا وَلَا دِيَاءً وَلَا مُسْمَعَةً خَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَاجْتِنَاءَ مَرَضَاتِكَ أَسْأَلُكَ أَنْ تَقْضِي مِنِّي الشَّارَ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي ذُنُوبِي إِنَّهُ لَا يُغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ -

(اے اللہ! میں تجھ سے اس حق کی طفیل سوال کرتا ہوں جو تجھ پر سوال کرنے والوں کے لیے ہے۔ اور اپنے اس چلنے کے واسطے سے بھی۔ میں اکڑتا ہوا فخر کرتا ہوا نہیں نکلا۔ اور نہ دکھانے اور نہ نالے کو نکلا ہوا۔ میں تو تیری ناراضگی سے بچنے اور تیری رضامندی حاصل کرنے کے لیے نکلا ہوں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو آگ سے بچا اور میرے گناہ بخش دے۔ تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا۔)

پھر جب مسجد میں داخل ہو تو وہ دعا پڑھے جو صحیح مسلم میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر کہے: اللَّهُمَّ فَخِّرْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ - (اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب نکلے تو کہے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ (اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں) مسجد میں پہلی صف میں بیٹھنے کی کوشش کرے۔ جماعت کے انتہا میں بیٹھے، تو جو دعائیں پہلے گزری چکی ہیں ان کو پڑھتا رہے۔

فجر کی نماز سے فارغ ہو جائے تو مستحب ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک اسی جگہ میں بیٹھا رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی فجر کی نماز جماعت سے پڑھے پھر سورج کے طلوع ہونے تک بیٹھا کر اللہ کا ذکر کرتا رہے پھر دو رکعت پڑھے، تو اسے حج اور عمرے کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ اسے تو نے ہی روایت کیا اور جس نے کہا ہے۔

اس وقت میں چار وظیفے رکھے۔ دعا، ذکر، قرآن کریم کی تلاوت اور غور و فکر اور جو سوہنے کے وہ ادا کرے اور سوچے کہ بھلائی سے روکنے والے اور برائی میں مشغول کرنے والے کلام کس طرح ختم کیے جائیں تاکہ اپنے

اس دن کا وظیفہ پورا کر سکے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرے تاکہ اللہ کا پورا شکر ادا کر سکے۔

دوسرا ورد سورج کے طلوع ہونے سے وضیحی کے وقت تک ہے۔ اگر دن کے بارہ گھنٹے فرض کیے جائیں، تو یہ وقت تین گھنٹے گزرنے پر ہے اور وہ ہے دن کا چوتھا حصہ اور یہ بڑا قیمتی وقت ہے۔ اس میں دو وظیفے ہیں۔ ایک تو وضیحی کی نماز ہے اور دوسرا جو لوگوں سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً بیمار کی عیادت، جنازے میں شمولیت، علم کی مجلس میں حاضری یا کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنا اور اگر ان کاموں میں سے کچھ بھی نہ کرے تو قراءت اور ذکر میں مشغول رہے۔

تیسرا ورد: وضیحی سے لے کر زوال تک ہے اور اس وقت کا وظیفہ پہلی چار قسموں دعاء، ذکر، قرأت اور فکر کے علاوہ دو کام زائد بھی ہیں:

پہلا: کسبِ معاش میں مشغول ہونا، بازار جانا۔ اگر ناجرب ہے تو سچائی اور دیانت داری سے تجارت

لے غرائی نے اسیارہ میں کہا اس نماز پر پیشگی کرنا بڑی ہمت کا کام ہے اور بہت افضل ہے باقی رہی اس کی رکعات کی تعداد تو وہ آٹھ رکعتیں ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ کی بہن حضرت ام بانیؓ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضیحی کی نماز کی آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ ان کو کہا گیا اور بڑا اچھا ادا کیا۔ اور اتنی رکعات اور کسی حدیث میں نہیں آئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضیحی چار رکعت پڑھے اور جبنا اللہ کو منظور ہوتا زیادہ بھی لیتے اور اس زیادہ کی حد نہیں ہے، یعنی آپ چار رکعت تو ہمیشہ پڑھتے۔ چار سے کم نہ کرتے اور کبھی زیادہ کر لیتے۔ ایک اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھ رکعت نماز وضیحی پڑھتے۔ اب رہا اس کا وقت تو حضرت علیؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضیحی کی نماز چھ رکعت دو وقتوں میں ادا کرتے۔ جب سورج نکلے اور بلند ہوتا تو دو رکعت پڑھتے اور یہ دن کے دوسرے ورد کا پہلا حصہ ہے اور جب سورج پھیل جاتا اور مشرق کی جانب سے چوتھے حصہ آسمان تک آجاتا تو چار رکعت پڑھتے۔ پہلی دو رکعتیں اس وقت ہوتیں جب سورج آدھے نیزہ کے برابر آتا اور چار رکعتیں جب دن کا چوتھا حصہ گزر جاتا۔ عصر کی نماز کے مقابل کیونکہ اس کا وقت بھی چوتھا ہی حصہ دن رہتے پر ہے اور ظہر کی نماز نصف النہار پر ہے۔ وضیحی کی نماز سورج کے طلوع ہونے سے زوال تک کے نصف وقت پر ہے میاں کہ عصر کی نماز زوال سے لے کر غروب تک کے نصف پر ہے اور یہ سب سے افضل وقت ہے۔ بہر حال سورج بلند ہونے سے لے کر زوال سے پہلے پہلے وضیحی کا وقت ہے۔

کہے اور اگر منتنکار رہے تو نین خواہی اور شفقت سے صنت کرے اور اپنی تمام مصرفیات میں اللہ کا ذکر نہ بھولے اور تھوڑے پر نفاعت کرے۔

دوسرا دو پہر کا سونا کہ اس سے رات کے قیام میں مدد ملتی ہے۔ جیسا کہ سحری کھانے سے دن کے روزے میں مدد ملتی ہے۔ پھر اگر سو جائے تو زوال سے اتنا پہلے اٹھنے کی کوشش کرے کہ ظہر کا وقت آنے سے پہلے نماز کے لیے تیار ہو سکے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دن اور رات کے چوبیس گھنٹے ہیں۔ اعتدال یہ ہے کہ ان میں سے تیسرا حصہ سونے، یعنی آٹھ گھنٹے۔ اگر اس سے کم سونے کا تو بدن میں اضطراب اور بے چینی رہے گی اور اگر اس سے زیادہ سونے کا تو سستی زیادہ ہر جائے گی۔ پھر اگر اس سے زیادہ رات کو سو چکا ہو تو دن کو سونے کا کوئی جواز نہیں ہے اور اگر رات کو اس سے کم سوا ہے تو دن میں اتنی کسر پوری کر لے۔

چوتھا ورد: زوال سے لے کر نماز ظہر سے فراغت تک ہے اور دن کے اوقات میں سے یہ سب سے چھوٹا اور افضل وقت ہے۔ اس وقت میں اسے چاہئے کہ جب ٹوذن اذان کہے، تو اس کو اسی طرح جواب دے۔ پھر ظہر اور اس کی سنتیں پڑھے۔ پھر اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔

پانچواں ورد: اس کے بعد عصر تک مستحب ہے کہ ذکر، نماز اور نیکی کے کاموں میں مشغول رہے اور بہترین عبادت نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار ہے۔

چھٹا ورد: عصر کے شروع وقت سے سورج ندر ہونے تک ہے۔ اس عرصے میں سوائے عصر کی چار سنت کے جو اذان اور تکبیر کے درمیان ہیں کوئی نفل نماز نہیں۔ پھر عصر کے فرض پڑھے اور چاروں قسم کے وظائف میں مشغول رہے جن کا ذکر پہلے ورد کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ افضل یہ ہے کہ اس میں غور و تدبیر سے قرآن کریم کی تلاوت کرے۔

ساتواں ورد: سورج زرد ہونے سے غروب آفتاب تک ہے اور یہ بڑا اچھا وقت ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا۔ لوگ کھیلے پہر کو پہلے پہر کی نسبت زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ اس وقت میں خاص طور پر بیچ اور استغفار کرنا مستحب ہے۔ سورج غروب ہونے کے ساتھ دن کے اور ختم ہو گئے۔ اب بندے کو چاہیے کہ اپنے حالات کا جائزہ لے اور اپنا محاسبہ کرے کہ اس کے راستے کا ایک مرحلہ طے ہوا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ عمر، آیام ہی کا نام ہے۔ ایک ایک دن ختم ہونے زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت حسن نے کہا: اے آدم کے بیٹے سن لے تو آیام ہے۔ جب تیرا ایک دن گزر جائے گا، تو تیرا بعض حصہ گزر جائے گا۔ سوچے کہ آج کا دن کل کے برابر ہے یا نہیں! اگر دیکھے کہ آج کل کی نسبت نیکی زیادہ ہوئی ہے، تو اس توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرے اور اگر دوسری صورت ہو تو توبہ کرے اور رات میں اس کو تائبی کی تلاقی کرنے کا پورا ارادہ کرے کہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں اور اپنی بدنی صحت اور اپنی زندگی پر اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرے کہ ابھی ہر نقصیہ کا مداوا ہو سکتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت پسند کرتی تھی کہ دن کا تمام صدمے پر ہوا اور حتی المقدور وہ ہر طرح کی نیکی کی کوشش کیا کرتے تھے۔

## فصل دوم

## رات کے اُوراد

پہلا اُوراد: سورج غروب ہونے سے عشاء کے وقت تک ہے۔ جب سورج غروب ہو تو مغرب کی نماز پڑھے اور مغرب اور عشاء کے درمیان کے وقت کو زندہ رکھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول: **تَسْجُدُوا لِيْ جُؤْبَهَيْهِمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ بَيْنَ عَوْنِ رَبِّهِمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ** (ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں) کے متعلق روایت ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی شان میں نازل ہوئی۔ وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھا کرتے تھے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھی اور اس دوران میں کوئی بُری بات نہ کی، تو یہ بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوں گی۔" اسے ترمذی نے روایت کیا۔

دوسرا اُوراد: مہرخی غائب ہونے سے سونے کے وقت تک ہے۔ مستحب ہے کہ عشاء کی اذان اور تکبیر کے درمیان جتنی ہو سکے نماز پڑھے اور اس میں **الْحَمْدُ تَنْزِيلُ الْمَسْجِدِ** (سورة سجدة) اور **تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ** (سورة الملك) کی قرائت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک ان کی قراءت نہ کر لیتے سوتے نہ تھے۔ دوسری حدیث میں ہے ابن مسعود نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو آدمی ہر رات سورة واقعہ پڑھے اس کو کبھی فاقہ نہ آئے گا۔"

تیسرا اُوراد: سونے سے پہلے و ترووں کا پڑھنا ہے۔ ہاں اگر کسی کو رات کے قیام کی عادت نہ ہو تو اس کے حق میں ان کو آخر رات میں پڑھنا بہتر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے وات کے اول اور درمیان اور آخر تمام حصوں میں وتر پڑھے ہیں لیکن آخر عمر میں آپ نے سحری کے آخر میں وتر پڑھے (متفق علیہ) پھر ترووں کے بعد تین مرتبہ کہے ”سبحان الملك القدوس“ (پاک ہے اللہ بادشاہ نہایت ہی پاک)

پڑھو تھو ورد، سوناب سے اور ہم نے اس کو بھی اوراد میں شمار کیا ہے کیونکہ اگر اس کے آداب کی رعایت کی جائے اور اس کا مقصد اچھا ہو تو یہ بھی عبادت شمار ہوتا ہے۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میں اپنی نیند میں بھی ثواب کی امید رکھتا ہوں جیسے کہ اپنے تيام کے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔“

سونے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ با وضو سونے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ کرتے تو نماز کی طرح کا وضو کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا کہ نیند میں ارواح آسمان کی طرف پڑھتی ہیں تو ان کو عرش کے پاس سجدہ کرنے کا حکم ہوتا ہے جو با وضو ہوتے ہیں وہ عرش کے پاس سجدہ کرتے ہیں اور جو با وضو نہیں ہوتے وہ عرش سے دور رہ کر سجدہ کرتے ہیں۔ اس کے آداب سے یہ بھی ہے کہ سونے سے پہلے توبہ کرے کیونکہ جن کا ظاہر پاک ہو اس کا باطن بھی پاک ہونا چاہیے۔ کئی دفعہ نیند میں ہی انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ کسی مسلمان کے متعلق اپنے دل میں کینہ اور دشمنی نہ رکھے اور نہ کسی پر ظلم کرنے کی نیت کرے۔ جب جاگے تو گنہگار ارادہ نہ کرے۔ اگر اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کی وصیت کرنی ہو تو رات گزارنے سے پہلے اس کو اپنے پاس لکھ کر رکھے کیونکہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کا حق نہیں کہ اگر اس کے پاس کوئی چیز وصیت کرنے والی ہو تو وہ دو راتیں بھی بغیر وصیت لکھنے کے گزارے۔

یہ بھی چاہیے کہ آرام کرنے کی غرض سے بستر نرم کرنے میں مبالغہ نہ کرے کیونکہ اس سے نیند زیادہ ہو جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دو بہرا بستر بچھا یا گیا تو آپ نے فرمایا: اس بستر پر سونے سے میری رات کی نماز رہ گئی۔“

جب تکہ نیند کا غلبہ نہ ہو سونا نہیں چاہیے کیونکہ سلف نیند کے غلبے کے بعد ہی سویا کرتے تھے۔ سونے کے آداب سے یہ بھی ہے کہ منہ قبلہ کی طرف کرے اور جو دعائیں احادیث میں آئی ہیں وہ پڑھے اور وہاں میں پہلو پر سوتے۔ جو روایات اس میں آئی ہیں ان میں سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے بستر کے پاس آئے تو پہلے اسے اپنے اناکے پلوٹے

جھاڑنے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد کیا بات ہوگی (مثلاً کوئی موزی کیڑا مکوڑا، سانپ، کچھو بستر میں گھس گیا ہو۔ مترجم) جب اپنا پہلو بستر پر رکھے تو کہے:

بِأَسْمِكَ رَبِّي وَصَعْتُ حَيْثِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَلَتْ نَفْسِي فَأَعْفِرْ لَهَا مَا إِنْ أَرْسَلْتَهَا  
فَأَحْفَظْهَا بِمَا نَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ۔

اے میرے اللہ! میں نے تیرے نام سے پہلو رکھا اور تیرے نام سے اٹھاؤں گا۔ اگر تو میری جان کو روک لے تو اس کو بخش دے اور اگر اس کو چھوڑ دے تو اس کی حفاظت کر ان بیخبروں سے جن سے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے (بخاری - مسلم)

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر آتے تو ہر رات اپنی ہتھیلیوں کو جمع کرتے پھر ان میں پھونکتے اور ان میں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّتِ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر پھونکا کرتے۔ پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے سامنے جم پر پھینتے، جہاں تک ہاتھ پہنچتے۔ ہر روز منہ سے شروعا کرتے اور جم پر ہاتھ پھیرتے جاتے۔ ایسا تین مرتبہ کرتے۔

صحیحین میں حضرت براہ بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم اپنے بستر پر آنے لگو تو غار کی طرح کا وضو کرو۔ پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاؤ اور کہو:

اللَّهُمَّ اسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَقَضَيْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَأَلْبَسْتُ ظِلْمِي إِلَيْكَ رَغِيَةً وَنَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَلْجَأَ وَلَا مَجَاءَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ أَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ

اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی اور اپنی توجہ تیری طرف کی اور اپنے کام تیرے سپرد کیے اور میں نے رغبت اور خوف سے تیری پناہ چاہی۔ تیرے سوا نہ کوئی پناہ کی جگہ ہے نہ نجات کی۔ میں تیری کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی۔ اور تیرے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لایا۔

اگر اس رات میں مریا تو نطرت اسلامیہ پر برے گا اور اگر صبح کرے گا تو بھلائی پائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت فاطمہ سے کہا: جب تم بستر پر آکر لیٹ جاؤ تو سُبْحَانَ اللَّهِ ۳۳ مرتبہ اور الْحَمْدُ لِلَّهِ ۳۳ مرتبہ اور اللَّهُ أَكْبَرُ ۳۳ مرتبہ کہو۔ یہ تمہارے لیے عادم سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)



رمضان کے صدقہ فطر کی حفاظت میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مشہور ہے کہ شیطان نے اُن سے کہا جب تم بستر پر آؤ تو آیت اکرسی پڑھو تم پر اللہ کی طرف سے ہمیشہ ایک نگہبان رہے گا اور شیطان تمہارے قریب نہ آئے گا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ آپ نے فرمایا: تمہارا بڑا بھڑوٹا، لیکن تم سے اُس نے سچ کہا۔

مسلم کے افراد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر آتے تو کہتے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكُلُّ مَنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَّ -  
(سب تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور کفایت کی اور جگہ دی۔ کتنے ہی آدمی ہیں جن کی کفایت کرنے والا کوئی نہیں اور نہ کوئی پناہ دینے والا۔)

تہجد کے لیے اٹھے تو وہی دعا پڑھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے،

اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قِيمُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَ لِقَاؤُكَ حَقٌّ وَ الْمَنَاقِبُ وَ التَّيْبُونُ حَقٌّ وَ مُحَمَّدٌ حَقٌّ وَ السَّاعَةُ حَقٌّ اللَّهُمَّ لَكَ اسَلَّمْتُ وَ بِكَ أَمَنْتُ وَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَ إِلَيْكَ أُنَبِّتُ وَ بِكَ خَاصَمْتُ وَ إِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاعْفُ عَنِّي مَا قَدَّمْتُ وَ مَا أَخَّرْتُ وَ مَا أَسْرَدْتُ وَ مَا أَعْلَنْتُ -

(اے اللہ! ہمارے رب، تیری ہی سب تعریفیں ہیں، تو ہی آسمانوں اور زمینوں اور اُن کی مخلوقات کو سنبھالے ہوئے ہے اور تیری ہی تعریف ہے، تو ہی آسمانوں اور زمینوں اور اُن کے اندر کی چیزوں کو روشن کرنے والا ہے۔ اور تیری ہی تعریف ہے، تو ہی آسمانوں اور زمین اور اُن کے اندر کی چیزوں کا بادشاہ ہے اور تیری ہی تعریف ہے۔ تو حق ہے، نیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے۔ جنت حق ہے۔ دوزخ حق ہے۔ نبی برحق ہی۔ محمد حق ہیں۔ اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں تیرا فرمانبردار ہوں، میں تجھ پر ایمان لایا اور تجھی پر توکل کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا۔ میں تیری مدد سے جھگڑا اور تیری طرف فیصلہ لایا۔ تو مجھے بخش دے، جو گناہ میں نے پہلے کیا اور جو بعد میں کیا اور جو چھپ کر کیا اور جو علانیہ کیا۔)

ایک اور حدیث میں ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمَقْدَامُ وَأَنْتَ الْمَوْجِدُ لِأَلْمَعَالِمِ الْأَنْتَ (متفق علیہ)  
 (ادرجن کو ترجمہ سے زیادہ جانتا ہے تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کونے والا ہے۔ تیرے  
 سوا کوئی سمود نہیں ہے)

گوشش کرے کہ سوتے وقت اس کا آخری کلام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو۔ اور جاگتے وقت جو الفاظ سب سے پہلے  
 اُس کی زبان پر جاری ہوں وہ بھی اللہ کا ذکر ہو، تو یہ دونوں ایمان کی علامتیں ہیں۔

رات کے اورد میں سے پانچواں ورد نصف رات کے بعد، چھٹا حصہ رات رہنے تک ہے۔ اور  
 یہ وقت بڑا قیمتی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال  
 کیا کہ رات کی کون سی نماز افضل ہے؟ تو فرمایا: آدھی رات کی نماز اور ایسا کرنے والے بہت تھوڑے  
 ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے رب! میں کون سے وقت میں تیرے سامنے  
 کھڑا ہوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی کی اے داؤد! نہ پہلی رات قیام کرو اور نہ پچھلی رات۔ آدھی رات  
 کو قیام کرو۔ تو میرے لیے تنہا ہو، میں تیرے لیے تنہا ہوں اور اپنی حاجتیں میرے حضور پیش کرو۔

تہجد کے لیے اٹھے، تو سورہ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھے جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے اور رات میں بیدار ہو کر وہ دعا پڑھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے۔ پھر دو  
 ہلکی کعتوں سے اپنی نماز شروع کرے کیونکہ حضرت ابوہریرہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب  
 کوئی تم میں سے رات کی نماز کے لیے کھڑا ہو تو دو ہلکی رکعات شروع کرے، اسے سلم نے روایت کیا۔ پھر دو دو رکعت  
 کر کے نماز پڑھے اور زیادہ سے زیادہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت ہے وہ وتر سمیت تیرہ رکعت ہیں اور کم از کم سات۔  
 رات کا چھٹا ورد: آخری چھٹا حصہ رات ہے اور وہ سحر کا وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

دَبَّالًا سَعَادَهُمْ لِيَسْتَغْفِرُوا (اور وہ سحر کے وقت بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں)

حدیث میں ہے۔ آخری رات کی قراءت اس میں حاضری دی جاتی ہے اور طائوس سحر کے وقت ایک آدمی کے  
 پاس آئے تو انہوں نے کہا وہ سو رہا ہے تو کہنے لگے میں نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی آدمی سحر کے وقت بھی سوتا ہے۔  
 جب مرید تہجد کی نماز سے فارغ ہو جائے تو اللہ سے استغفار کرے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کہ ابن عمر  
 رضی اللہ عنہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

سورۃ القاریات - آیت: ۱۸

## فصل سوم

## اوراد کے اوقات

معلوم ہونا چاہیے کہ آخرت کی راہ کا سالک کچھ حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو وہ عابد ہوگا۔ یا عالم۔ یا طالب علم یا حاکم یا کوئی پیشہ ور۔ یا دوسروں سے بے نیاز ہو کر اللہ کی محبت میں غرق۔

پہلا عابد ہے اور وہ ہے تمام اشغال کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرنے والا۔ یہ ان اوراد پر عمل کر جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔ کبھی وظائف مختلف ہوتے ہیں۔ سلف میں بھی عابدوں کے حالات مختلف تھے۔ بعض کے حال پر تلاوت غالب تھی یہاں تک کہ وہ ایک یا دو یا تین قرآن ایک دن میں ختم کرتے۔ بعض پر تسبیح غالب تھی۔ بعض پر نماز اور بعض بیت اللہ کا طواف زیادہ کرتے تھے۔ اگر پوچھا جائے کہ ان اوراد میں سے بہتر کیا ہے جس میں وقت صرف کیا جائے؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ نماز میں کھڑے ہو کر تدریجاً غور سے قرآن کریم کی تلاوت میں سب چیزیں آجاتی ہیں، لیکن اس پر ہمیشگی بعض اوقات شکل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں آدمی کے حالات مختلف ہونے سے اعمال کا درجہ بھی مختلف ہوتا ہے۔ بہر حال اعداد کا مقصد دل کو پاک و صاف کرنا ہے۔ مرید کو دیکھنا چاہیے کہ کونسی چیز اس پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ اسی پر ہمیشگی کرے۔ پھر جب اکتاہٹ محسوس ہو، تو کوئی دوسرا شغل اختیار کرے۔

دوسرا عالم ہے جس کے علم سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ فتویٰ یا تدریس یا تصنیف یا وعظ و نصیحت سے تو اس کے اوراد کی ترتیب عابد کی ترتیب سے مختلف ہوگی کہ وہ تصنیف اور علم سکھانے کے لیے مطالعے کا محتاج ہے۔ اگر وہ فرائض ادا کرنے کے بعد اپنا سارا وقت اپنی کاموں میں گزارے تو یہ سب سے بہتر ہے۔ یہ علم جو عبادت سے مقدم ہے اس سے ہماری مراد وہ علم ہے جو آخرت کی ترغیب دے اور اس کی راہ پر چلنے میں مددگار ہو۔ عالم کے لیے بہتر ہے کہ اپنے اوقات کو تقسیم کرے کیونکہ سارا وقت علم میں صرف کرنے پر نفس مبینہ نہیں کرتا تو بہتر ہے کہ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک مذکورہ اذعیہ و اوراد میں مشغول رہے۔ پھر سورج نکلنے سے صبح تک تعلیم دے اور اگر اس کے پاس کوئی طالب علم نہ ہو تو اس وقت کو علوم میں غور

کرنے میں صرف کرے کیونکہ ذکر سے فارغ ہونے کے بعد اور دنیا کے کاموں میں مشغول ہونے سے پہلے دل صاف ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مشکل مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ پھر صبحی سے لے کر عصر تک تصنیف اور مطالعے میں مشغول رہے اور کھانے یا جہارت اور فرضوں یا قیلو لہ کے علاوہ اور کوئی کام نہ کرے عصر سے لے کر سورج زرد ہونے تک تفسیر یا حدیث یا کوئی نفع دینے والا علم جو اس کے سامنے پیش کیا جا رہا ہو اس کا سماع کرے اور سورج زرد ہونے سے غروب تک استغفار اور تسبیح میں مشغول رہے یوں اس کا پہلا روز زبان کا عمل ہوگا۔ دوسرا دل یعنی غور کرنے کا اور تیسرا آنکھ اور ہاتھ کا یعنی مطالعے اور لکھنے کا اور چوتھا عصر کے بعد کان کا، تاکہ ہاتھ اور آنکھ آرام پائیں کیونکہ عصر کے بعد مڑ لکھ کر نایا لکھنا بعض اوقات نظر کو نقصان دیتا ہے۔

رہی رات، تو اس میں بہترین تقسیم وہ ہے جو امام شافعی نے کی ہے۔ آپ نے رات کے تین حصے کیے ہیں۔ پہلی تہائی لکھنے کے لیے، دوسری نماز کے لیے اور تیسری سونے کے لیے۔ گرجی کاموں میں پروگرام کا تحمل نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ آدمی دن کو اچھی طرح نہ سونے۔

تیسرا طب علم کا حال ہے، تو علم حاصل کرنا ذکر اور نوافل کے شغل سے افضل ہے۔ اور ادنیٰ ترتیب میں طالب علم کا حکم عالم جیسا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جب عالم پڑھانے میں مشغول ہو، تو طالب علم پڑھنے کی طرف متوجہ رہے اور جب عالم تصنیف میں لگے تو طالب علم حواشی اور نوٹ لکھے۔ اگر کوئی علوم میں سے ہو، تو اس کے لیے نقلی اوراد کے شغل سے ذکر اور علم اور وعظ کی مجلسوں میں حاضر ہونا زیادہ بہتر ہے۔

چوتھا حال والی کا ہے۔ مثلاً امام، قاضی اور مسلمانوں کے امور میں سے کسی کام کا نگران متوئی، تو مسلمانوں کی ضروریات اور اغراض میں شہریت کے مطابق پورے اخلاص سے ان کے کام میں لگے رہنا ان کے لیے اولیٰ مذکورہ میں مشغول ہونے سے بہتر ہے کیونکہ ان کی عبادت کا نفع متعدی ہے؛ چنانچہ اسے چاہیے کہ دن میں صرف فرائض پراکتفا کرے۔ باقی وقت ان امور میں صرف کرے اور صرف رات کے اوراد پر قناعت کیا کرے۔

پانچواں پیشہ در ہے۔ وہ اپنے اور اہل و عیال کے لیے کمائی کرنے کا محتاج ہے۔ تمام وقت عبادت میں نہیں گزار سکتا ماسے چاہیے کہ دوام ذکر کے ساتھ کمائی کی کوشش کرے اور حیب اسے بقدر کفایت حاصل ہو جائے تو اوراد کی طرف رجوع ہو۔

چھٹا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں غرق ہے، تو فرانس کے لیداس کا ورد اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کا ساتھ رکھنا ہے اور وہی اس کو اپنے پسندیدہ ورد کی طرف متوجہ کرے گا۔  
چاہیے کہ اوراد پر ہمیشہ عمل کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کو سب سے پیارا عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی کی جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمل پر ہمیشگی کرتے تھے۔

---

## فصل چہارم

# قیام اللیل اور اس کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **تَتَجَافَىٰ جُنُودُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ** (ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کا قیام ضرور کرو کہ وہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کی عادت تھی اور وہ تمہارے لیے رب کے قرب کا باعث اور گناہوں کی بخشش اور گناہ سے روکنے والا ہے۔  
اس کی فضیلت میں اور بہت سی احادیث ہیں:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا میں نے آدھی رات کی نماز سے زیادہ سخت کوئی چیز نہیں دیکھی۔ آپ سے پوچھا گیا۔ کیا وجہ ہے کہ تہجد گزاروں کے چہرے بڑے خوبصورت لگتے ہیں؟ کہا وہ اللہ کے ساتھ خلوت کرتے ہیں، تو اللہ ان کو اپنے نور کا لباس پہناتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ رات کا قیام بڑا مشکل ہے سوائے اُس آدمی کے جس کو آسان کرنے والی شرائط سے توفیق مل جائے۔ اس کے کچھ اسباب ظاہری ہیں اور کچھ باطنی۔

ظاہری یہ ہیں کہ تھوڑا کھائے۔ بعض کہتے تھے اے مرید! زیادہ نہ کھا یا کہ پھر زیادہ پیئے گا اور پھر زیادہ سوئے گا اور زیادہ نقصان اٹھائے گا۔

علاوہ انہیں ایک یہ بھی ہے کہ ان کو اعمالِ شاقہ سے اپنے نفس کو تھکانہ دے۔ نیز یہ بھی ہے کہ دن کا سونا نہ چھوڑے کہ اس سے رات کے قیام میں مدد ملتی ہے۔

گناہ سے بچے، حضرت سفیان ثوری نے کہا میں ایک گناہ کی وجہ سے پانچ ماہ تک رات کے قیام سے محروم رہا۔ باطنی اسباب یہ ہیں: مسلمانوں کے لیے دل سلیم ہو، بدعات سے پرہیز کرے اور دنیا کی فضول چیزوں سے منہ پھیرے اور یہ کہ دل پر خوف غالب ہو اور امید کو تاہم ہو۔ اور یہ کہ رات کے قیام کی فضیلت جانتا ہو۔

اس پر سب سے زیادہ آمادہ کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور اس پر تو ہی ایمان کہ جب قیام کرے گا تو اپنے رب سے ہمکلام ہوگا۔ اسی طرح یہ تصور کہ میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے والا اور اس کا شاہد کرنے والا ہوں۔ اپنے رب سے ہمکلامی اس کو لمبے قیام پر آمادہ کرے گی۔

ابو سلیمان رحمہ اللہ نے کہا: رات والے اپنی رات میں اس سے زیادہ لذت پاتے ہیں جتنی کھیل والوں کو کھیل میں لذت ملتی ہے۔ اگر رات نہ ہوتی تو میں دنیا میں رہنا پسند نہ کرتا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات میں ایک گھڑی ہے جو بھی مسلمان اس میں اللہ تعالیٰ سے کوئی بھلائی مانگے وہ اس کو دیتا ہے اور ایسا ہر رات ہوتا ہے۔

رات کو زندہ رکھنے کے کئی مراتب ہیں۔ ایک یہ کہ ساری رات قیام کرے سلف کی ایک جماعت سے یہ بھی مروی ہے۔

دوسرا یہ کہ آدھی رات قیام کرے اور یہ بھی سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے اور اس میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ رات کی پہلی تہائی اور آخری چھٹا حصہ سو جائے باقی قیام کرے۔

تیسرا یہ کہ تہائی رات قیام کرے۔ پہلی نصف رات اور آخری چھٹا حصہ سوئے اور یہ داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔

صحیحین میں ہے کہ سب سے زیادہ پیاری نماز اللہ کے نزدیک داؤد علیہ السلام کی نماز ہے۔ آپ آدھی رات سوتے۔ ایک تہائی قیام کرتے اور پھر چھٹا حصہ سوتے۔

آخری رات میں سو جانا اچھا ہے کیونکہ صبح کو چہرے سے نیند کے آثار کو ختم کرنا ہے اور چہرے کی ندری کم ہو جاتی ہے۔

چوتھا یہ کہ رات کا چھٹا یا پانچواں حصہ قیام کرے اور اس میں بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں ہو۔ بعض کہتے ہیں آخری چھٹا حصہ بہتر ہے۔

پانچواں یہ کہ وقت مقرر نہ کرے کیونکہ اس طرح اس کی رعایت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ پھر جو کچھ وہ کرے اس کے درمیان ہیں: پہلا یہ کہ اول رات میں قیام کرے۔ جب نیند غالب آجائے تو سو جائے۔ پھر جب

بیدار ہو، تو قیام کرے۔ پھر نیند غالب کرے تو سو جائے اور یہ سب سے سخت مشقت ہے اور یہ بھی سلف کی ایک جماعت کا طریقہ تھا۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ہم جب بھی رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھنا چاہتے دیکھ لیتے اور جب سوتے دیکھنا چاہتے تو بھی دیکھ لیتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو نماز پڑھتے جتنی اللہ کو منظور ہوتی۔ پھر جب رات کا آخری حصہ ہوتا تو اپنے گھر والوں کو اٹھاتے۔ کہتے نماز، نماز!

ضحاک نے کہا میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ہے جو رات کی سیاہی میں زیادہ سونے سے اللہ سے شرم کھا یا کرتے تھے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ رات کے شروع میں سو جائے پھر جب اپنی نیند پوری کہے جاگے تو باقی حصہ قیام کرے۔ حضرت سفیان ثوری نے کہا: رات کا پہلا حصہ نیند ہے جب میں بیدار نہ جاتا ہوں تو پھر نہیں سوتا۔

چھٹا منبر یہ ہے کہ چار رکعت یا دو رکعت کی مقدار قیام کرے۔ ہمیں تھی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا: رات کو نماز پڑھا کرو۔ چار رکعت پڑھو۔ دو رکعت پڑھو۔ آخر

سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رات کو جاگے اور اپنی بیوی کو بھی جگا لے اور دونوں مل کر دو رکعت نماز پڑھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے مردوں اور عورتوں میں لکھے جاتے ہیں۔

طلحہ بن مصرف اپنے گھر والوں کو رات کو قیام کا حکم دیتے اور کہتے: دو رکعتیں ہی پڑھو، آدھی رات کی نماز گناہ ختم کر دیتی ہے۔

غرض رات کی تقسیم کے یہ طریقے ہیں۔ مرید اپنے لیے وہ طریقہ اختیار کر لے جو اس کے لیے آسان ہو۔ پھر اگر اس پر آدھی رات کا قیام مشکل ہو تو اسے چاہیے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان اور صبح کے وقت کو زندہ رکھے تاکہ رات کے دونوں اطراف میں اس کا قیام ہو جائے اور یہ ساتواں مرتبہ ہے۔

جس شخص پر رات کو وضو کرنا اور نماز پڑھنا مشکل ہو، تو وہ قبلہ ٹرو ہو کر بیٹھے بیٹھے اللہ کا ذکر کرتا رہے اور جتنا ہو سکے دعائیں کیا کرے۔ اگر وہ بیٹھ نہ سکے تو لیٹ کر ہی دعا کرتا رہے۔ جس کے اور درات کو نیند کے غلبے کی وجہ سے رہ جائیں تو وہ نماز فرضی کے بعد ان کو پورا کر لے۔ اس باب میں حدیث بھی آئی ہے کہ جس کو رات کے قیام کی عادت ہو تو وہ اسے چھوڑنے سے صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عمرو سے فرمایا تھا، تو فلاں آدمی کی طرح نہ ہونا کہ پہلے وہ رات کو قیام کرتا تھا پھر اس نے رات کا قیام چھوڑ دیا۔



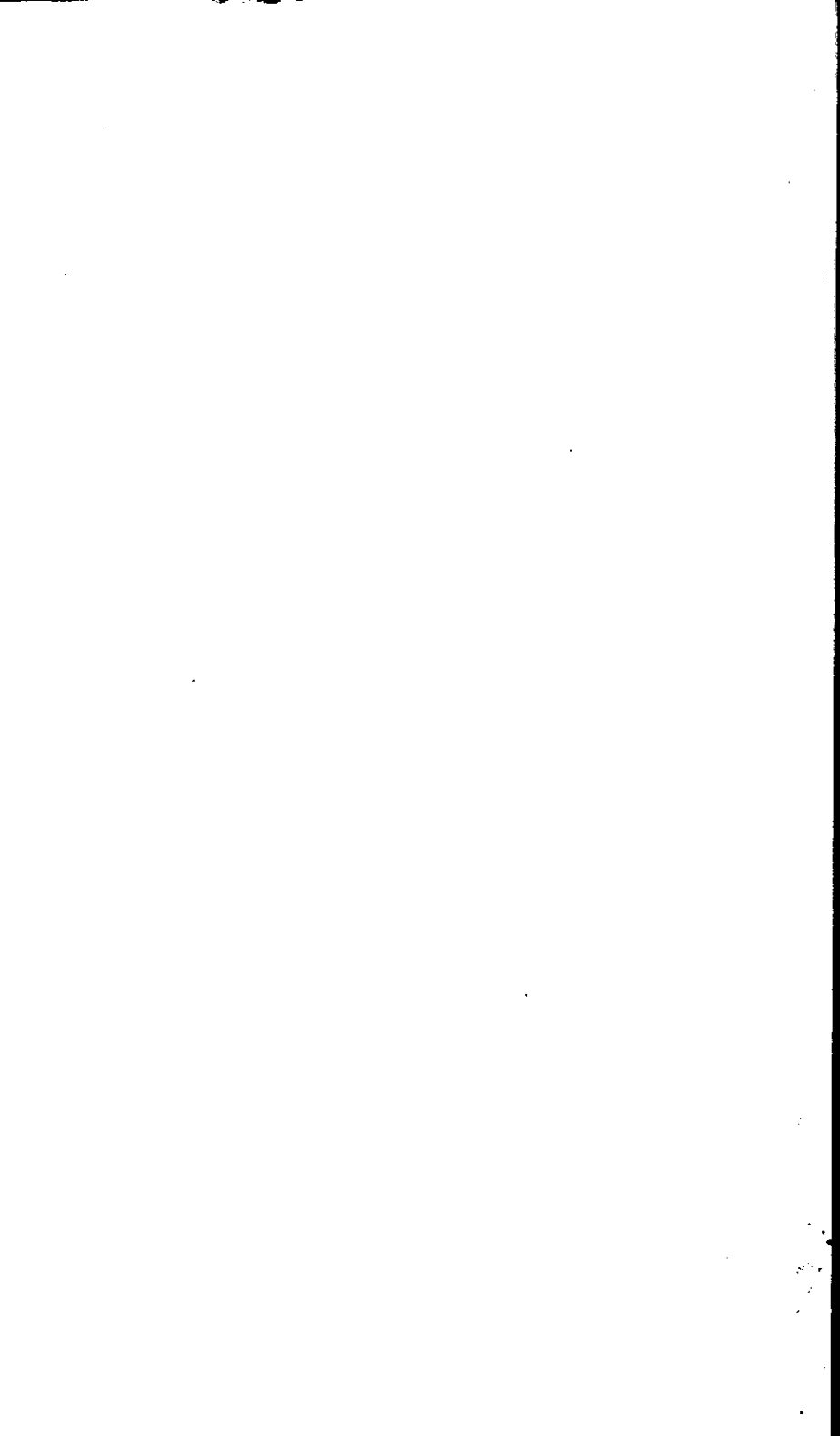
## فضیلت والے دن اور راتیں

راتیں جو زائد فضیلت کی حامل ہیں اور جن کو زندہ رکھنا مستحب ہے وہ پندرہ ہیں۔ مہینہ کو ان سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ تاہر اگر متعلقہ کے موسم سے غافل ہوگا تو کب منافع حاصل کرے گا۔ ان راتوں میں سے سات رمضان شریف میں ہیں۔ پہلی ۷ اور رمضان کی رات۔ یہ وہ رات ہے جس کی صبح کو بدر کی جنگ ہوئی اور باقی چھ آخری عشرہ کی وتر راتیں ہیں کہ ان میں لیلۃ القدر کی تلاش کی جاتی ہے۔

باقی آٹھ راتیں یہ ہیں: محرم کی پہلی رات، عاشورہ کی رات، رجب کی پہلی رات۔ رجب کی پندرہ اور ستائیس کی رات کہ وہ معراج کی رات ہے۔ پندرہ شعبان کی اور عرفہ کی رات اور دونوں عیدوں کی راتیں ان میں سے بعض راتوں میں نمازیں بھی بیان کی جاتی ہیں لیکن وہ ثابت نہیں۔

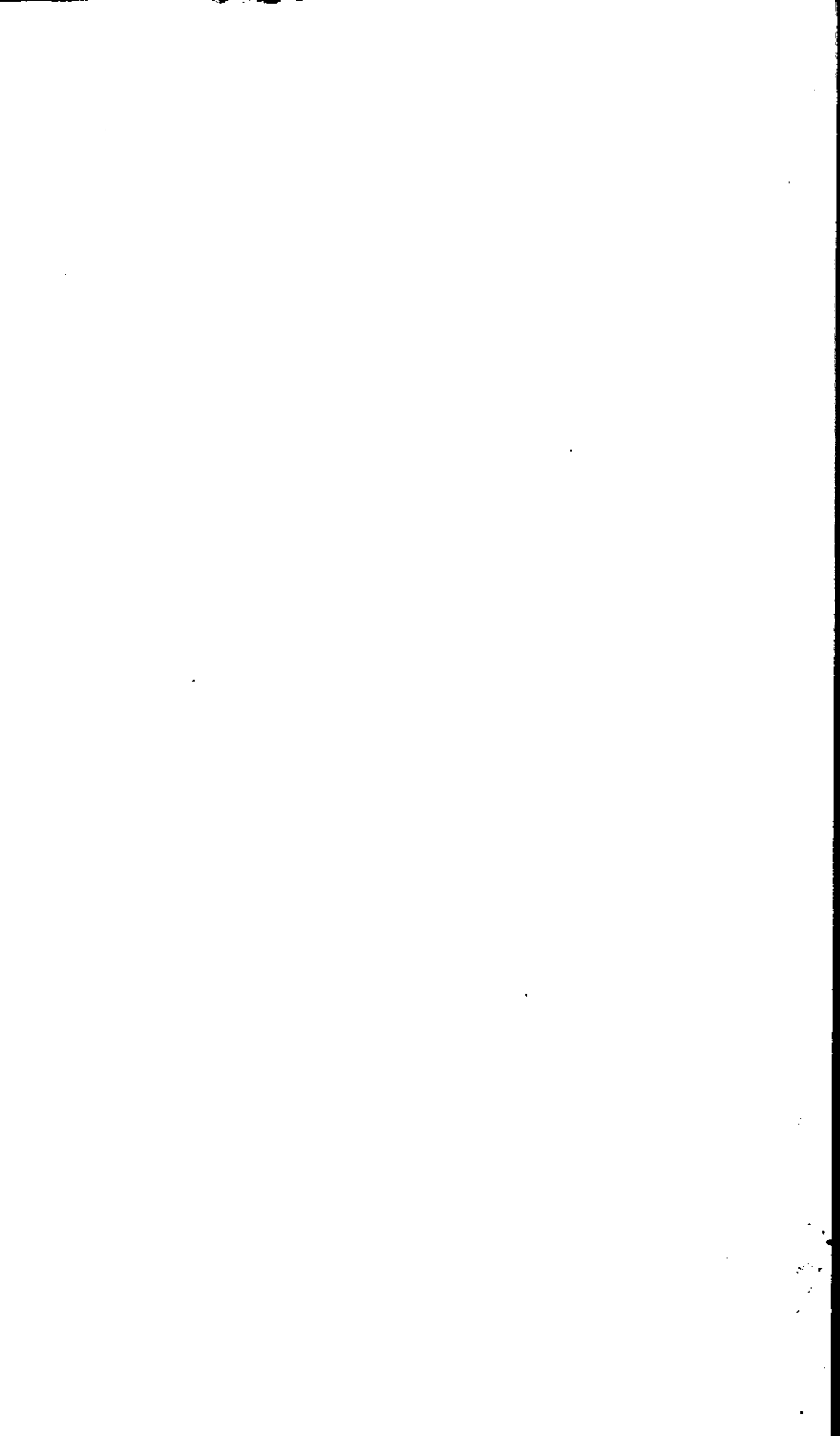
اسی طرح فضیلت والے دن آٹیس ہیں۔ عرفہ کا دن۔ عاشورہ کا دن۔ ستائیس رجب کا دن۔ یہ وہ دن ہے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آئے اور سترہ رمضان کا دن کہ اس میں بدر کی جنگ ہوئی اور پندرہ شعبان کا دن اور جمعہ کا دن اور دونوں عیدوں کے دن اور ایام معلومات اور وہ ذی الحجہ کے دس دن ہیں اور ایام معدودات اور وہ تشریق کے دن ہیں۔

ہفتے کے سات دنوں میں سے فضیلت والے دن سوموار (پیر) اور جمعرات ہیں۔ ایام سفین چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ ہیں اور ان کی بڑی فضیلت ہے۔ باللہ التوفیق  
برکتب الاولاد کا آخر ہے اور یہی عبادت کے ربح کا آخر ہے۔



# کتاب الطعام

- کھانے پر اکتھا ہونے اور ضیافت کے آداب
- بل کر کھانے کے آداب
- ضیافت کے آداب
- نکاح اور اُس کے متعلقات
- بیوی کے اوصاف
- خاوند اور بیوی کے فرائض



## فصل اول

## کھانے پر اکٹھا ہونے اور ضیافت کے آداب

کھانے کے آداب میں سے کچھ کھانے سے پہلے ہیں، کچھ کھانے کے ساتھ اور کچھ کھانے کے بعد پہلی قسم کے آداب یہ ہیں؛ کھانے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کیونکہ ان پر کچھ نہ کچھ میل ضرور ہوتا ہے۔

کھانا دسترخوان پر رکھے جو زمین پر بچھا ہوا ہو۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے زیادہ قریب ہے بنسبت اس کے کہ کھانا کسی میز پر رکھا جائے۔ یہ توضیح کے بھی زیادہ قریب ہے۔ کھانا کھانے کے لیے اس انداز سے بیٹھے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور بائیں پر ٹیک لگائے۔

کھاتے وقت نیت رکھے کہ اللہ کی عبادت کے لیے قوت حاصل کرتا ہے اور یہ کہ کھانے میں بھی اللہ کی اطاعت ہو۔ اس سے صرف لذت حاصل کرنا مقصد نہ ہو۔ اس نیت کی محنت کی نشانی یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق کھائے۔ پیٹ بھر کر نہ کھائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، "ابن آدم نے پیٹ سے زیادہ بڑا برتن اور کوئی نہیں بھرا۔ ابن آدم کو چند ایک لمحے کافی ہیں جو اس کی بیٹھ کو سیرھا کہیں۔

صرف بھوک کی حالت میں کھانے کی طرف اپنا ہاتھ بڑھائے اور پیٹ بھرنے سے پہلے ہاتھ اٹھائے جو ایسا کرے گا وہ طیب کا محتاج نہ ہوگا

جو رزق دسترخوان پر ہوا سے ٹہری نعمت خیال کرے اور غلو سے کھانے کو حقیر نہ سمجھے۔

کوشش کرے کہ کھانے میں زیادہ لوگ شامل ہوں اگرچہ اپنے بیوی بچے ہی کیوں نہ ہوں۔

دوسری قسم کھانا کھانے کے آداب ہیں اور وہ یہ ہیں کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھے اور آخر میں اللہ کی تحمید کرے۔ دائیں ہاتھ سے کھائے۔ لقمہ چھوٹا رکھے، خوب چبا کر کھائے اور جب تک پہلا لقمہ نکل نہ لے دوسرے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔

کھانے کی خدمت نہ کرے اور اپنے آگے سے کھائے۔ ہاں اگر انواع و اقسام کے کھانے ہوں تو چپا

سے چاہے لے لے، مثلاً پھیل وغیرہ ہوں تو ضرورت کے مطابق لے لے۔

تین انگلیوں سے کھائے، اگر لقمہ گر پڑے تو لے اٹھالے۔ گرم پانی میں چھوٹا نمک نہ مارے اور کھجور اور گٹھلیوں کو ایک ہی پلیٹ میں نہ رکھے اور نہ گٹھلیاں ہاتھ میں اکٹھی کرتا رہے۔ بلکہ اپنے منہ سے ہتھیلی کی پشت پر رکھ کر پھینک دے اور اسی طرح دوسری چیزیں گٹھلیاں اور چھلکے وغیرہ الگ کرے۔ کھانے کے دوران میں پانی نہ پیئے کریطبی لحاظ سے فائدے کی بات ہے۔

پینے کے آداب میں سے یہ ہے کہ تین دائیں ہاتھ میں کپڑے اور پینے سے پہلے اسے دیکھ لے۔ گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے۔ ایک ہی سانس میں نہ چڑھا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: پانی گھونٹ گھونٹ پیو ایک ہی دفعہ نہ پی جاؤ کہ اس سے جگر کا درد شروع ہو سکتا ہے۔ پانی کھڑے ہو کر نہ پیئے اور پینے کے دوران میں تین سانس لے۔

صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے میں تین سانس لیا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ برتن کو متر سے دو رک کر کے تین سانس لے۔ یہ مطلب نہیں کہ برتن میں تین سانس لیتے تھے۔ کھانے کے آداب کی تیسری قسم بعد کے امور سے متعلق ہے اور وہ یہ ہیں کہ اگر کچھ کھانا انگلیوں پر لگ گیا ہو تو انھیں چاٹ لے۔ برتن کو صاف کرے اور جو کچھ کھانا یا پیہ ہے اس کے لیے اللہ کا شکر ادا کرے۔

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو کھانا کھائے تو اللہ کی حمد بیان کرے اور پانی پیئے تو اللہ کی حمد بیان کرے۔  
دستر خوان سے اٹھ کر اپنے ہاتھ دھوئے۔

## فصل دوم

## بل کر کھانے کے آداب

ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص علم و فضل یا کسی اور وجہ سے فضیلت رکھتا ہو کھانے کی ابتداء کرے۔ ہاں اگر کوئی شخص جہاں خصوصاً ہو، تو اور بات ہے۔ وہ بھی ابتدا کر سکتا ہے۔

ایک یہ ہے کہ کھانے پر خاموش نہ رہیں بلکہ نیک کی باتیں کریں خاص طور سے کھانے کے متعلق نیک لوگوں کی حکایات بیان کریں۔ نیز ہر آدمی اپنے ساتھی کے لیے اظہار کرے، یعنی اس بات کا موقع دے کہ وہ آسانی اور فراغت سے کھا سکے

ضرورت کے مطابق تہ تکلفی سے کھائے۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ کم کھا تا ہے تہمت نہ کرے۔ اپنے ساتھیوں کو کھاتا ہوا نہ دیکھے کہ وہ شرم کھائیں گے۔ بلکہ ایسا انداز اختیار کیے رکھے کہ کوئی شخص اپنی طرف متوجہ ہونا محسوس نہ کرے۔

کوئی ایسا کام نہ کرے جسے دوسرے بُرا سمجھیں، مثلاً اپنے ہاتھ پیالے میں نہ جھاڑے اور نہ منہ میں لقمہ رکھتے وقت اپنے منہ کو پیالے کی طرف آگے بڑھائے۔ اگر منہ سے کوئی چمپ نہ چھینکنے کے لیے نکالے، تو اپنا منہ کھانے کی طرف سے دوسری طرف کر لے اور منہ سے نکلنے والی چیز کو بائیں ہاتھ میں لے کر پھینکے۔ چکنہ ہٹ والے لقمے کو سر کے میں نہ ڈالوئے اور نہ ہر کہ چکنہ ہٹ میں ڈالے کہ بعض آدمی اسے بُرا سمجھتے ہیں۔ منہ سے لقمہ کاٹ کر باقی لقمہ شور بے میں نہ ڈالوئے۔

دوستوں کے سامنے کھانا پیش کرنا مستحب ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر میں ایک صاع کھانے پر دوستوں کو جمع کروں تو یہ مجھے ایک غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت نیکم رحمہ اللہ، علوہ اور نفیس کھانا تیار کرتے، تو براہیں اور اعلیٰ سے کھالتے اور کہتے کھاؤ۔ یہ میں نے تمہارے لیے ہی تیار کیا ہے۔

جو کچھ موجود ہو بلا تکلف جہانوں کے آگے رکھ دے اور کھانا پیش کرنے میں اُن سے اجازت نہ لے، بلکہ

پلوچھے بغیر کھانا پیش کرے۔ یہ تکلف زیادہ چیزیں دسترخوان پر رکھنا بھی مناسب نہیں۔

جہان کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ کسی کھانے کی ترغیب نہ کرے کہ فلاں چیز لپکاؤ۔ ہاں دو کھانوں میں اہتیا دیا جائے تو جو آسانی سے تیار ہو جاتا ہو وہ پسند کرے۔ البتہ اگر اسے معلوم ہو کہ کسی چیز کے تجویز کرنے سے زبان خوش ہوگا اور اس کے حاصل کرنے میں پریشانی بھی نہ ہوگی تو درست ہے۔

امام شافعیؒ نے عرفان کے پاس گئے جو اپنی لڑکی کو کھانوں کی فہرست لکھ کر دیا کرتا تھا۔ اہم صاحب نے وہ نعرے کر اس میں درج کھانوں میں ایک اور کھانا بھی لکھ دیا۔ زعفرانی کو معلوم ہوا تو بہت خوش ہوا۔ اگر معلوم ہو جائے کہ لوگ کھانا کھا رہے ہیں تو ان کے پاس نہ جانا چاہیے، ہاں اتفاقاً ایسا ہو جائے اور وہ اسے کھانے کی دعوت دیں تو فوراً شریک طعام نہ ہو جانا چاہیے، بلکہ غور کرنا چاہیے کہ انھوں نے محض رسماً دعوت دی ہے یا فی الواقع کھانے میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اندازہ ہو کہ شریک ہونے سے وہ لوگ خوش ہوں گے تو کھانا جانتے ہوئے۔

اگر کوئی اپنے دوست کے گھر جائے اور دست گھر نہ ہو اور اسے اعتماد ہو کہ اس کے گھر سے کھانے پر وہ خوش ہوگا تو کھانا جانتے ہوئے۔

ضیافت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پرہیزگاروں کو کھانے پر بلائے۔ مہمان کو گول کو نہ بلائے بعض سلف نے تو یہ بھی کہا ہے کہ پرہیزگار کے علاوہ کسی کا کھانا نہ کھاؤ۔ نہ پرہیزگار کے علاوہ کسی کو کھلاؤ۔ چاہیے کہ ضیافت میں نفیوں کو بلائے، دوستوں کو نہ بلائے نیز یہ کہ اپنے خویش و اقارب کو ضیافت میں بھول نہ جائے۔ نہ بلانا ان کو متوش کرنے اور قطع رحمی کا باعث ہے۔ اسی طرح اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں ترتیب کو ملحوظ رکھے۔

یہ ضرور دیکھا ہے کہ ضیافت سے مقصد خفا و غرور نہ ہو بلکہ کھانا کھلانے کی سنت کو پورا کرنا، بھائیوں کے دلوں کو جیتنا اور مومنوں کے دلوں کو خوش کرنا ہو۔

جس آدمی کے متعلق معلوم ہو کہ اسے ضیافت کا قبول کرنا ناگوار ہوگا اور اگر آجائے گا تو حاضرین سے اسے تکلیف پہنچے گی تو نہ بلائے۔

ضیافت قبول کرنے کے آداب یہ ہیں کہ اگر دعوت شادی کی ہو تو اسے قبول کرنا واجب ہے۔ مسلمان بھائی ویسے پر بلائے تو ضرور جائے۔ اگر دعوت شادی کی نہ ہو تو اس کا قبول کرنا بھی جائز ہے۔ پھر یہ بھی چاہیے کہ



صرف ایسے دن کی دعوت قبول نہ کرے بلکہ فقیر کی دعوت بھی قبول کرے۔ روزے کی وجہ سے دعوت میں شمولیت کرنے سے انکار نہ کرے بلکہ حاضر ہو جائے۔ پھر اگر روزہ نفلی ہو اور اسے معلوم ہو کہ اگر وعظہ افطار کر لوں تو مسلمان بھائی خوش ہو جائے گا تب روزہ افطار کر دینا چاہیے۔

یہ معلوم ہو جائے کہ جو کھانا پیش کیا جائے گا حرام ہے تو دعوت قبول نہ کرے۔ اسی طرح اگر وہاں فرسخ حرام کا ہو یا برتن حرام کے ہوں یا گانا بجانا ہو یا تصویریں وغیرہ ہوں تو نہ جائے۔ اسی طرح اگر دعوت دینے والا ظالم آدمی ہو یا ناستق یا بدعتی ہو یا دعوت کا مقصد فخر و فرور ہو تو نہ جائے۔

دعوت قبول کرتے وقت صرف کھانا کھانا مقصود نہ ہو بلکہ سنت کی پیروی کی نیت کرے اور اپنے بھائی کی عزت اور اپنے آپ کو بظنی کرنے والے کی بدظنی سے بچانے کی نیت رکھے۔ اگر آدمی دعوت قبول نہ کرے تو اسے متکبر کہ جاتا ہے۔

مجلس میں حاضر ہو تو آنکساری اختیار کرے۔ صدر نشینی نہ اختیار کرے اور اگر صاحب خانہ کسی خاص جگہ بیٹھا تو دوسری جگہ نہ بیٹھے۔ جس کمرے سے کھانا آ رہا ہو بار بار اس کی طرف نہ دیکھے کہ ندیدے پن کی دلیل ہے۔

## خصیافت کے آداب

کھانا پیش کرنے کے پانچ آداب ہیں: پہلا یہ کہ کھانا جلدی لائے کہ اس میں جہان کی عزت ہے۔ دوسرا یہ کہ پہلے پھل لاکر سامنے رکھے۔ تیسرا یہ لحاظ سے یہ بہت بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَالْحَلَاكَةُ مِمَّا يَتَخَذُونَ** و **لِحَدِ طَيْرِ مِمَّا يَتَّهَمُونَ** (اور پھل جو وہ پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جو وہ چاہیں گے) پھلوں کے بعد گوشت پیش کرنا سب سے افضل ہے۔ خاص طور پر بھینسا ہوا گوشت۔ گوشت کے بعد بہترین کھانا خرید (شوربے میں روٹی کے ٹکڑے بھگوئے ہوئے) ہے پھر کوئی میٹھی چیز اور سب کی تکمیل ٹھنڈے پانی سے ہوتی ہے اور خصیافت کی تکمیل یہ ہے کہ بعد میں نیم گرم پانی سے ہاتھ دھلائے جائیں۔ تیسرا یہ کہ تمام موجود کھانے سامنے لاکر رکھ دیے جائیں۔

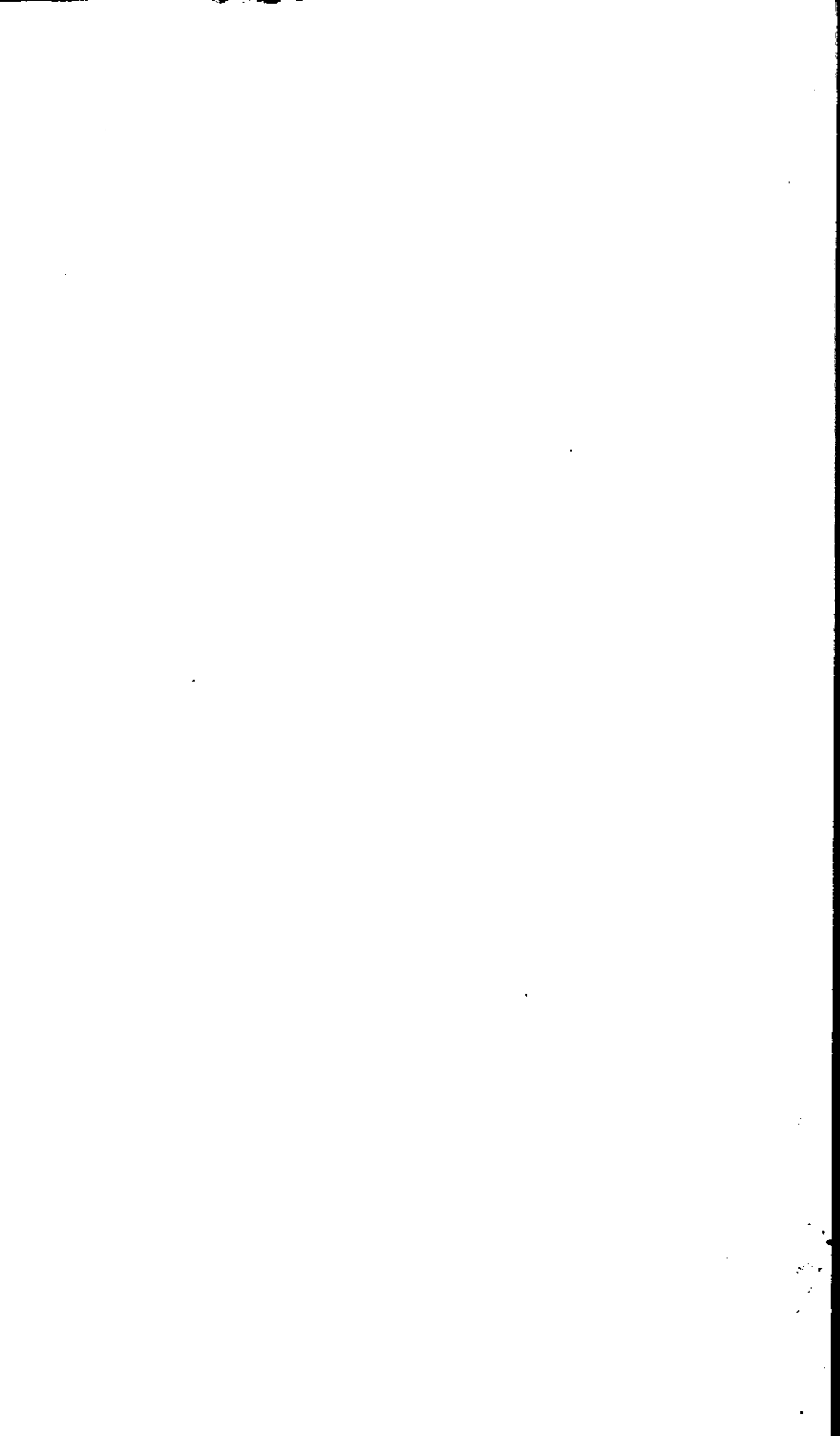
چوتھا یہ کہ برتن اٹھانے میں جلدی نہ کرے تا دقتیک سب آدمی کھانا کھانے کے بعد نہ کھینچ لیں۔ پانچواں یہ کہ اتنا کھانا رکھے جس سے جہان سیر ہو جائیں۔ کھانا کم رکھنا موت کے خلاف ہے۔ چھٹا یہ کہ جہانوں کو کھانا پیش کرنے سے پہلے گھروالوں کے لیے کھانا الگ رکھ لے۔ جہان جانے لگیں

تو دروازے تک اُن کے ساتھ چلے کر یہ سنت بھی ہے اور اس میں مہمان کی عزت بھی ہے۔ مہمان کا پورا  
اعزاز یہ ہے کہ اُس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ آتے جاتے وقت اور کھانا کھانے کے دوران  
میں اُس سے اچھے انداز میں گفتگو کرے۔

مہمان کو چاہیے کہ بہت خوش ہو کر واپس آئے اگر پھر اس کے حق میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہو۔ یہ عادت  
اچھے اخلاق اور تواضع سے ہے۔ نیز یہ کہ صاحبِ خانہ کی رضا اور اجازت سے واپس آئے اور جب تک  
وہاں ٹھہرے اس کی خوشی کو ملحوظ رکھے۔

# کتاب النِّزَاجِ

- نکاح اور اس کے تعلقات
- بیوی کے اوصاف
- خاندان اور بیوی کے فرائض



## فصل اول

## نکاح اور اس کے متعلقات

اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ نکاح مستحب، مندوب اور بہت سے فضائل کا حامل ہے اور اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ ایک فائدہ اولاد ہے کیونکہ مقصود بقائے نسل ہے اور اس میں کوشش کرنے سے اللہ کی محبت کا فائدہ بھی ہے۔ نیز حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی طلب بھی ہے کہ آپ کو امت کی کثرت پر فخر ہوگا۔ علاوہ ازیں اس میں نیک اولاد کی دعا سے برکت کا حصول بھی ہے اور چھوٹے بچے کی موت سے شفاعت کی امید بھی۔

نکاح کے فوائد میں سے شہوت کی آفت دور ہوجانے کی وجہ سے شیطان سے بچاؤ بھی ہے اور اس میں نفس کی راحت بھی اور بیوی کی رفاقت سے انس و محبت بھی ہے۔

ایک فائدہ گھر کی تدبیر سے دل کی فراغت ہے۔ کھانا پکانے، صفائی کرنے، بسنڑ بچانے، برتن صاف کرنے اور اسباب زندگی تیار کرنے سے کفالت بھی ہے کیونکہ اکیلا رہتے ہوئے ان میں سے اکثر کام انسان کے لیے مشکل ہو جاتے ہیں۔ اگر انسان خود ان کو کرنے لگے تو اس کا بہت سادقت ضائع ہو جاتا ہے۔ بہت سے مفید کاموں کے لیے فراغت نہیں رہتی، گویا نیک بیوی دین میں مددگار بھی ہے۔

نکاح کے فوائد میں سے یہ بھی ہیں کہ نفس کے مجاہدے، نگرانی اور حکمرانی کی وجہ سے اس کی اصلاح بیوی چول کے حقوق کا پورا کرنا۔ عورتوں کی بد اخلاقی پر صبر، ان کی طرف سے نکالیف برداشت کرنا۔ ان کی اصلاح اور ان کو دین کے رستے کی طرف رہنمائی کرنے کی کوشش۔ کسب حلال کی پختہ جہد۔ اولاد کی تربیت کا اہتمام وغیرہ تمام اعمال جو بڑی فضیلت رکھتے ہیں اسی کی بدولت حاصل ہوتے ہیں۔ جو شخص یہ حقوق پورا کرنے سے ڈرتا ہے وہی نکاح سے اجتناب کرتا ہے۔ بیوی بچوں کے لیے شفقت برداشت کرنا دراصل جہاد فی سبیل اللہ کی طرح ہے۔

مسلم کے افراد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک وہ دینار ہے جسے تو

اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور ایک وہ دینار ہے جسے غلام آزاد کرنے میں خرچ کرے اور ایک وہ دینار ہے جسے نو مسکین پر خرچ کرے ایک وہ دینار ہے جسے تو اپنے بال بچوں پر خرچ کرے تو ان سب سے افضل وہ ہے جسے تو اپنے بال بچوں پر خرچ کرے۔

فوائد کے ساتھ نکاح میں کچھ آفات بھی ہیں۔ مثلاً سب سے بڑی آفت طلب حلال سے عاجز ہونا ہے کہ طلب حلال بہت مشکل ہے اور بیوی بچوں والے کا ہاتھ بسا اوقات ایسی چیزوں کی طرف بڑھتا ہے جو اس کے لیے جائز نہیں ہوتیں۔

دوسری آفت عورتوں کے حقوق پورے کرنے سے قاصر ہونا ہے۔ ان کے اخلاق اور ان کی تکالیف پر صبر نہ کرنے میں بہت بڑا خطرہ ہے کیونکہ مرد حاکم اور اپنی رعیت کے متعلق جواب دہ ہے۔

تیسری آفت یہ ہے کہ بیوی بچے اللہ کی یاد سے غافل کر دیتے ہیں۔ انسان کے دن رات انہی کے شغل میں گزار جاتے ہیں۔ اس کا دل آخرت کی فکر اور اس کے عمل کے لیے فارغ ہی نہیں ہوتا۔ پانچویں ثابت ہوا کہ نکاح آفات و فوائد کا مجموعہ ہے۔ اب کسی آدمی کے لیے نکاح کرنا بہتر ہے یا بغیر نکاح کے رہنا۔ اس کا فیصلہ انہی امور پر منحصر ہے اگر وہ آفات نکاح سے بچ سکے۔ فوائد نکاح سے مستفید ہو سکے، اس کے پاس حلال مال اور حسن خلق ہو اور وہ صحت مند بھی ہو تو بلاشبہ اس کے لیے نکاح کرنا افضل ہے اور اگر یہ فوائد حاصل نہ ہو سکیں اور آفات جمع ہو جائیں تو اس کا چھوڑ دینا بہتر ہے۔

## بیوی کے اوصاف

اچھی زندگی گزارنے کے لیے عورت میں چند خوبیوں کا ہونا خیال کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

پہلی خوبی دیندار ہونا ہے اور یہی بنیادی خوبی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "دیندار عورت حاصل کرو" اور اگر وہ بے دین ہوگی تو اپنے شوہر کا دین بگاڑ دے گی۔ اس پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گی اور اگر وہ غیرت کی راہ اختیار کرے گی تو وہ ہمیشہ مصیبت میں رہے گا اور اس کی زندگی برباد ہو کر رہ جائے گی دوسری خوبی اچھا خلق ہے کہ بدخلق کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ ہوتا ہے۔

تیسری خوبی حسن صورت ہے کیونکہ اسی سے تو شیطان سے بچاؤ ہوتا ہے۔ اسی لیے حسن صورت سے نکاح کا ارادہ ہوا سے دیکھ لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو حسن کی طرف توجہ نہیں کرتے

جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے ایک کافی عورت کو اس کی بہن کے مقابلے میں پسند کیا، لیکن یہ بات شاذ و نادر ہوتی ہے۔ عام طبائع اس کے خلاف ہیں۔

پوتھی خوبی تہی جہر کا کم ہونا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کا نکاح دو درہم تہی جہر پر کیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورتوں کے جہر گراں نہ رکھا کرو۔ جس طرح عورت کی طرف سے زیادہ حق جہر کا مطالبہ برآ ہے، اسی طرح مرد کی طرف سے جہیز کا مطالبہ بھی اچھا نہیں۔

حضرت سفیان ثوری نے کہا: جب آدمی نکاح کرنے لگے اور پوچھے عورت کا جہیز کیا کچھ ہے؟ تو سمجھ لو کہ وہ چور ہے۔

پانچویں خوبی کنواری ہونا ہے کیونکہ شارح نے اس کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ اس لیے کہ کنواری عورت بہ نسبت بیوہ یا مطلقہ کے شوہر سے زیادہ محبت کرتی ہے اور اس سے بھی محبت پیدا ہوتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ پہلی محبوب ہوتی ہے۔

چھٹی خوبی یہ ہے کہ عورت ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہو جس کی خواتین بالعموم صاحبِ اولاد ہوں۔ ساتویں خوبی نسب ہے اور وہ حقیقتاً یہ ہے کہ عورت کسی دیندار اور نیک گھرانے کی ہو۔

آٹھویں خوبی یہ ہے کہ عورت اجنبی نہ ہو۔ جیسے مرد کو حکم ہے کہ عورت کو دیکھ کر نکاح کرے، اسی طرح عورت کے ولی کو بھی حکم ہے کہ مرد کے دین اور اخلاق اور معاملات کو دیکھے کیونکہ نکاح کے بعد تو وہ ایک طرح اس کی قیدی بن جائے گی۔ اگر اس کا خاندان فاسق یا بدلتی آدمی ہو گا تو عورت پر بھی ظلم کرے گا اور اپنی جان پر بھی۔

ایک آدمی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا: میں اپنی بیٹی کا کس سے نکاح کروں؟ تو کہا: جو اللہ سے ڈرتا ہو کہ اگر وہ اس کو پسند کرے گا تو اس کی عزت کرے گا اور اگر ناپسند بھی کرے گا تو اس پر ظلم نہ کرے گا۔

## فصل دوم

### خاوند اور بیوی کے فرائض

شوہر پر لازم ہے کہ بارہ چیزوں میں اعتدال کو ملحوظ رکھے :

پہلی، دوسری، کہ مستحب ہے۔ دوسری: بیویوں سے حُسن سلوک۔ تیسری: ان کی کم عقلی کی دہرے سے ان کی تکلیفوں کو برداشت کرنا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ عورتوں سے اچھا سلوک کرو کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اور پسلی کا سب سے ٹیڑھا حصہ اُس کا اوپر کا حصہ ہے۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھا ہی رہے گا۔ پس عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔

معلوم ہونا چاہیے کہ عورت کے ساتھ حُسن خلق صرف یہ نہیں کہ مرد اُس کو تکلیف نہ دے بلکہ اُس کی تکلیف کو برداشت کرے۔ اس کے غصے اور جوش پر جوصلے سے کام لے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ سے سوال جواب کرتیں اور کوئی ان میں سے سارا سارا دن آپ سے نہ بولتی۔ یہ حدیث مشہور ہے۔

چوتھی یہ کہ اس سے ہنسی مذاق کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے ہنسی مذاق کرتے تھے۔ آپ نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تو نے کنواری سے کیوں نہ نکاح کیا کہ تو اُس سے کھیلتا اور وہ تجھ سے کھیلتی؟ البتہ ان باتوں کی ایک حد ہونی چاہیے۔ عورت سے اتنا نہ کھلے کہ مرد کی ہدایت ہی جاتی رہے۔ اس میں اعتدال کو ملحوظ رکھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ اپنے کسی عامل پر ناراض ہوئے تو آپ کی بیوی نے کہا: اے امیر المؤمنین، آپ پر کیوں ناراض ہوتے ہیں؟ فرمایا: اے اللہ کی دشمن تیرا اس معاملے سے کیا تعلق، تو تو ایک گڑبا ہے کچھ دیر تجھ سے کھیل لیا جاتا ہے پھر تجھے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

پانچویں یہ کہ غیرت میں اعتدال رکھے اور وہ یہ ہے کہ ان ابتدائی چیزوں سے بھی بے خبر نہ رہے جن کا انجام تباہی و مراد سے بڑھ کر بدلتی بھی نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر سے رات کو اپنے گھر



کرنے سے منع فرمایا ہے۔

چھٹی یہ کہ اخراجات میں اعتدال رکھے۔ نہ تو دم سے بڑھ کر کرے اور نہ بخل سے کام لے اور یہ مرد کا حق نہیں کہ وہ خود کو اچھا کھانا کھائے اور بیوی کو ویسا نہ دے۔ اس سے دل میں بغض پیدا ہوتا ہے۔ ساتویں یہ کہ شادی کرنے والا حیض اور اس کے احکام سیکھے جس سے اسے معلوم ہو کہ ماہانہ عورت کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے۔ اسے دین کا صحیح عقیدہ سکھائے اور اگر عورت کے دل میں بدعت ہے تو حزن تدبیر سے اس کو نازل کرے اور اسے نماز اور حیض کے ضروری مسائل سے آگاہ کرے۔ اسے بتائے کہ اگر مغرب سے پہلے بقدر ایک رکعت حیض کا خون بند ہو جائے تو اسے ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کرنی پڑیں گی۔ اگر صبح سے پہلے بقدر ایک رکعت خون بند ہو جائے، تو اسے مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھنی ہوں گی۔ عورتیں ان باتوں کی پروا نہیں کرتیں۔

آٹھویں یہ کہ اگر اس کی بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو ان میں عدل و انصاف کرے۔ رات گزارنے اور خرچ دینے میں برابری ہے نہ کہ محبت کرنے میں کیونکہ یہ اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ پھر اگر سفر چاہئے اور چاہے کہ کسی بیوی کو ساتھ لے جائے تو ان میں تفرق ڈالے جس کے نام پر نکلا اس کو ساتھ لے جائے۔ نویں مخالفت ہے۔ اگر عورت مرد کے خلاف اٹھ کھڑی ہو تو مرد کا حق ہے کہ اس کو ادب سکھائے اور اسے طافت سے اطاعت پرائے کہ وہ اسے بلکہ اس تادیب میں درجہ بندی کو ملحوظ رکھے۔ پہلے اسے نصیحت کرے پھر دھکی دے اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو اسے اس کے بستری میں تنہا چھوڑ دے۔ اس کی طرف پیٹھ کولے۔ اس کا بھئی اثر نہ ہو تو اپنا بستر الگ کر لے اور اس سے تین دن سے کم بول چال بند کر دے۔ پھر اگر اس سے بھی فائدہ نہ ہو تو اسے مارے، لیکن سخت نہ مارے اور وہ یہ ہے کہ اس کا جسم خون آلود نہ ہو اور اس کے چہرے پر بھی نہ مارے۔

دسویں: جماع کے آداب کے متعلق مستحب ہے کہ سیم اللہ سے شروع کرے۔ قبلے سے منہ پھیرے۔ جماع کے وقت اوپر کپڑا ڈال لے ننگا نہ ہو اور یہ کہ پہلے کھیل اور معانقہ اور بوس و کنا ر شروع کرے۔ بعض علماء جمعہ کے روز جماع کرنا مستحب سمجھتے ہیں۔ پھر جب مرد فارغ ہو جائے تو اسی حالت میں کچھ دیر کھڑا رہے تاکہ عورت میں نارغ ہو جائے کیونکہ عمر ما عورت کا انزال مرد کی نسبت دیر سے ہوتا ہے۔

حیض کی حالت میں اور پانچ ماہ کی جگہ میں جماعت کرنا جائز نہیں۔ اگر دوبارہ جماعت کرنا چاہے تو اپنی شرمگاہ کو دھو کر وضو کر لے۔

جنابت کی حالت میں بال نہ منڈائے۔ ناخن نہ کٹائے اور خون نہ نکلوائے۔ عزل کرنا (انزال کے وقت اپنی شرمگاہ کو باہر نکال کر مٹی گرا دینا) جائز، لیکن مکروہ ہے۔

گیا رھویں: ولادت کے آداب ہیں اور وہ چھ ہیں: پہلا یہ کہ لڑکے کی پیدائش پر زیادہ خوش اور لڑکی کی پیدائش پر غمگین نہ ہو کیونکہ اس سے معلوم نہیں کہ لڑکے میں بھلائی ہے یا لڑکی میں۔

دوسرا یہ کہ بچہ جب پیدا ہو تو اس کے کانوں میں اذان کہے۔ تیسرا یہ کہ اس کا کوئی اچھا سا نام رکھے۔ مسلم کے افراد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے پیارے نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔ اگر کسی کا نام نام خوب ہو تو اس کو تبدیل کر دینا صحیح۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کے نام تبدیل کر دیے تھے۔ آپ نے ان ناموں کو برا سمجھا: افطح (کا میاب) نافع (نفع دینے والا) یسار (آسانی کرنے والا) یباح (فائدہ) برکت کیونکہ اگر پوچھا جائے کہ کیا وہ یہاں ہے؟ اور وہ وہاں نہ ہو تو کہا جائے گا نہیں ہے۔

چوتھا: حقیقہ۔ لڑکے کے لیے دو بکریاں اور لڑکی کے لیے ایک بکری۔ پانچواں یہ کہ اسے کھجور یا میٹھی چیز کی گھٹی دی جائے۔ چھٹا۔ چھنڈ کرنا۔

بارھویں بات ہونا کاح سے متعلق ہے وہ طلاق ہے اور یہ اللہ کے نزدیک سب حلال چیزوں میں سے ناپسندیدہ ہے۔ مرد کے لیے مکروہ ہے کہ اچانک ہی عورت کو بغیر کسی گناہ کے طلاق دے دے اور عورت کو جائز نہیں کہ مرد کو طلاق پر مجبور کرے کسی وجہ سے طلاق کا ارادہ کرے تو چار باتیں ملحوظ رکھے و پہلی یہ کہ اس طہر میں طلاق دے جس میں مجامعت نہ کی ہو تاکہ اس کی عدت لمبی نہ ہو۔ دوسری یہ کہ ایک طلاق پر کفایت کرے کہ اگر بعد میں نادم ہو تو اسے رجوع کا فائدہ پہنچے۔

تیسری یہ کہ طلاق کے معاملے میں عورت پر زحمت کرے کہ اس کو کچھ سامان یا روپیہ دے دے جس سے اس کا کچھ غم غلط ہو جائے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت کو طلاق دی تو اس کو دس ہزار دہم دیے۔ عورت نے کہا یہ جہاد ہونے والے محبوب کی طرف سے تھوڑا سا سامان ہے۔

چوتھی یہ کہ اس کے لارہ کو ظاہر نہ کرے۔ مسلم کے افراد میں صحیح حدیث ہے کہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بدترین شخص وہ ہے جو عورت کے پاس جائے اور عورت اس کے پاس آئے۔ پھر وہ اس کا راز ظاہر کرتا پھرے۔ بعض نیک لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا۔ اس سے پوچھا گیا تم اسے طلاق کس وجہ سے دے رہے ہو؟ تو کہا کہ عقل مند کسی کا پروردہ ناش نہیں کیا کرتے۔ پھر جب طلاق دے رہا

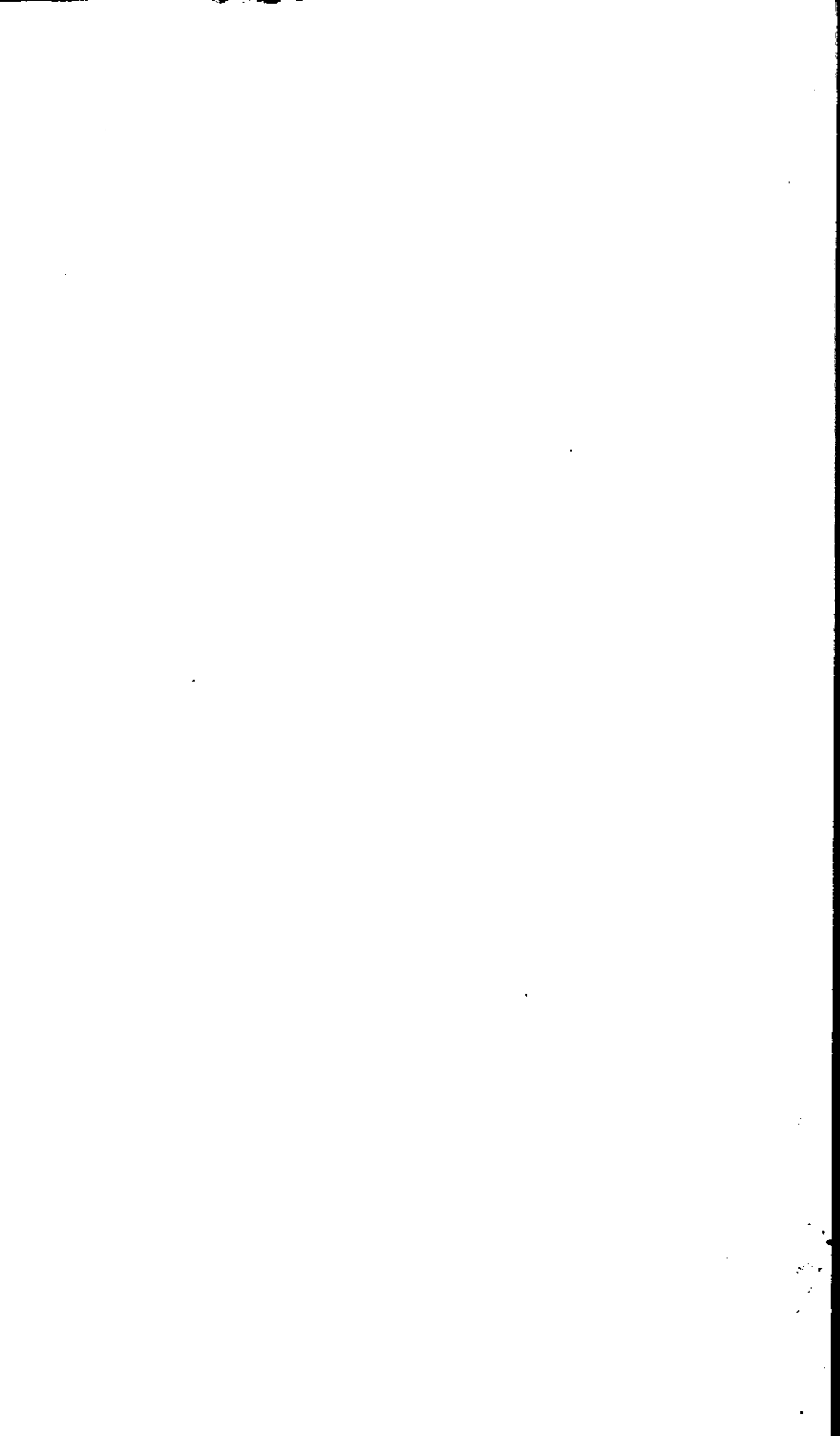
تو پوچھا گیا کہ نے طلاق کیوں دی ہے؟ تو کہا میرا کسی کی بیوی کے متعلق بات کرنے کا کیا حق ہے۔ یہ سب وہ باتیں ہیں جو مرد پر لازم ہیں۔

آداب معاشرت کی دوسری قسم وہ ہے جو عورت پر شوہر کے لیے لازم ہے۔ حضرت ابو امامہ نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا یا اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے مرد کو سجدہ کرے کیونکہ اس کا حق بہت بڑا ہے۔

اس ذیل میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو شوہر کے حقوق کی تاکید کرتی ہیں۔ شوہر کے حق بہت زیادہ ہیں، لیکن ان میں سے اہم یہ دو ہیں:

پہلا پردہ پوشی اور پاک دامنی۔ دوسرا قناعت۔ سلف کی عورتیں اسی طرح کی تھیں۔ جب مرد گھر سے باہر نکلنے لگتا تو کہتیں حرام کی کماٹی سے بچنا ہم بھوک پر صبر کر لیں گی، لیکن آگ پر صبر نہیں کر سکتیں۔ عورت کے فرائض میں سے ہے کہ مرد کے مال میں فضول خرچی نہ کرے۔ اگر مرد کی رضا مندی سے کسی کو کچھ دے تو اس کو بھی مرد کے برابر اجر ملے گا، لیکن اس کی رضا کے بغیر دے گی، تو مرد کو اجر ملے گا اور عورت کو گناہ۔

ماں کو چاہیے کہ بیٹی کو سسرال بھیجنے سے پہلے اسے زندگی گزارنے کے آداب سکھائے۔ عورت کو چاہیے کہ اپنے گھر میں مقیم رہے۔ چوڑھ کاتے۔ ہمسایوں سے کم بولے۔ شوہر کی غیر حاضری میں آزادانہ زندگی نہ گزارے۔ گھر کی حفاظت کرے اور تمام حالات میں مرد کی خوشی کو ملحوظ رکھے۔ اپنے نفس اور مرد کے مال میں مرد کی خیانت نہ کرے۔ جسے مرد ناپسند کرے اس سے اس کے بستر پر نہ بیٹھے دے۔ مرد کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔ اس کی پوری توجہ اپنی حالت کی درستگی اور گھر کی اصلاح کی طرف ہو۔ جہاں تک ممکن ہو گھر کی خدمت میں لگی رہے اور اپنے شوہر کے حقوق کو اپنی ذات اور تمام خویش و آقارب کے حقوق سے مقدم سمجھے۔ کتاب النکاح ختم ہوئی۔



# کتاب المعاش

- معاش کی فضیلت، معاملات کی درستی اور متعلقات
- معاشرتی معاملات میں ظلم
- عدل اور احسان
- تجارت میں دیانتداری اور خوفِ خدا
- حلال اور حرام
- حرام اور حلال کے درجات
- پرہیزگاری



## فصل اول

## معاش کی فضیلت، معاملات کی درستی اور متعلقات

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے دنیا کو عالمِ اسباب بنایا ہے اور دنیا اور عاقبت دونوں کی بھلائی کا انحصار ان کاموں پر ہے جو کوئی شخص کرنا ہے؛ چنانچہ اب ہم مختلف پیشوں اور ان کے اسباب و آداب کی تشریح کرتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: **وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا** اور ہم نے دن کو کماٹی کا وقت بنایا اور گویا اسے احسان کے طور پر ذکر کیا ہے۔ نیز فرمایا: **وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشًا**۔ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ اور ہم نے اس میں تمہارے لیے کماٹی کے ذریعے بنائے۔ تم تھوڑا ہی شکر کرتے ہو یعنی اسے ایک نعمت بتایا اور اس پر شکر کا عطا کیا۔

فرمایا: **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ** اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَلَالٌ لِّكَ طَلِبُ جِهَادٍ** اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ورنہ سے کو پسند کرتا ہے؛

بخاری کے افراد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **بَاتِهْكُ كَمَاثِي** سے بہتر کبھی کسی نے کھانا نہیں کھایا اور اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کماٹی سے کھایا کرتے تھے؛

ایک اور حدیث میں ہے کہ نوکریا علیہ السلام بڑھئی تھے؛

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ نوح علیہ السلام بڑھئی تھے،

۱۰۔ آیت اعراف - آیت ۱۰

۱۱۔ آیت البنا - آیت ۱۱

۱۲۔ آیت بقرہ - آیت ۱۹۸

اوریں علیہ السلام درزی تھے۔ ابراہیم اور لوط علیہما السلام زمیندار تھے۔ صالح علیہ السلام تاجر تھے۔ داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اور موسیٰ اور شعیب اور محمد صلوات اللہ علیہم بکریاں چراتے تھے۔

باقی رہے آثار تو بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نعمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے، حلال کمائی کے ذریعے مدد مانگو کیونکہ جو آدمی بھی تنگدست ہو جائے اسے تین چیزیں ضرور پہنچنی ہیں۔ اس کا دین مکرور ہو جاتا ہے۔ عقل کم ہو جاتی ہے۔ موت ختم ہو جاتی ہے اور ان سب چیزوں سے بڑھ کر یہ کہ لوگ اسے حق سمجھنے لگتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا آپ اس آدمی کے متعلق کیا کہتے ہیں جو اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھ جائے اور کہے کہ میں کوئی کام نہیں کروں گا، یہاں تک کہ میرا رزق میرے پاس آجائے گا، امام احمد نے کہا: یہ آدمی علم سے ناواقف ہے۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سنا کہ میرا رزق اللہ تعالیٰ نے میرے تیزے کے نیچے رکھ لیا ہے، اور جب پرندوں کا ذکر فرمایا تو کہا وہ خالی پیٹ صبح کو جاتے ہیں اور لوٹے بھر کر شام کو واپس آتے ہیں؛

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جنگلوں اور سمندروں میں سفر کے تجارت کرتے اور اپنے بانوں میں کام کیا کرتے تھے اور وہی تو ہونہ ہیں۔

حضرت ابوسعیدؓ نے کہا: ہمارے نزدیک یہ عبادت نہیں کہ پاؤں بیاڑ کر بیٹھا رہے اور دوسرے تیزے لیے کام کرے، تھک جائیں۔ پہلے اپنی دور ڈیوں کی ٹھکر کر، پھر عبادت کی طرف دھیان دے اور اگر کہا جائے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے تجارت اور عبادت دونوں کے متعلق کوشش کی، تو دونوں اکٹھی نہ ہو سکیں اور میں نے عبادت کو اختیار کر لیا، تو جواب یہ ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ تجارت بڑا تر مقصود نہیں، بلکہ لوگوں سے بے نیاز ہونے۔ بال بچوں کی ضروریات پوری کرنے اور بھائیوں سے تعاون کرنے کے لیے ہے۔ اگر مقصود مال جمع کرنا اور اس پر فخر کرنا ہو تو یہ بُری بات ہے۔

تجارت میں چار چیزیں کو ملحوظ رکھنا چاہیے: صحت، عدل، احسان اور دینی شغف، پہلی بات صحت کے متعلق ہے۔ اگر معاملہ تجارت ہے تو اس کے تین رکن ہیں۔ بیچنے والا۔ بیچی جانے والی چیز اور لفظ۔ بیچنے والا: تاجر کو چاہیے کہ کسی دیوانے سے معاملہ نہ کرے کیونکہ وہ غیر مکلف ہے اور اس کی بیع صحیح نہیں۔ نہ غلام سے معاملہ کرے، جب تک اسے اس کے مالک کی اجازت نہ ہو۔ اسی طرح بچے سے معاملہ نہ کرے، مگر یہ کہ اسے باپ یا وہی نے اجازت دے رکھی ہو۔ اس صورت میں وہ اجازت والے غلام کی طرح ہوگا۔ امام شافعی کے



نزدیک بچے کی بیع صحیح نہیں ہے۔ نابینا کا معاملہ ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ اس کا بیچنا اور خریدنا درست ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک صحیح نہیں۔

غلام آدمی اور جنس کا اکثر مال حرام ہوا اس سے صرف ایسی چیزوں میں معاملہ کرنا چاہیے جنہیں متین طور پر حلال جانتا ہو۔

دوسرا رکن بھی جانے والی چیز ہے اور یہ وہ مال ہے جس کو ایک سے دوسرے کی طرف منتقل کرنا مقصود ہے۔ گتے کی بیع جائز نہیں کیونکہ وہ نفس العین ہے، البتہ نخر اور گدھے کی بیع جائز ہے چاہے ہم انہیں پاک کہیں یا پلید۔ زمین کے کیڑوں کو ٹروں اور گلے بجانے کے آلات اور ٹی کی بناٹی ہوئی موتیوں وغیرہ کی بیع بھی جائز ہے۔ نیز ان چیزوں کی بیع بھی جائز نہیں جن کو شرعی طور پر خریدنے والے کے سپرد نہیں کر سکتا۔ جیسے ہوا میں پرندہ یا بھاگا ہوا غلام وغیرہ۔ نوڈی، غلام کی خرید و فروخت میں چھوٹے بچے کے بغیر صرف ماں کو یا ماں کے بغیر صرف چھوٹے بچے کو بیچنا شرعی طور پر منع ہے۔

تیسرا رکن لفظ ہے اور وہ ایجاب و قبول ہے اور اگر قول ایجاب سے پہلے ہو، تو ایک روایت کے مطابق بیع جائز نہیں، لیکن دوسری روایت کے مطابق درست ہے۔ یہ صورت بھی درست ہے کہ خریدار زبان سے کچھ کہے بغیر تاجر کو شے مطلوب کی قیمت دے دے اور بیچنے والا چیز اس کے ہاتھ میں دے دے۔ یہ امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے۔

قاضی ابوالعلی نے کہا: ایسی بیع صرف بھوٹی اور معمولی چیزوں میں جائز ہے اور یہ سب سے زیادہ صحیح قول ہے یعنی قیمتی چیزوں کی خرید و فروخت میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ باقاعدہ ایجاب و قبول ہو، تاکہ اختلاف کا شبہ باقی نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ نے سود کے معاملے میں بڑی سختی کی ہے، لہذا سود میں پڑنے سے ڈرے۔

سود کی دو قسمیں ہیں: ہر باالفصل، یعنی اصل رقم سے زیادہ لینا اور دبا اللستہ یعنی سودی چیزوں کا ادھار کے ساتھ تبادلہ۔

ان سب باتوں کو جاننا چاہیے اور جن صورتوں میں سود پایا جاتا ہے ان سے بچنا چاہیے، علاوہ ازیں پیشگی رقم دے کر چیز خریدنے کی شرائط، اجارہ اور مضاربت (ایک کا پیسہ دوسرے کی محنت) اور شرکت وغیرہ کے اصول معلوم ہونے چاہئیں کیونکہ ہر کئی کرنے والے کو ایسی خرید و فروخت سے واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے۔

۱۰ نوڈی غلام کی بیع کے مسائل اب خارج از بحث ہیں کیونکہ یہ سلسلہ ختم ہو چکا۔ (ادارہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

## فصل دوم

### معاشرتی معاملات میں ظلم

اب رہا دوسرا معاملہ، یعنی عدل و انصاف اور معاملہ کرنے میں ظلم سے پرہیز کرنا، تو ظلم سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کو اس میں ضرر اور تکلیف ہو اور یہ فرد تو قسم کا ہے: عام اور خاص۔

پہلا احتکار ہے اور یہ منع ہے کیونکہ اس سے قیمت بڑھ جاتی ہے اور لوگوں کے لیے روزی حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ آدمی چند گھنٹی کے زمانے میں بہت سا غلہ خریدے اور قیمت بڑھنے کا انتظار کرتا رہے، لیکن اگر اس کی اپنی زمین کا غلہ ہو اور وہ اسے جمع کر کے رکھ لے تو یہ احتکار نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اس نے فراخی اور ارزانی کے زمانے میں اس خیال سے غلہ خریدا ہو کہ لوگوں کو غلے کے حصول میں کوئی دقت نہ ہو، تو یہ بھی احتکار نہیں۔ مختصر یہ کہ غلہ جات خرید کر منہ کا فروخت کرنے کی نیت سے جمع کرنا مکروہ ہے کیونکہ غلہ انسانوں کی بنیادی ضرورت ہے۔

دوسرا وہ ہے جس کا نقصان اور ضرر خاص ہے۔ جیسے کسی چیز کی ایسی صفقتیں بیان کرنا جو اس میں نہیں ہیں یا اس کے عیوب کو چھپانا وغیرہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو دھوکہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ معلوم ہونا چاہیے کہ بیع اور مصنوعات میں دھوکہ کرنا حرام ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے ٹانہ لگے ہوئے کپڑے کی بیع کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر کاکہ کو یہ بتائے کہ ٹانہ لگا لگا ہوا ہے تو جائز ہوگا۔ تاہم اگر چاہیے کہ وزن صحیح کرے اور اس وقت تک ترازو نہ چھوڑے جب تک کہ میتے وقت کچھ زیادہ نہ ہو جائے اور لیتے وقت کچھ کم نہ ہو۔ اگر چارہ فروش جالے میں مٹی ملائے تو وہ مطلقاً (کم دینے اور زیادہ لینے والا) ہے۔ اسی طرح قصاب اگر دستور سے زیادہ گوشت میں ہڈی تول کر دے تو وہ بھی مطلقاً ہے۔

قیمت بڑھانے سے بھی منع کیا گیا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ خریدار کو دھوکہ دینے کے لیے کوئی ایسا آدمی بولی دیتا جائے جو حقیقت میں خریدار نہ ہو۔ جانوروں کے تھنوں میں دو دھڑ روک کر چھپنا بھی منع ہے۔

## عدل اور احسان

تیسری بات معاملے میں احسان کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عدل اور احسان کا حکم دیا ہے اور احسان میں سب سے بیع میں رعایت کرنا بھی ہے اور دستور سے زیادہ منافع نہ لینا بھی ہے، یعنی اصل منافع کی تو اجازت ہے کیونکہ تجارت منافع ہی کے لیے کی جاتی ہے، لیکن جائز منافع ہونا چاہیے۔ اگر خریدار اپنی مجبوری کی وجہ سے زیادہ منافع دینے پر رضامند ہو تب بھی بیچنے والے کو ایسا منافع لینے سے پرہیز کرنا چاہیے اور یہ بھی احسان میں سے ہے۔

اس سے یہ بھی ہے کہ جب قیمت یا قرضہ وصول کرنے لگے تو نرمی کرے، کچھ حصہ رقم کا چھوڑ دینے سے مہلت دینے سے اور مقروض کی آسانی کو مد نظر رکھنے سے بھی درجہ احسان حاصل ہوگا۔

احسان یہ بھی ہے کہ اگر گاہک کوئی چیز واپس کرنا چاہے تو خریدی ہوئی چیز واپس کر لے کیونکہ واپس وہی کرنا ہے جسے بیع میں نقصان ہوا ہو۔

ان مذکورہ امور کی فضیلت کی شہادت اور ایسا کرنے والے کے ثواب اور اجر کا تذکرہ احادیث میں ہے۔

## فصل سوم

### تجارت میں دیانتداری اور خوفِ خدا

چوتھا کام تاجر کا اپنے دین سے محبت کرنا ہے جو دنیاوی امور میں خاص اور آخرت کے لیے عام ہو۔ تاجر کو تجارت میں اپنی آخرت سے غافل نہ ہونا چاہیے بلکہ اپنے دین کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور اس کی اپنے دین سے محبت ان چھ چیزوں کو ملحوظ رکھنے سے ظاہر ہوگی:

پہلی تجارت میں اچھی نیت - نیت یہ کرنی چاہیے کہ کسی سے سوال نہ کرنا پڑے اور لوگوں سے طمع نہ رکھے اور بال بچے کی ضروریات پوری ہوں تاکہ یہ بھی مجاہدین میں سے ہو۔ اور مسلمانوں کی خیر خواہی ملحوظ رہے۔

دوسری یہ کہ اپنی صنعت و تجارت میں فرض کفایہ کی ادائیگی کی نیت کرے۔ کیونکہ اگر صنعت اور تجارت چھوڑ دی جائے تو میثاق تباہ ہو کر رہ جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض صنعتیں اہم ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ ان کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے۔ لہذا اہم صنعت میں مشغول ہونا چاہیے تاکہ اس کی صنعت اور تجارت سے مسلمانوں کی اہم ضروریات پوری ہوں۔

زیور بنانے، نقش و نگار کرنے، مکانات پر پلستر کرنے اور تمام زیب و زینت کی صنعتوں سے پرہیز کرے کہ وہ مکروہ ہیں۔ یہ بھی گناہ ہے کہ دوزی مرد کے لیے ریشمی کوٹ سیئے۔ قصاب بنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ اس سے دل کی سختی پیدا ہوتی ہے۔ سینگی لگانے والا اور جھاڑو دینے والا بھی نہ بنے کیونکہ اس میں ہر وقت نجاست سے واسطہ پڑتا ہے اور یہی حکم چرنگ کا بھی ہے۔ قرآن کی تعلیم دینے اور نماز پڑھانے پر اجرت لینا بھی جائز نہیں۔

تیسری یہ کہ دنیا کا بازار آخرت کے بازار سے غافل نہ کر دے اور آخرت کا بازار مسجد میں ہی چاہیے کہ دن کا پہلا حصہ اور دوسرا حصہ آخرت کے بازار کے لیے رکھے اور اس کے اوپر دعاؤں کرے۔ سلف صالحین میں سے جو تجارت کرتے تھے دن کا پہلا اور پچھلا حصہ آخرت کے لیے لکھا کرتے تھے اور دن کا درمیانی حصہ تجارت

کے لیے؛ پناہ جب نظر اور عصر کی اذان سے توفرض کی ادائیگی کے لیے کاروبار چھوڑ دے۔  
چوتھی یہ کہ بازار میں بھی ہمیشہ اللہ کا ذکر کرتا رہے اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے۔  
پانچویں یہ کہ بازار اور تجارت کی شدید حرص نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ سب سے پہلے بازار میں جائے اور  
سب کے بعد نکلے۔

چھٹی یہ کہ صرف حرام سے بچنے پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ شکوک و شبہات کے مواقع سے بھی بچے بعض  
فتاویٰ پر انحصار کرنا کافی نہیں بلکہ اپنے دل سے فتویٰ پوچھے اور جو بات دل میں کھٹکے اُس سے پرہیز کرے۔

---

## فصل چہارم

## رزق حلال

معلوم ہونا چاہیے کہ حلال کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ بہت سے جاہل دعویٰ کرتے ہیں کہ حلال کو بے ہی نہیں۔ حلال تو صرف دریائے فرات کا پانی یا گھاس اور بنزی وغیرہ کچھ چیزیں ہیں۔ ان کو معاملاتِ ناسدہ نے بگاڑ دیا ہے پھر جب یہ بات ان کے دل میں بٹھ گئی تو انھوں نے مشتبہ اور حرام چیزوں کو اپنے لیے جائز ٹھہرا لیا۔ یہ جہالت اور نادانی کی وجہ سے ہے۔

صحیحین میں نعمان بن شیبہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں۔

چونکہ ان جاہلوں کی طرف سے یہ دعویٰ ایک ایسی بدعت ہے جس کا نقصان عام ہو چکا ہے اور دین میں اس کے شعلے بلند ہو چکے ہیں لہذا ضروری ہے کہ ایسے ارشاد سے اس جہالت کا پردہ چاک کیا جائے کہ حلال اور حرام اور مشتبہ میں فرق کھل کر سامنے آجائے۔ ہم اس کو چند اقسام میں واضح کرتے ہیں:

پہلی: طلب حلال کی فضیلت اور حرام کی مذمت اور حرام اور حلال کے درجات کے بیان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ (اے پیغمبر و پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو) طیبات حلال چیزیں ہیں۔

حرام کی مذمت میں فرمایا: وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِإِلْبَاسٍ (اور اپنے مال آپس میں حرام طریقے سے نہ کھاؤ) ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لَوْ كُنَّا نَأْكُلُ

پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔ اور ساری حدیث کا ذکر کیا یہاں تک کہ فرمایا: "ایک آدمی پریشان پا ل ہے، غبار کو دوسے بڑا المیا سفر کیا ہے (خانہ کعبہ جا کر) اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا تا ہے اور کہتا ہے اے رب اے رب اور اس کی خوراک حرام اور پینا حرام اور لباس حرام اور حرام کی غذا سے بنا ہوا جسم ہوتا ہے، تو اللہ اس کی دعا کیسے قبول فرمائے۔"

حضرت سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا کروں کہ میں متحباب الدعوات ہو جاؤں: تو آپ نے فرمایا: "اپنی خوراک پاکیزہ رکھو، تمہاری دعائیں قبول ہوں گی۔"

سلف جلال میں بڑی تحقیق کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مستحب چیز کھائی تو معلوم ہونے پر صحت میں انگلیاں ڈال کر تے کر دی (حضرت ابو بکر نے یہ اس لیے کہا تھا کہ وہ کہانت کی اجرت کا کھانا تھا جو حرام ہے)۔

## حرام اور حلال کے درجات

معلوم ہونا چاہیے کہ حلال سب پاک ہے، لیکن بعض چیزیں بعض سے زیادہ پاک ہیں اور حرام سب گندہ ہے، لیکن بعض چیزیں بعض سے زیادہ گندی ہیں۔ جیسا کہ طبیب حکم لگاتا ہے کہ ہر مٹی چیز گرم ہوتی ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ پہلے درجے میں گرم ہے اور یہ دوسرے درجے میں اور یہ تیسرے میں اور یہ چوتھے میں۔۔

حرام میں اس کی مثال بیع فاسد سے حاصل کیا ہوا مال ہے۔ یہ حرام ہے لیکن یہ اس درجے کا حرام نہیں جس درجے کی زبردستی چھینی ہوئی چیز حرام ہے کیونکہ اس میں دوسرے کو ایذا دینا بھی شامل ہے اور کمانے میں شریعت کی راہ کو چھوڑنا بھی ہے جبکہ بیع فاسد میں صرف یہ گناہ ہے کہ اس نے عبادت کا طریقہ ترک کیا۔

اسی طرح وہ چیز جو زبردستی کسی فقیر یا نیک آدمی یا یتیم سے چھینی جائے زیادہ حرام اور گندی ہے بر نسبت اس چیز کے جو کسی طاقتور یا غنی یا فاسق سے چھینی جائے۔

## فصل پنجم

### پرہیزگاری

پرہیزگاری کے چار درجے ہیں : پہلا درجہ ان چیزوں سے پرہیز کرنے کا ہے جن کے متعلق حرمت کا فتویٰ ہے۔ اس کا مشا لوں کی ضرورت نہیں۔

دوسرا درجہ : ان مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرنے کا ہے جن سے پرہیز کرنا واجب نہیں، صرف مستحب ہے، جیسا کہ مشتبہ چیزوں کی قسم میں آئے گا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے : جس میں شک ہو اس کو چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو وہ لے لو۔

تیسرا درجہ حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے بعض حلال چیزوں سے بھی پرہیز کرنے کا ہے۔ چوتھا درجہ ہر اس چیز سے پرہیز کرنے کا ہے جو اللہ کے لیے نہ ہو اور یہ صدیقین کی پرہیزگاری ہے۔ اس کی مثال وہ ہے جو یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے دوا پی تو ان کی بیوی نے ان سے کہا آپ تھوڑا سا گھر میں چلیں پھر سن تاکہ دوا پوری طرح اثر کرے، تو آپ نے فرمایا : میں اس چلنے پھرنے کو نہیں جانتا اور میں اپنے نفس کا محاسبہ تیس سال سے کر رہا ہوں۔ اس آدمی کو چلنے پھرنے میں دین کے متعلق کوئی نیت معلوم نہ ہو سکی، تو اس پر عمل نہ کیا۔ یہ پرہیزگاری کے بارہک نکات ہیں۔

اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ پرہیزگاری کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا اور ان کے درمیان احتیاط کے درجات ہیں۔ جتنا کوئی انسان احتیاط میں متشدد ہوگا، اتنا ہی پل صراط سے جلدی گزرے گا اور اس کا بوجھ ہلکا ہوگا۔

پرہیزگاری کے درجات کے مطابق آخرت میں درجات بھی مختلف ہوں گے جیسے کہ حرام کے درجات کے مطابق جہنم میں ظالموں کے لیے عذاب بھی مختلف ہوں گے۔ پس اگر تم چاہو تو زیادہ احتیاط کرو اور اگر چاہو تو



خصت پر عمل کرو۔ احتیاط کا فائدہ تم کو پہنچے گا اور رخصت کا بوجھ بھی تم پر ہی ہوگا۔

دوسری قسم شہادت کے مراتب اور حلال و حرام کی تیز کے متعلق ہے۔ حضرت عثمان بن بشیرؓ کی حدیث ان تینوں اقسام کے لیے نص صحیح ہے اور وہ ہیں: حلال و حرام اور ان دونوں کے درمیان کی چیزیں اور ان میں سے مشکل ہی درمیان کی چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے اور وہ ہیں شہادت!

ہم ان سے پردہ اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حلال مطلق تو وہ ہے کہ اس کی ذات سے نہ تو کوئی ایسی صفت متعلق ہو جس سے اس کی ذات میں حرمت ثابت ہوتی ہو اور ان کے اسباب سے ایسی چیز متعلق ہو جس سے ان میں حرمت یا کراہت پیدا ہوتی ہو۔

اس کی مثال بارش کا وہ پانی ہے جسے انسان کسی کی ملک میں آنے سے پہلے لے لے۔ حرام خالص وہ ہے جس میں کوئی حرمت پیدا کرنے والی صفت ہو جیسے شراب میں مستی اور پیشاب میں نجاست یا وہ کسی ناجائز ذریعے سے حاصل ہو جیسے کہ ظلم یا سود سے۔

یہ دونوں اطراف تو ظاہر ہیں اور ان سے وہ چیزیں بھی ملتی ہیں جن کی ایک طرف یقینی ہے لیکن اس میں تغیر کا احتمال ہے۔ مثلاً اس احتمال کے لیے کوئی ظاہری سبب نہ ہو جو اس پر دلالت کرے۔ دیکھو جو گلہ او سمندر کا شکار حلال ہے، لیکن جس نے کسی ہرن یا چھپلی کا شکار کیا تو اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ پہلے کوئی شکاری اس کا مالک ہو، یعنی اس نے شکار کیا ہو اور وہ رہا ہو کر چلی آئی ہو۔ یہ احتمال بارش کے اس پانی میں پیدا نہیں ہوتا جو فضل سے براہ راست لیا گیا ہو۔ ویسے شکار میں اس قسم کے احتمال کا اعتبار کرنا دہمی لوگوں کی پرہیزگاری ہے کیونکہ وہ صرف ایک وہم ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ البتہ اگر اس پر کوئی بات دلالت کرے مثلاً ہرن کے جسم پر کوئی ایسا زخم پائے جو پکڑنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہو اور یہ گمان بھی ہو کہ ایسا زخم ویسے بھی لگ سکتا ہے، تو اجتناب پرہیزگاری کا مقام ہے۔

شبکی تعریف یہ ہے کہ اس میں دو اعتقاد متعارض ہوں، یعنی دو ایسی چیزوں سے پیدا ہوں جو مختلف اعتقاد کا تقاضا کرتی ہوں۔ شبکی مثالیں بہت ہیں لیکن ان میں سے یہ دو بڑی اہم ہیں:

پہلی یہ کہ حرام یا حلال کرنے والے سبب میں شک پیدا ہو جائے اور اس کی چار قسمیں ہیں:

الف: پہلے سے حلال ہونا معلوم تھا پھر حلال کرنے والے سبب میں شک پیدا ہو گیا تو یہ وہ شبہ ہے جس سے پرہیز لازمی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شکار دیکھے اور اسے زخمی کر دے پھر وہ شکار پانی میں گر پڑے اور وہ

اسے مزاجا پائے اور اب معلوم نہیں کہ یہ جانور ڈوب جانے کی وجہ سے مرلہ سے یا زخم سے، تو یہ حرام ہوگا کیونکہ اصل (ڈوبنے کے سبب یقینی ہونے کے سبب) حرام ہے۔

ب۔ حلال ہونا معلوم ہے، لیکن حرام کرنے والی چیز میں شک ہے، تو اس میں اصل حلالیت ہے اور یہی حکم ہے۔ جیسے کوئی پرندہ اڑا ایک آدمی نے کہا اگر یہ کوتا ہونو میری بیوی کو طلاق احد دوسرے نے کہا اگر یہ کوتا نہ ہونو میری عورت کو طلاق۔ پھر معاملہ مشتبہ ہو گیا تو ہم ان دونوں کی بیویوں کی حرمت کا فیصلہ نہیں کریں گے، لیکن پرہیزگاری یہ ہے کہ دونوں کی طلاق سمجھی جائے۔

ج۔ اصل میں تو حرمت ہو لیکن کوئی ایسی چیز پیدا ہوگئی جو ظن غالب سے حلالیت کی موجب ہے، تو یہ مشکوک ہے۔ لیکن اس میں حلالیت غالب ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شکار کو تیر مارا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا پھر وہ مردہ حالت میں ملا اور اس کے تیر کے سوا اس پر کوئی نشان نہیں ہے تو اس میں ظاہر حلالیت ہے کیونکہ احتمال جب تک کسی دلیل سے متعلق نہ ہو وہ دوسو سے ملتی ہے۔ ہاں اگر اس پر کسی اور صدمے یا زخم کا اثر ہو تو وہ پہلی قسم سے ملتی ہوگا۔

د۔ حلال معلوم ہو لیکن غالب ظن حرمت کا کسی شرعی معتبر سبب سے پیدا ہو جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آدمی کا اجتہاد دو برتنوں میں سے ایک کے پلید ہونے کی طرف چلا جائے کسی عین علامت کی بنا پر جو ظن کی موجب ہو تو اس کے پینے کی حرمت واجب ہو جائے گی اور اس سے وضو کرنے کی حمانعت بھی ہوگی۔ دوسری مثال یہ ہے کہ حرام حلال سے مل جائے اور معاملہ مشتبہ ہو جائے۔ اس کی بھی کئی قسمیں ہیں:

پہلی یہ کہ حلال جانور کے گوشت میں مردار کا گوشت مل گیا۔ یا ذبح کیے ہوئے جانوروں کے گوشت میں مل گیا، یعنی محصور عدومیں۔ اسی طرح یہ مثال ہے کہ اجنبی عورتوں میں اس کی بہن بھی مشتبہ ہوگئی ہے (رکان میں سے ایک اس کی بہن ہے لیکن اس کا تعین نہیں ہو سکتا) تو یہ ایسا شبہ ہے جس سے پرہیز لازم ہے۔

دوسری یہ کہ حرام محصور میں حلال غیر محصور مل جائے جیسے کہ اس کی بہن یا دوسرے شریک بہنیں کسی بڑے شہر کی عورتوں سے مشتبہ ہو جائیں (یعنی جن کے ساتھ اس نے دودھ پیا ہے وہ اس شہر کی ہیں لیکن پتہ نہ ہو کہ کونسی ہیں) تو اس سے تمام شہر کی عورتوں کے نکاح سے اجتناب کرنا لازم نہ کہے گا، بلکہ وہ جس عورت سے چاہے ان میں سے نکاح کرے کیونکہ ان سب کے حرام کرنے میں بہت بڑا حرج ہے۔

اسی طرح جس آدمی کو معلوم ہو گیا کہ دنیا کے مال میں قطعی طور پر حرام مل چکا ہے تو اسے خریدنا اور

ترک کرنا لازم نہ آئے گا کیونکہ اس میں بڑی تنگی ہے۔

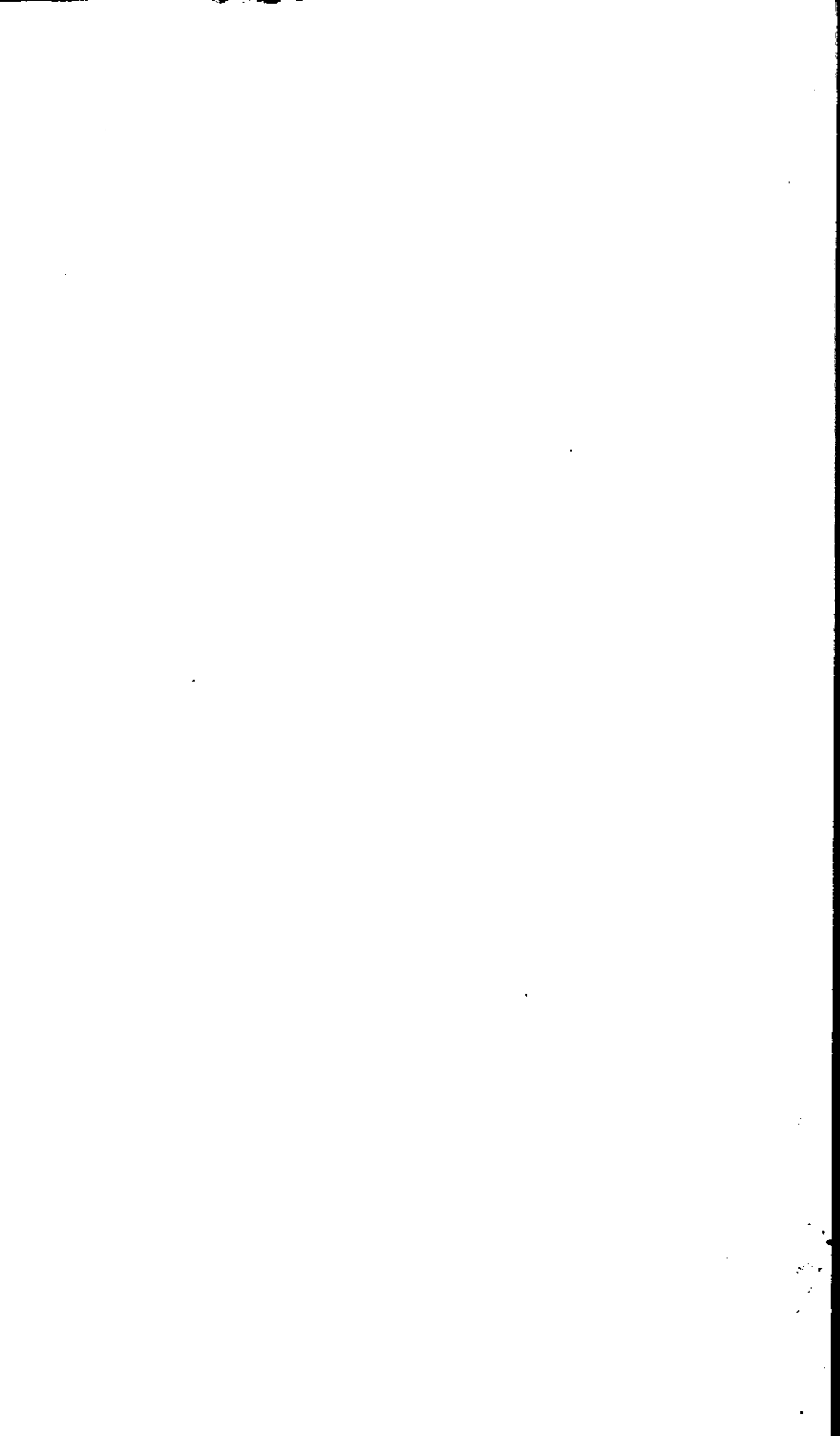
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جانتے تھے کہ بہت سے لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں، لیکن اس وجہ سے انھوں نے دراصل کھیت نہ چھوڑ دیے۔ آپ کے زمانے میں ایک ڈھال چوری ہو گئی لیکن آپ نے ڈھالوں کا خریدنا نہ چھوڑا، تو اس طرح کی صورت میں پرہیز کرنا کبھی لوگوں کا کام ہے۔

تیسری یہ کہ بے شمار حرام بے شمار حلال میں مل جائے۔ جیسا کہ ہمارے زمانے میں اموال کا حکم ہے، تو اس اختلاف کی وجہ سے کسی معین چیز کا لینا حرام نہ ہوگا، مگر اس صورت میں کہ اس معین چیز سے کوئی ایسی علامت مل جائے جو اس کی حُرمت پر دلالت کرے۔ مثلاً ظالم بادشاہ سے کچھ لینا اور اگر کوئی علامت نہ ہو تو اس کا چھوڑنا پرہیز گاری ہے لیکن وہ حرام نہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء کے زمانے میں معلوم تھا کہ شراب کی قیمتیں اور سود کے پیسے اور اموال غنیمت میں سے چرایا ہوا مال، یہ سب کچھ اموال میں مل چکا ہے صحابہ کے زمانے میں عینہ لٹا گیا اور ظالموں کا تصرف ہوا لیکن انھوں نے بازار میں خرید و فروخت ترک نہ کی۔ اگر یہ نہ ہوتا تو تمام تصرفات کے دروازے بند ہو جاتے کیونکہ زیادہ لوگوں پر فسق کا غلبہ رہتا ہے۔ لیکن اموال میں اصل علت ہے اور جب اصل اور غائب میں تعارض ہو اور غائب پر کوئی علامت نہ ہو تو اصل کا حکم لگایا جائے گا، جیسا کہ ہم بازاروں کے گارے اور مشنوں کے برتنوں کے متعلق کہتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی عورت کے منگے سے وضو کیا، حالانکہ ان کا پینا شراب اور ان کا کھانا حنزیر ہوتا ہے اور وہ نجاست سے پرہیز نہیں کیا کرتے۔

صحابہ رنگے کپڑے اور رنگی ہوئی پوسٹین (چمڑے کی) پہننا کرتے تھے جو آدمی چمڑوں اور لونگریوں کے حالات کو دیکھے اسے معلوم ہو جائے گا کہ ان پر نجاست غالب رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ ایسی نجاست سے پرہیز کیا کرتے تھے جو نظر آجائے یا اس پر کوئی علامت ہو، وہ گناہ جو حالات کے تحت وہم سے پیدا ہوتا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا کرتے تھے۔

اگر کہا جائے کہ صحابہ طہارت کے معاملے میں وسعت اختیار کرتے اور حرام کے شہادت سے پرہیز کیا کرتے تھے تو انی دلو چیزوں میں کیا فرق ہے، ہم کہتے ہیں کہ اگر تمھارا خیال ہے کہ وہ نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرتے تھے تو یہ غلط ہے اور اگر تمھارا خیال ہے کہ وہ ہر ایسی نجاست سے پرہیز کیا کرتے تھے جس سے پرہیز کرنا واجب ہے تو یہ صحیح ہے۔ ان کا شہادت سے پرہیز کرنا اس طریق سے تھا کہ حرج والی چیزوں سے بچنے کے لیے ان چیزوں سے بھی پرہیز کرنا جن میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابو نفوس ہر طرح کے اموال کی طرف راغب ہیں بجز خلاف نجاستوں کے، وہ تو ایسی حلال چیزوں سے بھی پرہیز کیا کرتے تھے جو ان کے دل کو مشغول کر دیں۔ واللہ اعلم۔



# کتاب التَّحْرِیمِ

- حلال اور حرام
- بے انصاف حکام سے معاملات
- قلب کی کیفیات
- آدابِ اخوت اور معاشرت
- وہ صفات جو دوست بنانے کے لیے لازمی ہیں
- انسان کے ذمے اپنے بھائی کے لیے کون کون سے حقوق ہیں
- حُسنِ معاشرت
- قرابتداری اور ہمسائیگی کے حقوق
- ذوالارحام کے حقوق
- تنہائی اور گوشہ نشینی
- گوشہ نشینی کے فوائد اور نقصانات کی وضاحت
- عورت کے نقصانات



## فصل اول

## حلال اور حرام

اگر آپ کے پاس کھانا لایا جائے، یا آپ کو کوئی ہدیہ دیا جائے، یا آپ کسی آدمی سے کوئی چیز خریدنے کا ارادہ کریں، تو آپ کا یہ سخی نہیں کہ آپ کہیں میں نے اس کے حلال ہونے کی تحقیق نہیں کی اور میں چاہتا ہوں کہ اس کی تحقیق کروں۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ مطلقاً تحقیق کو چھوڑ دیں۔ تحقیق کر لینا کبھی واجب ہوتا ہے کبھی حرام، کبھی مستحب اور کبھی مکروہ۔

اس سلسلے میں تسلی بخش بات یہ ہے کہ سوال کا موقع تنگ ہے اور یہ کبھی تو ایسے امر سے پیدا ہوتا ہے جو مال سے متعلق ہے اور کبھی مال والے سے جیسے وہ آدمی جس کے ظلم پر کوئی قرینہ دلالت کرنے والا نہ ہو، جیسے کہ فوجیوں کا لباس یا اس کی نیکی پر دلالت کرتا ہو جیسے اہل علم اور اہل زہد کا لباس۔ تو اس صورت میں تو سوال کرنا واجب ہے اور نہ جائز کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین اور ایذا ہے اور اس کے متعلق یہ نہ کہا جائے گا کہ اس میں شک ہے کیونکہ تنگ اس میں ہوتا ہے جس میں کسی دلیل سے شک پیدا ہو۔ مثلاً یہ کہہ ایسے لوگوں کی شکل و صورت میں ہو جو ظلم کرنے اور ڈاکہ زنی میں مشہور ہیں، ویسے اس آدمی سے بھی معاملہ جائز ہے کیونکہ قبضہ ملکیت پر دلالت کرتا ہے۔ قطعی دلیلیں کمزور ہیں۔ ہاں ان کو چھوڑ دینا پرہیز گاری ہے۔

اگر حرام مال حلال میں مل جائے جیسے کہ چھیننا ہوا غلہ لاکر بازار میں ڈال دیا جائے اور بازار والے اسے خرید لیں تو جو آدمی اس شہر میں بازار سے غلہ خریدے، اُس پر واجب نہیں ہے کہ وہ اُس کے متعلق سوال کرے جسے خریدنا ہے۔ ہاں اگر ظاہر ہو جائے کہ جو کچھ تاجروں کے پاس ہے اُس میں سے اکثر حرام ہے، تو اس وقت سوال کرنا واجب ہے۔ اگر اکثر حرام نہ ہو تو تفتیش کرنا پرہیز گاری ہے، واجب نہیں۔

اسی طرح ہم اس آدمی کے متعلق کہتے ہیں جس کے حلال مال میں حرام مل چکا ہو۔ مثلاً وہ تاجر جو عام کاروبار کے ساتھ سودی کاروبار بھی کرتا ہے اور گمان یہ ہے کہ اُس کا زیادہ مال حرام ہو گا تو اس کی فیاضت قبول کرنا اُوٹے لینا نیز تفتیش کے جائز نہیں ہے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ اُس کا مال حلال ہے تو جائز ہے در نہ چھوڑے۔

اگر حرام تھوڑا ہوا تو بھی مال مشتبہ ہوگا۔ اس کا چھوڑ دینا پرہیزگاری ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ سوالِ شک کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور وہ اسی وقت ختم ہوگا جب شک مٹ جائے وہ آدمی جس سے تو پوچھتا ہے تنہم نہ ہو اور اگر وہ تنہم ہو اور تنہم ہو کہ تیرے اس کے ہاں جانے یا اس کا ہدیہ قبول کرنے سے اس کی غرض وابستہ ہے تو اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے ایسی صورت میں دوسروں سے پوچھنا چاہیے۔

چوتھی قسم حلال اور حرام کے بیان میں اور اس میں ہے کہ توبہ کرنے والا مالی مظالم سے کیسے عہدہ برآ ہو معلوم ہونا چاہیے کہ جو آدمی توبہ کرے اور اس کا مال حلال حرام ملا ہوا ہو، تو اس پر لازم ہے کہ حرام کو تیز کرے اور اسے نکال دے۔ اگر معین طور پر معلوم ہو تو اس کا معاملہ آسان ہے لیکن اگر وہ گھل بلی چکا ہو اور وہ مال ایک جیسی چیزوں میں سے ہو، مثلاً غنہ، روپیہ اور تیل وغیرہ اور اس کا اندازہ معلوم ہو تو اسی قدر نکال دے اور اگر مشکل ہو تو اس کے دو طریقے ہیں:

پہلا یہ کہ غائب گمان کے مطابق نکال دے اور دوسرا یہ کہ تحقیق کے مطابق نکلے اور پرہیزگاری ہے جب حرام مال نکال دے اور اس کا مالک معین آدمی ہو، تو واجب ہے کہ اس کو یا اس کے وارثوں کو دے دے۔ اور اگر اس مال کا کچھ منافع بھی آیا ہو تو وہ بھی اس میں جمع کر کے سب کچھ ادا کرے۔ اگر مالک کی سپان شکل ہو اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اس کا کوئی وارث ہے یا نہیں؟ تو اس کو صدقہ کرنا اور اگر وہ فتنے کا مال ہو یا ایسا مال ہو جو مسلمانوں کی مصلحت کے لیے وقف ہو، تو اس کو یتیموں اور مسجدا کی تعمیر اور اسکے راستوں کی درستی اور زقاہ عامہ کے دوسرے کاموں میں خرچ کر دے جس سے تمام مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔

مسئلہ: اگر کسی کے پاس مال حلال بھی ہو اور مشتبہ بھی، تو اپنے نفس پر حلال مال خرچ کرے اور روٹی پیرے کو سینگ لگانے والے کی اجرت اور تیل اور توتور تپانے پر مقدم رکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے جو آپ نے سینگ لگانے والے کی کمائی کے متعلق فرمایا: "یہ اپنی اونٹنی کو کھلا دے۔"

اگر ماں باپ کے پاس حرام مال ہو تو ان کا کھانا نہ کھائے اور اگر مشتبہ ہو تو خوش اخلاقی سے ٹال کر شش کرے۔ اگر نہائیں تو تھوڑا سا کھالے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بشر حافی کی ماں نے ان کو ایک کھجور دی، آپ نے کھالی، لیکن پھر مکان کی چھت پر



تھے کر دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے نزدیک مشتہ تھی۔

پانچویں قسم بادشاہوں کے انعام و اکرام اور نظام بادشوں سے ملنے ملانے کے متعلق ہے۔  
 معلوم ہونا چاہیے کہ جو آدمی کسی بادشاہ سے مال حاصل کرے تو اس پر لازم ہے کہ غور کرے یہ مال بادشاہ کے پاس کہاں سے آیا اور یہ مجھے کیوں دے رہا ہے اور کیا یہ اس کا حق دار بھی ہے یا نہیں؟  
 سلف میں کچھ تو ایسے مال سے قطعاً پرہیز کرتے تھے لیکن کچھ لے کر صدقہ کر دیا کرتے تھے اور اس زمانے میں تو بچنا ہی بہتر ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ مال کس طرح یا جاتا ہے اور پھر سوال کرنے کی ذلت اور منکرات پر خاموشی کے بغیر تمنا بھی نہیں۔

بعض سلف ایسا مال قبول نہ کرنے تھے اور وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ دوسرے مستحق لوگوں کو نہیں ملا لیکن یہ کوئی دلیل نہیں، کیونکہ یہ اپنا حق لیتا ہے اور جو مال لیا ہے وہ مشترک نہیں۔

## فصل دوم

### بے انصاف حکام سے معاملات

معلوم ہونا چاہیے کہ نظامِ امراء اور عمال کے ساتھ تمھاری تین حالتیں ہیں : پہلی حالت یہ ہے کہ تم ان کے پاس جاؤ اور یہ سب سے بدترین حالت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو بادشاہوں کے دروازے پر گیا وہ قنبنہ میں مبتلا ہوا اور قنبنہ کوئی بندہ بادشاہ سے قریب ہوتا ہے اتنا ہی اللہ سے دور ہوتا ہے۔

حضرت حذیفہؓ نے کہا: ”قنبنہ کی جگہوں سے بچو! پوچھا گیا قنبنہ کی جگہیں کون سی ہیں؟ تو فرمایا: ”امراء کے دروازے۔ کوئی تم میں سے امیر کے پاس جائے گا، تو اس کے سھوٹ کی تصدیق کرے گا اور اس کی وہ صفات بیان کرے گا جو اس میں نہیں ہیں۔“

بعض امراء نے بعض زایدوں سے کہا کہ تم ہمارے پاس کیوں نہیں آتے، تو انھوں نے جواب دیا: ”ہمیں ڈر ہے کہ اگر آپ تہریب کریں گے تو قنبنہ میں ڈالیں گے۔ اگر ڈر کریں گے تو محروم کر دیں گے اور جو ہماری خواہش ہے وہ بھی آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے اور نہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کا آپ سے ڈر ہو اور جو آپ کے پاس آتا ہے وہ اس لیے آتا ہے کہ آپ اس کو دوسروں سے بے نیاز کر دیں اور ہم آپ سے بے نیاز ہیں لکن اللہ تعالیٰ نے بے نیاز کر رکھا ہے۔“

یہ آثار بادشاہوں سے میل ملاپ کی کراہت پر دلالت کرتے ہیں اور پھر یہ بھی ہے کہ جو بادشاہوں کے پاس جاتا ہے وہ اللہ کی نافرمانی کے میدان میں آتا ہے۔ خواہ فعل سے یا قول سے یا خاموشی سے۔

فعل سے تو اس طرح کہ اکثر اوقات ان کے پاس جانا ایسے مقامات میں ہوتا ہے جو غصب شدہ ہوتے ہیں۔ اگر فرض کر لیا ہے کہ وہ جگہ چینی برتنی نہیں، تو اکثر اوقات ان کے نیچے کچھ ہوئے قالین یا سایہ کرنے والا سائبان حرام مال کا ہوتا ہے اور اگر اسے حلال مال سے فرض کر لیا جائے تو سب اوقات اس کے علاوہ اور کئی ناجائز باتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً یا اس کو سجدہ کرے گا، یا اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگا اور

اُس کی دلایت کے سبب سے ہو کر ظلم کا آلہ ہے اُس کے لیے تواضع کا رویہ اختیار کرے گا جبکہ ظالم کی تواضع کرنا گناہ ہے۔ جو آدھی کسی دو تہہ کی صرف اُس کی دولت کے لیے تواضع کرے اُس کا دو تہائی دین ختم ہو گیا اور اگر ظالم کی تواضع کرے تو اُس کا انجام خود سوچ لے! اُس کے ہاتھوں کو بوسہ دینا گناہ ہے، مگر یہ کہ خوف ہو، یا وہ عادل بادشاہ یا عالم پیمان لوگوں کے علاوہ ہو ہم نے ذکر کیے ہیں صرف سلام کہنا جائز ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ ظالم کے لیے دعا کرے گا۔ یا اُس کی مدح کرے گا۔ یا اُس کے باطل کی تصدیق کرے گا۔ مریخا قول سے یا سر کے اشارے سے یا چہرے کی خوشی سے یا اُس کے سامنے اُس کی محبت اور دوستی کا اظہار کرے گا اور اس کی لمبی زندگی کی دعا مانگے گا کیونکہ اکثر اوقات صرف سلام کہنے پر اکتفا نہیں کیا جاتا۔

حدیث میں آیا ہے: ”جس نے ظالم کے لیے لمبی زندگی کی دعا کی اس نے اللہ کی نافرمانی کو پسند کیا؟ اور ایسے آدمی کے لیے دعا کرنا جائز نہیں، مگر یہ کہ کہے اللہ تجھے نیک کرے یا اللہ تجھے توفیق دے یا اسی طرح کی کوئی اور دعا، لیکن خاموشی سے۔“

ان کی مجلس میں ریشمی فرش یا سونے پاندی کے برتن دیکھے یا ان کے غلام ریشمی حرام لباس پہنے ہوئے ہوں اور خاموش رہے یا ایسی ہی کوئی اور چیز دیکھے اور خاموش رہے تو وہ بھی اس میں شریک ہے۔

اسی طرح جب ان کا فحش کلام، بھوٹ اور گالی وغیرہ سنے تو خاموش رہنا حرام ہے، کیونکہ آدمی پرلام بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔

اگر تم کہو کہ اسے اپنی جان کا ڈر ہوتا ہو گا اور یوں وہ خاموش رہنے میں معذور ہے، تو ہم کہتے ہیں یہ تو درست ہے، لیکن اسے کس نے کہا تھا کہ امرائے کس پاس جائے اور نا جائز چیزوں کے ارتکاب کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے۔ اگر وہ نہ جاتا اور نہ مشاہدہ کرتا تو اس پر امر اور نہی واجب نہ ہوتا جس کو حکم ہو کہ فلاں جگہ خدا رہے اور یہ بھی جانتا ہو کہ اگر وہاں گیا تو اس کے ازالہ کی طاقت نہ ہوگی، تو اس کے لیے حویاں جانا جائز نہیں۔“

## فصل سوم

### قلب کی کیفیات

اگر ان سب چیزوں سے بچ بھی گیا، اور یہ ناممکن ہے، تو اس بگاڑ سے تو نہیں بچے گا جو اس کے دل میں پیدا ہوگا۔ وہ ان کے پاس نعمتوں کی وسعت دیکھے گا، تو اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو حقیر سمجھے گا۔ پھر ایسی محافل میں داخل ہونے میں دوسرے بھی اس کی پیروی کریں گے اور یوں وہ ظالموں کی جماعت بڑھانے کا سبب ہوگا۔

بیان کیا گیا ہے کہ سعید بن مسیبؓ کو ولید اور سلیمان، عبدالملک کے بیٹوں کی بیعت کے لیے بلا یا گیا تو آپ نے فرمایا: ”جب تک رات اور دن کا نظام قائم ہے میں ان کی بیعت نہیں کروں گا“ انھوں نے کہا: ”اچھا تم اس دروازے سے داخل ہو کر اس دروازے سے نکل جاؤ“

آپ نے کہا: ”خدا کی قسم ایسا بھی نہیں کروں گا، کیونکہ لوگ میری پیروی کریں گے“ شاہی حکم نہ ماننے کی پاداش میں ان کو سو کوڑے مارے گئے اور ان کا لباس پہنایا گیا اور انھوں نے یہ سزا بخوشی قبول کر لی۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کی بنا پر ظالم امر اوکے پاس دو غزروں کے بغیر جانا جائز نہیں ہے۔

پہلا یہ کہ ان کی طرف سے بلا یا جائے اور خلاف ورزی کرے تو تکلیف پہنچنے کا خوف ہو اور دوسرا یہ کہ کسی مسلمان کو ظلم سے بچانے کے لیے جائے، لیکن شرط یہ ہے کہ نہ جھوٹ بولے نہ ان کی تباہی کرے۔ اگر بات تسلیم کرنے کی توقع ہو تو ان کو نصیحت فرما کر رہے۔

ایک حالت یہ ہے کہ بادشاہ خود آجائے ایسی صورت میں اس کے سلام کا جواب دینا لازمی ہے اور اس کی تعظیم کرنا بھی حرام نہیں ہے کیونکہ وہ بھی اس کی تکویم کر رہا ہے اور دین اور علم کی عزت کرنے کی وجہ سے وہ بھی قابل احترام ہے جیسا کہ ظلم کی وجہ سے مستحق فرمت ہوتا۔

اگر بادشاہ اکیلے آئے اور دین کی عزت کی وجہ سے اس کی تکویم میں کھڑا ہونا مناسب سمجھے تو یہ بہتر ہے اور اگر بادشاہ جماعت کے ساتھ داخل ہو تو اربابِ ولایت کی شہمت کی رعایت رعایا کے سامنے اور بھی

بہتر اور مناسب ہے۔ اور اس تبت سے کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر معلوم ہو کہ رعیت میں کوئی بگاڑ نہیں پیدا ہوگا اور نہ بادشاہ ناراض ہوگا، تو تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہونا بہتر ہے۔ نیز یہ واجب ہے کہ اس کو نصیحت کرے اور اگر وہ کسئی چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہونے کی بنا پر اسے کر رہا ہے تو اسے بتائے کہ یہ چیز حرام ہے۔ ظلم اور شراب کی حرمت بتانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ اگر سمجھے کہ خدا کا ڈرا اس کے دل میں اثر کرے گا تو اسے گناہوں کے زکاہ سے روکے اور مصالح کی طرف اس کی رہنمائی کرے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ اُن سے الگ رہے۔ نہ یہ اُن کو دیکھے اور نہ وہ اس کو دیکھیں۔ سلامتی اسی میں ہے۔ پھر اُن کے ظلم پر اُن سے بغض کا عقیدہ رکھے۔ اُن کی ملاقات کو پسند نہ کرے۔ نہ اُن کی شنا کرے۔ نہ اُن کا حال پوچھے اور نہ اُن کے ملاقاتیوں کے قریب ہو۔ اُن سے علیحدہ رہنے کے باعث اگر کوئی چیز اسے نہ ملے تو اس پر افسوس نہ کرے جیسا کہ بعض نے کہا ہے کہ میرے اور بادشاہ کے درمیان ایک ہی دن کا فرق ہے جو دن گزر چکا ہے۔ اُس کی لذت اب بادشاہ محسوس نہیں کرتا اور اُنے والے کل کے متعلق ہم دونوں خوفزدہ ہیں۔ باقی رہا آج کا دن، تو آج کے دن میں بھی پتہ نہیں کیا ہوگا۔

مسئلہ: جب بادشاہ تمہارے پاس مال بھیجے کہ اسے فقروں پر تقسیم کر دو اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس مال کا کوئی مالک معین ہے تو اس کا لینا جائز نہیں ہے۔ اگر مالک معین نہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اسے صدقہ کر دے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

بعض علماء اس کو لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ جب ان کا اکثر مال حرام ہو تو اُن سے معاملہ کرنا حرام ہونے۔ ظالموں نے جو پُل، مسجدیں اور حوض وغیرہ بنائے ہیں، اُن میں غور کرنا چاہیے۔ اگر یہ چیزیں کسی معین آدمی کے مال سے بنائی گئی ہیں تو ضرورت کے بغیر ان پر سے گزرنا جائز نہیں ہے اور اگر ان کا مالک معلوم ہو تو اُن پر سے گزرنا جائز ہے اور پھر ہیز گاری یہ ہے کہ گزرنے سے پوچھنے کرے۔ واللہ اعلم۔

## فصل چہارم

### آدابِ انوث اور معاشرت

معلوم ہونا چاہیے کہ محبتِ حُسنِ خلقی کا مقیر ہے اور لفظِ بَدِ عِلْقٰی کا ثمرہ، کیونکہ حُسنِ خلقی سے محبت اور موافقت پیدا ہوتی ہے اور بَدِ عِلْقٰی کا انجام بغض اور بغیبت ہے حُسنِ خلقی کی فضیلت مخفی نہیں ہے اور احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن مومن کے میزان میں حُسنِ خلقی سے بڑھ کر کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی" (ترمذی صحیح)

ایک اور حدیث میں ہے کہ: "قیامت کے دن تم میں سے میرا سب سے زیادہ محبوب اور قریبی وہ ہوگا جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اور سب سے زیادہ دور اور سب سے بُرا وہ ہوگا جس کے اخلاق بُرے ہوں گے" نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں کو سب سے زیادہ کونسی چیز حُسنِ خلقی میں داخل کرے گی؟ تو آپ نے فرمایا: "اللہ کا ڈرا اور حُسنِ خلقی"

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے کے متعلق صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سات آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن کُاس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان سات آدمیوں میں سے دو آدمی وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے لیے آپس میں محبت کی، اُسی پر جمع ہوئے اور اسی پر الگ ہوئے"

ایک اور حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری محبت اُن دو آدمیوں کے لیے واجب ہوگی جو میرے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور میرے لیے خرچ کرتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں" ایک اور حدیث میں ہے: "ایمان کا سب سے مضبوط کڑا ایسے ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھے اور اللہ کے لیے دشمنی رکھے" اور اس بارے میں اور بہت سی احادیث ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جو اللہ کے لیے محبت رکھے گا وہ اللہ کے لیے دشمنی بھی رکھے گا کیونکہ جب تو کسی آدمی

سے اس لیے محبت کرے گا کہ وہ اللہ کا فرمانبردار ہے، تو جب وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو تو اُس سے بُنفس بھی لکھے گا۔

چاہیے کہ تو مسلمان سے اُس کے اسلام کی وجہ سے محبت رکھے اور اُس کی نافرمانی کی وجہ سے ناراض ہو۔ اگر لغزش کے طور پر کوئی بات اس سے صادر ہو اور معلوم ہو جائے کہ وہ اس پر نادم ہے تو اس وقت بہتر یہ ہے کہ چشم پوشی کی جائے اور اُس کی پردہ پوشی کی جائے، لیکن اگر گناہ پر اصرار کرے تو شخصے کا اظہار لازمی ہے، اُس سے منہ پھیر لے اور اُس سے دُور ہو جائے۔ نیز گناہ کے ہلکا یا بھاری ہونے کے مطابق اس سے سخت کلامی کرے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو کئی قسم کے ہیں۔ مثلاً:

پہلی قسم یہ ہے کہ کوئی کافر ہو۔ پھر اگر وہ کافر حربی ہے، تو وہ قتل کرنے اور غلام بنا لینے کا مستحق ہے اور ان دونوں سے بڑھ کر اہانت کا کوئی مرتبہ نہیں، لیکن کافر ذمی ہے تو اُس کو تکلیف دینا جائز نہیں۔ ہاں اُس سے روگردانی کی جائے اور اسے نیچا سمجھ کر تنگ جگہ کی طرف دھکیلا جائے اور اسے سلام نہ کہے۔ لڑا اگر وہ سلام کہے تو صرف اُنہی کے دَعَائِیْکَ (اور تجھ پر بھی)

بہتر یہ ہے کہ میل ملاپ نہ رکھا جائے۔ اس سے معاملہ نہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ بلیٹھ کرکھانا نہ کھائے اور دوستوں کی طرح اُس کے ساتھ گھل بلی کر نہ رہے۔

دوسری قسم بدعتی ہے۔ اگر وہ اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دیتا ہے اور بدعت بھی ایسی جو کفر تک پہنچا دے، تو اس کا معاملہ ذمی سے زیادہ سخت ہے کیونکہ نہ تو وہ جزیے کا اقرار کرتا ہے اور نہ اس کو ذمی بنا کر گنجائش ہے۔

اگر ایسی بدعت ہو جس سے کافر نہیں ہوتا تو لازماً اس کا معاملہ اللہ کے نزدیک کافر سے ہلکا ہے، لیکن اس کے ساتھ معاملہ کافر سے زیادہ سختی کے ساتھ کیا جائے گا کیونکہ کافر کی بُرائی غیر متعدی ہے، اُس کی بات کی طرف کوئی توجیہ نہیں کرتا، برخلاف بدعتی کے جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے، یعنی یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ راہِ راست پر ہے اور یوں لوگوں کو گمراہ کرنے کا سبب بن سکتا ہے، چنانچہ اسی لیے اُس سے بُنفس کا اظہار، اُس کے ساتھ دشمنی رکھنے، قطع تعلق کرنے، اُسے ذلیل کرنے، اُس کی بدعت کی وجہ سے اس کی بُرائی بیان کرنے اور لوگوں کو اُس سے نفرت دلانے کا معاملہ بہت سخت ہے۔

ایک عامی بدعتی جو لوگوں کو بدعت کی دعوت نہیں دے سکتا اور نہ اس بات کا ڈر ہے کہ لوگ اس کی پیروی

کریں گے تو اس کا معاملہ آسان ہے۔ اُس کے سلسلے میں بہتر یہ ہے کہ اُسے نرمی سے نصیحت کی جائے کہ عوام کے دل بڑی جلدی بدل جاتے ہیں۔ اگر نصیحت نفع نہ دے تو اس سے متنبھیرنا مستحب ہے اور اگر معلوم ہو کہ صرف متنبھیرنا آپ پر اثر نہ کرے گا کیونکہ اُس کی طبیعت میں جمود ہے تو اور سختی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو بدلت لوگوں میں پھیلتی جائے گی اور فسادِ عام پراپا ہوگا۔

تیسری قسم وہ ہے کہ کسی کا عقیدہ صحیح ہے، لیکن وہ افعال و اعمال میں نافرمان ہے۔ اگر اُس کی نافرمانی کی حیثیت ایسی ہو جس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہو جیسے ظلم اور غضب اور جھوٹی گواہی اور غیبت اور چغلی وغیرہ، تو اس سے منہ پھیرنا اور قطع تعلق کرنا اور اس کے معاملے میں تنگی اختیار کرنا بہتر ہے اور یہی حکم اُس آدمی کے متعلق ہے جو فساد کی دعوت دیتا ہو۔ جیسے وہ آدمی جو غلط کامروں اور عورتوں کو جمع کرے اور فساد ہی لوگوں کے لیے پینے پلانے کے اسباب جمیا کرے۔ ایسی صورت میں اُس کی توبین کرنی چاہیے اور مجملہ معاملات میں اُس سے قطع تعلق کرنا چاہیے۔

چوتھیں اپنی ذات میں نافرمان ہو مثلاً شراب نوشی وغیرہ کا ارتکاب کرے یا واجب چھوڑے تو اُس کا معاملہ فساد سے ہلکا ہے، لیکن اس سے ملاقات کے وقت ان کاموں سے روکنا واجب ہے۔ اگر نصیحت اُس کے لیے فائدہ مند ہو اور اس کام سے باز رہے تو اُسے نصیحت کی جائے ورنہ اس پر بھی سختی کی جائے۔



## فصل نچم

### وہ صفات جو دوست میں ہونی چاہئیں

بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اپنے دوست کے دین پر ہے، تو تم کو دیکھنا چاہیے کہ کس کو دوست بناتے ہو؟

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر آدمی اس قابل نہیں ہوتا کہ اس سے تعلقات استوار کیے جائیں۔ پس ضروری ہے کہ جس کو چنا جائے وہ عادات و خصائص میں ممتاز ہو۔ یہ خصائص دو طرح کے ہوں گے۔ مثلاً وہ دنیاوی ہوں گے جیسے مال و جاہ وغیرہ۔ یہ ہماری بحث سے خارج ہیں۔ دوسرے خصائص دینی ہوں گے اور ان میں مختلف اغراض جمع ہو سکتی ہیں۔ مثلاً علم اور عمل کا استفادہ بھی ہے اور جاہ کا استفادہ بھی، تاکہ اس آدمی سے بچاؤ ہو سکے جو دل کو کند کرے اور عبادت سے روکتا ہے۔ علاوہ ازیں مالی استفادہ بھی ہے کہ روزی کی تلاش میں جو وقت ضائع ہوتا ہے اسے بچایا جاسکے۔ نیز اہم کاموں میں استعانت بھی ہے کہ وہ حالات میں قوت اور مصائب میں سامانِ طمانیت ثابت ہو۔ اسی طرح آخرت میں شفاعت کا انتظار ہے جیسا کہ بعض سلف نے کہا: زیادہ بھائی بناؤ کہ ہر مومن کے لیے شفاعت ہوگی۔ غرض بہت سے فوائد ہیں اور ہر فائدہ کچھ شرائط کا مطالبہ کرتا ہے جن کے بغیر وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

انسان کے لیے جس کی صحبت مؤثر ثابت ہو سکتی ہے، اس میں پانچ خصوصیتیں ہونی چاہئیں: وہ عقلمند ہو، اچھے اخلاق والا ہو، نفاست ہو اور نہ بدگئی اور نہ دنیا کا حریص۔

دراصل عقل ہی لاس المال ہے۔ بے وقوف کی صحبت میں کوئی بھلائی نہیں کیونکہ وہ تجھے فائدہ دینا چاہے گا تو تیرا نقصان کر دے گا۔ اور عقلمند سے ہماری مراد وہ آدمی ہے جو امور کو صحیح صحیح طور پر سمجھتا ہو اور اسے کوئی بات سمجھائی جائے تو بہ آسانی سمجھ لے۔

ان صفات کے ساتھ حُسنِ خلق بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ بعض فاجر عقلمند آدمی پر غضب یا شہوت غالب ہو جاتی ہے تو وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کی صحبت میں کوئی بھلائی نہیں رہتی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

فاسق کا قرب موجب مُصیبت ہوتا ہے، کیونکہ وہ اللہ سے نہیں ڈرتا اور جو اللہ سے نہ ڈرے اُس کی طرف سے مُصیبت سے اطمینان ہے اور نہ اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

بدعتی کی مُصیبت اس لیے بُری ہے کہ اس کی بدعت اس میں ہر لیت کرے گی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مجھے بھائیوں سے تعلق رکھو۔ اُن کی حمایت میں زندگی گزارو۔ وہ نرمی میں زینت ہیں اور سختی میں سامانِ معاونت۔ اور اپنے بھائی کے معاملے کی ہمیشہ اچھی تاویل کرو، یہاں تک کہ کسی ایسی چیز کا علم ہو جس سے فتنہ نہ ہو۔ اور اپنے دشمن سے کنا رکھو۔ اور دوست سے ہوشیار، سولہ امین دوست کے ادا امین وہی ہے جو اللہ سے ڈرے۔ اور فاجر سے صحبت نہ رکھو کہ تم اُس کا فخر سیکھو گے۔ اُسے اپنے راز پر مطلع نہ کرو اور اپنے امور میں ان آدمیوں سے مشورہ کرو جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔“

یحییٰ بن معاذ نے کہا: ”بُرا دوست وہ ہے جسے یہ کہنے کی ضرورت پڑے کہ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھنا اور اُس سے مدارات سے پیش آنا پڑے یا تمہیں اس کے پاس معذرت کرنے کی ضرورت پیش آئے۔“

کچھ لوگ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ وہ سوئے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض گھر سے بھلے لے کر کھانے گئے۔ بیدار ہونے پر آپ کو اس بات کا علم ہوا تو فرمایا: ”اللہ آپ پر رحم کرے خدا کی قسم یہ بھائیوں کا کام ہے۔“

ابو جعفر نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اپنا ہاتھ بھائی کی جیب میں ڈال کر جو چاہے نکال لے؟“ کہنے لگے ”نہیں“ تو کہا: ”تم بھائی نہیں ہو جیسے کہ تمہارا اپنا خیال ہے۔“

بیان کیا جاتا ہے کہ فریج موصلی اپنے ایک دوست کے پاس آئے جن کا نام عیسیٰ تھا۔ انہیں گھر میں نہ پایا تو اُن کی خادمہ سے کہا: ”میرے بھائی کی قبیلی (روپے والی) میرے پاس لاؤ۔“ وہ لے آئی تو اس میں سے دو روپے لے لیے۔ عیسیٰ گھر آئے تو نوٹڈی نے اُن کو یہ واقعہ بتایا۔ بولے: ”اگر تو نے سچ کہا ہے تو آزاد ہے۔“ پھر قبیلی دیکھی تو وہ سچی نکلی؛ چنانچہ آزاد کر دی گئی۔

## فصل ششم

### انسان کے ذمے اپنے بھائی کے لیے کون کون سے حقوق ہیں

پہلا حق تو یہ ہے کہ اس کی حاجتیں پوری کی جائیں اور اس کا اہتمام کیا جائے اور اس کے کئی درجے ہیں جن میں سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ جب وہ کوئی سوال کرے اور پورا کرنے کی طاقت ہو تو اسے خوشی اور خندہ پیشانی سے پورا کرے۔ درمیانہ درجہ یہ ہے کہ اس کے سوال کے بغیر اس کا کام کیا جائے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھے۔ بعض سلف اپنے بھائی کے فوت ہونے کے بعد چالیس چالیس سال تک اس کے بال بچوں کی خبر گیری اور ان کی حاجتیں پوری کرتے رہے۔

دوسرا حق زبان پر ہے اور یہ کبھی خاموشی سے اور کبھی بولنے سے۔ خاموشی سے تو اس طرح کہ اس کے عیوب سے اس کی حاضری اور غیر حاضری میں خاموش رہے۔ اس سے لڑائی جھگڑا نہ کرے اس کی تردید نہ کرے نیز اس کے ایسے حالات کے متعلق سوال نہ کرے جن کا بیان کرنا اسے ناگوار ہو اور جب ملاقات ہو تو یہ نہ پوچھے کہ کھ رہا ہے ہو، کیونکہ بعض دفعہ وہ تباہنا نہیں چاہتا۔ اس کے لڑکوں کو غصی رکھے، اگر بھیا اس سے جدا ہو چکی ہو۔ اس کے دوستوں اور اس کے گھر والوں کے عیب نہ نکالے اور نہ کسی کی طرف سے عیب جوئی کی بات اسے پہنچائے۔ اسی طرح یہ بات ضروری ہے کہ جن امور کو دوست پسند نہ کرنا ہوں ان کے بارے میں گفتگو نہ کرے۔ سوائے اس کے کہ بولنا واجب ہو جائے مثلاً بھلائی کا حکم دینے یا برائی سے روکنے کے لیے۔ خاموش رہنے کی رخصت نہ پائے تو ایسی گفتگو حقیقت میں اس پر احسان ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تم کوئی ایسا آدمی تلاش کرنے لگو جس میں کوئی عیب نہ ہو تو نہیں ملے گا؛ چنانچہ جس میں برائیوں کی نسبت خوبیاں زیادہ ہوں وہی مطلوب ہے۔ ابن مبارک نے کہا: ”مومن معذرت تلاش کرتا ہے اور منافق لغزشیں“

حضرت فضیلؒ کا ارشاد ہے: ”ہو انگریز یہ ہے کہ بھائیوں کی لغزش سے درگزر کرے۔ اپنے بھائی پر ہرگز بدلتی نہ کرنی چاہیے۔ جہاں تک ہو سکے بھائی کے کام کی اچھی تادیل کرو۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم بدظنی سے بچو کہ بدظنی سب سے جھوٹی بات ہے۔“  
معلوم ہونا چاہیے کہ بدظنی تجسس کو دعوت دیتی ہے جس کی ممانعت ہے۔ پردہ پوشی اور درگزر کرنا  
دینداروں کی علامت ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی  
وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اور بھائی، چارے کا کتر درجیر ہے کہ اپنے بھائی سے وہ  
معا مل کرے جو اپنے ساتھ کیا جانا پسند کرتا ہے اور یقیناً تم اپنے بھائی سے یہی چاہتے ہو کہ وہ تمہاری پردہ پوشی  
کرے اور تمہاری برائیاں دیکھ کر خاموش رہے۔ اگر تمہیں اس کے برخلاف کسی بات کا پتہ چلے تو تم کو یقیناً  
ناگوار کرے گا۔ پھر تم اس سے ایسی بات کی امید کیسے رکھ سکتے ہو جو خود تم اس کے لیے نہیں کرتے؟

چشم پوشی نہ کرنے کی صورت میں اگر انصاف کی بات پوچھو تو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہو:  
الَّذِينَ إِذْ أَتَوْا عَلَى النَّارِ لَا يُسْتَفْهِمُونَ وَإِذْ كَانُوا فِيهَا أَوَّلَ كَلْبٍ لَّيْسُوا بِمُعْتَدِلِينَ (وہ کہ جب لوگوں  
سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ماپ کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں)

پردہ پوشی کرنے میں کوتاہی کا باعث اور پردہ درجیر بھانسنے والا کینہ اور حسد ہوتا ہے اور کینہ  
اور حسد کو بھائیوں میں اُبھارنے کا سب سے بڑا سبب جھگڑا ہے اور اس پر آمادہ کرنے والی یہ بات ہے  
کہ کوئی عقل و تیز اور فضیلت میں زیادتی کا اظہار کرنا چاہتا ہو اور جس کی بات وہ کرتا ہے اسے حقیر جانتا ہو  
اور جس نے اپنے بھائی کو جہالت اور حماقت کی طرف منسوب کیا یا کسی چیز کو سمجھنے سے غفلت یا سہولت کی طرف  
منسوب کیا تو یہ سب اسے ذلیل کرنے کی صورتیں ہیں جو کینہ اور عداوت پیدا کرتی ہیں۔

چوتھا حق زبان پر پڑتے کا ہے کیونکہ بھائی چارہ جیسے بُری بات کہنے سے سکوت کا تقاضا کرتا ہے ماسی  
طرح اچھی بات کہنے کا تقاضا کرتا ہے، بلکہ وہ انحراف کے ساتھ زیادہ مخصوص ہے جس نے سکوت پر قناعت کی  
وہ مُردوں جیسا ہے۔ بھائی تو اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ پس لازم ہے کہ زبان سے  
محبت کا اظہار کرے۔ دوست کے حالات کی خبر گیری کرتا رہے اور جو معاملہ اسے پیش آئے اس کے متعلق پوچھے۔  
اس کے سبب سے اپنے دل کے مشغول ہونے کا اظہار کرے۔ مثلاً جن چیزوں سے وہ خوش ہوتا ہو ان پر

نوشی کا اظہار کرے۔

ترمذی کی صحیح روایت میں ہے کہ جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی سے محبت رکھے تو اُسے بتا دے۔ اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ اُسے اُس کے سب سے زیادہ پیارے نام کے ساتھ بلائے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تین چیزیں تیرے لیے تیرے بھائی کی محبت کو خاص کر دیں گی۔ جب تو اُسے ملے تو سلام کہہ۔ اُس کے لیے مجلس میں فراخی کرو اور جو تجھے اس کا سب سے زیادہ پیارا نام معلوم ہو اس سے اُس کو پکارو۔ اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ دوست کے ہوا چھے احوال معلوم ہوں ان کو ایسے آدمی کے سامنے بیان کرنا جن کے سامنے وہ نسا کرنے کو پسند کرے۔ اسی طرح اُس کی اولاد اور اہل اور اُس کے افعال کی مدح کو جتنی کر اُس کے اخلاق، عقل، شکل، تحریر اور تصنیف کے متعلق بھی اور اُن کے علاوہ بھی جس سے وہ خوش ہو بیان کر، لیکن افراط اور تھوٹ سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

اگر کوئی اس کی تعریف کرے تو اُسے خوش ہو کر تبتلے کہ اس کا چھپا ناخص حسد ہے اور اس سے یہ بھی ہے کہ اگر وہ تمہارے حق میں کوئی اچھا کام کرے، تو اس کا شکریہ ادا کرو اور اگر کوئی بدیہہ پیچھے اس کی برائی بیان کرے تو تم اس کی طرف سے ملامت کرو گویا انہوت کا یہ لازمی حق ہے کہ حمایت اور نصرت میں مکر بستہ ہو جاؤ۔ صحیح حدیث میں ہے کہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے دشمن کے سپرد کرتا ہے۔ اگر دوست نے عزت سے ملامت نہ کی تو گویا اسے دشمن کے سپرد کر دیا۔ اور تمہارے لیے اس میں دو مہیا رہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ فرض کرو جو کچھ اُس کے متعلق کہا گیا ہے وہ اُس کی موجودگی میں تمہارے متعلق کہا جاتا تو کیا تم پسند کرتے۔ پس تم بھی اس کے متعلق وہی کہو۔

دوسرا یہ کہ تم فرض کرو کہ وہ دیوار کے پیچھے موجود ہے اور تمہاری باتیں سن رہا ہے، تو اس علم کی وجہ سے تمہارے دل میں جو شکر یک پیدا ہو وہی اس کی عدم موجودگی میں ہونی چاہیے۔ جو اپنے بھائی چارے میں مخلص نہ ہو وہ منافق ہے۔

اور ان میں سے تعلیم اور خیر خواہی بھی ہے تو جتنی تیرے بھائی کو مال کی ضرورت ہے علم کی ضرورت بھی اس سے کم نہیں۔ اگر تو علم کی دولت سے غنی ہے تو اس کی ہمدردی اور اس کی راہنمائی کرو۔

اگر نصیحت کرنے کی ضرورت ہو تو چاہیے کہ علیحدگی میں کرے ڈانٹ ڈپٹ اور خیر خواہی میں یہی فرق ہے۔ اعلانِ نصیحت ڈانٹ ڈپٹ ہے اور علیحدگی میں نصیحت خیر خواہی، جیسا کہ ملاقات اور مدافعت میں فرق ہے

اگر تم اپنے دین کی سلامتی اور اپنے بھائی کی اصلاح کے لیے چشم پوشی کرو تو یہ مہارت ہے، لیکن اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے اور اپنے مرتبہ کو بچانے کے لیے چشم پوشی کرو تو یہ ملامت ہے۔  
 اور ان میں سے ایک چیز لغزشوں کو مساف کو دینا بھی ہے۔ اگر اس کی لغزش دین میں ہو تو اس کی خیر خواہی یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے نرمی سے وعظ و نصیحت کو نہ چھوڑے۔ اور اگر وہ روشِ زبدے تو تعلقاتِ ختم کئے۔ پانچواں حق یہ ہے کہ جو دعائیں اپنے لیے کرودہ اپنے بھائی کے لیے بھی کرو۔ خواہ وہ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو۔

مسلم کے افراد میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے سب کے پاس ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جب وہ اپنے بھائی کے لیے دعائے نیک کرتا ہے، تو مقررہ فرشتہ کہتا ہے آمین اور تیرے لیے بھی اسی طرح ہو۔  
 ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں میں سے بے شمار لوگوں کے نام لے لے کر ان کے لیے دعائے اور امام احمد بن حنبلؒ سحر کے وقت چھ آدمیوں کے لیے دعا لیا کرتے۔ موت کے بعد کے دعا کے متعلق بخروبن حضرت نے کہا: جب زندہ اپنے مردہ بھائی کے لیے دعا کرتا ہے، تو فرشتہ اس کی قبر پر اس کو لاتا ہے اور کہتا ہے، اسے قبر والے پر ویسی بندے، یہ تیرے ایک بھائی کا تحفہ ہے جو تجھ پر بڑا مہربان ہے۔

چھٹا حق وفاق اور اخلاص ہے۔ وفاق کا معنی ہے موت تک محبت پر قائم رہنا اور بھائی کی موت کے بعد اس کی اولاد اور اس کے دوستوں سے محبت رکھنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑھیا کی عزت افزائی کی اور فرمایا: "یہ خدیجہ کے وقت ہمارے پاس آیا کرتی تھی!"

عہد کو اچھی طرح نباہنا ایمان کا حصہ ہے۔ اور وفاق سے یہ بھی ہے کہ تو اضع میں اپنے بھائی کے لیے تبدیل نہ ہو، اگرچہ اس کا مرتبہ بلند ہو جائے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ وفاق سے نہیں ہے کہ بھائی کی موافقت میں دین کی مخالفت کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے محمد بن حکم کو اپنا بھائی بنا رکھا تھا۔ وہ آپ کے پاس آتا اور آپ کے قریب رہتا۔ جب امام صاحب کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ سے پوچھا گیا: اے عبداللہ، آپ کے بعد ہم کس کی مجلس میں بیٹھا کریں؟ تو محمد بن حکم نے جھانکا اور وہ آپ کے سر کے پاس کھڑا تھا تاکہ آپ اس کی طرف اشارہ کریں، لیکن آپ نے فرمایا: ابویقوب بلوی کی مجلس میں بیٹھنا۔ "یہ سن کر محمد بن حکم سے الگ ہو گیا، حالانکہ اس نے امام شافعی کا مذہب

اختیار کر لیا تھا، لیکن چونکہ بولچلی زیادہ پرہیزگاری میں زیادہ قریب تھا اس لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے سلبِ نوز کی نیز خواہی کی اور علامت کو چھوڑ دیا۔ ابن عبدالحکم آپ کے مذہب سے پلٹ گیا اور امام مالکؒ کے ساتھیوں میں سے ہو گیا، لیکن اتوارزہ ہونے کے باوجود آپ نے اس کی پروا نہ کی۔

اور دُعا سے یہ بھی ہے کہ دوست کے متعلق لوگوں کی باتیں نہ سنے اور نہ اپنے دوست کے دشمن کو دوست بنا سنا تو اسی تحفیف اور تزکِ تکلف و تکلیف ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے بھائی کو ایسی تکلیف نہ دے جو اس پر شاق ہو۔ اپنے کام اور اپنی حاجت کے سلسلے میں اسے تکلیف نہ دے اور اس کے مال اور مرتبہ سے فائدہ نہ اٹھائے اور نہ اپنی ہنر گیری اور اپنے حقوق کی ادائیگی اور اپنے لیے تواضع کی کُاہ سے تکلیف دے، بلکہ اس کا قصدمرغبت اللہ کی محبت۔ اُس کی دُعا سے برکت حاصل کرنے۔ ملاقات سے افس کے حصول۔ اس کے حقوق کی ادائیگی کا خیال اور اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ہو۔ اور پوری تخفیف یہ ہے کہ رکھ رکھاؤ کی بساط کو اس طرح لپیٹ دے کہ جس چیز کے کرنے سے اکیلے نہیں شرماتا اس کی موجودگی میں بھی نہ شرمائے۔

حضرت جعفر بن محمد نے کہا: ”میرے لیے سب سے زیادہ بوجھل میرے وہ بھائی ہیں جو میرے لیے تکلف کرتے ہیں اور میں ان سے رکھ رکھاؤ کرتا ہوں۔ اور میرے دل پر سب سے ہلکے وہ ہیں جن کے ساتھ میں ایسا ہوتا ہوں جیسا اکیلا ہوتا ہوں۔“

بعض حکما نے کہا جہاں تکلف نہ ہو وہاں محبت ہمیشہ رہتی ہے اور اس معاملے کی تکمیل یہ ہے کہ تم اپنے بھائیوں کو اپنے سے بڑا سمجھو اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ خادم کی حیثیت میں خیال کرو۔

## حُسنِ معاشرت

چاہیے کہ ہم اس باب کے آخر میں لوگوں کے ساتھ معاشرت کے آداب بھی کچھ بیان کر دیں، تو اچھی معاشرت میں سے یہ بھی ہے کہ نگہ کے بغیر دُعا سے رہا جائے۔ ذلت کے بغیر تواضع اختیار کرو اور دوست دشمن کو خندہ پیشانی سے ملو جس میں نہ دشمن کا خوف ہو نہ دوست سے توقعِ مجلس میں انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے یا ناک میں انگلی داخل کرنے اور زیادہ تھوکنے اور البکائیاں لینے سے پرہیز کرو۔

جو آدمی تجھ سے بات کرے، اُس کی بات غور سے سُن، اسے دوبارہ بیان کرنے کے لیے نہ کہہ اور اپنے بچے اور اپنی لڑکی کے ساتھ اپنی محبت لوگوں کو نہ جتا۔ عورتوں کی طرح زینت میں مبالغہ نہ کرو اور نہ غلاموں کی طرح

اپنے نفس کو بہت کر لے۔ اپنے گھر والوں کو سختی کے بغیر ڈرا اور کڑوری کے بغیر ان کے لیے نرم ہوا اور اپنی لونڈی اور اپنے غلام سے مذاق نہ کر کہ تیرا دفا ختم ہو جائے گا۔ لاسنہ چلتے ہوئے پچھے مڑ کر نہ دیکھا کہ اور بادشاہ کی ہم نشینی اختیار نہ کر، اگر ہم نشین ہو تو گناہ اور نصیبت سے اقتنا ب کر اور اس کے راز کو محفوظ رکھ۔ بادشاہ کے سامنے مذاق نہ کر اور اس کی موجودگی میں ڈکار نہ لے، نہ دانتوں میں خلل کر۔ اگر وہ تجھے اپنے قریب کرے تو اس سے بچاؤ کر تا رہ۔ اگر وہ تجھے بلانے کے لیے کوئی بھیجے تو اس کی طبیعت کے انقلاب سے بے خوف نہ رہ۔ اس سے بچوں جیسی نرمی کر اور اس کی پسند کی بات کر اور اس کے اور اس کے گھر والوں کے درمیان مداخلت سے بچ۔ اپنے مال کو اپنی عزت سے اچھا نہ سمجھو، جب تم کسی مجلس میں جاؤ تو تواضع کی حالت میں بیٹھو۔ رستے پر نہ بیٹھو۔ نگاہ نیچی رکھو۔ مظلوم کی مدد کرو۔ راہ بھولے کو راہ بناؤ۔ قبیلے کی طرف مت نہ کر کے نہ ٹھوکو اور نہ اپنی دائیں جانب بلکہ اپنے بائیں یا بائیں قدم کے نیچے۔ اور ملازم میں نہ بیٹھا کرو اور اگر بیٹھو تو پھر ان کی بداعتیاقوں سے ناخصل نہ رہو۔ ان کی باتوں میں دخل نہ دو۔ زیادہ مذاق کرنے سے پرہیز کرو، کیونکہ عقل مند مذاق سے ناراض ہوگا اور بے وقوف تم پر دلیر ہو جائے گا۔



## فصل ہفتم

### قرابتداری اور ہمہائیگی کے حقوق

مسلمان کا حق یہ ہے کہ جب ملو تو سلام کہو۔ جب بلائے تو جاؤ اور وہ چھینک مارے تو جواب دو۔ وہ بیارہ ہو تو اُس کی عیادت کرو۔ مر جائے تو اُس کے جنازے میں جاؤ۔ اُس کی قسم کو پورا کرو۔ جب تم سے خیر خواہی چاہے تو خیر خواہی کرو۔ غائبانہ طور پر اُس کی حفاظت کرو اور اُس کے لیے وہ کچھ پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو اُس کے لیے بھی ناپسند کرو۔

یہ تمام باتیں احادیث میں ہیں۔

اور ان میں سے یہ بھی ہے کہ کسی مسلمان کو اپنے قول اور فعل سے تکلیف نہ دو۔ اور مسلمانوں کے لیے متواضع رہو۔ شکرت نہ بنو اور بعض کے متعلق بعض کی باتیں نہ سنو۔ اگر کوئی بات کان میں پڑ جائے تو دوسروں تک نہ پہنچاؤ۔

اور ان میں سے یہ بھی ہے کہ اگر جھگڑا ہو تو تین دن سے زیادہ مسلمان سے قطع تعلق نہ کرے کیونکہ اس میں مشہور حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے مومن بھائی سے قطع تعلق کرے۔ جب تین دن گزر جائیں تو اس سے ملے اور اس پر سلام کہے۔ اگر وہ سلام کا جواب دے تو دونوں ابو میں شریک ہو گئے اور اگر اس نے جواب نہ دیا تو سلام کرنے والا قطع تعلق کے گناہ سے بچ جائے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ قطع تعلق کا یہ منکر دنیاوی امور میں ہے۔ اگر دین کا حق ہو تو اہل بدعت اور خواہش پرست اور مصیبت کے ریسے سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کر لے، جب تک کہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کریں یا توبہ نہ کریں۔ اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ جس سے بھی اچھا سلوک کر سکتا ہو اپنی بہت کے مطابق اچھا سلوک کرے۔ کسی کے گھر اُس کی اجازت کے بغیر نہ جائے۔ دروازے پر گک کر تین دفعہ اجازت مانگے۔ اگر اجازت نہ ملے تو

واپس آجائے۔

اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں سے لپٹتھے اخلاق سے پیش آئے اور یا اس طرح ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اُس کے ثنائی شان طریقہ کے مطابق معاملہ کرے۔ جاہل سے علم کی، کھلنڈے سے فقہ کی اور گنڈہن سے علم بیان کی باتیں کرے گا تو خود بھی تکلیف پائے گا اور ان کو بھی تکلیف دے گا۔

اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ بڑوں کی عزت کرے اور بچوں پر شفقت اور تمام لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور نرم دلی سے پیش آئے۔ اُن سے کیے ہوئے وعدے پورے کرے اور اپنی طرف سے لوگوں سے انصاف کرے۔ اور اُن کے ساتھ وہی سلوک کرے جو سلوک کرنا ضروری ہو۔

حضرت حنفیؒ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی طرف چار باتوں کی وحی کی اور فرمایا ان میں سے ایک میرے لیے اور ایک تیرے لیے اور ایک تیرے اور میرے درمیان اور ایک تیرے اور مخلوق کے درمیان ہے۔

میرے لیے یہ ہے کہ تو میری عبادت کر اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔

تیرے لیے یہ ہے کہ میں تیرے اعمال کا بدلہ تجھے اس وقت دوں گا جب تجھے اس کی بڑی ضرورت ہوگی۔

اور جو تیرے اور میرے درمیان ہے وہ تیری دعا ہے۔ تو دعا کر میں قبول کروں گا۔

اور جو تیرے اور لوگوں کے درمیان ہے وہ یہ ہے کہ تو ان کے ساتھ اس طرح رہ جیسا کہ تو چاہتا ہے

کہ وہ تیرے ساتھ رہیں۔

اور اس سے یہ بھی ہے کہ باوقار لوگوں کی زیادہ عزت کرے۔ باہمی تعلقات کی اصلاح کرے اور مسلمانوں

کی پردہ پوشی کو تار ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جو آدمی دنیا میں گناہگاروں کی پردہ پوشی کرے گا وہ اللہ کی منشا پوری کرے گا

کہ اُس نے زمانیں چار عادل آدمیوں کی گواہی رکھی ہے، جو یہ گواہی دیں کہ اُنہوں نے اس طرح دیکھا ہے جیسے

سُردانی میں سُرخو۔ اور ایسا اتفاق نہیں ہوتا۔ اور دنیا میں اس کے کرم ہی کا یہ اثر ہے کہ اخوت میں سخی شش

کی اُمید رکھی جاسکتی ہے۔

اور اُس میں سے یہ بھی ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچے۔ لوگوں کے دلوں کو بدظنی اور اُن کی زبانوں کو سفیہت

سے بچائے۔

اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ جس مسلمان کو بھی سفارش کی ضرورت ہو اُس کی سفارش کرنے اور ان کی حاجت

پوری کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

اور اس سے یہ بھی ہے کہ ہر مسلمان کو کلام کرنے سے پہلے سلام کہے۔ مصافحہ کرنا بھی سنت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وَمُسْلِمَانِ اَدْمَى عَلَاتَاتِ كِرْبَانَ اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ ان کی دعا قبول کرے اور ہاتھ الگ کرنے سے پہلے ان کو بخش دے۔“

ایک اور حدیث میں ہے: ”جب مومن مومن سے مصافحہ کرتا ہے تو سو درجے رحمت نازل ہوتی ہے اور اس میں سے نانوے درجے اسے ملتی ہے جو زیادہ خندہ رُدا اور اچھے خلق والا ہو۔“

بزرگ عالم دین کے ہاتھوں کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں اور ننگے ٹلنے میں کوئی حرج ہے اور علماء کی تعظیم کے لیے ان کی رکاب کو تھامنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رکاب تھامی۔ اسی طرح اہل فضل کی عزت افزائی کے لیے اٹھ کر کھڑا ہو جانا اچھا ہے، البتہ جھکنا منع ہے۔

اور اس سے یہ بھی ہے کہ مسلمان بھائی کی عزت، مال اور جان کو دوسروں کے ظلم سے بچائے اور اس کی حمایت اور مدد کرتا رہے۔

اور یہ بھی ہے کہ جب کسی تنگبر سے واسطہ پڑے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مطابق اس سے بھی اچھا سلوک کرے، البتہ اس کے شر سے بچتا رہے۔

محمد بن حنفیہ نے کہا: ”وہ آدمی عقلمند نہیں جو ایسے آدمی سے کھلا سلوک نہ کرے جس کے ساتھ رہنا لازمی ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی کشتا دگی پیدا کر دے۔“

اور یہ بھی ہے کہ امیروں کے ساتھ رہنے سے پرہیز کرے۔ زیادہ تر مسکینوں کے ساتھ رہے اور یتیموں سے اچھا سلوک کرے۔ جو بیمار ہوں ان کی بیمار پرسی کرے۔ بیمار پرسی کے آداب یہ ہیں کہ اپنا ہاتھ مہضم پر رکھے اور اس سے پوچھے تمہارا کیا حال ہے؟ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھے۔ نرمی کا اظہار کرے۔ اس کے لیے تندرستی کی دعا کرے اور مکان میں رکھی ہوئی چیزوں کو نہ دیکھے، نگاہ نہ چھی کر رکھے۔

اور مہضم کے لیے محتجب ہے کہ دعا اور اللہ کے کلام سے فائدہ اٹھائے۔ حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ جب سے مسلمان ہوا ہوں جسم میں درد کی تکلیف ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جہاں تیرے جسم میں درد

ہے وہاں ہاتھ رکھا اور بسم اللہ تین مرتبہ اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھا اَعُوذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاَحَاذِرُ (میں ہراس چیز کی برائی سے جسے میں پاتا ہوں اور جس کا مجھے خوف ہے اللہ تعالیٰ کی عزت اور قدرت کی پناہ لیتا ہوں)

مریض کے لیے فردری ہے کہ اچھی طرح صبر کرے۔ خدا کا شکوہ شکایت نہ کرے۔ دعا خشوع سے کرے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔

اور یہ بھی ہے کہ مسلمان کے جنازہ کے ساتھ جائے اور قبروں کی زیارت کرے۔ جنازے کے ساتھ جانے کا مقصد مسلمانوں کا حق پورا کرنا اور عبرت حاصل کرنا ہے۔ حضرت امش نے کہا: ہم جنازہ میں حاضر ہوتے تو ہمیں معلوم نہ ہوتا کہ کس سے تعزیت کریں۔ کیونکہ سب ہی لوگ سوگوار ہوتے۔ اور قبروں کی زیارت کا مقصد دعا اور عبرت و دل کا نرم ہونا، جنازے کے ساتھ جانے کے آداب یہ ہیں کہ پیدل چلے۔ پرخشوع ہو۔ تمام شوش رہے۔ میت کو دیکھتا جائے۔ موت کے متعلق سوچے اور اس کی تیاری کرے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ہمسائیگی انہوت اسلامی کا تقاضا پورا کرنے کے علاوہ اور حقوق کا بھی مطالبہ کرتی ہے، یعنی ہمسایہ اسلام کے سارے حقوق کے علاوہ اور بھی کچھ حق رکھتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہمسائے تین ہیں ایک جس کا ایک حق ہے اور ایک وہ جس کے تین حق ہیں جس کے تین حق ہیں وہ مسلمان قرابت و ہمسایہ ہے۔ اُس کے لیے ایک حق ہمسائیگی کا ہے۔ ایک اسلام کا اور ایک حق قرابت کا۔ اور وہ جس کے دو حق ہیں۔ یہ مسلمان ہمسایہ ہے جس کا ایک حق اسلام کا ہے اور ایک ہمسائیگی کا۔ اور جس کا صرف ایک حق ہے وہ شرک ہمسایہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہمسائے کا حق صرف یہی نہیں کہ اُس کو تکلیف نہ دی جائے، بلکہ اُس کی طرف سے دی گئی ایذا کو برداشت کرنا۔ اُس سے نرمی کرنا۔ بھلائی میں ابتدا کرنا اور پہلے سلام کرنا بھی ہے۔ ہاں اُس سے طویل گفتگو نہ کرے بیاد میں اُس کی عیادت کرے مصیبت میں اُس کو صبر کی تلقین اور خوشی میں اُس کو مبارکباد کہے۔ نیز اُس کی لغزش سے درگزر کرے۔ اُس کے گھر میں نہ جھانکے۔ اپنی دیوار پر اُس کے شہتیرے رکھنے سے نردکے۔ اپنے پرنالے میں اُس کا پانی بہنے سے ناراض نہ ہو اور کبھی صحن میں مٹی یا کوڑا گر جائے تو ناراض نہ ہو اور جو چیز وہ گھر میں لے جائے اُس کو دیکھتا نہ رہے۔ اس کی کوئی بری بات معلوم ہو تو اس پر پردہ ڈال دے اور اُس کی گفتگو سننے کی کوشش نہ کرے۔ اُس کی بیوی کو نہ دیکھے اور جب ہمسایہ کہیں جلتے تو اُس کے گھر والوں کی ضروریات کا خیال رکھے۔

## فصل ہشتم

### ذوی الارحام کے حقوق

آمار اور رحم کے حقوق کے متعلق صحیح حدیث میں تاکید آئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”رحم عرش سے چمٹا ہوا ہے اور کتنا ہے کہ جو مجھ سے تعلق جوڑے گا اللہ اس سے تعلق جوڑے گا اور جو مجھ سے تعلق منقطع کرے گا اللہ اس سے تعلق منقطع کرے گا۔“

صحیح بخاری کے افراد میں ایک اور حدیث ہے کہ بدلہ دینے والا صلہ رحمی کرنے والا نہیں۔ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کی قرابت کا خیال نہ رکھا جائے تو بھی صلہ رحمی کرے۔“

مسلم کے فراد میں ایک اور حدیث ہے کہ ایک آدمی نے کہا: ”اے اللہ کے رسول، میرے قرائندار ہیں۔ میں ان سے جڑتا ہوں لیکن وہ کٹے رہتے ہیں۔ میں ان سے اچھا سلوک کرتا ہوں، لیکن وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں۔ میں ان کی بات پر صبر کرتا ہوں، لیکن وہ مجھ سے جہالت سے پیش آتے ہیں تو آپ نے فرمایا: ”اگر ایسا ہے جیسا تو کہتا ہے، تو گویا تو ان کے منہ پر لاکھ پھرکتا ہے اور جب تک تو ایسا ہی سلوک کرتا ہے گا تیرے لیے اللہ کی طرف سے ان کے مقابل میں ایک مددگار ہوگا۔“ مطلب یہ کہ تو ان پر غالب رہے گا اور قرابت کے حقوق پورے کرنے پر ان کی جنت ختم ہو جائے گی جیسے کہ اس آدمی کی گفتگو ختم ہو جاتی ہے جس کے منہ پر گرم لاکھ پھرکت دی جائے۔

صلہ رحمی اور ماں باپ کے حقوق کی تاکید کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں۔

اولاد کے حقوق: معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کی طبیعت اپنے بچے کی طرف خود بخود مائل ہوتی ہے۔ اس کی تاکید کی ضرورت نہیں۔ ماں کبھی بچے کی محبت باپ پر غالب آتی ہے، تو وہ اس کی تعلیم و تادیب چھوڑ دیتا ہے۔ یہ چیز فرمان الہی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، قُوا نَفْسَكُمْ وَاهْلِيكُمْ سَابِقًا لِأَنْفُسِكُمْ

لہ سورہ تحریم - آیت: ۶

کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ

مفترین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان کو علم و ادب سکھاؤ۔

باپ کو چاہیے کہ اپنے بیٹے کا نام اچھا رکھے اور اس کی طرف سے عقیدت کرے۔ جب وہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دے اور اس کا تختہ کرے اور جب بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کرے۔

غلام کے حق میں یہ کہ اس کو کھلائے۔ پہنائے۔ طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ اسے حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ اس کی لغزشوں سے درگزر کرے۔ اگر اس سے کوئی خطا برتائے تو اپنی لغزشیں یاد کرے اور اُمید رکھے کہ شاید اللہ مجھے بھی معاف کر دے۔

## تنہائی اور گوش نشینی

لوگوں کا عزت (تنہائی) اور میل جول (مخالفت) میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کون افضل ہے۔ ان دونوں میں کچھ فائدہ بھی ہے اور کچھ نقصانات بھی، تاہم اکثر زاہدوں نے تنہائی کو پسند کیا ہے۔ جو عزت کو پسند کرتے ہیں ان میں سفیان ثوری، ابراہیم بن ادہم، دائر و طائی، فضیل اور بشر حافی وغیرہ بھی ہیں۔ جو مخالفت (میل جول) کو پسند کرتے ہیں ان میں سعید بن مسیب، شریح، شعبی اور ابن مبارک وغیرہ شامل ہیں۔

ان میں سے ہر ایک کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں دلائل ہیں۔ پہلے لوگوں کے دلائل یہ ہیں کہ صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کونسا آدمی بہتر ہے؟ کہا وہ جو اپنے نفس اور مال سے جہاد کرتا ہے۔ اور جو کسی گھاٹی میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرتا رہتا ہے اور لوگوں کو اپنی برائی سے بچاتا ہے؟

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! نجات کس میں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اپنی زبان کو بند رکھو اور اپنے گھر میں رہو اور اپنے گنہوں پر رُوؤ۔

لہ جب ساتویں روز اس کی طرف سے عقیدت کرے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔  
عقیدہ: بچے کے پیدائشی بالوں کو کہتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "عزالت میں سے اپنا حصہ لو۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بوسے کا دروازہ ہو اور موت تک نہ میں کسی سے بولوں اور نہ کوئی مجھ سے بولے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: "تم علم کے چٹھے، رات کے پوراغ، گھر کے ٹاٹ، نئے دلوں والے اور پرانے کپڑوں والے بن جاؤ۔ تم آسمان والوں میں پھیلنے جاؤ اور زمین والوں پر فخری رہو۔"

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: "مسلمان کا بہترین عبادت خانہ اس کا اپنا گھر ہے۔ وہ اس کی زبان اور نثر نگاہ اور آنکھوں کی حفاظت کرتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ بازار کی مجلسوں میں نہ بیٹھے کہ وہ انسان کو غافل اور ناکارہ کر دیتی ہیں۔"

حضرت داؤد طائی نے کہا: "لوگوں سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔"

حضرت ابوہریرہ نے کہا: "سفیان ثوری نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنگل کی طرف لے گئے۔ ہم ایک کوشے میں چلے گئے تو آپ رونے لگے پھر کہا: "اے مسلسل اگر تم ایسا کر سکو کہ زندگی بھر کسی سے نہ ملو تو ایسا کرو اور اپنی ہمت کو اپنے سامان کی تیاری میں لگاؤ۔"

جو لوگوں میں رہنے کو پسند کرتے ہیں ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ "مومن جو لوگوں سے ملتا ہے اور ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔ وہ اس آدمی سے بہتر ہے جو نہ کسی سے ملتا ہے اور نہ ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔" اور ان کے علاوہ کچھ اور بھی چیزیں ہیں جن میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا فَمَا خْتَلَفُوا" (اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہوئے اور مختلف ہوئے) یہاں یہ استدلال کمزور ہے، کیونکہ اس سے مراد ارادہ کا متفرق ہونا اور اصل شریعت میں مختلف نہلاہب اختیار کرنا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ: "تین دن سے زیادہ ہجرت نہیں ہے" وہ کہتے ہیں کہ عزالت پوری پوری ہجرت ہے۔ یہ استدلال بھی کمزور ہے کیونکہ اس سے مراد سلام اور کلام اذیٰ میں ملاپ کا قطع کرنا ہے۔

لے نئے دل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دل کے ارادے ہتے سے نئے اور ولے تازہ سے تازہ ہوں۔

مکہ سورۃ آل عمران - آیت : ۱۰۵

## فصل نہم

### گوشہ نشینی کے فوائد اور نقصانات کی وضاحت

معلوم ہونا چاہیے کہ عزت میں لوگوں کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسا نکاح کرنے یا نہ کرنے کی فضیلت میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اشخاص اور ان کے حالات کے اختلاف کی بنا پر اس کا حکم بدلتا ہے؛ چنانچہ پہلے ہم عزت (گوشہ نشینی) کے فوائد بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

پہلا: عبادت کے لیے فارغ ہونا اور اللہ تعالیٰ کی مناجات سے انس حاصل کرنا۔ یہ چیزیں فراغت چاہتی ہیں اور میل ملاپ میں فراغت نہیں ملتی۔ ہاں گوشہ نشینی اس کا ایک وسیلہ ہے خاص طور پر تہجد میں۔ بعض بزرگوں سے پوچھا گیا کہ زہد اور خلوت سے انھیں کیا ملا؛ تو کہا: اللہ سے مانوس ہونا۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہیں جانتا کہ کوئی اپنے رب کو پہچانتا ہو اور پھر کسی اور چیز سے بھی انس رکھتا ہو۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جب ہمیشہ کے ذکر سے اللہ کے ساتھ انس یا ہمیشہ کے تکرار سے اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کے لیے عزت ہر اس چیز سے انفسل ہے جو میل ملاپ میں حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا فائدہ: عزت سے آدمی اُن گناہوں سے بچ جاتا ہے جنہیں عموماً غی لظمت (میل جول) سے کرتا ہے اور وہ چار ہیں:

۱۔ غیبت، لوگوں کی عبادت ہوتی ہے کہ دوسروں کی عزت کو چیلتے ہیں اور ان کی برائیاں بیان کر کے مزے لیتے ہیں۔ پھر اگر تو ان سے ملے اور ان کی موافقت کرے تو گنہگار ہوگا اور اللہ کی ناراضگی کا سامنا کرے گا۔ اور اگر خاموش رہے گا تب بھی ان کا شریک ہوگا کیونکہ سننے والا بھی غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہوتا ہے! اور اگر تو ان سے اختلاف کرے گا تو وہ تجھے برا سمجھیں گے اور تیری بھی غیبت کریں گے اور ان کی غیبت میں ایک اور غیبت کا اضافہ ہو جائے گا، بلکہ بسا اوقات گالی گلوچ تک پہنچیں گے۔

۲۔ یہ امر المعروف اور نہی عن المنکر ہے جو آدمی لوگوں سے میل ملاپ رکھے گا وہ لازماً منکرات کا مشاہدہ



کرے گا۔ پھر اگر خاموش رہے گا تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اگر انکار کرے گا تو کئی طرح کی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ گوشتہ نشینی میں ان سے حفاظت رہے گی۔

۳۔ یریا ہے اور یہ ایک لاعلاج بیماری ہے جس سے بچنا بہت ہی مشکل ہے۔ لوگوں کی مخالفت میں سب سے پہلی بات یہ ہوتی ہے کہ ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا جاتا ہے اور یہ بالعموم جھوٹ سے خالی نہیں ہوتا بعض اوقات شوقِ ملاقات ظاہر کرنے کے لیے پوچھا جاتا ہے کہ تو نے کیسے صبح کی یا شام کی ہ سلف اس کا جواب دینے سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ عیساکر بعض نے کہا جبکہ ان سے پوچھا گیا۔ آپ نے صبح کیسے کی؟ تو کہا: پہلے صبح کی کمزوری اور گناہ کی حالت میں۔ اپنی روزی کھا رہے ہیں اور موت کے منتظر ہیں؟

معلوم ہونا چاہیے کہ جب سائل اپنے بھائی سے سوال کرتا ہے تو نے کیسے صبح کی؟ تو اس پر اسے شفقت اور محبت آمادہ نہیں کرتی، بلکہ یہ الفاظ وہ محض تکلف اور ریا سے کہتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس سوال کا محرک کینہ اور عداوت ہوتی ہے جس کے نتیجے میں وہ چاہتا ہے کہ اس کے حالات کا بگاڑ معلوم ہو۔ عزت میں ایسی تمام باتوں سے خلاصی ہے۔ جو شخص لوگوں سے ملے اور ان جیسے اخلاق نہ اپنائے تو وہ اس سے ناراض ہوں گے۔ اُسے بوجھ سمجھیں گے۔ اُس کی غیبت کریں گے اور اس کی وجہ سے اُن کا دین برباد ہوگا اور خود اس کا دین اور دنیا اُن سے انتقام لینے میں برباد ہوں گے۔

یہ برائی کا اثر قبول کرنا ہے۔ طبیعت غیر محسوس طریقہ سے دوسروں کے اخلاق کو اپناتی ہے اور یہ ایک ایسی بیماری ہے کہ عقلمند بھی ناذر و نادری اس پر متنبہ ہوتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی فاسق کے ساتھ ایک مدت تک اٹھے بیٹھے اور اُس کا اثر قبول نہ کرے۔ خواہ وہ محتاط رہے، مگر جب وہ پہلے کی حالت سے موجودہ حالت کا مقابلہ کرے گا تو برائی سے نفرت کے جذبے میں بڑا فرق پائے گا۔ کیونکہ ہر وقت برائی کا مشاہدہ کرتے رہنے سے برائی کی کراہت کم ہو جاتی ہے۔ جب انسان دوسرے کے کبیرہ گناہوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو اسے اپنے صغیرہ گناہ حقیقہ معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ انسان جب سلف کی پرہیزگاری اور عبادت کے حالات ملاحظہ کرتا ہے تو اپنے نفس کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنی عبادت کو معمولی جانتا ہے اور اس سے کوشش کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور اس نکتہ سے قائل کے اس قول کا راز کھلتا ہے کہ نیک لوگوں کا تذکرہ کرتے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

یہ بات کہ گناہ کے مسلسل مشاہدے سے اس کی کراہت کم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے روزہ نہیں رکھا تو بہت نفرت ظاہر کی جاتی ہے، بلکہ اس کے کافر ہوجانے کا گمان کیا جاتا ہے لیکن نماز موخر کرنے یا ترک کرنے کو اتنا برا گناہ نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ ایک نماز کا چھوڑ دینا کفر تک پہنچا دینا ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ نماز سے غفلت اور سستی بالعموم دیکھی جاتی ہے اور اس بار بار کے مشاہدے سے گناہ کی شدت کا احساس مرجاتا ہے۔

ایسے ہی اگر کوئی عالم زہد یا سونے کی انگوٹھی پہن لے، تو لوگ اس پر سخت اعتراض کریں گے لیکن اسی عالم کو غیبت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے، حالانکہ غیبت کرنا ریشم یا سونے پہننے سے بہت بڑا گناہ ہے، و جہر وہی ہے کہ غیبت کی کثرت کے باعث دلوں میں اس سے نفرت نہیں رہتی۔ ان باریک نکات کو سمجھو اور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرو کیونکہ تم ان میں زیادہ تر وہی نہیں دیکھو گے جن سے تمہاری دنیا کی حرص بڑھے گی اور آخرت سے غفلت زیادہ ہوگی۔ بڑے گناہ بھی بے حقیقت معلوم ہونے لگیں گے اور عبادت کی رغبت کمزور ہو جائے گی۔ ہاں اگر تم کوئی ایسی مجلس پاؤ جس میں اللہ کا ذکر ہوتو اس سے الگ نہ رہنا کہ وہ مومن کے لیے غنیمت ہے۔

تیسرا نکتہ: یہ فتنوں اور جھگڑوں سے بچنا اور ان میں مشغول ہونے سے دین کو بچانا ہے۔ نساؤ و نادہری کوئی ایسا شہر ہوگا جس میں تعصب اور لڑائی جھگڑے نہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر کیا اور ان کو بیان کر کے فرمایا: جب تم لوگوں کو دیکھو کہ وہ عہد کی پروا نہیں کرتے اور امانت ختم ہوگئی ہے اور لوگ اس طرح ہو چکے ہیں آپ نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈالیں تو میں نے عرض کیا آپ اس صورتِ حالات میں ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، آپ نے فرمایا: اپنے گھر بیٹھے رہو۔ اپنی زبان بند رکھو۔ اچھے کام کرتے جاؤ۔ بڑے چھوڑ دو۔ بڑے چھوڑ دو۔ خواص کا خیال رکھو اور عوام سے اجتناب کرو۔

اسی مضمون کی اور بھی احادیث مروی ہیں۔

چوتھا نکتہ: لوگوں کی لڑائی سے بچنا ہے۔ وہ تجھے کبھی غیبت سے تکلیف دیں گے۔ کبھی چغلی سے۔ کبھی بدظنی سے۔ کبھی تمت سے اور کبھی جھوٹا لالچ دینے سے۔ جو بھی لوگوں سے ملے جلے گا اس کے حاسد اور دشمن بھی ضرور ہوں گے۔ اس کے علاوہ دیگر تکلیفیں جو انسان کو انسانوں سے پہنچتی ہیں اس سے بچیں گی۔ ایسا گوشہ نشینی میں آدمی

ان سب نعمتوں سے بچا رہتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا:

۱۔ تیرے دشمن دوستوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں، لہذا زیادہ دوست مت بنا۔

۲۔ اکثر بیماریاں جو تم دیکھتے ہو وہ کھانے پینے سے پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر کثرت نشیمنی میں اُسے ساتھیوں سے نجات ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم نے کہا: جس کو تو نہیں جانتا اس کو جاننے کی کوشش نہ کر اور جسے جانتا ہے اس

سے انجان ہو جا۔

ایک آدمی نے اپنے بھائی سے کہا: کیا میں حج تک آپ کے ساتھ رہوں؟ تو اس نے کہا: ہمیں چھوڑ دو کہ ہم

اللہ کی پناہ میں رہیں۔ ہم ڈرتے ہیں کہ ایک دوسرے سے کوئی ایسی چیز دیکھیں کہ اس پر نا راض ہو جائیں۔

عزت کا ایک اور فائدہ ہے اور وہ ہے دین اور موت اور ساری چیزوں کا چھپا رہنا۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کی امیدیں تجھ سے اور تیری اُن سے منقطع ہو جائیں گی۔ باقی رہیں اُن کی

امیدیں، تو اُن کی رضا مندی ایک ایسی بات ہے جس تک پہنچنا مشکل ہے۔ جو ان سے الگ ہو گیا اُس نے اُن کے

شادی بیاہ اور عیوں وغیرہ میں شامل ہونے کی امیدوں کو منقطع کر دیا۔ کہا گیا ہے جس نے سب کو محروم کیا اُس

سے سب خوش رہے۔

جس آدمی نے دنیا کی زینت اور تر و تازگی کو دیکھا اس کی حرص میں حرکت پیدا ہوگی اور حرص کی قوت سے

امید اور لالچ پیدا ہوگا اور زیادہ امیدوں کی ناکامی دیکھ کر وہ تکلیف میں مبتلا ہوگا۔

حدیث میں ہے: اپنے سے نیچے کو دیکھو اور اپنے سے اوپر کو نہ دیکھو کہ اس سے تم اللہ کی نعمت کو اپنے لیے

حقیر نہ سمجھو گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زُخْرًا لِّلْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

(اور ہم نے جو ان کو طرح طرح کی دنیا کی زندگی کی زینت دی ہے اُس کی طرف اٹکھا ٹٹھا کر بھی نہ دیکھو۔)

چھٹا فائدہ: یہ تقییل الطبع اور بے وقوفوں کے مشاہدہ اور اُن کے بُرے اخلاق کو برداشت کرنے سے نجات پانا

ہے۔ جب آدمی تقییل الطبع سے تکلیف اٹھاتا ہے تو لازماً اُس کی غیبت بھی کرتا ہے۔ پھر اگر وہ اُس کی مذمت کر

اور اُس کا بدلہ لے تو معاملہ دین کے فساد اور بگاڑ تک پہنچ گیا۔ عزت میں اس سے سلامتی ہے۔

## فصل دہم

## عزالت کے نقصانات

معلوم ہونا چاہیے کہ بعض دینی اور دنیاوی مقاصد ایسے ہیں جو دوسروں کی مدد کے بغیر لوہے نہیں ہو سکتے اور ان کے حاصل ہونے کی صورت صرف مخالفت ہے۔ اور مخالفت کے فوائد یہ ہیں:

علم سیکھنا اور سکھانا۔ نفع دینا اور نفع حاصل کرنا۔ ادب سکھانا اور سیکھنا۔ انس حاصل کرنا اور مانوس کرنا۔ حقوق پورا کرنے میں ثواب کا حاصل ہونا اور تواضع کی عادت اختیار کرنا۔ مشاہدے سے تجربات کا فائدہ اٹھانا۔ اور ان سے عبرت حاصل کرنا وغیرہ۔ یہ مخالفت کے عام فوائد ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

پہلا فائدہ: علم سیکھنا اور سکھانا۔ کتاب العلم میں ہم ان کی تفصیلت بیان کر چکے ہیں۔ جس نے معلوم کیا کہ دوسرے علوم میں مشغول ہونا اس کے بس میں نہیں، اور وہ عبادت میں مشغول ہونا چاہیے تو عزالت اختیار کرے، لیکن اگر علوم شرع میں آگے بڑھ سکتا ہو تو علم حاصل کرنے سے پہلے عزالت اختیار کرنا اس کے حق میں تہائی نقصان دہ ہے۔

حضرت ربیع بن خثیم نے کہا: پہلے علم حاصل کرو، پھر عزالت اختیار کرنے کی بابت سوچ۔ علم دین کی بنیاد ہے۔ عوام کے لیے عزالت میں کوئی بھلائی نہیں۔

بعض علماء سے سوال کیا گیا: 'جبار کی عزالت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟' تو کہا: 'تباہی اور وبال پھر پوچھا گیا: 'عالم کی عزالت کیسی ہے؟' تو کہا: 'تمہیں اس سے کیا نفع۔ اس کو چھوڑ دو۔ اس کے پاس اس کے جوتے اور شکیزہ ہیں وہ پانی پر جانے گا اور درخت کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پائے گا۔'

۱۔ عالم کی عزالت کو اونٹ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کے پاس اس کے جوتے اور پانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اونٹ چلنے اور سفر کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ پانی کے گھاٹ پر جا کر پانی پئے گا اور درختوں کے پتے کھائے گا اور درندہ جانوروں سے اپنی حفاظت کرے گا۔ یہی عالم کی عزالت کا حال ہے کہ وہ شیطان اور نفس آراہ سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ ایک نسخہ میں "غدا اور پانی کے انعطاف ہیں۔"

علم سکھانا: اگر اس میں نیت صحیح ہو تو یہ بڑے ثواب کا کام ہے، لیکن اگر جاہ حاصل کرنا اور تالیفوں کی کثرت مقصود ہو تو یہ کام ہلاکت ہے۔ اس زمانے میں عام طور پر یہی مقصد ہوتا ہے؛ چنانچہ دین کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے الگ رہا جائے۔ ہاں کوئی اللہ کا طالب ہو اور علم کے ساتھ اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہے تو اس سے الگ رہنا جائز نہیں اور نہ اُس سے علم کو چھپانا مناسب ہے۔ اُس آدمی کے قول سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ جس نے کہا ہم نے غیر اللہ کے لیے علم حاصل کیا، لیکن علم نے غیر اللہ کے لیے ہونے سے انکار کر دیا، اس شخص نے دراصل علوم قرآن و حدیث اور سیرت انبیاء و صحابہ کی طرف اشارہ کیا اور ان علوم میں ڈرانا اور تشبیہ کو ناجی ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ اگرچہ وہ فوری طور پر اثر نہ کریں۔ لیکن بالآخر ضرور اثر کریں گے۔

باقی رہے علم کلام اور علم اختلاف تو یہ علوم دنیا کے طالب کو اللہ کی طرف نہیں آنے دیتے، بلکہ ان علم کا جاننے والا آخر عمر تک حرص میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔

دوسرا فائدہ نفع دینا اور نفع لینا ہے۔ لوگوں سے نفع حاصل کرنا تو کسب اور معاملے سے ہوتا ہے اور جو اس کا محتاج ہے وہ عزت کو ترک کرنے پر مجبور ہے۔ ہاں اگر اس کے پاس اتنا کچھ ہو کہ بے سمانی گزارہ ہو سکے تو اس کے لیے عزت افضل ہے، مگر یہ کہ اپنی کمائی سے حد ذکر کرنے کا ارادہ کرے تو عزت سے بہتر ہے۔ نفع پہنچانا تو یہ ہے کہ اپنے مال یا جسم کے قوتوں سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ جو آدمی شریعت کی حدود کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس پر قادر ہو تو اس کے لیے یہ عزت سے بہتر ہے اور اگر وہ ان لوگوں سے بہتر بن جائے تو اُمی ذکر و فکر سے دل کے عمل کی راہ کھل چکی ہے تو ایسے آدمی کی راہی کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

تیسرا فائدہ ادب سکھانا اور ادب سیکھنا ہے اور اس سے ہمارا مطلب ہے کہ لوگوں کی سختیوں سے تربیت حاصل کرنا اور ان کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کی کوشش کرنا۔ نفس کو دبانا اور شہوت پر غالب آنا اُس آدمی کے حق میں عزت سے بہتر ہے جس کے اخلاق ابھی ہند نہ ہوئے ہوں۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ریاضت مقصود بالذات نہیں۔ جیسا کہ چوپائے کی ریاضت مقصود بالذات نہیں ہوتی، بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اسے سواری کے قابل بنایا جائے۔ بدن بھی ایک سواری ہے جس پر آخرت کی راہ طے کی جاتی ہے اور اس میں خواہش بھی ہیں۔ اگر ان کو نہ توڑا جائے گا تو راستے میں سوار کے قابو میں نہیں آئے گا۔

جو آدمی ساری زندگی ریاضت ہی میں مشغول رہے وہ ایسا ہے جیسے گھوڑے کو ساری عمر سکھاتا رہے

اور اس پر سوار نہ ہو۔ اس سے اتنا فائدہ تو ہو گا کہ اس کے کاٹنے اور اس کی دولتوں سے بچا رہے گا اور یہ بھی ایک قسم کا فائدہ ضرور ہے، لیکن بڑا اور اصلی مقصود یہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک راہب سے کہا گیا ہے: راہب! تو اس لئے کہا: میں راہب نہیں ہوں۔ میں تو کاٹنے والا نکلتا ہوں۔ میں نے اپنے نفس کو باندھ رکھا ہے۔ کہ لوگوں کو نہ کاٹوں۔ اور کاٹنے والے کی نسبت یہ بھی ایک خوبی ہے، لیکن اسی پر معاملہ ختم نہ ہو جانا چاہیے۔ تا دیر یہ ہے کہ دوسرے کو ادب سکھائے اور یہ بھی کچھ آسان کام نہیں۔ غیر محسوس طور پر نفسیاتی خواہشات کی فعل اندازی ہوتی ہے۔ پس لازم ہے اپنے قلب کی نگرانی کرتا رہے۔ جیسے کہ اس باب میں پہلے بیان کیا گیا۔

چوتھا فائدہ اُنس حاصل کرنا یا مانوس کرنا ہے اور کبھی مستحب ہوتا ہے، جیسا کہ پرہیزگار لوگوں سے اُنس اور کبھی اس کا مقصد تنہائی کی معیبت سے دل کو آرام دینا ہوتا ہے۔ اگر مقصد اُنس ہے تو چاہیے کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھے جو اس کے کام کو خراب نہ کریں اور کوشش کرے کہ جب ان سے ملاقات ہو تو امور دین کے متعلق گفتگو کی جائے۔

پانچواں فائدہ ثواب حاصل کرنا یا ثواب دینا ہے۔ اور ثواب حاصل کرنا اس طرح ہے کہ جنازے میں شرکت کرے، بیماری کی عیادت کے لیے جائے۔ بیاہ شادی کی تقاریب اور دعوتِ طہ میں شامل ہو۔ ان کاموں میں اس لیے ثواب ہے کہ ان سے مومن کا دل خوش ہوتا ہے۔

ثواب دینا اس طرح ہے کہ اپنا دروازہ لوگوں کے لیے کھول دے کہ وہ اگر اس سے تعزیت کریں یا اس کو مبارکباد دیں یا اس کی بیماری پر پی کریں کہ وہ اس کی وجہ سے ثواب حاصل کریں گے۔ اگر وہ طبقہ علماء سے ہے تو لوگوں کو اپنی زیارت کرنے کی اجازت دے، لیکن چاہیے کہ اس میں سوجن کے نفع اور نقصان کا موازنہ کرتا رہے اور اس کے مطابق گوشہ نشینی یا میل ملاپ کو ترجیح دے۔ اکثر سلفِ عزت کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

چھٹا فائدہ تواضع ہے۔ ظاہر ہے تنہائی میں آدمی تواضع نہیں کر سکتا، بلکہ بعض اوقات عزت کے اختیار کرنے کا سبب بن کر بھی ہوتا ہے۔ وہ جھنجھبے کہ محفلوں میں اس کی عزت و تعظیم کم ہو جاتی ہے لہذا وہ ان میں شامل نہیں ہوتا۔ نیز بعض دفعہ وہ لوگوں سے اس لیے نہیں ملتا کہ اپنے آپ کو عوام سے بلند مرتبہ سمجھتا ہے، اسی طرح کی اور وجوہات بھی ہو سکتی ہیں۔

جس شخص میں یہ اخلاقی کمزوری ہو اس کی علامت یہ ہے کہ وہ پسند کرے گا کہ لوگ اگر اس کی زیارت کریں، لیکن

خود دوسروں کی زیارت کے لیے نہ جائے گا۔ ہاں بادشاہوں اور امرا کے ہاتھوں کو بوسہ دینا پسند کرے گا۔ حالت یہ ہوتی ہے کہ عزت اختیار کرنا جہالت ہے۔ کیونکہ تو اوضاع آدمی کے منصب کو کم نہیں کرتی۔

جب تجھے عزت کے فوائد اور نقصانات معلوم ہو گئے اور تجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ عزت کی نفی یا اثبات پر مطلقاً انصافیت کا حکم لگانا غلط ہے تو کسی شخص کے بارے میں رائے قائم کرنے سے پہلے اس بات پر ضرور غور کر کہ اس نے عزت یا مخالفت کیوں اختیار کی ہے اور اسے کیا نقصان یا نفع حاصل ہو رہا ہے۔ اسی صورت میں تجھ پر حق کھلے گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: "لوگوں سے دل تنگ ہونا عداوت پیدا کرتا ہے۔ اور ان سے خوش رہنا برائی لاتا ہے۔ تو تم بسطا اور قیض کے درمیان رہو" جس نے اس کے سوا ذکر کیا ہے وہ کوتاہ فہم ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ امام شافعی نے صرف اپنا حال بیان کیا ہے۔ اگر کسی کے حالات اس کے مخالف ہیں تو اس پر یہ حکم لگانا جائز نہیں۔

اگر کہا جائے کہ عزت کے آداب کیا ہیں؟ تو ہم کہتے ہیں کہ عزت اختیار کرنے والے کو چاہیے یہ نیت کرے کہ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچائے گا۔ خود دیرے لوگوں کی برائی سے محفوظ رہے گا اور مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی آفت سے محفوظ ہوگا اور پھر اپنی بہت کو ہر وقت اللہ کی عبادت کے لیے فارغ رکھے۔ یہی عزت کے واضح آداب ہیں۔

انسان کو چاہیے عزت گزریں ہوتی ذکر و ذکر پر عداوت کرے۔ اپنی مشقت کے ثمرات حاصل کرنے کی طرف متوجہ رہے اور لوگوں کو اپنے پاس نہ یادہ آنے جانے سے روکے اور شہر کی بے حقیقت افواہوں پر کان نہ رکھے۔ کانوں میں ضرور کا پڑنا ایسا ہی ہے جیسے زمین میں بیج ڈالنا۔ اگر اس طرف سے محتاط نہ ہوگا تو دل میں دوسو سے پیدا ہوں گے، یہاں تک کہ گزار کی حالت میں بھی ان سے نجات نہ ملے گی۔ ان باتوں کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ شامت کو اپنا شعار بنا لے۔

اسی طرح یہ بھی چاہیے کہ لوگوں کی تکلیف پر صبر کرے اور عزت کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کریں تو اس پر کان نہ رکھے۔ وہ ترک مخالفت پر اس کی خدمت کو پس تو وہ بھی نہ سے کیونکہ یہ چیزیں دل پر ضرور اثر کرتی ہیں۔ اور آدمی آخرت کی راہ کی سیر سے مرک جاتا ہے۔

چاہیے کہ اس کا کوئی نیک ساتھی ہو جس کے پاس ہمیشہ کی مشقت سے کسی وقت آکر آرام کر سکے! اس

سے باقی وقت پرلے سے مدد ملے گی۔ عزت میں صبر اس طرح پورا ہوتا ہے کہ دنیا کے طمع کو ختم کر دے اور طبع اس صورت میں ختم ہوگی کہ آرزوؤں کو ختم کرے۔ یہ سمجھے کہ صبح ہو گئی ہے تو شام نہیں ہوگی اور جب شام ہو جائے تو صبح نہیں ہوگی۔

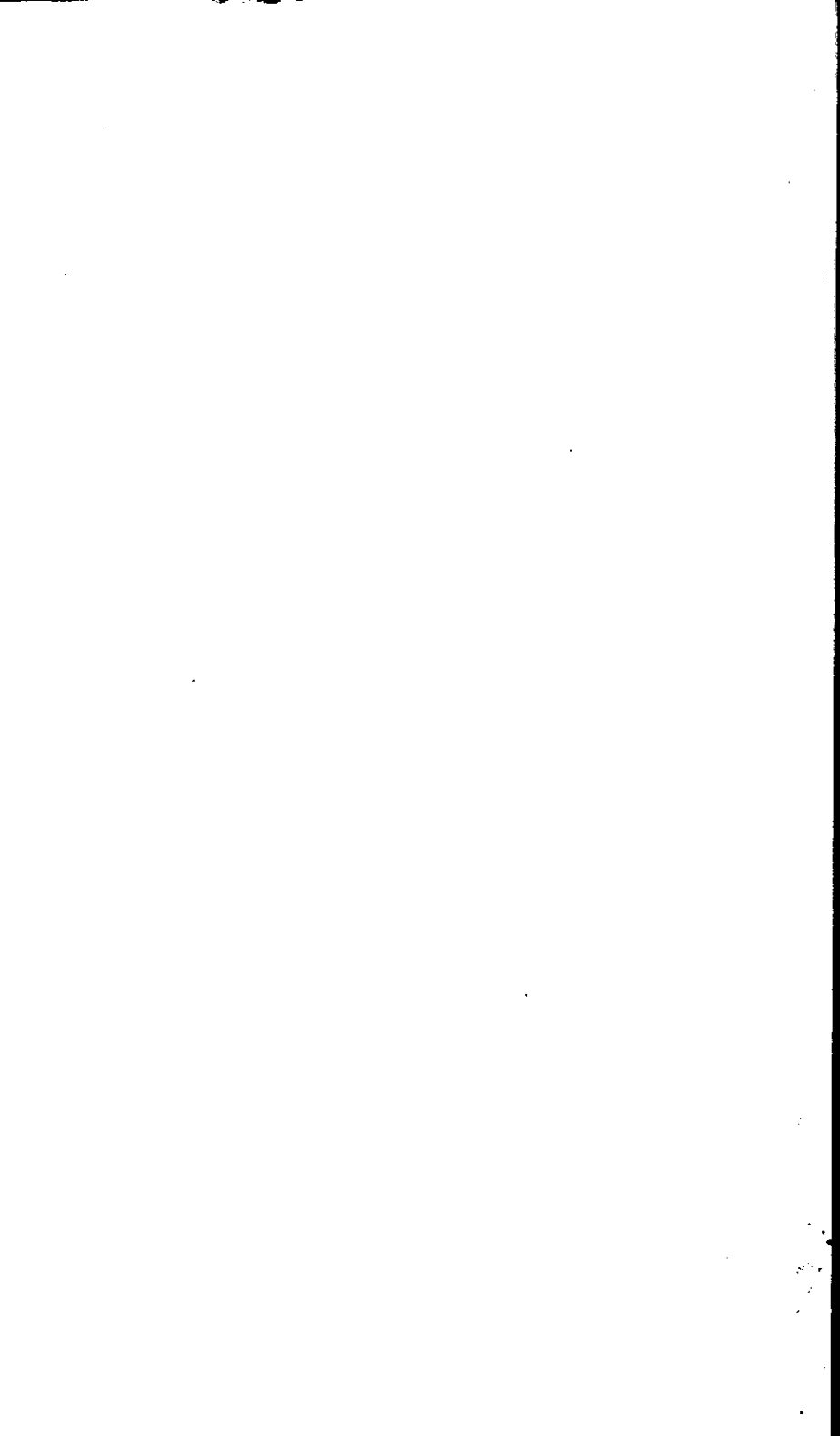
چاہیے کہ موت کا تذکرہ اکثر کرتا رہے۔ جب بھی تنہائی سے دل گھبرائے تو فکر کی تنہائی کر یا ذکر سے اور یہ سمجھے کہ جس کا دل اللہ کے ذکر اور اس کی معرفت سے مانوس نہیں ہے وہ موت کے بعد تنہائی کی وحشت برداشت نہ کر سکے گا۔ جو اللہ کے ذکر اور اس کی معرفت سے مانوس ہوگا وہ موت سے بھی مانوس ہوگا، کیونکہ موت انس اور معرفت کے عمل کو نہیں گرا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے شہداء کے حق میں فرمایا: **بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُسَرِّدُونَ** (بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں)۔

جو اپنے نفس کے جہاد میں اللہ کے لیے گوشہ نشین ہوا وہ بھی شہید ہے۔ جیسا کہ بعض صحابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ”ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے“



## کتاب السیاحۃ

- آداب سفر
- کچھ اور مسائل
- مسافر کے لیے لازمی چیزیں



## فصل اول

## آداب سفر

سفر ذریعہ ہے مغرب چیز کی طرف پہنچنے کا یا ناپسندیدہ چیز سے خلاصی پانے کا۔ اور سفر دو قسم کا ہے؛ ظاہری وجود کے ساتھ اپنے وطن سے سفر کرنا اور دل کی توجہ سے انتہائی سستی سے آسمانوں کی بادشاہی کی طرف جانا۔ اور یہ سفر بہت افضل ہے کیونکہ اسی حالت پر چڑھ جانے والا جس پر پیدائش کے بعد اس کی پرورش ہوئی اور اسی حال پر رک جانے والا جو باپ دادا کی تقلید سے اس کو ملا، کم سمجھے کو اپنے لیے لازم کرنے والا۔ نقص کے رتبے پر قناعت کرنے والا اور زمینوں اور آسمانوں کی دستوں کے مقابلے میں قید خانے کا اندھیرا اور جیل کی تنگی قبول کرنے والا ہے۔

میں نے لوگوں کے عیبوں میں کوئی ایسا عیب نہیں دیکھا جو ان لوگوں کے عیب کی طرح ہو جو کامل ہونے کی قدرت رکھنے کے باوجود ناقص رہتے ہیں۔

بدن کا سفر کئی قسم کا ہے۔ اس کے فائدے بھی ہیں اور اس میں بڑی آفتیں بھی ہیں۔ گویا یہ بھی عزت اور مخالفت پر غور کرنے کی طرح ہے۔ سفر کا محرک یا تو بُری چیز سے فرار ہوگا یا پسندیدہ چیز کی طلب۔ اور پھر فرار یا تو کسی ایسی چیز سے ہوگا جو دنیاوی امور میں نقصان دہ ہے، جیسا کہ کسی علاقے میں طاعون پھیل جائے یا فتنے اور جنگ کا خوف۔ یا وہ علاقہ قحط کی زد میں آ گیا ہو۔

یا کوئی ایسا معاملہ ہو جو دین میں نقصان دہ ہے، جیسا کہ کوئی آدمی اپنے شہر میں مرتد یا مال یا فریضے کی دہر سے فتنہ میں پڑ جائے یا بدعت کے ارتکاب یا کسی غلط منصب کی ذمہ داری ادا کرنے پر مجبور کیا جائے اور وہ ان فتنوں سے فرار چاہے۔

دوسری غرض دینی ہوگی جیسے دین کا علم، اپنی ذات میں غور و فکر، یا زمین میں پھیلی ہوئی آیاتِ الہی

میں غور۔

صحابہ کے زمانے سے لے کر آج تک جس قابل ذکر عالم نے بھی علم حاصل کیا ہے وہ سفر کر کے ہی

حاصل کیا ہے۔

حصولِ علم کی طرح اپنے نفس اور اخلاقِ عالیہ کا علم بھی بڑی اہم بات ہے کیونکہ آخرت کی راہ اخلاق کی تہذیب اور تحسین ہی سے طے ہوتی ہے۔

سفر کو سفر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ انسان کے اچھے بُرے اوصاف کو ظاہر کر دیتا ہے۔ وطن میں طبیعت کی کمزوریاں ظاہر نہیں ہوتیں کیونکہ اردگرد کی کوئی چیز بھی ناامانوس نہیں ہوتی۔ پھر جب سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے اور پسند کی چیزیں اسے نہیں ملتیں۔ غریب الوطنی کی مشقت میں پڑتا ہے تو اس کی کمزوریاں کھل جاتی ہیں۔

باقی رہیں زمین میں آیاتِ الہی، تو عقلمندوں کے لیے ان کے مشاہدے میں بہت سے فوائد ہیں۔ زمین کے مختلف ٹکڑے ساتھ ملے ہوئے ہیں اداس میں پہاڑ، جنگل، سمندر اور وسیع میدان ہیں۔ طرح طرح کے جانور اور مختلف نباتات اس کی زینت ہیں۔ اس کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت دیتی اور زبانِ حال سے تسبیح میں مصروف رہتی ہے، لیکن اس کو وہی سن سکتا ہے جس کا دل حاضر ہو اور اس طرف کان لگائے۔ کان سے ہماری مراد باطن کا کان ہے۔ اسی سے زبانِ حال کے الفاظ کا ادراک ہوتا ہے۔ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر کئی قسم کی شہادتیں نہ دینا ہو۔

سفر کے فوائد میں سے حکومت اور مرتبے اور کثرتِ تعلقات سے گریز بھی ہے، کیونکہ دین اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ دل ماسوی اللہ سے فارغ نہ ہو جائے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے انسان ضروری حاجات اور مہامت دنیا سے بالکل فارغ ہو جائے، لیکن ان کی تحقیف اور کمی بالکل ممکن ہے۔ تحقیف کرنے والے نجات پانگے اور بوجھل ہلاک ہوئے! اور تحقیف کرنے والا وہ ہے جس نے امر دنیا ہی کو زندگی کا سب سے بڑا مقصد نہ بنایا ہو۔

## فصل دوم

## کچھ اور مسائل

سفر کے اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ سفر بباح ہو جیسے ترو تازگی اور تبدیلی آب و ہوا کے لیے سفر کرنا، باقی رہا بغیر مقصد کے زمین میں سیاحت اور ایسے مقام کی طرف سفر کرنا جو جانا یا بچا نا ہو ممنوع ہے۔ حضرت طاؤسؓ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں نہ رہبانیت ہے اور نہ بغیر نکاح کے رہنا اور نہ بے مقصد سیاحت کرنا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا: اسلام میں بے مقصد سیاحت کوئی چیز نہیں اور نہ کسی نبی یا کسی نیک آدمی کا فعل ہے اور چونکہ سفر میں دل پریشان ہو جاتا ہے اس لیے مرید کو چاہیے کہ علم کی جستجو یا شیخ کی زیارت کے ارادے کے سوا سفر نہ کرے۔ شیخ کی زیارت اس لیے کہ اس کی میرت کی اقتداء کا جذبہ پیدا ہو۔ سفر کے کچھ معروف آداب ہیں جو مناسک حج کی کتابوں میں مذکور ہیں ادا ان میں سے کچھ یہ ہیں:

پہلے بندوں کے سبق ادا کرے۔ قرض ادا کرے۔ جن کے اخراجات کا ذمہ دار ہے ان کے اخراجات جتیا کرے اور امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کرے۔

کوئی نیک ساتھی انتخاب کرے۔

بیوی بچوں اور دوستوں کو اوداع کہے۔

استخارہ کی نماز پڑھے اور جمعرات کے روز صبح سے اپنا سفر شروع کرے۔

اکیلا سفر نہ کرے اور اکثر رات کو سفر نہ کرے۔

جب منزل پر پہنچے کسی بلندی پر چڑھے یا کسی وادی میں اترے تو دُعاؤں اور ذکراً اذکار سے غافل نہ رہے۔ اپنے ساتھ ایسا سامان لے جائے جس کی سفر میں عام طور پر ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً مسواک بنگھی، شیشہ

اور مردانی وغیرہ۔

طہ ناضل معنف نے یہ بات غالباً اس لیے ضروری سمجھی ہے کہ ان دنوں صحراؤں میں رات کے وقت ہی سفر خیزوں رہتا تھا۔

## مسافر کے لیے لازم چیزیں

مسافر کو چاہیے کہ دنیا اور آخرت کے لیے خرچ ساتھ لے۔ دنیا کا خرچ کھانے پینے اور ضروری چیزیں ہیں۔ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں اللہ پر توکل کر کے نکلتا ہوں۔ زادِ راہ نہیں لیتا۔ یہ جہالت ہے کیونکہ خرچ کا لینا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

آخرت کا خرچ علم ہے جس کا انسان اپنی طہارت اور عبادات میں محتاج ہے۔ تجھے سفر کی رخصتوں کا علم ہونا چاہیے، مثلاً: دو گناہ اور دو نمازوں کا جمع کرنا اور روزہ افطار کرنا اور سفر میں موزوں پر مسج کرنے کی سنت اور تیمم کرنا اور چلتے ہوئے نفل ادا کرنا وغیرہ۔ یہ تمام مسائل اپنی شرائط کے ساتھ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ مسافر کے لیے ضروری ہے کہ دورانِ سفر میں قبلے کی سمت اور اوقاتِ نماز سے پوری طرح آگاہ ہو۔ یہ علم سفر میں سفر کی نسبت زیادہ ضروری ہے۔

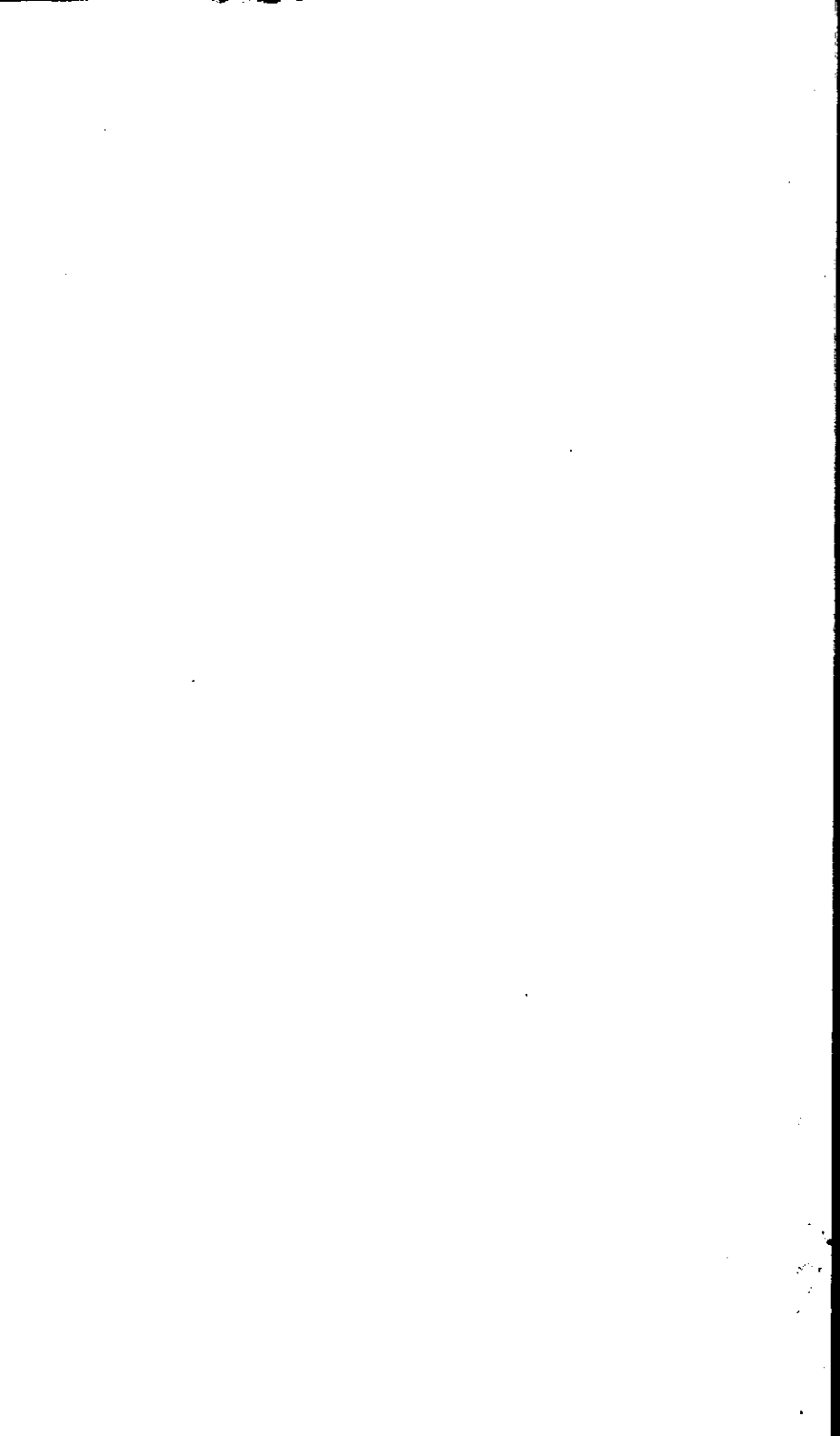
مسافر کو چاہیے کہ سمت، قبلہ پر ستاروں، سورج، چاند، ہوائوں، پانی کے بہاؤ، پہاڑوں اور حجرہ (گھنٹیوں) سے استدلال کرے۔ حجرہ (گھنٹیاں) اول رات میں نمازی کے بائیں کندھے پر قبلہ کی طرف لمبی ہوتی ہیں۔ پھر وہ اپنا رخ تبدیل کرتی رہتی ہیں یہاں تک کہ پھلپلی رات میں دائیں کندھے پر آجاتی ہیں اور حجرہ کو آسمان کے چراغ بھی کہا جاتا ہے۔ اور نمازوں کے اوقات کچھ یوں ہیں۔ سورج ڈھلنے پر ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ مسافر کو چاہیے کہ ایک لکڑی زمین میں سیدھی گاڑ دے۔ اگر سایہ کرکڑے کم ہو تو سمجھے ابھی ظہر کا وقت نہیں ہوا۔ پھر جب سایہ زیادہ ہر جائے تو سمجھے لے کہ سورج ڈھل گیا ہے اور ظہر کا وقت ہو گیا ہے، لیکن یہ ظہر کا ابتدائی وقت ہے۔ ظہر کا آخری وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے۔ اس کے بعد عصر کا ابتدائی وقت شروع ہو جائے اور عصر کا آخری وقت وہ ہے جب سایہ چیز سے دگنا ہو جائے۔

امام احمد سے مروی ہے کہ عصر کا آخری وقت سورج زرد ہونے تک ہے۔ پھر لہندیدہ وقت ختم ہو جاتا ہے اور سورج غروب ہونے تک جواز کا وقت باقی رہتا ہے۔ نمازوں کے باقی اوقات معروف ہیں۔

لہ بیات الفعش، سات ستاروں کا جھمکا جسے عقہ ثریا بھی کہا جاتا ہے۔

## کتاب معروفات و منکرات

- بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا
- برائی سے روکنے کے مدارج اور اس کے متعلق بعض آیات
- درجات و آداب
- محنت کے فرائض
- اُن برائیوں کا بیان جو ہماری عادات میں شامل ہو چکی ہیں
- اُمراء و سلاطین کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا
- سماع کے احکام
- آدابِ معیشت و اخلاقِ نبوت
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات





## فصل اول

# بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

معلوم ہونا چاہیے کہ بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا دین کا مرکزی ستون ہے اور یہ وہ اہم مقصود ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ اگر اس کی بساط لپیٹ دی جائے تو دین کی قوت و شوکت باقی نہ رہے گی اور زمین میں فساد عظیم برپا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَنْتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُقْلِدُونَ** (جہاں سے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی دعوت دے، نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور ایسی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں)۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک جماعت کو کہا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ تم سب بھلائی کا حکم دینے والے بنو۔ پھر اگر کچھ لوگ اس فرض عین کو ادا کریں گے، تو باقی سے ساقط ہو جائے گا لیکن کامیابی کا میانی انہی کے لیے مخصوص فرمائی ہے جو اس فرض عین کو ادا کریں گے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا: **”اللہ کی حدود پر قائم رہنے والوں اور مدد ہانت کرنے والوں کی مثال ایسی ہے کہ کچھ لوگ جہاز پر سوار ہوئے ان میں سے بعض کو نچلے حصے میں جگہ ملی اور بعض کو اوپر کے حصے میں، تو جو نیچے تھے وہ جب پانی لینا چاہتے تو اوپر چلنے جس سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی اور وہ انھیں روکتے۔ اس پر نیچے والوں نے مشورہ کیا کہ ہم اپنے حصے میں جہاز کی ایک لکڑی بھاڑ دیں اور وہاں سے پانی لے لیا کریں۔ اب اگر اوپر والے ان کو یہ کام کرنے دیں تو سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیں تو سب نجات پا جائیں گے۔“**

سورۃ آل عمران - آیت: ۱۰۴

## برائی سے روکنے کے مدارج اور ان کے متعلق بعض روایات

مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو آدمی تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنی طاقت سے ختم کر دے۔ اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے بُرا جانے۔ اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

دوسری حدیث میں ہے: ”ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔“  
ایک اور حدیث میں ہے کہ جب تو میری امت کو دیکھے کہ ظالم کو ظالم کہنے سے خوف کھاتی ہے تو سمجھ لے ان سے دین رخصت ہو گیا۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا: ”اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا تَقْتُلُوا كَفَرًا مِنْ ضَلَّ إِذًا اهْتَدَىٰ ثُمَّ رَأَىٰ إِيْمَانًا وَلَا وَهْمًا اپنی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو گے تو گمراہ کی گمراہی تمہیں نقصان نہ دے سکے گی (اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا: لوگ جب برائی ہوتی دیکھیں اور اس کی روک تھام نہ کریں تو قریب ہے اللہ ان سب پر عذاب بھیج دے؛ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: تم نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے ورنہ اللہ تمہارے بروں کو تمہارے نیکیوں پر مسلط کر دے گا۔ پھر تمہارے نیک دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہ کی جائے گی۔“

## فصل دوم

## درجات و آداب

معلوم ہونا چاہیے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے چار رکن ہیں: پہلا یہ کہ روکنے والا بائع، مسلمان اور روکنے کی قدرت رکھنے والا ہو اور یہ انکار کے وجوب کی شرط ہے کیونکہ ہوش والا بچہ جو قریب البلوغ ہو برائی پر گرفت کر سکتا ہے۔ اُسے اس کا ثواب بھی ہوگا لیکن اُس پر واجب نہیں ہے۔

روکنے والے کا عادل ہونا کچھ لوگوں نے لازمی قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ناسخ کو محاسبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِاَلْسِنَةٍ وَّتَحْسِبُوْنَ اَنْفُسَكُمْ اَلَا كَيْتُمُ لُوْغُوْنَ كُوْمِيْنِيْ كَا حَكْمٍ دِيْتُمْ ہُو ا و ر ا پ ن ے ا پ ک و کھول جلتے ہو اور اس آیت میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں ہے۔

کچھ لوگوں نے روکنے والے پر یہ شرط لگائی ہے کہ اُسے امام یا والی کی طرف سے اجازت حاصل ہو۔ وہ رعیت کے ہر ایک آدمی کو محاسبے کی اجازت نہیں دیتے، لیکن یہ نظر یہ غلط ہے، کیونکہ آیات و احادیث عام ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ جو بھی برائی دیکھ کر خاموش رہے وہ گنہگار ہے۔ امام کی اجازت سے اسے خاص کرنا زبردستی ہے۔

ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ شیعہ حضرات نے اس پر یہ شرط بھی زیادہ کی ہے کہ جب تک امام معصوم نہ آجائے اس وقت تک برائی سے روکنا اور بھلائی کا حکم دینا جائز نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عجیب قاضی کے پاس اپنے حقوق کے مطالبے کے لیے آئیں تو ان سے کہا جائے تمہاری مدد کرنا نیکی کا حکم ہے اور ظلم کے ہاتھ سے تمہارے حقوق دلوانا، اُن کو برائی سے روکنا ہے اور ابھی امام معصوم کا زمانہ نہیں آیا لہذا تمہارے حقوق بھی ابھی نہیں دلوائے جا سکتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ امر بالمعروف میں ایک قسم کا غلبہ اور جسے حکم دیا جا رہا ہے اس پر کمرانی ہے، چنانچہ اسکی

کافر مومن کو بھلائی کا حکم نہیں دے سکتا۔ حالانکہ بھلائی کا حکم دینا سچی ہے، لہذا چاہیے کہ بادشاہ کے حکم کے بغیر رعیت کے کسی فرد کو بھی یہ سچی نہ دیا جائے، تو ہم کہیں گے کہ کافر کو اس کی طرح سے روکا گیا ہے کہ اس میں ایک طرح کا غلبہ اور عزت ہے اور مسلمان اس عزت کے دین اور معرفت کی وجہ سے مستحق ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ کے پانچ مراتب ہیں :

۱- گناہ کی صرف نشاندہی کرنا۔

۲- نرم الفاظ سے نصیحت کرنا۔

۳- سختی اور درشتی سے برائی کو روکنا۔ مثلاً یہاں تک کہہ دینا کہ اے احمق! اے جاہل! کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟ وغیرہ۔

۴- برائی سے روکنے میں طاقت استعمال کرنا۔ مثلاً آلاتِ حرب کو توڑ دینا اور شراب وغیرہ کو بہا دینا۔

۵- مجرم کو مارنا تاکہ وہ اس بُرے کام سے باز آئے یا اسے مار کا خوف دلانا اور یہ آخری مرتبہ بادشاہ (حاکم) کے سپرد ہے، کیونکہ اس سے بعض اوقات فتنہ پیدا ہوتا ہے۔

دایاں حکومت پر سلطنت کی مسلسل گرفت اس کا ثبوت ہینا کرتی ہے کہ بادشاہ کی طرف سے اجازت کی ضرورت نہیں۔ اگر کہا جائے کیا بیٹا باپ کا، غلام مالک کا، بیوی شوہر کا اور رعیت والی کا محاسبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو ہم کہیں گے کہ اصل ولایت تو ہر ایک کے لیے ثابت ہے۔ ہم نے اس کے پانچ مراتب مقرر کیے ہیں :

بیٹا گناہ کی نشاندہی، اور نہایت نرم انداز سے نصیحت کر سکتا ہے۔ اور پانچویں مرتبے میں سڑے آلات

حرب کو توڑ سکتا ہے۔ شراب گرا سکتا ہے۔ بس اسی ترتیب کو غلام اور بیوی کے لیے سمجھنا چاہیے۔ نیز یہ کہ

رعیت کا بادشاہ سے معاملہ بیٹے سے زیادہ سخت ہے۔ وہ صرف پہلے درجہ دوسرے مرتبے میں محاسبہ کر سکتا ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ محاسبہ کرنے میں محلہ کے کی طاقت ہونا شرط ہے۔ عاجز تو برائی کو صرف اپنے دل سے برا سمجھ سکتا ہے

اسی طرح جب معلوم ہو کہ اس کے دو گنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو اس کی بھی چار حالتیں ہو سکتی ہیں :

پہلی یہ کہ اسے معلوم ہو کہ اس کے قول یا فعل سے فیکر کسی تکلیف پہنچنے کے برائی ختم ہو جائے گی، تو اس پر وہ

ہے کہ برائی کو روکے۔

دوسری یہ کہ اسے معلوم ہو اس کے کہنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اگر کہے گا، تو اسے مارا جائے گا۔ اسے

صورت میں اس پر برائی کو روکنا واجب نہیں۔

تیسری یہ کہ اُسے معلوم ہو اس کے کہنے کا کوئی فائدہ بھی نہ ہوگا اور اسے کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچے گی تو فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے اُس پر کہنا واجب نہیں ہوگا، لیکن شہداء اسلام کے اظہار اور دین کے ذریعے نصیحت کے لیے کہنا مستحب ہوگا۔

چوتھی یہ کہ اُسے معلوم ہو کہ اُسے تکلیف ضرور پہنچے گی، لیکن اُس کے اس فعل سے برائی ختم ہو جائے گی۔ مثلاً یہ کہ سارا گئی کو توڑ دے اور شراب انڈیل دے اور اسے معلوم ہو کہ اس کے بعد اُسے مار پڑے گی، تو اُس سے روکنے کا وجوب اٹھ جائے گا اور استحباب باقی رہ جائے گا۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلہ دینی کہنا ہے۔“

اس میں اختلاف نہیں کہ اکیلے مسلمان کو جائز ہے کہ کافروں کی صفوں پر حملہ کر دے۔ اگرچہ اُسے معلوم ہو کہ قتل ہو جائے گا، لیکن اگر اُسے معلوم ہو کہ وہ کافروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ مثلاً اندھا اپنے آپ کو کافروں کی صف پر پھینک دے تو ایسا کرنا اس پر حرام ہے۔ اسی طرح اگر ایسے فاسق کو دیکھے جس کے پاس شراب کا پیالہ ہو اور اُس کے ہاتھ میں تلوار بھی ہو اور اسے معلوم ہو کہ اگر اُسے شراب پیتے سے منع کرے گا تو وہ اُسے قتل کر دے گا، تو اسے ایسا اقدام نہیں کرنا چاہیے کیونکہ دین میں اُس کا کوئی ایسا اثر نہیں ہے جس پر وہ اپنی جان قربان کر دے۔ اگر برائی کو ختم کرنے پر قادر ہو یا اُس کے فعل کا فائدہ معلوم ہو تو برائی سے روکنا مستحب ہے جیسے کہ کوئی آدمی کافروں کی صف پر حملہ کرے وغیرہ۔

اگر روکنے والے کو معلوم ہو کہ محاسبہ کرنے سے میرے ساتھ میرے ساتھیوں کو بھی مارا جائے گا۔ تو اُسے محاسبہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ برائی کو روکنے سے عاجزی ہے۔ اگر کسی آدمی کا غالب گمان یہ ہو کہ اسے تکلیف پہنچے گی تو اس پر برائی سے روکنا واجب نہیں ہے۔ ہاں غالب گمان یہ ہو کہ اسے کوئی تکلیف نہ ہوگی، تو اس پر واجب ہوگا۔ اس گمان میں بزدلی یا انتہائی دلیر آدمی کی حالت کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ معتدل طبیعت اور سلیم الطبع آدمی کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ اور تکلیف سے مراد مار پیٹ یا قتل ہے یا مال کا لوٹ لینا اور منہ کالا کر کے شہر میں پھیلنا وغیرہ، صرف گالی گلوچ کا ہرنا خاموش رہنے کا عند نہیں ہے کیونکہ نیکی کا حکم دینے والے کو عموماً ان باتوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔

دوسرا رکن یہ ہے کہ جس چیز میں محاسبہ ہو وہ منکر ہو۔ مٹو بدنی الحال ہو، ظالم ہو۔ اور منکر ہونے کا مطلب

یہ ہے کہ شریعت میں اس کا وقوع ناجائز ہو اور منکر (برائی) جس سے روکا جا رہا ہو (معصیت سے عام ہے جو شخص بچے یا دیوانے کو شراب پیتے دیکھے اس پر لازم ہے کہ شراب کو اٹھیل دے اور اس سے منع کرے۔ اسی طرح اگر کسی دیوانے کو دیوانی عورت سے یا کسی جانور سے بد فعلی کرتے دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ منع کرے۔

ہمارا یہ کہنا کہ موجود فی الحال یہ ہو یہ شرط اس لیے ہے کہ جو شراب اپنی کو فارغ ہو چکا ہو اسے اس فعل سے روکنا خارج از بحث ہے اور نہ یہ اخرا در عیت کا کام ہے۔ اور اس قید سے وہ منکر بھی نکل گیا جو آئندہ ہونے والا ہے۔ جیسے کسی آدمی کی حالت سے معلوم ہو کہ یہ آج رات شراب پینے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اس پر محاسبہ نہیں ہے، مگر وعظ کی صورت میں۔

ہمارا یہ کہنا کہ وہ ظاہر ہو؟ یہ شرط اس لیے ہے کہ کوئی آدمی اپنے گھر میں دروازے بند کر کے چھپ کر گناہ کرے تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کی جاسوسی کرے، مگر اس حال میں کہ اس سے کوئی ایسی چیز ظاہر ہو کہ گھر سے باہر والا آدمی اس سے معلوم کر سکے۔ جیسے کسی ساز کی آواز ہو تو جو آدمی ایسی آوازیں سنے اس پر لازم ہے کہ گھر میں داخل ہو کر ان آلات کو توڑ دے۔ اسی طرح اگر شراب کی بوتلی جو کسی کے پاس ہے، تو اسے روکنا جائز ہے۔ منکر سے روکنے میں یہ بھی شرط ہے کہ بغیر اجتہاد کے اس کا منکر ہونا معلوم ہو۔ جس چیز میں اجتہاد ہو گا اس میں محاسبہ نہیں ہے۔ مثلاً حنفی کا حق نہیں کہ وہ شافعی کو ایسے جانور کا گوشت کھانے سے روکے جس پر کھول کر سہم لٹھ نہ پڑھی گئی ہو۔ دوں کسی شافعی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ حنفی کو نبیز پینے سے روکے جو کہ مستی لانے والی نہیں ہے۔

تیسرا رکن منکر علیہ کے متعلق ہے اور اس کی صفت میں اتنا ہی کافی ہے کہ وہ انسان ہو۔ اس کا مکلف ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بچے اور دیوانے کو روکنا بھی ضروری ہے۔

چوتھا رکن نفس محاسبہ ہے اور اس کے کچھ درجات و ادب ہیں۔ مثال کے طور پر:

پہلا درجہ یہ ہے کہ منکر کو بغیر تحسس کے پہچانے کسی کے مکان پر جا کر کان لگانا درست نہیں کہ باوجود غیظ کی آواز سن سکے اور نہ سونگھنے کی کوشش کرے کہ شراب کی بوتلی معلوم کر سکے اور نہ کپڑے سے ڈھکی ہوئی چیز کو ہٹولے کہ سارنگی کی شکل پہچانے اور نہ اس کے ہسالیوں سے پوچھنا چاہیے کہ وہ اس کے حالات کی اطلاع دیں۔ ہاں اگر انہیں خود معتاد آدمیوں نے خبر دی ہو کہ فلاں آدمی شراب پیتا ہے، تو اس صورت میں مکان میں داخل ہو کر برائی

کو روکنا چاہیے۔

دوسرا درجہ تعریف ہے (یعنی برائی کے ترکب کو برائی کا ذہن نشین کرانا) کیونکہ جاہل آدمی بعض اوقات اس وجہ سے برائی کا ارتکاب کرتا ہے کہ اسے اس کے بُرا ہونے کا علم نہیں ہوتا۔ اسے سمجھنا چاہیے اور وہ سمجھ جائے تو اُسے چھوڑ دیتا ہے، تو ضروری ہے کہ نرم لہجے میں اُس کی برائی اس کے ذہن نشین کرائے۔ انسان پیدا نشی عالم تو نہیں ہوتا۔ خود ہم بھی شریعت کے امور سے ناواقف تھے۔ یہاں تک کہ علمائے ہمیں بتایا۔ نرم نرم باتیں کرے تاکہ بغیر کسی تکلیف کے اس کو اس کی برائی کا پتہ چل جائے۔ جو برائی سے خاموش رہنے کے گناہ سے توبہ کی، لیکن بے ضرورت مسلمان کو تکلیف پہنچانے تو اُس نے گویا خون کو پتیا ب سے دھویا۔ تیسرا درجہ وعظ اور نصیحت اور اللہ کا خوف دلا کر برائی سے روکنا ہے۔ دوسرے کی احادیث سنائے اور سلف کی سیرت اس کے سامنے بیان کرے۔ اور یہ سب کچھ نہایت شفقت اور نرمی سے ہو۔ غصے اور ناراضگی سے نہ ہو۔ یہاں ایک بہت بڑی آفت ہے جس سے بچنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ عالم آدمی جب گناہ کی برائی بتاتا ہے تو علم کی وجہ سے اپنے آپ کو معزنا اور دوسرے کو جہالت کی وجہ سے ذلیل سمجھتا ہے۔

اس کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو دوسرے کو آگ سے بچاتے ہوئے اپنے آپ کو جلا لے۔

شیطانی دھوکہ اولیٰ کے فریب اور اثر سے بچنے کا ایک معیار اور ایک کسوٹی ہے۔ چاہیے کہ محاسبہ کرنے والا پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ دوسروں کو برائی سے روکنے سے پہلے یہ بات ضروری ہے کہ انسان خود برائی سے رُکے۔ دوسروں کی برائیاں تلاش نہ کرے اور یہ خواہش ہو کہ احتساب کا فرض اس کے بجائے کوئی اور انجام دے تو اچھا ہے۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو یہ اپنے نفس کی خواہش کا نتیجہ ہے اور وہ اصلاح کے بجائے اپنے مرتبے کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ اُسے اللہ سے ڈرنا چاہیے اور پہلے اپنے محاسبہ کرنا چاہیے۔ حضرت داؤدؑ طائی سے کہا گیا: "اس آدمی کے متعلق کیا خیال ہے جو امرار کے پاس جائے اور ان کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے؟" فرمایا: "مجھے خوف ہے کہ اس کی پشت پر کوڑے پڑیں گے، کہا گیا: "اگر وہ یہ ظلم برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو؟" تو کہا: "مجھے اس پر تلوار کا خوف ہے، کہا گیا: "وہ اس کے برداشت کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے؟" تو کہا: "مجھے اس پر پوشیدہ بیماریا، یعنی عُجب (غور) کا ڈر ہے۔"

چوتھا درجہ: سخت کلامی اور سخت گیری کا ہے اور یہ روش تب اختیار کرے جب نرمی کا اثر نہ ہو اور محض گناہ پر اصرار کرتا جائے اور وعظ و نصیحت کا مذاق اڑائے سخت گیری سے ہماری خواہش کو ٹی اور جھوٹ

نہیں ہے بلکہ ہم اسے کہیں گے۔ ”اے خاستق، اے احمق، اے جاہل! کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟“  
 اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا: **لَا تَكْفُرْ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ مِنْ دُونِ  
 اللَّهِ أَسَلَا تَعْقِلُونَ** (میں تم سے بھی بیزار ہوں اور اللہ کے سوا جن کی تم پوجا کرتے ہو ان سے بھی بیزار  
 ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟)

پانچواں درجہ برائی کو ہاتھ سے روکنا ہے۔ جیسے آلاتِ طرب کا توڑ دینا اور شراب کا انڈیل دینا اور چھینے  
 ہوئے مکان سے فاضل کو نکالنا۔ اس وجہ سے دو ادب ہیں :

پہلا یہ کہ ایسی کارروائی اُمس وقت کرے جب دوسرے طریقوں سے اصلاح کرنے میں کامیابی نہ ہو۔  
 مثلاً اگر چھینی ہوئی زمین سے نکلنے کا پابند کر سکتا ہے تو دھکے دینا اور چھیننا جائز نہ ہوگا۔

دوسرا یہ ہے کہ آلاتِ طرب کو صرف اتنا توڑے کہ ان میں فساد کی صلاحیت باقی نہ رہے۔ شراب  
 بہانے میں اگر ہو سکے تو برتن توڑنے سے پرہیز کرے اور اگر ان کو پھینکنے یا توڑنے کے سوا چارہ نہ ہو تو کوئی حرج  
 نہیں۔ برتنوں کی قیمت ساقط ہو جائے گی۔ اگر شرابی شراب کو اپنے بدن سے دھواپ لے تو شراب کو  
 ضائع کرنے کے لیے اس کے جسم کو تکلیف پہنچانے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر شراب تنگ منہ والی بوتل میں ہو  
 اور گمان یہ ہو کہ شراب بہانے میں دیر لگے گی اور خاستق آگرا سے پکڑ لیں گے اور شراب بچائیں تو اسے بوتل  
 کو توڑ دینا چاہیے۔

اگر کہا جائے کہ زجر اور توبیح کی خاطر توڑنا کیوں جائز نہیں ہے؟ اور اسی طرح زجر کی خاطر چھینے ہوئے  
 گھر سے کھینچ کر نکالنا کیوں جائز نہیں؟ تو ہم کہیں گے یہ صرف والی کے لیے جائز ہے۔ رعیت کے کسی آدمی  
 کے لیے جائز نہیں، کیونکہ یہ شدتِ اجتہاد ہی ہے اور دلیلِ اجتہاد ظاہر نہیں۔

سچا درجہ۔ ڈانٹ ڈپٹ اور نوبخزہ کرنے کا ہے جیسا کہ کہے۔ یہ کام چھوڑ دو ورنہ میں تمہارے  
 ساتھ اس طرح کروں گا اور چاہیے کہ اگر ممکن ہو تو مار پیٹ سے پہلے ڈانٹ ڈپٹ کا حور استعمال  
 کرے اور اس میں ادب یہ ہے کہ ایسی دھمکی نہ دے جس کا وقوع میں لانا جائز نہ ہو۔ مثلاً یہ کہے  
 کہ میں تیرا گھر لوٹ لوں گا۔ تیری بیوی کو اٹھا کر لے جاؤں گا وغیرہ، کیونکہ اگر اس نے ایسا کرنے کے عزم سے



کہا ہے تو یہ حرام ہے اور اگر عزم کے بغیر کہا ہے تو جھوٹ ہے۔  
ساتواں درجہ یہ ہے کہ بڑائی سے روکنے میں ہاتھ پاؤں سے مارتا اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں ہتھیاروں  
کے علاوہ استعمال کرنا رعایا کے افراد کے لیے ضرورت اور حاجت پر اکتفا کی شرط سے جائز ہے۔ جب بڑائی ختم  
ہو جائے تو رک جائے۔

آٹھواں درجہ یہ ہے کہ اگر اکیلا بڑائی کو ختم کرنے پر قنا در نہ ہو، مسلح مددگاروں کا محتاج ہو کیونکہ لبا اوقات  
مجرم نہتہا نہیں ہوتا اور یہ صورت جنگ تک بھی پہنچا سکتی ہے، تو مناسب یہ ہے کہ ایسی صورت میں امام  
سے اجازت حاصل کرے کیونکہ اس سے فتنہ اور فساد پھیل سکتا ہے۔ ویسے لبض اکابر امام کی اجازت ضروری  
نہیں سمجھتے۔

## فصل سوم

### مختب کے فرائض

ہم نے مختب کے آداب مفصل طور پر بیان کر دیے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ تین صفات ہیں:

- ۱- احتساب کے مواقع اور حدود اور اوقات کا علم ہونا تاکہ شریعت کی حد پر رک جائے۔
- ۲- پرہیزگاری۔ کبھی آدمی کو کسی چیز کا علم نہ ہوتا ہے، لیکن کسی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا۔
- ۳- اچھا خلق۔ اور یہ بنیاد ہے تاکہ وہ حد پر روک سکے، کیونکہ جب آدمی غصے میں آجاتا ہے تو صرف علم اور پرہیزگاری اس کے غصے کو ختم نہیں کر سکتے جب تک کہ ان کے ساتھ آدمی اچھے اخلاق کا مالک بھی نہ ہو۔ بعض سلف نے کہا معروف کا حکم نہ دے مگر وہ جو اس میں نرمی کرتا ہو اور جس چیز سے روکے اس میں بھی نرمی کرنے والا ہو۔ جس کا حکم دے اس میں بردباری کا مظاہرہ کرے اور جس سے روکے اس میں بھی بردبار ہو۔ جس چیز کا حکم دے اس کا فقیہ ہو اور جس سے روکے اس کا بھی فقیہ ہو۔

فردی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ تعلقات تھوڑے رکھے اور مخلوق سے طبع نہ رکھے تاکہ مہمانت نہ ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی کے پاس ایک بلی تھی اور وہ ہر روز اپنے ہمسائے قصاب سے اس کے لیے چھیر لیا کرتے تھے۔ ایک دن اس قصاب کو کوئی بُرا کام کرتے دکھیا۔ اسے منع کرنے سے پہلے اپنے گھرائے اور بلی کو نکال دیا۔ پھر قصاب کے پاس گئے اور اسے روکا۔ اس نے کہا کہ میں آج کے بعد بلی کے لیے آپ کو کچھ نہ دوں گا تو فرمایا میں نے بلی کو نکالنے اور تجربے سے طبع منقطع کرنے کے بعد تجھے روکا ہے۔ جو دو باتوں میں لوگوں سے طبع منقطع رکھے وہ ان کو برائی سے نہ روک سکے گا، ایک ان کی مہربانی کی توقع اور دوسری ان کی خوشنودی کا خیال اور یہ توقع کہ وہ اس کی تعریف کریں۔

باقی رہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی سے کام لینا توڑتین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَقَوْلًا ذَلِيلًا**

(اس سے نرم بات کرنا)

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے۔ اس نے کوئی گناہ کیا تھا اور لوگ اسے بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”تباؤ اگر تم اسے کنوئیں میں گرا ہوا دیکھو تو اسے نکالو گے یا نہیں؟“

انہوں نے کہا: ”کیوں نہیں؟ تو فرمایا، پھر اپنے بھائی کو گالی نہ دو اور اللہ کی تعریف کرو جس نے تم کو اس گناہ سے بچا یا ہے۔“ لوگوں نے کہا: ”کیا آپ اسے بُرا نہیں سمجھتے؟“ کہا: ”ہیں اس کے اعمال کو بُرا سمجھتا ہوں یہ اس کو چھوڑ دے گا تو وہ میرا بھائی ہے۔“

ایک نوجوان تہبند زمین پر کھینچتے ہوئے گزرا تو صلۃ بن اشیم کے ساتھیوں نے سخت الفاظ سے اُس پر نکتہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ محسوس کر کے صلۃ نے کہا: ”تم مجھے اجازت دو تمہارا یہ کام میں کرتا ہوں۔ پھر نوجوان بھتیجے سے کہا: ”ایسے بھتیجے مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔“ اس نے کہا: ”کیا کام ہے؟“ تو کہا: ”میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا تہبند سُنوں سے اوپر کرو۔“ اس نے کہا: ”قرود چشم ماروشن دلِ ماشاد۔“ اور اپنا تہبند اوپر اٹھا لیا۔ اب صلۃ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”جو تم کرنا چاہتے تھے کیا یہ طریقہ اس سے بہتر نہیں؟ اگر تم اسے گالی دیتے یا تکلیف پہنچاتے تو وہ بھی جواب میں تم کو گالی دیتا۔“

حضرت حسنؓ کو ایک شادی میں بلا یا گیا اور آپ کے سامنے چاندی کے پیالہ میں حلوہ رکھا گیا۔ آپ نے اس حلوے کو روٹی پر پلٹ لیا اور کھانے لگے۔ ایک آدمی نے کہا: ”یہ خاموشی سے برائی کی روک تھام ہے۔“

## فصل چہارم

### ان برائیوں کا بیان جو ہماری عادات میں شامل ہو چکی ہیں

امراء و سلاطین کو برائی سے روکنے اور ان کو بھلائی کا حکم دینے کے متعلق ضروری باتیں ہم فصل ہذا اور آئندہ فصل میں بیان کریں گے۔

جو برائیاں ہماری عادات میں شامل ہو چکی ہیں وہ بے شمار ہیں، لیکن ہم چند ایسی برائیوں کا ذکر کریں گے جن سے باقی کا اندازہ کیا جاسکے گا۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱- مساجد میں عموماً مشاہدہ ہوتا ہے کہ کدکوع و سجود میں عدم طہانیت سے نماز کو خراب کیا جاتا ہے۔ ایسی ہی دوسری باتیں ہیں جو نماز کو لگاڑ دیتی ہیں، مثلاً نادانستہ طور پر کپڑوں کا ناپاک ہو جانا یا اندھیرا ہونے کی وجہ سے رخ صحیح طور پر قبلہ کی طرف نہ ہونا۔ نابینا ہونے کی وجہ سے بھی ایسا ہوتا ہے اور انہی برائیوں میں سے ایک گانے کے انداز میں قراءت کرنا ہے۔

ان برائیوں کی روک تھام کرنا اور ان سے آگاہی حاصل کرنے میں مشغول ہونا نفعی نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ مؤذنون کا خواہ مخواہ افغان کو لمبا کرنا اور اس کے کلمات کھینچنا بھی ایسی ہی برائیوں میں سے ہے۔ نیز ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خطیب نے ریشمی کپڑے پہن رکھے ہوں یا اس کے ہاتھ میں سونے کے دستے کی تلوار ہو۔

مساجد میں جھوٹی باتیں کرنا یا ایسی گفتگو میں مصروف ہونا جس سے فتنے پیدا ہوں ناپسندیدہ ہے۔

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مردوں اور عورتوں کا آپس میں اختلاط ہو۔ اس بات سے ضرور رنج

کرنا چاہیے۔

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حجر کے دن ادویات، تعویذات اور خورد و نوش کی اشیاء فروخت کر کے مانگنے

اور اشعار گانے کے لیے مجھے لگائے جائیں۔ ان میں سے بعض چیزیں تو مطلقاً حرام اور بعض مکروہ ہیں۔

۲- بازار کی برائیاں بھی بہت ہیں اور ان میں سے لین دین میں جھوٹ بولنا اور اشیا کے عیب کو مخفی

رکھنا ہے۔ جو آدمی کہے میں نے بیسایان دس درہم میں خریدا ہے اور ایک درہم اس پر منافع لے رہا ہوں اور وہ اس میں جھوٹا ہونو وہ ناست ہے۔

جس آدمی کو تاجر کے جھوٹے ہونے کا علم ہوا اس پر واجب ہے کہ خریداروں کو اس کے جھوٹ سے مطلع کر دے۔ اگر وہ بچنے والے کی رعایت کرتے ہوئے خاموش رہے گا، تو یہ بھی اس کی خیانت میں شریک ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ کسی چیز کے عیب کو جانتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ خریدار کو بتا دے۔ اگر کسی کی ترازو یا گنر وغیرہ میں فرق ہو تو جس کو معلوم ہو جائے اس پر فرض ہے کہ اس کو خود درست کرائے۔ ایسا نہ کر سکتا ہو تو حاکم کو اطلاع دے کہ تبدیل کرادے۔

ان میں سے ناجائز شرطیں لگانا۔ سود کا لین دین اور راگ رنگ کے آلات اور جائیداد چیزوں کے مجبوروں کی تجارت کو ناجائز وغیرہ بھی ہے۔

۳۔ گیلوں کی برائیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے ملوکہ مکان یا دکان کا تھڑا وغیرہ باہر گلی میں نکال دینا اور گلی میں درخت لگانا جس سے راستہ تنگ ہو جائے اور گزرنے والوں کو تکلیف ہو۔ رستے میں انہی مقدار میں لکڑیاں یا غلہ وغیرہ لاکر رکھ دینا جو کہ عموماً گھر در میں لایا جاتا ہے جائز ہے کیونکہ اس ضرورت میں سب ہی مشترک ہیں۔

جانوروں کا گلی میں باندھ دینا جس سے راستہ تنگ ہو جائے اور لوگوں کو تکلیف ہونا جائز ہے۔ اس سے منع کرنا واجب ہے۔ ہاں اگر اتنی سی دیر کے لیے ہو جو سواری سے اُترنے یا سوار ہونے کے لیے دیر کا ہوتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ان میں سے یہ بھی ہے کہ جانوروں پر ان کی بہت سے زیادہ بوجھ لادا جائے اور راستے میں کوڑا کرکٹ پھینک دیا جائے یا نر بوزہ وغیرہ کے چھلکے ڈال دیے جائیں یا اتنا پانی چھڑک دیا جائے جس سے لوگوں کے پھسلنے کا خطرہ ہو یا پرنالے وغیرہ کا پانی گلی میں جمع ہوتا ہو۔ ان خرابیوں کا انسداد حکومت کا کام ہے۔ عام آدمی تو اس میں مروت و عطف و نصیحت ہی کر سکتے ہیں۔

۴۔ حمام کی برائیوں میں سے ان کے دیواروں یا عمارت کے اندر جانوروں کی تصاویر کا ہونا ہے اور اس میں اتنا کافی ہے کہ تصاویر کے منہ منڈا دیے جائیں یا ان پر سیاہی مل دی جائے جس سے تصویر باطل ہو جائے۔ جو آدمی اس سے منع نہ کر سکے اس کے لیے بہت مجبوری کے سوا ایسے حمام میں داخل ہونا

جائز نہیں۔ اُسے کسی دوسرے حمام میں غسل کرنا چاہیے۔

اولان میں سے نتر کا ننگا کرنا اور دیکھنا اور میل کھیل اتارنے والے کے لیے ناف سے نیچے ران تک ملنے کے لیے ننگا کرنا اور ملنے والے کا نتر گاہ کو ہاتھ لگانا ہے۔

اولان میں سے تھوڑے پانی میں پلید ہاتھ یا پلید برتن ڈبونا بھی ہے۔ اگر کوئی مالکی ایسا کرے تو اس پر اعتراض نہ کیا جائے بلکہ نرمی سے کہے؟ بھائی کیا تم ایسا نہیں کر سکتے کہ میری مہارت ضائع کر کے مجھے تکلیف دو؟

۵۔ جہانی کی برائیوں میں سے مردوں کے لیے ریشمی فرش بچھانا اور سونے چاندی کی انگلیٹھی میں عود وغیرہ جلانا اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا ہے۔ نیز گلاب کے عطر کا استعمال کرنا، منقش پردے لٹکانا اور مزامیر اور گانے والیوں کے گانے سننا ہے۔ جوان مردوں پر نورتوں کا اس طرح بھاگنا جن سے اُن کے قلعے میں مبتلا ہونے کا ڈر ہے تو یہ سب بری باتیں ہیں اُن کو تبدیل کرنا واجب ہے۔ اور جوان کو تبدیل نہ کر سکے تو اس پر لازم ہے کہ وہاں سے چلا جائے۔

تالین اور ترپال پر اگر تصادیر ہوں تو ناجائز نہیں۔ اسی طرح عورتوں کے لیے ریشمی فرش اور سونے چاندی کا استعمال بھی جائز ہے، البتہ سونے کی بالیاں پہننے کے لیے سچی کے کان میں سوراخ کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ تکلیف دینے والا ذخم ہے۔ گلو بند اور گنگن میں اس سے کفایت ہو سکتی ہے۔ اس کام کے لیے کسی کو اجازت دینا اور اجرت لینا دونوں حرام ہیں۔

اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ ضیافت میں کوئی بدعتی شامل ہو جو اپنی بدعت کے متعلق باتیں کرتا ہو۔ اس کے ساتھ جانا جائز نہیں، سوائے اس آدمی کے جو اس کی باتوں کی تردید کر سکے یا بدعتی بدعت کی تبلیغ نہ کرتا ہو، لیکن ایسی صورت میں بھی اس سے کراہت کا اظہار کرے۔

اگر وہاں جھوٹ اور فحش باتوں سے لوگوں کو ہنسانے والا ہو تو نہ جائے اُسے روکنا واجب ہے۔ البتہ اگر ایسا مزاح ہو جس میں جھوٹ اور فحش نہ ہو تو تھوڑا بہت جائز ہے، لیکن اُسے ایک عادت بنانا جائز نہیں۔

عام برائیوں سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ اگر یقین ہو کہ ایک برائی باز راہ میں ہمیشہ رہتی ہے یا کسی خاص وقت میں ہوتی ہے اور وہ اس کو دور کرنے پر قادر ہو تو اسے جائز نہیں کہ گھر میں بیٹھ رہے، بلکہ اس پر فرض ہے کہ باہر نکلے اور اگر اس کا کچھ حصہ بھی دور کر سکتا ہو تو دور کر دے۔

یرائیاں دور کرنے کے سلسلے میں ہر مسلمان پر واجب ہے کہ یہ کام اپنے نفس کی اصلاح کی کوشش سے شروع کرے۔ اپنے نفس کی اصلاح و انفس کی ادائیگی اور محرمات کے ترک سے کرے۔ پھر اپنے عزیز و اقارب کو یہی تعلیم دے۔ پھر اپنے محلے اور ہمسایوں تک اس کو پہنچائے۔ پھر اپنے شہر اور اس کے مضافات تک اور پھر ساری دنیا تک۔

اگر کوئی نزدیک کا آدمی اس فریضے کو ادا کرے تو دور والے سے ساقط ہو جائے گا۔ ورنہ ہر وہ آدمی باہر نکلے جو اس پر قادر ہے۔

## فصل سبب

### امراء و سلاطین کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

ہم نے امر بالمعروف کے درجات کا تذکرہ کیا ہے۔ بادشاہ کے ساتھ ان میں سے پہلے دو درجے جائز ہیں اور وہ ہیں گناہ کی نشاندہی اور وعظ و نصیحت، لیکن سخت بات کرنا مناسب نہیں۔ مثلاً یہ کہنا: "اے ظالم"۔ اے وہ جو اللہ سے نہیں ڈرتا" وغیرہ۔ یہ احتیاط اس لیے ضروری ہے کہ ایسے الفاظ کہنے سے فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جس کی تکلیف و مضرن کو بھی پہنچتی ہے، لیکن اگر صرف اپنے نفس ہی کا ڈر ہو تو جو بڑے علماء کے نزدیک جائز ہے اور میرے خیال میں پھر بھی منہ ہے۔ کیونکہ مقصود تو ہے برائی کا ازالہ اور بادشاہ کو اپنے اوپر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرنا اس برائی سے بڑی برائی ہے جس کے ازالے کا قصد کرتا ہے۔

بادشاہ تعظیم کرانے کے عادی ہوتے ہیں اگر وہ رعیت کے کسی آدمی سے "اے ظالم" "اے فاسق" وغیرہ کے الفاظ سنیں تو وہ اسے انتہائی ذلت سمجھتے ہیں اور ایسی باتوں پر صبر نہیں کر سکتے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: "بادشاہ کے پاس مت جاؤ کہ اس کی تلوار ہر وقت کھینچی رہتی ہے۔" سلف امراء کے پاس جا کر نصیحت کرتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں امراء علماء سے خوف کھاتے تھے۔ وہ ان پر آزادانہ تنقید کرتے تو وہ اسے برداشت کرتے تھے۔

میں نے اپنی کتاب "المصباح المفضی" میں سلف کے وہ مواعظ جو انھوں نے امراء و خلفاء کے سامنے کہے جمع کیے ہیں۔ ان میں سے چند ایک حکایات کا انتخاب کر کے یہاں درج کرتا ہوں:

سعید بن عامر نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: "میں اسلامی باتوں کو جمع کرنے والے اور اسلام کے امتیازات پر مشتمل کلمات سے نصیحت کرتا ہوں۔ لوگوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور اللہ کے معاملے میں لوگوں سے نہ ڈرو۔ تمہارا قول فعل کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ بہترین قول وہ ہے جس کی فعل تصدیق کرے۔ نزدیک اور دور کے مسلمانوں کے لیے وہی چیز پسند کر دو جو اپنے لیے اور اپنے گھروالوں کے لیے پسند کرتے ہو اور جہاں حق معلوم ہو وہاں خطر اس کے باوجود گھس جاؤ اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرو۔"



آپ نے کہا: "اے ابوسعید! ان ساری باتوں کی کون طاقت رکھ سکتا ہے؟"  
 کہا: "وہ آدمی جس کی گردن پر وہ بوجھ رکھا گیا ہو جو آپ کی گردن پر رکھا گیا ہے۔"  
 قتادہ نے کہا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسجد سے نکلے اور آپ کے ساتھ جاؤ اور بھیجے تھے۔ تو کیا  
 دیکھتے ہیں کہ ایک عورت راستے کے درمیان کھڑی ہوئی ہے۔ آپ نے اسے سلام کیا۔ اُس نے جواب دیا۔ یا اُس  
 نے سلام کیا اور آپ نے جواب دیا پھر کہنے لگی: "اے عمر، ٹھہر جاؤ اور میری بات سنو، میں تمہیں اس وقت  
 سے جانتی ہوں جب تم چھوٹے سے تھے اور جو کافکے بازار میں بچوں سے کشتی لڑا کرتے تھے۔ پھر دن گزرتے  
 گئے اور تمہارا نام عمر بن خطاب ہو گیا۔ پھر دن گزرتے گئے یہاں تک کہ تم امیر المؤمنین بن گئے، تو رعیت کے  
 بارے میں اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ جو موت سے ڈرے گا وہی بھلائیوں کے چھوٹ جانے سے بھی ڈرے گا۔"  
 یہ سن کر حضرت عمرؓ رونے لگے تو جاؤ۔ نے کہا: "اے عورت، خاموش ہو۔ تو نے امیر المؤمنین پر جرات  
 کر کے ان کو رلا دیا۔"

حضرت عمرؓ نے کہا: "اسے پھر ڈرو کیا تم اسے پہچانتے نہیں۔ یہ نور بنت حکیم ہے جس کی باتوں کو اللہ نے  
 آسمانوں کے اوپر سنا۔ خدا کی قسم عمر کا زیادہ حق ہے کہ وہ اُس کی باتوں کو سُنے۔"  
 بنو ازد کا ایک بوڑھا امیر معاویہ کے پاس آیا اور کہا: "اے معاویہ اللہ سے ڈرو اور جان لے کہ تیری زندگی  
 کا جو دن بھی جاتا ہے اور جو رات بھی تجھ پر آتی ہے اُس میں تو بہتر نذر دیتا ہے دُورا و آخرت سے قریب ہوتا  
 جاتا ہے اور تیرے پیچھے ایک پکڑنے والا ہے جس سے تو بھاگ نہ سکے گا اور تیرے لیے ایک نشان کھڑا  
 کر دیا گیا ہے جس سے تو آگے نہیں جاسکے گا۔ بس جلد ہی تو اس نشان تک پہنچ جائے گا اور جلد ہی تجھے  
 پکڑنے والا پالے گا۔ اور یہ دنیا جس میں ہم اور تو میں مصب زوال پذیر ہے اور جس کی طرف ہم جا رہے ہیں  
 وہ باقی رہنے والی ہے۔ اگر بھلائی ہے تو بھلائی اور اگر برائی ہے تو برائی۔"

سیلمان بن عبد الملک مدینہ میں آیا اور یہاں تین دن رہا۔ کہنے لگا: کیا یہاں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے  
 جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا ہو؟

اُس سے کہا گیا: یہاں ایک صاحب ہیں انھیں ابو حازم کہا جاتا ہے۔  
 اُن کے پاس ایک آدمی کو بھیجا تو وہ آگئے۔

سیلمان نے کہا: "ابو حازم! یہ بے مروتی کیسی ہے؟"

ابوحازمؓ نے کہا: تو نے مجھ سے کون سی بے مروتی دیکھی ہے؟  
 اُس نے کہا: میرے پاس مدینے کے سارے معزز آدمی آئے، لیکن آپ نہیں آئے۔  
 انھوں نے کہا: میری تجھ سے پہچان ہی نہیں کہ میں تیرے پاس آتا۔  
 سلیمان نے کہا: آپ سچ کہتے ہیں۔ اے ابوحازم! کیا بات ہے کہ ہم موت کو میرا سمجھتے ہیں؟  
 کہا: اس لیے کہ تم نے اپنی دنیا آباد کی اور آخرت کو خراب کیا ہے۔ اب آبادی سے ویرانے میں جاتے ہوئے گھبراتے ہو۔

اس نے کہا: اے ابوحازم! آپ سچ کہتے ہیں۔ اچھا بتائیے اللہ کے پاس جانا کس طرح ہوگا؟  
 انھوں نے کہا: نیک تو اس طرح خوش ہو کر جائیں گے جیسے کوئی سفر سے اپنے گھر والوں کے پاس  
 آئے۔ اور گنہگار یوں جیسے بھاگا ہوا غلام اپنے مالک کے پاس غمگین اور خوفزدہ آتا ہے۔  
 یہ سن کر سلیمان رونے لگا اور کہا: اے ابوحازم! کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے پاس ہمارے لیے  
 کیا ہے؟

ابوحازم نے کہا: اپنے آپ کو اللہ کی کتاب پر پیش کرو، معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے لیے اللہ کے پاس  
 کیا ہے؟

سلیمان نے کہا: اے ابوحازم! کیا اللہ کی کتاب میں سے مجھے معلوم ہو جائے گا؟  
 آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اس قول سے إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ (یقیناً نیک  
 لوگ نعمتوں میں اور بیکردار دوزخ میں ہوں گے)۔

سلیمان نے کہا: اے ابوحازم! اللہ کی رحمت کہاں ہے؟  
 فرمایا: قُرْبَيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ (نیک لوگوں کے قریب)  
 سلیمان نے کہا: اے ابوحازم! سب سے زیادہ عقلمند کونسا آدمی ہے؟  
 فرمایا: جو خود حکمت سیکھے اور لوگوں کو سکھائے۔  
 سلیمان نے کہا: سب سے زیادہ بیوقوف کون ہے؟

فرمایا: ”جو کسی ظالم آدمی کی خواہش میں ملنے لپٹنے نفس کو برباد کرے اور دوسرے کی دنیا کے بدلے اپنی آخرت بیچ ڈالے“

سلیمان نے کہا: ”اے ابو حازم! کون سی دعا سب سے زیادہ جلد سنی جاتی ہے؟“  
فرمایا: اللہ کے سامنے فروتنی کرنے والوں کی دعا:

سلیمان نے کہا: ”سب سے اچھا صدقہ کون سا ہے؟“  
فرمایا: ”تنگ دست کا محنت کا کمایا ہوا مال“

سلیمان نے کہا: ”اے ابو حازم! ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“  
فرمایا: ”اس سے مجھے معاف فرمایا جائے“

سلیمان نے کہا: ”کچھ نصیحت فرمائیے! تو ابو حازم نے کہا: ”کچھ لوگوں نے بغیر مسلمانوں کے مشورے اور اجماعی رائے کے حکومت کو زبردستی حاصل کر لیا اور دنیا طلب کرنے کے لیے بہت سے خون بہائے۔ پھر یہ حکومت چھوڑ کر چلے گئے۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ آگے جا کر انھوں نے کیا کہا اور ان سے کیا کہا گیا؟“  
یہ سن کر ان کے بعض ہم نشینوں نے کہا: ”اے شیخ آپ نے بہت برا کہا“

ابو حازم بولے: ”تم جھوٹ کہتے ہو! اللہ نے علماء سے عہد لیا ہے کہ علم کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں گے چھپائیں گے نہیں“

سلیمان نے کہا: ”اے ابو حازم! آپ ہمارے ساتھ ہیں کچھ آپ ہم سے لیں گے، کچھ ہم آپ سے لیں گے۔“

آپ نے کہا: ”میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں“  
اُس نے کہا: ”کیوں؟“

فرمایا: ”میں ڈرتا ہوں کہ تمھاری طرف کچھ مائل ہو جاؤں تو اللہ مجھے زندگی اور موت کا دو گنا عذاب چکھائے۔“

سلیمان نے کہا: ”مجھے کچھ بتاؤ۔“

فرمایا: ”اللہ سے ڈر کہ وہ تجھے کسی ایسی جگہ دیکھے جہاں سے تجھے منع کیا ہے یا تجھے ایسی جگہ سے غیر حاضر پائے جہاں حاضری کا تجھے حکم دیا ہے۔“

کہا: اے ابو حازم! ہمارے لیے بھلائی کی دعا کرو۔“

آپ نے کہا: اے اللہ! اگر سلیمان تیرا دوست ہے تو اس کے لیے بھلائی کو آسان کر دے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر بھلائی کی طرف لا۔“

سلیمان نے غلام سے کہا: اے غلام! سو دینا ر اللہ! پھر کہا: اے ابو حازم! ان کو لے لو۔“

آپ نے کہا مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا اور دوسروں کا اس مال میں برابر کا حق ہے۔ اگر تم ہم سب کی بزرگی کر دو تو بہتر ذرہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ یہ دنیا اس کلام کا معادضہ ہو جو تم نے عجب سے سنا۔“

ابو حازم کے اس جواب سے سلیمان حیران رہ گیا۔ زہری نے کہا: بیستیس سال سے میرا ہمسایہ ہے میں نے اس سے کبھی گفتگو نہیں کی۔“

ابو حازم نے کہا: تم اللہ کو بھول گئے تو مجھے بھی بھول گئے۔“

زہری نے کہا: کیا تم مجھے گالی دیتے ہو؟

سلیمان نے کہا: تم نے خود اپنے آپ کو گالی دی ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمسائے کے ہمسائے پر کچھ حقوق ہوتے ہیں؟

ابو حازم نے کہا: مبنی اسرائیل جب تک راہ راست پر رہے امراء علماء کے محتاج رہے علماء اپنا دین بچانے کے لیے ان سے بھاگتے تھے۔ پھر جب کینے لوگوں نے یہ قدر افزائی دیکھی، تو انہوں نے دین کا علم حاصل کیا اور وہ علم لے کر امراء کے دروازے پر آگئے اور تو تم گناہ پر متفق ہو گئی۔ پھر وہ نیچے گرے اور اوندھے ہو گئے۔ اگر علماء اپنا دین اور علم ان سے بچانے تو امراء پر علماء کی ہیبت ہمیشہ رہتی۔“

زہری نے کہا: گو یا کہ آپ یہ باتیں مجھے سنا رہے ہیں؟

کہا: ہاں جی ہے جو تم سن رہے ہو۔“

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک اسرائیلی سلیمان بن عبد الملک کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! میں

آپ سے چند ایک باتیں کہنا چاہتا ہوں ان کو قبول کریں، اگرچہ وہ آپ کو ناپسند ہوں کیونکہ اگر آپ ان کو قبول کریں گے تو ان کا تیسرا آپ کے لیے اچھا ہوگا۔“

سلیمان نے کہا: کہو کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کے پاس کچھ آدمی اکٹھے ہنچکے ہیں جنہوں نے اپنے دین سے آپ کی دنیا خریدی ہے اور اللہ کو ناراض کر کے آپ کو خوش کیا ہے۔ اللہ کے بارے میں وہ آپ سے ڈرتے ہیں اور آپ کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے۔ انہوں نے دنیا آباد کی ہے اور آخرت ویران۔ ان کی آخرت سے جنگ ہے اور دنیا سے صلح جس چیز پر اللہ نے آپ کو امین بنایا ہے وہ امانت ان کے سپرد نہ کریں۔ یہ امانت کے ضائع ہونے اور امت کے تباہ ہونے کی پروا نہیں کریں گے اور آپ ان کے اعمال کے جواب دہ ہوں گے اور وہ آپ کے اعمال کے جواب دہ نہیں گے۔ اپنی آخرت برباد کر کے ان کی دنیا دیرت نہ کریں، کیونکہ سب سے زیادہ خسار سے واللہ آدمی ہے جو دوسرے کی دنیا کے لیے اپنی آخرت بیچ ڈالے۔“

سیمان نے کہا: تو نے تو اپنی زبان کھول دی ہے اور تیری زبان کی کاٹ تیری تلوار سے زیادہ ہے۔ ابو حازم نے کہا: ”ہاں اے امیر المؤمنین! لیکن آپ کے فائدے کے لیے نقصان کے لیے نہیں۔“ سیمان نے کہا: کیا تیری کوئی ذاتی حاجت ہے؟

ابو حازم نے کہا: ”دوسرے مسلمانوں سے علیحدگی میری کوئی حاجت نہیں، پھر اٹھ کر باہر نکل گئے۔“

سیمان نے کہا: کمال ہے اس کا اصل کتنا شریف، اس کا دل کتنا مطمئن، اس کی زبان کتنی تیز، اس کی

نیت کتنی سچی اور اس کا نفس کتنا پرہیزگار ہے۔ ترافت اور عقل ایسی ہی ہونی چاہیے۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت ابو حازم سے کہا: ”مجھے کچھ نصیحت کرو۔“

انہوں نے کہا: تم جب لیٹو تو موت کو اپنے سر کے پاس سمجھو پھر دیکھو کہ ایسے وقت میں تم کیا کرنا پسند

کرو گے۔ بس وہ ابھی سے کرنا شروع کر دو اور ایسے وقت میں جو کرنا تم نا پسند کرو گے اسے ابھی سے چھوڑ دو۔“

محمد بن کعب نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کہا: ”اے امیر المؤمنین! دنیا ایک بانزار ہے۔ اس سے

لوگ وہ سودا خرید کر نکلے جو ان کے لیے نقصان دہ ہے۔ فائدہ مند نہیں۔ ہماری طرح کتنے ہی لوگوں نے یہاں

دھوکا کھایا۔ یہاں تک کہ ان کو موت آئی اور ان کو سمیٹ لیا۔ وہ دنیا سے ملامت کیے ہوئے نکلے۔ نہ تو

انہوں نے اپنی پسندیدہ آخرت کی کوئی تیاری کی اور نہ مکروہات سے کوئی ڈھال بنائی۔ ان کا مال وہ وارث

تقسیم کر کے لے گئے جو ان کو اچھا نہ جانتے تھے اور ان کو اس سے واسطہ پڑا جو ان کا کوئی غدر قبول نہ کرے گا۔

تو اے امیر المؤمنین، ہمارا حق ہے کہ ہم ان کے اعمال کو دیکھیں۔ خسارے کی باتوں میں ان کے جانشین نہ بنیں

اصحاب اعمال کو دیکھیں جن کا ہمیں ان پر خوف ہے تو ہم ان سے باز آجائیں۔ سوا اللہ سے ڈرو اور دواؤ

کھلے رکھو۔ دربان اٹھا دو۔ مظلوم کی مدد کرو اور ظالم کا حق دلو اور۔ تین باتیں حسیں آدمی میں ہوں اُس کا اللہ پر پورا پورا ایمان ہے: جب خوش ہو تو اس کی خوشی اُسے باطل میں داخل نہ کر دے۔ جب ناراض ہو تو اُس کی ناراضگی اسے حق سے نہ نکلے اور جب طاقت ہو تو اپنے حق کے سوا کسی دوسرے کی چیز نہ لے۔  
حضرت عطاء بن ابی رباح ہشام کے پاس آئے۔ اس نے خوش آمدید کہا اور پوچھا: اے ابو محمد! آپ کیسے آئے؟

اس وقت ہشام کے پاس انشرف اور سرکردہ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ خاموش ہو گئے۔ عطاء نے مٹکا اور دینے والوں کے وظائف اور روزینے کے متعلق تذکرہ کیا، تو ہشام نے کہا: ٹھیک ہے۔ اے غلام! کھسو کہہ اور دینے والوں کو ان کے وظائف دیے جائیں، پھر کہا: اے ابو محمد! کوئی اور کام بھی ہے؟ آپ نے حجاز، نجد اور سرحد والوں کا تذکرہ کیا تو اُن کے متعلق بھی ایسا ہی حکم دیا گیا۔ پھر ذمی لوگوں کا ذکر کیا کہ اُن کی طاقت سے بڑھ کر ان کو تکلیف نہ دی جائے، تو اُس نے یہ بھی منظور کیا۔ اس کے بعد کہا: اور بھی کوئی حاجت ہے؟

کہا: ہاں اے امیر المومنین! اپنی جان کے متعلق اللہ سے ڈریے۔ آپ اکیلے پیدا ہوئے، اکیلے مریں گے۔ اکیلے اٹھیں گے۔ اکیلے حساب دیں گے۔ خدا کی قسم! چون کو آج آپ قریب دیکھ رہے ہیں ان میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ نہ ہوگا!

ہشام سر نہ بچا کر کے رونے لگا اور عطاء اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب دروازے کے پاس آئے تو آپ کے پیچھے ایک آدمی تھیلی لے کر آیا ہم نہیں جانتے کہ اُس میں درہم تھے یا دینار، اور کہا: امیر المومنین نے یہ تھیلی آپ کو دینے کے لیے حکم دیا ہے!

کہا: میں اس پر تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔ میری مزدوری اللہ رب العالمین کے ذمے ہے اور پھر آپ چلے آئے۔ خدا کی قسم! ہشام کے پاس پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پایا۔

محمد بن علی نے کہا: میں خلیفہ منصور کی مجلس میں حاضر تھا اور ان میں ابن ابی ذئب بھی تھے اور دینے کا والی حسن بن زید بھی تھا۔ بنی عقیل کے کچھ آدمی آئے اور انھوں نے حسن بن زید کے متعلق کچھ شکائتیں کیں۔ جن نے کہا: اے امیر المومنین، ان کے متعلق ابن ابی ذئب سے پوچھیے۔

منصور نے اس کے متعلق اُن سے پوچھا تو کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ لوگ، لوگوں کو ذلیل و رسوا

کرنے کے عادی ہیں۔  
منصور نے کہا: ”تم نے سُن لیا؟“  
غضاریوں نے کہا: ”اُن سے حسن بن زید کے متعلق بھی پوچھیے تو اُس نے پوچھا۔ وہ بولے: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ حق کے فیصلے نہیں کرتا۔“

منصور نے کہا: ”اے حسن! تو نے سُن لیا؟“  
اس نے کہا: ”اے امیر المؤمنین! ان سے ذرا اپنے متعلق بھی پوچھیے۔“  
منصور نے کہا: ”میرے متعلق کیا خیال ہے؟“  
جواباً کہا گیا: ”امیر المؤمنین مجھے معاف نہیں کر سکتے۔“  
منصور نے کہا: ”تجھے خدا کی قسم مجھے ضرورتاً۔“  
کہا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے یہ مال لوگوں سے ناحق لیا ہے اور غیر مستحق لوگوں کو لے رہے ہیں۔“  
منصور نے ابن ابی ذئب کی گردن پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا: ”خدا کی قسم اگر میں نہ ہوتا، تو فارسی، رومی دیہی اور ترک تجھے یہاں سے پکڑ لیتے۔“

ابن ابی ذئب نے کہا: ”ابوبکر و عمر والی ہر شے، تو انھوں نے سُن کے ساتھ لیا اور انصاف کے ساتھ تقسیم کیا اور نادر اور روم کی گردنیں تاپیں۔“

منصور نے ان کو چھوڑ دیا اور کہا: ”خدا کی قسم اگر میں تم کو سچا نہ سمجھتا تو قتل کر دیتا۔“  
کہا: ”اے امیر المؤمنین! خدا کی قسم میں آپ کے بیٹے جہدی کی نسبت آپ کا زیادہ خیر خواہ ہوں۔“  
امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: ”میں ساحل پر تھا۔ منصور نے میرے پاس آدمی بھیجا۔ میں جب اس کے پاس پہنچا اور سلام کہا تو اس نے مجھے بیٹھے کو کہا پھر پوچھا: ”آپ نے دیر کیوں کر دی؟“  
میں نے کہا: ”اے امیر المؤمنین! کیا یا تبتی؟“  
کہا: ”میں آپ سے کچھ علم حاصل کرنا چاہتا تھا۔“  
میں نے کہا: ”اے امیر المؤمنین! ایسے علم کا کیا فائدہ جس پر عمل نہ کریں۔“

یہ سن کر بیچ بیچ اٹھا اور اپنا ہاتھ تلوار کی طرف بڑھایا۔ منصور نے اُسے ڈانٹا اور کہا: ”یہ ثواب مس ہے، عذاب کی نہیں۔“ تو میرا دل خوش ہو گیا اور میں نے کھل کر گفتگو کی۔ کہا: ”اے امیر المؤمنین!“

مجھے مکحول نے عطیہ بن بشر سے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو بادشاہ اپنی رعیت سے خیانت کرتا ہو اور اے گا اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا“ اے امیر المؤمنین! پہلے آپ صرف اپنی ذات کے کاموں میں مشغول تھے۔ اب آپ مُرخ، سیاہ، مسلمان، کافر سب لوگوں کے بادشاہ ہو گئے اور عدل و انصاف کا ہر ایک کا حصہ آپ کے ذمہ فرض ہو گیا تو اس وقت آپ کا کیا حال ہوگا جب جماعتوں کی جماعتیں اُٹھ کھڑی ہوں گی اور سب ہی آپ کی لائی ہوئی مصیبتوں کا شکوہ کر رہے ہوں گے یا آپ کے کسی ظلم کے خلاف دعویٰ کریں گے۔ اے امیر المؤمنین! مجھے مکحول نے حدیث سنائی جو ان کو زیادہ بن حائر نے اور ان کو حبیب بن سلمہ نے سنائی تھی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش طبعی سے ایک اعرابی کو چونک لگائی، تو جبریل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد، اللہ نے آپ کو مکش اور شکرت بنا کر نہیں بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو بلایا اور کہا: ”مجھ سے بدلہ لے لو“ اعرابی نے کہا میرے مال باپ آپ پر قربان۔ میں نے آپ کو معاف کیا اور بدلہ تو میں آپ سے کسی صورت نہیں لوں گا، خواہ آپ مجھے کتنا ہی مجبور کر سکیں تو آپ نے اس کے لیے بھلائی کی دُعا فرمائی۔ اے امیر المؤمنین! اپنے فائدے کے لیے اپنے نفس کو کھیل دیجیے اور اپنے رب سے اس کے لیے امان طلب کیجیے۔

اے امیر المؤمنین! اگر سپیوں کی حکومت باقی رہتی تو آپ تک نہ پہنچتی اور یہ جس طرح دوسروں کے پاس نہیں رہی آپ کے پاس بھی نہیں رہے گی۔

اے امیر المؤمنین! آپ کے دادا سے اس آیت: مَا لِهَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (اس کتاب کو کیل ہے کہ نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑتی ہے نہ بڑی) کی تفسیر میں یہ پہنچی ہے کہ مغیرہ سے مراد قسم ہے اور کبیرہ سے مراد ہمتا، تو پھر سوچیے ہاتھوں کی کماٹی اور زبان کی کٹائی کا کیا حال ہوگا!!

اے امیر المؤمنین! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر دریا نے فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی میری بے پردائی سے مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اس کے متعلق بھی مجھ سے سوال ہوگا تو جو آدمی آپ کے پاس ہوتے ہوئے بھی آپ کے انصاف سے محروم ہوں ان کے متعلق کیا خیال ہے



اے ایمل المؤمنین! آپ کے دادا سے اس آیت یا داؤد اِنَّا جَعَلْنَا لَكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ فَامْكُرْ  
 بَيْنَ النَّاسِ يَا لِحَقِّ وَلَا تَسْبِعْ اَنْفُسَكَ (اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا سو تو لوگوں میں انصاف  
 سے فیصلہ کر اور خواہش کی پیروی نہ کر) کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ نے فرمایا جب دونوں فریق تیرے سامنے  
 بیٹھ جائیں اور ایک سے تجھے محبت ہو تو تیرے دل میں یہ خواہش نہ پیدا ہو کہ حق اس کی طرف ہو اور وہ  
 دوسرے فریق پر غالب آئے۔ ورنہ میں تیرا نام انبیاء کے دفن سے مشا دون کا اور تو میرا خلیفہ بھی نہ رہے گا۔  
 اے داؤد! میں نے اپنے رسولوں کو اپنے بندوں کے چوراہے بنایا ہے، جیسے اونٹوں کے چوراہے کہ  
 وہ چرانے کو جانتے ہیں اور زری سے سیاست کرتے ہیں۔ ٹوٹے کو چوڑتے ہیں۔ کروڑ کو پانی اور گھاس پر خود  
 لے جاتے ہیں۔ اے ایمل المؤمنین! آپ ایک ایسے کام کے امتحان میں پڑ گئے کہ اگر وہ آسمانوں اور زمینوں اور  
 پہاڑوں پر پیش کیا جاتا تو وہ اُس سے ڈر جاتے اور اس کو اٹھانے سے انکار کر دیتے۔

اے ایمل المؤمنین! مجھے یزید بن جابر نے حدیث سنائی اور ان کو عبدالرحمن بن ابی عمیرہ انصاری نے کہ  
 عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری آدمی کو ہدیت پر عامل متفر کیا۔ چند دن کے بعد اس کو اپنے شہر  
 میں مقیم دیکھا تو کہا: تم اپنے کام پر کیوں نہیں گئے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم کو فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے  
 کے برابر اجر ملے گا؟

اُس نے کہا: نہیں؟ پھر اُس نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا جو بھی مسلمانوں کے کسی کام کا دالی ہو اُسے قیامت کے روز اس حال  
 میں اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا کہ اُس کے ہاتھ گردن پر بندھے ہوں گے، اُسے جہنم کے پل پر کھڑا کیا جائے گا  
 اور وہ پل اُس کو اس طرح بھجھوڑے گا کہ اسے اپنا ہر جوڑا کھڑتا ہوا معلوم ہوگا۔ پھر اُسے اہل لکڑی کا حساب کیا جائے گا۔  
 اگر وہ نیک ہوگا تو اپنی نیکی کی وجہ سے نجات پا جائے گا اور اگر بُرا ہوگا تو وہ پل اس کے لیے پھوٹ جائے گا۔  
 اور وہ ستر سال کی لڑاؤ تک جہنم میں گرتا جائے گا۔

پھر حضرت عمرؓ نے اُس سے کہا: تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ تو اس نے کہا: ابو ذر اور سلمان  
 رضی اللہ عنہما سے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس آدمی بھیج کر پوچھا اور ان دونوں نے کہا کہ ہم  
 نے واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہی سنا ہے، تو حضرت عمرؓ نے کہا: ہاں، عمر ان خواہیوں کے

بعباس و لا بیت کو کون قبول کرے گا؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا جس کی اللہ ناک کاٹھے اور چہرے کو خاک اودھ کرے وہ اس کو لے گا۔

یہ سن کر منصور نے لہمال اپنے چہرے پر ڈال لیا اور بلند آواز سے رونے لگا۔ یہاں تک کہ میں بھی رویا۔ پھر میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کے دادا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ یا طائف یا یمن کی حکومت کا سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی خیر خواہی اور آپ پر شفقت کرتے ہوئے کہا: اے چچا! اپنی جان کو اگر تم بچا لو تو یہ اس امارت سے بہتر ہے جس کا تم حساب نہ دے سکو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا: میں اللہ کے ہاں آپ کے کسی کام نہیں آسکوں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی: **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ الْاٰخِرُ سَيَكُنْ رَاوِدًا وَّاقْرٰبًا** (اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ تو آپ نے فرمایا: اے عباس! اور اے صفیہ! اور اے فاطمہ! میں اللہ کے ہاں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ میرے لیے میرے عمل اور تمہارے لیے تمہارے عمل)۔

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: لوگوں کے امور کا والی نہایت عقلمند آدمی ہونا چاہیے جسے اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت کا ڈرنہ ہو۔ اور ان کا پورا کلام منصور سے ذکر کیا پھر کہا: یہ خیر خواہی تھی و السلام، پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے تو منصور نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ تو کہا: امیر المؤمنین! اجازت ہو تو وہاں کہ واپس جاؤں؟

منصور نے کہا: اجازت ہے۔ میں تمہاری نصیحت کا شکر یہ ادا کرتا ہوں اور اس کو قبول کرتا ہوں اور اللہ ہی بھلائی کی توفیق دینے والا ہے اور وہی مددگار ہے اور میں اسی سے مدد چاہتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ وہی مجھے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔ اُسندہ بھی مجھے ایسی نصیحتوں سے بھول نہ جانا۔ آپ کی بات مقبول ہے اور آپ کی خیر خواہی شکر و شکر سے بالاتر ہے۔

میں نے کہا: ان شاء اللہ میں ایسا ہی کروں گا۔ پھر اُن کے نکلنے کے بعد منصور نے آپ کے لیے کچھ مال کا حکم دیا تو آپ نے اُسے قبول نہ کیا اور کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور میں اپنی نصیحت تو ساری دنیا کے عوض بھی نہیں بیچنا چاہتا۔ منصور مال واپس کرنے پر ناراض نہ ہوا۔

جب ہارون الرشید نے سچ کیا تو اس سے کہا گیا: اے امیر المؤمنین! شیبان بھی حج کے لیے آیا ہوا ہے۔ اس نے کہا: اے بلاؤ، ان کو لائے تو کہا: اے شیبان! مجھے کچھ نصیحت کرو۔

اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں حضرت آدمی ہوں اور پھر میں اچھی طرح عربی بھی نہیں بول سکتا۔ کوئی ترجمان بلائیے جو میری بات سمجھے میں اس سے بات کروں گا۔ پنا نچھو ایسا آدمی لایا گیا اور حضرت شیبان نے نبطی زبان میں کہا: اے امیر المؤمنین! امن کی جگہ میں پہنچنے سے پہلے جو آپ کو ڈراتا ہے وہ آپ کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ بر نسبت اس آدمی کے جو آپ کو خوف کے مقام تک پہنچنے سے پہلے امن کی نوید سناتا رہے۔ تو ہارون الرشید نے کہا: امن کا مطلب واضح کر دیا ہے؟

کہا: جو آپ سے یہ کہتا ہے کہ اللہ سے ڈرو جس نے آپ کو لوگوں کا بادشاہ بنایا ہے، کیونکہ وہ پوچھے گا کہ آپ نے انصاف سے حکومت کی یا بے انصافی سے اور یہ تاکید کرتا ہے کہ رعیت میں انصاف کریں تقسیم برابر کریں اور خوشی کی حالت میں فیصلہ نہ لیں اور اپنی ذات کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہیں یہ آپ کا خیر خواہ ہے۔ اس کی نصیحت پر عمل کرنے سے آپ امن کی جگہ پائیں گے۔ اس کے مقابلے میں جو یہ کہے کہ تم اہل بیت سے ہو، تمہارے سب گناہ بخشے ہوئے ہیں تم نبی کے قرباندار ہو اور ان کی شفاعت میں ہوتو یہ شخص آپ کو اگر چہ امن کی نوید دیتا ہے، لیکن حقیقت میں خوف کے مقام کی طرف دھکیل رہا ہے۔ قیامت کے دن جب حساب ہوگا تو بے عملی کی وجہ سے آپ گھاٹے میں رہیں گے:

یہ سن کر ہارون الرشید رونے لگا یہاں تک کہ موجود ساتھیوں کو اس پر ترس آتے لگا۔ پھر کہا: کچھ اور نصیحت کرو۔

کہا: بس اتنی ہی کافی ہے۔

عقلمند بن ابی مرثد کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالمطلب نے عراق میں آیا تو حسن اور شعیب کی طرف آدمی بھیجا۔ ان کو ایک مکان میں ٹھہرایا وہاں میں بیٹھنے کے قریب رہے۔ پھر وہ ان کے پاس آیا اور ان کی تعظیم کرتے ہوئے بیٹھا پھر کہا: امیر المؤمنین! یزید بن عبدالمطلب مجھے خطوط لکھتا رہتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے میں ہلاکت ہے۔ اگر میں اس کی اطاعت کروں، تو اللہ کی نافرمانی کروں گا اور اگر میں نافرمانی کروں تو اللہ کی اطاعت کروں گا، تو کیا اس کی پیروی میں آپ میرے لیے کوئی فرخندگی و کشادگی دیتے ہیں؟

حسن نے کہا: اے ابو عمر! آپ امیر کی بات کا جواب دیں۔

شعبی سے پوچھا تو انھوں نے معذرت قرار دے کر امیر کی اطاعت کا مشورہ دیا۔ عمر بن عبیدہ پھر حن کی طرف متوجہ ہوا اور سوال کیا۔ ابو سعید! اب آپ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: اے عمرو بن عبیدہ، قریب ہے کہ اللہ کے فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ تجھ پر نازل ہو جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ وہ تجھے محل کی فراخی سے نکال کر قبر کی تنگی میں لے جائے گا۔ اے عمر بن عبیدہ! اگر تو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تجھے زید بن عبد الملک سے بچائے گا، لیکن زید بن عبد الملک تجھے اللہ سے نہیں بچا سکے گا۔ اے عمر بن عبیدہ، اس طرف سے مطمئن نہ ہو کہ اللہ تجھے زید بن عبد الملک کی اطاعت میں کسی بُرے کام پر دیکھے اور تجھ پر اپنی بخشش کا دروازہ بند کر دے۔ اے عمر بن عبیدہ! میں نے اس اُمت کے پہلے لوگوں کو دیکھا ہے۔ دنیا ان کے پاس آرہی تھی اور وہ اس سے بہت زیادہ منہ موڑتے تھے جتنا کہ تو اُس کی طرف منہ کرتا ہے اور وہ تجھ سے منہ موڑتی ہے: اے عمر بن عبیدہ، میں تجھے اس مقام سے ڈراتا ہوں جس سے تجھے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے: **قَدْ لَبَسْنَا لَئِن خَافَ مَقَاجِحِي وَخَافَ دَعْوَيْدَ (یہ اس کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اور میرے عذاب کے وعدوں سے ڈرے) اے عمر بن عبیدہ! اگر تو اللہ کی اطاعت میں رہے گا تو اللہ تجھے زید بن عبد الملک سے بچائے گا اور اگر تو زید بن عبد الملک کے ساتھ ہو کر اللہ کی نافرمانی کرے گا تو اللہ تجھے اسی کے سپرد کر دے گا۔**

یہ سن کر عمر بن عبیدہ رونے لگا اور افسوس بہا تا ہوا چلا گیا۔ دوسرے دن ان دونوں کو واپس جانے کی اجازت بھی دے دی اور عطیات بھی بھیجے۔ حسن کو زیادہ بھیجا اور شعبی کا عطیہ کم تھا۔ شعبی مسجد کی طرف نکلے اور کہا: اے لوگو! جو آدمی مخلوق پر اللہ تعالیٰ کو ترجیح دے سکے تو ایسا ضرور کرے۔ خدا کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے حن کو کوئی ایسی بات معلوم نہیں تھی جو میں نہیں جانتا تھا لیکن میں نے ابن عبیدہ کو خوش کرنا چاہا تو اللہ نے مجھے اُس سے دُور کر دیا۔

محمد بن واسع رحمہ اللہ سخت گرجی کے دن بلال بن ابی بردہ کے پاس آئے۔ بلال اس وقت بہت آسروگی کی حالت میں بیٹھے تھے۔ ان کے پاس برف کی بسل پڑی تھی۔ انھوں نے واسع سے کہا: اے ابو عبیدہ اللہ! ہمارا یہ مکان کیسا ہے؟

لے سورۃ ابراہیم - آیت ۱۴

کہا: آپ کا مکان بہت اچھا ہے، لیکن جنت اس سے بھی زیادہ اچھی ہے۔  
 اُس نے کہا: تقدیر کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟  
 کہا: تیرے ہمسائے قبری والے ہیں ان کے تعلق تو کر کہ تقدیر کی بحث کو چھوڑ۔  
 کہا: میرے لیے اللہ سے دعا کرو۔

کہا: میری دعا کا کیا کرے گا، جبکہ تیسرے دروازے پر بے شمار آدمی ہیں جو تیرے ظلم کا شکوہ کرتے  
 ہیں۔ میری دعا سے پہلے ان کی دعائیں اللہ کے پاس پہنچیں گی۔ تو ظلم نہ کر اور میری دعا کا محتاج نہ ہو۔  
 یہ ان حضرات کی مختصر باتیں ہیں جنہوں نے اُمراء کو نصیحت کی۔ جو زیادہ دیکھنا چاہے وہ ”مصباح  
 المضحیٰ“ کا مطالعہ کرے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں علماء کی سیرت و عادت اس طرح کی تھی۔ وہ بادشاہوں کی سطوت  
 کی پروا نہیں کیا کرتے تھے۔ ان کے مقابلے میں اللہ کے حکم کی تعمیل کو پسند کیا کرتے تھے۔  
 ہاں یہ بات بھی ہے کہ دوسری طرف بادشاہ بھی علم اور اس کی فضیلت کو جانتے تھے اور ان لوگوں  
 کی نصیحت پر صبر کیا کرتے تھے، لیکن جو کچھ میں اب دیکھ رہا ہوں۔ بہتر نہیں ہے کہ بادشاہوں سے دور بھاگو  
 اور اگر اتفاقاً بلاقات ہو جائے تو نرمی کے ساتھ نصیحت کرنے پر اکتفا کرو اور اس کے دو سبب ہیں:  
 ایک تو واعظ کے متعلق ہے۔ اور وہ ہے اس کا بڑا ارادہ۔ دنیا کی طرف میلان اور ریاکاری۔  
 ہاں براٹیوں کے ہوتے ہوئے اس کا وعظ خالص نہیں ہوگا۔

اور دوسرا اس کی ذات جسے وعظ کیا جاتا ہے۔ دنیا کی محبت نے اکثر لوگوں کو آخرت کی یاد سے  
 غافل کر دیا ہے اور دنیا کی تعظیم نے ان سے علماء کی تعظیم بھلا دی ہے۔ پس مومن کو چاہیے اپنے نفس کو  
 ذلیل نہ کرے۔

کتاب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ اختتام ہے۔

## فصل ششم

### سماع کے احکام

معلوم ہونا چاہیے کہ وہ سماع جسے ہم راگ رنگ سے تعبیر کرتے ہیں ان تمام ذرائع سے بڑا ذریعہ ہے براٹی کے فروغ کا جس کے واسطے سے ابلیس نے دلوں میں بگاڑ پیدا کیا۔ وہ اس کے ذریعے بے شمار عاملوں اور زاہدوں کو دھوکہ دیتا ہے، پھر عوام کا کیا حال ہوگا!

یہ لوگ جب راگ باجے وغیرہ کے ساتھ سنتے ہیں، تو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے دل اللہ کے حضور میں پہنچ جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں سماع سے جو دلوں میں خوشی اور تحریک پیدا ہوتی ہے یہ وجد ہے جس کا آخرت سے تعلق ہے۔

تم حق معلوم کرنا چاہو تو قرن اول کو دیکھو کہ کیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ نے ان میں سے کسی کام کو کیا ہے۔ پھر تابعین اور تبع تابعین اور فقہائے امت، مثلاً امام مالکؒ، ابو حنیفہ شافعی اور احمد رحمہم اللہ اجمعین کے اقوال کو دیکھو ان سب ہی نے راگ کی مذمت کی ہے یہاں تک کہ امام مالکؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر نوڈی خریدے، پھر معلوم ہو کہ وہ گانے والی ہے تو اس عیب کی نیا پراسے واپس کر سکتا ہے۔ آپ سے گانے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: "یہ ناست لوگوں کا کام ہے۔"

حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی مر گیا اُس نے اپنے پیچھے ایک بیٹا اور ایک گانے والی نوڈی چھوڑی۔ اب بیٹا نوڈی کو بیچنا چاہتا ہے اور اگر وہ اسے منغیہ کی حیثیت سے بیچے تو وہ تیس ہزار کی ہے اور اس حیثیت سے نہ بیچ جائے تو اس کی قیمت شاید بیس دینار ہو۔ فرمایا ہے: "اسے کس حیثیت سے فروخت کیا جائے؟"

فرمایا: "وہ منغیہ کی حیثیت سے نہیں بیچی جائے گی۔" اسی طرح تمام فقہا گانے سنانے سے ڈانٹنے اور منع کرنے پر متفق ہیں۔

تساخیر میں سے ابو الطیبؒ لبری جو امام شافعی کے بڑے ساتھیوں میں سے ہیں۔ انھوں نے اس موضوع پر

ایک کتاب تصنیف کی ہے اور مبالغے کی حد تک اس سے منہ کیا ہے۔ البتہ کچھ دیوانے لوگ اس کی اباحت کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سلف کے کچھ لوگوں نے اس کی اجازت دی ہے۔

امام احمد بن حنبل نے ایک قوال کا قول سنا تو کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو چاہیے کہ جس کے جو ان کا آپ نے فتویٰ دیا ہے اس پر بخور کیا جائے کہ وہ کیا تھا۔ وہ صرف زاہدانہ اشعار تھے۔ نہ ان کے ساتھ کلمہ بختی تھی نہ مزامیر وغیرہ تھے اور نہ ان کے ساتھ تالیماں تھیں اور نہ رقص وغیرہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا جو دو گلانے والی اڑکیوں کے متعلق ہے کہ انہوں نے وہ اشعار گائے جو بجات کی جنگ میں انصار نے کہے تھے اور اس سے کوئی سرور پیدا نہیں ہوتا تھا۔

یہ بات تو معلوم ہے کہ پہلے لوگوں کے پاس وہ آلاتِ حرب نہیں تھے جو پھلوں نے ایجاد کر لیے مثلاً دُف۔ پھینے بجرہ وغیرہ۔

سیحان انگیز اشعار ان مدون خواہشات کو اُبھارتے ہیں جو نفس میں پھپی ہوتی ہیں اور تحریک کرتی ہیں۔ جاہل آدمی اس تحریک کو آخرت سے متعلق سمجھتا ہے حالانکہ ان میں بہت دُور کا فاصلہ ہے۔ کاش وہ کہتے کہ یہ کیسی تماشوں میں سے مباح چیز ہے۔ ہم اس سے دلی آرام پاتے ہیں، لیکن وہ تو اسے خدا کا قرب سمجھتے ہیں اور اس خوشی کو جو عقل کی تمام حدیں بچا نہ جائے دُور کہتے ہیں۔

بسا اوقات یہ خوشی وہ چیزیں پیدا کرتی ہے جو حلال نہیں ہیں۔ مثلاً کپڑوں کا بھارتنا اور دیوانوں کی طرح جھوننا۔ یہ سب چیزیں سلف کے طریق کے خلاف ہیں۔ یکھلی مگر اہی ہے۔ انسان کہتا ہے کہ اپنے نفس کو دھوکہ نہ دے۔

صحیح و جود ہے جو قرآن اور وعظ سننے سے دل میں پیدا ہو۔ اس وقت وعید سننے سے باطن میں خوف پھیل جاتا ہے اور عداوت سے شوق اُبھرتا ہے۔ تعقیبات پر زدامت ہوتی ہے۔ یہ سب باطن کی حرکات ہیں۔ ظاہر میں سکون قائم رہتا ہے۔ نہ اُٹھیل گود ہوتی ہے نہ تالیماں بختی ہیں۔

قرآن اور وعظ اور پرہیزگاری کے اشعار نے کوئی کمی نہیں چھوڑی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دروازے کی طرف دلوں کو متوجہ کرنے کے لیے سلمیٰ اور سحلیٰ کو یاد کریں اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ ان اشعار میں سے بعض میں ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی اشارہ پایا جاتا ہے مگر اکثر طور پر دل دنیا کے عشق کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

اُس آدمی ک شال جوان سے آخرت حاصل کرنا چاہا ہے اس شخص کی سی ہے جو کہے کہ میں بے ریش تو بصورت  
 لڑکوں کو اس لیے دیکھتا ہوں کہ ان میں قادر مطلق کی صنعت نظر آتی ہے۔ یہ شخص یقیناً راستہ بھول گیا  
 کیونکہ شہرت کو ابھارنے والی چیزیں دیکھتے وقت طبیعت جو چیز حاصل کرتی ہے وہ فکر کی راہ کو ملتا کر دیتی ہے  
 اور بھلائی کے کام کرنے سے روک دیتی ہے۔ اسی لیے ہم اس سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ چیزیں دیکھو  
 جو دل کو ملتا کرنے والی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أَوَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا لِمَا رَكِبُوا فِيهَا**  
 نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کیسے بنایا اور کیسے زینت بخشی (جو آدمی یہ کہے کہ وہ  
 چیز عجیب پر اثر نہیں کرتی جو دوسروں پر اثر کرتی ہے، تو وہ ایسا دعویٰ کرتا ہے جو فطرت کے خلاف ہے۔  
 اس کی بات پر توجہ نہیں کی جائے گی۔

میں نے ان مام باتوں کی پوری طرح تحقیقت اپنی کتاب ”بلبیس بلبیس“ میں کھولی ہے۔ یہاں اس ذکر  
 کو لبا کرنا مناسب نہیں۔ واللہ اعلم۔



## فصل ہفتم

### آدابِ معیشت و اخلاقِ نبوت

معلوم ہونا چاہیے کہ ظاہر کے آدابِ باطن کے آداب کا عنوان ہے اور اعضاء کی حرکات، خیالات کا پھول ہے۔ اسی طرح اعمالِ اخلاق کے نتائج ہیں اور آدابِ معارف کا ثمرہ۔ دل کے خیالات ہی سے فعال پیدا ہوتے ہیں اور اندک کے آثار ہی ظاہر پہنچتے اور اسے خوبصورت اور مزین بنا دیتے ہیں۔

جس آدمی کا دل نہیں ڈرتا اس کے اعضاء بھی نہیں ڈرتے اور جس کا سینہ انوارِ الہیہ کا طاقچہ نہ ہو اس کے ظاہر پر آدابِ نبوت کا فیضان نہیں ہوتا۔

ہم پہلے کچھ آداب کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ اس جگہ ان کے عائدہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس باب میں ہم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ آداب و اخلاق بیان کریں گے کہ آداب کے ساتھ ایمان کی ناکندہ بھی آپ کے اخلاقِ کریمہ کو دیکھ کر اپنے غلوب میں جمع کر لیں۔ جن میں سے ایک ایک علقِ شہادت دینا ہے کہ آپ تمام مخلوق سے زیادہ مکرم، زیادہ بلند مرتبہ اور سب سے بڑی قدر و منزلت والے تھے۔ پھر اگر یہ سب اکٹھے ہو جائیں تو قدرت کے اس شاہکار کا کیا کہنا!!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے کہا: "آپ کے اخلاقِ فرآن ہیں۔ جس پر قرآن نازل ہوا تھا اس پر آپ نازل ہوتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کو مکمل کر دیا تو آپ کی تعریف کی: **وَإِنَّكَ لَكَلِمٌ خَلِيقٌ عَظِيمٌ** (اور آپ کے اخلاق بڑے عظیم ہیں) پاک ہے وہ جس نے ایسے اخلاق دیے پھر ان کی تعریف کی۔ اور یہ آپ کے اخلاقِ حسنہ اور صفاتِ عالیہ میں سے کچھ کا تذکرہ ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حوصلہ والے، سب سے زیادہ سخی اور سب

لہ سورۃ ظم - آیت: ۵

سے زیادہ ہر باہن تھے۔

آپ اپنا جو تاملت کر لیتے۔ کپڑے کو پسوند لگا لیتے اور گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔

آپ پر دفنشین کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرم دھیادالے تھے۔

آپ غلاموں کے بلانے پر چلے جاتے۔ بیماروں کا حال پوچھنے، کسی کو اکیلے چلتے دیکھتے تو سواری پر اپنے

پیچھے بٹھا لیتے۔ ہر قبیلوں کرتے اور اُسے کھاتے اور اُس کا بدلہ بھی دیتے لیکن صدقہ نہ کھاتے۔

کبھی کبھی آپ کے پاس رومی کھجوریں بھی بیٹ بھرنے کے لیے نہ ہوتیں۔ آپ نے متواتر تین روز تک میسر ہو کر گندم کی روٹی نہ کھائی۔ بھوک کی شدت میں اپنے پیٹ پر پیچہ باندھ لیا کرتے تھے۔

جو مل جاتا کھا لیتے اور کھانے میں عیب کبھی نہ نکالتے۔

آپ نکیہ لگا کر نہ کھاتے اور اپنے آگے سے کھاتے۔

تمام کھاؤں میں آپ کو گوشت زیادہ پسند تھا اور بکری کا شانہ زیادہ پسند کرتے تھے۔ سبز یوں میں سے

کدو۔ سالنوں میں سے مرکہ اور کھجوروں میں سے عوجہ پسند کرتے تھے۔

جو ملتا پہن لیتے تھے کبھی بری چادر کبھی ادنیٰ جُبتہ۔

کبھی اڈٹ پر سواہرتے، کبھی خچر پر اور کبھی گدھے پر اور کبھی سیدل، ننگے پاؤں بھی چلتے۔

آپ خوشبو کو پسند کرتے اور بدبو سے نفرت کرتے تھے۔

اہل علم و فضل کی عزت اور شریف لوگوں سے پیار کرتے۔ کسی پر سختی نہ کرتے۔ اگر کوئی مندرت کرنا تو قبول کرتے۔

آپ خوش طبعی بھی کرتے، لیکن حق بات کہتے، ہنستے، لیکن قہقہہ نہ لگاتے۔ آپ کا وقت ہمیشہ

اللہ کے کاموں میں صرف ہوتا یا اپنی ذات کے ضروری کاموں میں۔

آپ نے کبھی کسی عورت یا خادم پر لعنت نہ کی اور جہاد فی سبیل اللہ کے سوا اپنے ہاتھ سے کسی کو کبھی

نہ مارا، جب تک اللہ کی حدود کو پامال نہ کیا جاتا آپ اپنی ذات کے لیے انتقام نہ لیتے۔ اگر دو چیزوں

میں آپ کو اختیار دیا جاتا تو آسان چیز کو پسند کرتے، لایہ کہ آسان چیز گناہ یا قطع رحمی کی ہوتی۔ ایسی صورت میں اُسے ترک دیتے۔

انٹن نے کہا: میں نے آپ کی دس سال خدمت کی۔ آپ نے مجھے کبھی آف تک نہ کہا۔ اگر میں نے کوئی کام کیا تو آپ

نے کبھی نہ کہا کہ کیوں کیا اور اگر میں نے کوئی کام نہیں کیا تو آپ نے کبھی نہ کہا کہ کیوں نہیں کیا،

تو ریت میں آپ کی منفعت اس طرح ہے: محمد اللہ کا رسول، میرا پسندیدہ بندہ، نہ سخت دل نہ سخت گیر۔

نہ بانڈازوں میں بلند آواز سے بولنے والا اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والا، معاف کرنا اور درگزر کرتا ہے۔“  
 آپ کے اخلاق میں سے تھا کہ پہلے خود سلام کہتے اور اگر کوئی آدمی آپ کو کسی ضرورت کے لیے علیحدہ  
 لے جا کر بات کرتا تو جب تک وہ خود نہ چلا جاتا آپ اُس سے علیحدہ نہ ہوتے۔ اگر کسی سے مصافحہ کرتے تو  
 دوسرا آدمی ہی آپ کے ہاتھ کو چھوڑتا۔

مجلس کے آخر میں ہی اپنے صحابہ میں شامل ہو کر بیٹھ جاتے۔ گویا کہ آپ بھی انہی میں سے ہیں۔ کوئی پڑھی  
 آتا تو اسے معلوم نہ ہوتا کہ رسول اللہ کون سے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ آپ کے متعلق سوال کرتا۔  
 آپ پڑھی دینے تک خاموش رہتے۔ بولتے تو مسلسل نہ بولے جاتے، بلکہ ٹول کر بولتے اور دکر رکھ کر ذہن نشین  
 کرتے۔

طاقت بہتے ہوئے معاف کر دیتے اور کسی سے ایسا سلوک نہ کرنے کے سوا برا محسوس ہو۔  
 بات کے سب سے زیادہ سچا اور عہد کو سب سے زیادہ پورا کرنے والے تھے طبیعت کے بہت نرم و ہماٹھ  
 میں سب سے عزیز۔ جو آپ کو پہلی بار دیکھتا ہمدیت زدہ ہو جاتا، لیکن جو آپ کے پاس رہتا وہ آپ سے محبت کرتا۔  
 صحابہ آپ سے دنیا کی کوئی بات کرتے، تو آپ بھی ان سے باتیں کرتے اور وہ جاہلیت کے زمانے کی  
 باتیں کر کے ہنستے، تو آپ بھی ہنسنے فرماتے۔

آپ سب سے زیادہ دلیر تھے۔ بعض صحابہ نے کہا جب نیند سُرخ ہونے لگتے اور لڑائی کا میدان گرم ہو  
 جاتا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ میں ہو کر اپنا بچاؤ کرتے۔

آپ کا قدرہ زیادہ لمبا تھا نہ بہت چھوٹا۔ آپ درمیانہ قد کے تھے۔ آپ کا رنگ سفید تھا گندمی نہ تھا۔  
 آپ کے بال کچھ کچھ گھنگھریالے تھے، نہ بالکل سیدھے نہ پورے گھنگھریالے۔ پٹے کانوں کی ٹوٹوں تک ہوتے۔  
 آپ کی پیشانی فراخ، بھجوں باریک۔ آنکھیں بڑی اور سیاہ اور پلکیں لمبی تھیں۔ ناک اونچی۔ نرم رخسار  
 اور گھنی ڈاڑھی والے تھے۔

آپ کی گردن ایسی تھی جیسے خوبصورت تصویر کی ہو۔ آپ کا سینہ چوڑا تھا۔ پیٹ اور سینہ برابر تھا۔  
 ہتھیلی فراخ تھی۔ بازو دبے تھے اور آپ کا ہاتھ ریشم سے ہی زیادہ نرم تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

جس آدمی نے آپ کے حالات کا مشاہدہ کیا اور وہ احادیث سنیں جو آپ کے اخلاق، افعال، آداب اور مخلوق کی مصلحت کے سلسلے میں بے مثال تدابیر اور نظائر شریعت کی تفصیلات کے اشارات پر مشتمل ہیں اور جن کی ابتدائی باریکیوں کے ادراک سے بھی عقلاء اور فصحاء ساری زندگی محنت کرنے کے بعد بھی عاجز نظر آتے ہیں، اس کے دل میں کوئی شک نہیں رہتا کہ یہ کمالات کسی نہیں۔ توفیق الہی اور تائیدِ سماوی کے بغیر ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور یہ کہ ایسے کمالات کسی فریبی یا جھوٹے آدمی میں نہیں ہو سکتے۔ آپ کے خصائص حالات اور اوصاف آپ کی صداقت کے قطعی شاہد ہیں۔

آپ کا سب سے بڑا معجزہ اور واضح ترین دلیل قرآن کریم ہے جسکی شکل اور نظیر لانے سے ساری مخلوق در ماندہ و عاجز ہے۔ ہنری کا معجزہ اس کے دنیا سے چلے جانے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا، لیکن معجزہ ہمیشہ باقی رہے گا۔

آپ کے دیگر معجزات میں سے چاند کا پھٹ جانا، آپ کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا، تھوڑے سے کھانے سے زیادہ لوگوں کا سیر ہو جانا، دست مبارک سے تھوڑی سی کنکریاں پھینکنا اور ان کا لوگوں کی آنکھوں میں جا کر گناہ ستون کا اس طرح بلبلانا جیسے گابھن اور ٹپنی بلبلاتی ہے۔ آپ کا غیبی خبریں دینا اور پھر ان کے مطابق ہی وقوع میں آنا۔ قنادہ کی آنکھ کو اپنے ہاتھ سے پیچولہ چشم میں بٹھانا اور اس آنکھ کا دوسری آنکھ کی نسبت زیادہ خوبصورت اور روشن ہو جانا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں اپنا لعاب دینا۔ لگانا اور ان کا فی الفور ندرت ہو جانا۔ بیشمار معجزے ہیں جو دنیا میں مشہور ہیں جن کا انکا نہیں کیا جاسکتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اوصاف کی پوری کی توفیق عطا فرمائے۔ یقیناً وہ دعاؤں کا قبول کرنے والا اور سخی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

## کتاب، واردات قلب

- واردات قلب کی تشریح
- دل کی کیفیات



## فصل اول

## واردات قلب کی تشریح

معلوم ہونا چاہیے کہ انسانی جسم میں سب سے زیادہ اعلیٰ و افضل عضو دل ہے۔ یہی اللہ کو جانتا اس کے لیے عمل کرتا اور اس کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اللہ کے قریب کرنے والا اور صاحبِ مکاشفہ بھی یہی ہے اور اعضاء اس کے تابع اور مراضم ہیں۔ وہ ان سے اس طرح کام لیتا ہے جیسے بادشاہ غلاموں سے۔ یہ سچ ہے کہ جس نے اپنے دل کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

اکثر لوگ اپنے دل اور اپنے نفس سے بے خبر ہیں؛ چنانچہ اسی لیے اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل نہو جاتا ہے اور اس کا حائل ہونا یہ ہے کہ اس کو اپنی معرفت اور اپنے مراتب سے روک دے، پس دل اور اس کی صفات کی پہچان دین کی جڑ اور سالکین کے طریقے کی بنیاد ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دل اپنی اصل فطرت کے لحاظ سے ہدایت کو قبول کرتا ہے اور اپنی طبعی خواہشات اور شہوت کی بنا پر اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ اس کے اندر شیطان اور فرشتوں کے لشکروں کی ہمیشہ جنگ جاری رہتی ہے تا وقتیکہ دل ایک کے لیے فتح نہ ہو جائے۔ پھر وہ اس میں ڈیرہ لگاتا ہے اُسے اپنا وطن بناتا ہے اور دوسرے کا گھر اس میں صرف احتملاس (مجھپٹ) کی صورت میں رہ جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: من شاولوسواس الختلاس (دوسروں کو ال کر پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے) اور یہ شیطان (وہ ہے جو اللہ کے ذکر کے وقت پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب غفلت واقع ہوتی ہے تو اس پر چھا جاتا ہے اور دل سے شیطانی لشکر دل کو صرف اللہ کا ذکر ہی ہانک سکتا ہے؛ کیونکہ وہ ذکر کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دل کی مثال قلعے کی سی ہے اور دشمن (شیطان) قلعے میں داخل ہونا۔ اُس پر

حکومت کرنا اور غالب آنا چاہتا ہے۔ قلعے کی حفاظت اس کے دروازوں کی نگرانی سے ہی ہو سکتی ہے۔ اور جب تک دروازوں کی پہچان نہ ہو ان کی نگرانی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جب تک شیطان کے اندر داخل ہونے کے راستے معلوم نہ ہوں اس وقت تک اس کی مدافعت نہیں ہو سکتی۔

شیطان کے اندر آنے کی راہیں اور دروازے بندے کی صفات ہیں۔ اور وہ بہت سی ہیں، ہم ان میں سے بڑے بڑے دروازوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ایسی سڑکوں کی طرح فراخ ہیں جو شیطان کے لشکر کی کثرت سے بھی تنگ محسوس نہیں ہوتیں۔

ان بڑے دروازوں میں سے حسد اور حرص ہیں۔ جب بندہ کسی چیز کی حرص کرتا ہے تو وہ اُسے اندھا بہرہ کر دیتی ہے اور اس کی بعیدیت کے نور کو ڈھانپ لیتی ہے جس سے وہ شیطان کی راستوں کو پہچانتا تھا۔ اسی طرح جب انسان ماسد ہوگا، تو اُس وقت شیطان کو مدافعت کا موقع ملے گا۔ حرص کی نگاہ میں ہر وہ چیز اچھی ہوگی جو اس کی خواہش تک اس کو پہنچائے اگرچہ وہ خواہش بری اور فحش ہی کیوں نہ ہو۔

ان بڑے دروازوں میں سے غضب، شہرت اور تندی و تیزی بھی ہے۔ غضب عقل کی تباہی ہے اور جب عقل کا لشکر کمزور ہو جاتا ہے تو شیطان اس پر حملہ کر دیتا ہے اور پھر وہ انسان کے ساتھ کھینتا رہتا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ ابلیس کہتا ہے جب کسی بندے میں سختی ہو تو وہ اس کو اس طرح لڑھکاتے ہیں جیسے بچہ گیند کو۔

ان دروازوں میں سے مکان، کپڑوں اور سامان کی خوبصورتی کی محبت بھی ہے۔ شیطان ہمیشہ انسان کو مکان کی تعمیر اور اس کی چھتوں اور دیواروں کی زینت اور کپڑوں اور سامان کی خوبصورتی کی دعوت دیتا رہتا ہے اور کم عقل انسان ساری زندگی اہمی چیزوں میں برباد کر دیتا ہے۔

ان دروازوں میں سے سیر ہو کر کھانا بھی ہے کہ اس سے شہوت طاقت پکڑتی ہے اور وہ طاقت سے رُک جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان میں سے لوگوں کی چیزوں کی طمع بھی ہے جو آدمی کسی چیز کی طمع رکھے گا وہ اس کی ایسی تعریف کرے گا جو اس میں نہیں ہوگی اور اس سے مدافعت کرے گا اور اسے بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے روک نہیں سکے گا۔

ان دروازوں میں سے جلد بازی اور تحقیق نہ کرنا بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جلد بازی



شیطان سے ہے اور غرور و تکبر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

ان دروازوں میں سے مال کی محبت بھی ہے۔ جب یہ دل میں راسخ ہو جاتی ہے تو دل کو لگا کر دیتی ہے، اسے ہر طرح سے مال جمع کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اسے نیل بنا دیتی اور نگہ مستی سے ڈراتی ہے یہاں تک کہ انسان کو لازمی حقوق سے بھی روک دیتی ہے۔

ان دروازوں میں سے عوام کو مذہبی تعصب پر اُبھارنا اور دین کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ کرنا بھی ہے۔

ان دروازوں میں سے عوام کو اللہ تعالیٰ کے اور اس کی صفات کے متعلق سوچنے اور ایسے امور پر غور کرنے پر آمادہ کرنا بھی ہے جہاں تک ان کی عقلیں نہ پہنچ سکیں۔ یہاں تک کہ ان کو اصل دین کے متعلق شک میں ڈال دیا جائے۔

ان دروازوں میں سے مسلمانوں پر بدگمانی بھی ہے، جو مسلمان سے بدگمان ہو گا وہ اس کو حقیر سمجھے گا۔ اُس کے متعلق زبانِ طعن دروازے کا اور اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھے گا۔ بدگمانی لگانا کرنے والے کی خبیثت سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ مومن، مومن کا غدر قبول کرتا ہے اور منافق اس کے عیبوں کو کریتنا ہے۔ انسان کو تمہت گننے کے مقامات سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ اس کے متعلق بُرا گمان نہ ہو۔

یہ کچھ حصہ تھا شیطانی راستوں کے تذکرے کا۔ اور ان آفات کا علاج یہ ہے کہ بری صفات سے دل کو پاک کر کے ان راستوں کو بند کیا جائے۔ اور ان شاء اللہ ان صفات پر اُتار دینا تفصیلی گفتگو ہوگی۔

جب دل سے بری صفات کی جڑیں اکھیڑ دی جائیں گی تو بھی دل میں شیطانی خیالات کا گزرتا تو ہو گا لیکن وہ پائیدار نہیں رہے گا۔ ان خیالات کو اللہ کا ذکر روک سکتا ہے اور دل کی آبادی تقویٰ سے ہے۔

شیطان کی مثال اس بھوکے گتے کی سی ہے جو تمھارے پاس آیا پھر اگر تمھارے سامنے گوشت اور روٹی نہیں ہوگی تو وہ تمھارے دروازے سے چلا جائے گا اور اگر تمھارے سامنے یہ چیزیں ہوں اور گناہوں کا ہوتو وہ صرف ڈانٹنے سے نہیں جائے گا۔ بس اسی طرح وہ دل سے جو شیطان کی خوراک سے خالی ہوتو صرف ذکر سے شیطان وہاں سے چلا جائے گا، لیکن جس دل پر خواہشات غالب آچکی ہوں وہ ذکر کو اپنے کناروں پر روک دیتا ہے۔ ذکر اس کے مرکز میں راسخ نہیں ہوتا، کیونکہ مرکز میں تو شیطان ڈیرہ لگا لیتا ہے۔ اگر تم اس کی صداقت معلوم کرنا چاہو تو اپنی غمان پر غور کرو اور دیکھو شیطان کس طرح

اس وقت دل میں خیالات ڈالتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دل کے خیالات معاف کر دیے گئے ہیں اور ارادہ بھی خیالات میں شامل ہے۔ جس نے اللہ سے ڈر کر گناہ کا ارادہ چھوڑ دیا اس کے لیے نیکی لکھی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی کا دل کی دہرے سے نہ چھوڑے تو بھی اس میں ترحم کی توقع ہے۔ ہاں اگر نچستہ ارادہ ہو تو پھر نہیں کیونکہ گناہ پر نچستہ ارادہ کرتا بھی گناہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب دو مسلمان تلوار اٹھا کر آمنے سامنے آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔" پوچھا گیا: "مقتول کیوں دوزخی ہے؟" تو فرمایا: "کیونکہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔"

اور ارادے پر مواخذہ کیوں نہ ہو، جبکہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ کیزریا اور عجب وغیرہ یہ سب باطنی امور ہی تو ہیں۔ اگر کوئی آدمی اپنے بستر پر کسی اجنبی عورت کو پائے اور اسے اپنی بیوی سمجھ کر اس سے صحبت کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اگر اپنی بیوی کو اجنبی سمجھ کر اس سے مجامعت کرے تو وہ گنہگار ہوگا اور یہ سب کچھ دل کے ارادے ہی سے تو ہے!

## فصل دوم

## دل کی کیفیات

حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ اور اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت پر لگا دے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: دل کی مثال پرندے کے پر کی سی ہے جسے ہوا میں جھلک میں اٹھ پلٹ کرتی رہتی ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بھلائی یا برائی پر ثابت رہتے یا ان میں متردد ہونے میں دل تین طرح کے ہیں: پہلا۔ وہ جو تقویٰ سے آباد ہے۔ ریاضت سے پاک ہو چکا ہے اور بُرے اخلاق سے صاف ہے۔ اس دل میں غیب کے خزانوں سے بھلائی کے خیالات آتے رہتے ہیں اور فرشتہ رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ دوسرا۔ وہ جو ذلیل ہے۔ اس میں خواہشات بھری ہیں یا اس میں گندگیاں ٹھونس گئی ہیں اور بُرے اخلاق سے آلودہ ہے۔ اس پر شیطان کا غلبہ رہتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے جگہ بڑی فراخ ہے اور ایمان کا ڈھب کمزور ہو جاتا ہے۔ دل خواہشات کے دھڑوں سے بھر جاتا ہے اور روشنی ختم ہو جاتی ہے، گویا ایسے ہو جاتا ہے جیسے آنکھ دھڑوں سے بھری ہو۔ اس حالت میں وہ دیکھ نہیں سکتی۔ ایسے دل پر غلط نصیحت کچھ بھی اثر نہیں کرتا۔

تیسرا۔ وہ ہے جس میں مختلف خیالات آتے ہیں۔ بُرے خیالات آتے ہیں تو وہ اسے برائی کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر ایمان کے خیالات آتے ہیں تو وہ اسے نیکی کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شیطان عقل پر حملہ کرتا ہے اور بُری خواہش کے جذبے کو طاقت دیتا ہے۔ کہتا ہے کیا تو نفلان فلاں کو نہیں دیکھتا کہ وہ اپنی خواہشات میں کیسے آزاد ہیں۔ یہاں تک کہ علماء کی ایک جماعت کو بھی گتہ ہے؛ چنانچہ نفس شیطان کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ پھر فرشتہ شیطان پر حملہ کرتا ہے اور انسان سے کہتا ہے۔ دنیا میں صرف وہی ہلاک ہوئے ہیں جو عاقبت کو بھول گئے۔ تم لوگوں کی غفلت سے وہو کہ نہ کھاؤ۔ اگر گرمی

کے موسم میں لوگ دھوپ میں کھڑے ہوں اور تمھارے پاس ٹھنڈا مکان ہو، تو کیا تم لوگوں کی موافقت کرو گے۔  
یا اپنی مصلحت دیکھو گے؟ اور جب تم سورج کی گرمی میں اُن کی مخالفت کرو گے تو ان کاموں میں کیوں  
مخالفت نہیں کرو گے جن کا انجام دوزخ ہے؛ اب نفس فرشتے کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور دوزخ  
لشکروں میں کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ دل پر وہ غالب آجاتا ہے جو اس کا زیادہ تعداد  
ہے، جو بھلائی کے لیے پیدا ہوا اس کے لیے بھلائی آسان ہو جاتی ہے اور جو برائی کے لیے پیدا  
ہوا اس کے لیے برائی۔ **فَمَنْ يُبِدِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ لَشَرِّ حَيْدَرَةٍ إِنَّ اللَّهَ وَصَنُوعٌ  
أَنْ يُضِلَّهُ يُجِبِلْ صَدْرَهُ ضَيْقًا حَرَجًا كَمَا يُضَعِّدُ فِي السَّمَاوَاتِ حَيْدَرَةً** اللہ ہدایت دینے  
کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں رکھنا چاہتا ہے اُس کا  
سینہ نہایت ہی تنگ کر دیتا ہے جیسا کہ وہ آسمان میں پڑھتا ہے) اے اللہ ہمیں اپنے پسندیدہ کاموں  
کی توفیق عطا فرما۔

# کتابُ الْأَخْلَاقِ

- ریاضتِ نفس اور تہذیبِ اخلاق
- تہذیبِ اخلاق
- امراضِ دل کی علامات اور اپنے نفس کے عیب معلوم کرنے کا طریقہ
- اچھی بُری خواہشات
- اچھے اخلاق کی علامات
- ابتدائی عمر میں سچوں کی ریاضت
- آخرت کا خوف



## فصل اول

## ریاضتِ نفس اور تہذیبِ اخلاق

معلوم ہونا چاہیے کہ حُسنِ خلقِ انبیاء اور صدیقین کی صفت ہے اور بُرے اخلاق مہلک ذمہ ہیں جو انسان کو شیطان کی لڑی میں پرو دیتے ہیں اور ایسی روحانی بیماریوں میں مبتلا کرتے ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے عزت برباد ہو جائے، تو چاہیے کہ تم پہلے بیماریوں کو پہچان لو اور پھر ان کے علاج میں کمر تہمت باندھو۔ ہم مختصر طور پر روحانی امراض اور ان کے علاج کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آئندہ یہ بحث ان شاء اللہ تعالیٰ بڑی تفصیل سے آئے گی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ لوگوں نے حُسنِ خلق کے متعلق گفتگو کرنے ہوئے اس کی حقیقت کو بیان نہیں کیا بلکہ اس کے نتائج و فترات بیان کیے ہیں اور پھر فترات بھی سارے بیان نہیں کیے بلکہ جو کچھ کسی کے ذہن میں آیا لکھ دیا۔

اصل بات یہ ہے کہ اکثر حُسنِ خلق کو حُسنِ خلق کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے فُلان اچھے خلق اور حُسنِ خلق والا ہے، یعنی اس کا ظاہر اور باطن دونوں اچھے ہیں۔

خلق سے مراد ظاہر ہی صورت ہے اور خلق سے مراد باطنی صورت اور یہ اس لیے کہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔ جسم تو ظاہر ہی آنکھ سے نظر آتا ہے، لیکن روح بصیرت (دل کی آنکھ) سے معلوم ہوتی ہے۔ دونوں کی ایک شکل و صورت ہے۔ اچھی یا بُری۔ اور روح جسے بصیرت سے دیکھا جاتا ہے وہ اس جسم سے زیادہ قیمتی ہے جو آنکھ سے نظر آتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملے کو بلند فرمایا اور کہا: رَتِي خَاتِي بَشَرًا مِنْ طِينٍ قَادًا مَسْوِيَةً وَ نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوْحِي مِنْ (میں مٹی سے ایک آدمی پیدا کرنے والا ہوں جب میں اس کو برابر کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں)

یہاں بنایا یہ گیا کہ جسم تو مٹی کی طرف منسوب ہے لیکن روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، تو خلق نفس کی اس ہیئتِ راستی کا نام ہے جس سے افعال بغیر کسی فکر کے آسانی اور سہولت سے صادر ہوں۔ پھر اگر وہ افعال اچھے ہوں، تو اس کا نام اچھا خلق ہے اور اگر بُرے ہیں تو بُرا خلق۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اخلاق کے تبدیل ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، جیسے کہ ظاہری شکل کو تبدیل کرنا ناممکن ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اخلاق ناقابلِ تغیر ہوتے تو وعظ و نصیحت کا کوئی معنی ہی نہ ہوتا۔ تم اخلاق کی تبدیلی کا انکار کیسے کر سکتے ہو جو لامکہ دیکھتے ہو کہ وحشی جانور بھی مانوس ہو جاتے ہیں۔ گتے کو شکار نہ کھانا، سکھایا جاتا ہے اور گھوڑا اچھی چال اور بہترین فرمانبرداری سیکھ جاتا ہے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ بعض طبیعتیں اصلاح جلد قبول کر لیتی ہیں اور بعض مشکل سے۔

جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ جبلت تبدیل نہیں ہوتی اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ ان صفات کو پوری طرح ختم کرنا مقصود نہیں۔ ریاضت کا مقصد صرف یہ ہے کہ خواہش کو اعتدال پر رکھا جائے جو کما فراط و تفریط کے درمیان ہے۔ پوری طرح ختم کرنا کوئی اچھا مقصد بھی نہیں کیونکہ شہوت (خواہش) کو کبھی جبلت میں ضروری فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر کھانے کی خواہش ختم ہو جائے تو انسان ہلاک ہو جائے۔ یا جماع کی خواہش ختم ہو تو نسل منقطع ہو جائے۔ اسی طرح اگر غضب پوری طرح ختم ہو جائے تو انسان مہلک چیزوں سے اپنی ممانعت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أَشَدُّ أَعْلَى الْكُفْرَانِ كَافِرُونَ يَسْتَحْتُونَ الْغَيْبَ** اور سختی غضب ہی سے پیدا ہوتی ہے اور اگر غضب ختم ہو جائے تو کفار سے جہاں ناممکن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَأَنْتُمْ طَائِفَةٌ لِّلْغَيْبِ عَصَى كَافِرِينَ كَافِرُونَ كَافِرُونَ يَسْتَحْتُونَ الْغَيْبَ**۔

اسی طرح کھانے کی خواہش میں بھی اعتدال مطلوب ہے کہ نہ زیادہ کھاؤ اور نہ نہایت کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِخُوا (کھاؤ پیو اور زیادتی نہ کرو)**

شیخ ہریر میں غضب اور شہوت کی طرف میلان دیکھے تو بہتر ہے کہ مطلق طور پر ان کی ندرت میں مبالغہ کرے، تاکہ اسے درمیان میں لایا جاسکے اور ریاضت کا مقصد بھی اعتدال پر لانا ہوتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ



سخاوت البیان خلق ہے جو شرعاً مطلوب ہے اور وہ فضول خرچی اور تنگی کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف فرمائی ہے: **وَالَّذِينَ إِذَا أَفْقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا** (اور وہ یہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کے درمیان ان کی سبھی راہ ہے)

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اعتدال کبھی تو فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ کے طور پر حاصل ہوتا ہے۔ کتنے ہی بچے پیدا نشی طور پر سچے سچے اور حلیم ہوتے ہیں۔ اور کبھی اعتدال کسی ہوتا ہے، یعنی ریاضت سے حاصل ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ خلق مطلوب کو پیدا کرنے والے اعمال پر نفس کو آمادہ کیا جائے جو آجی سخاوت کا خلق حاصل کرنا چاہے وہ تکلف سے سنجیوں کی طرح خرچ کرے، تاکہ یہ اس کی طبیعت بن جائے۔ اسی طرح جو آدمی اپنے اندر تواضع کی صفت پیدا کرنا چاہتا ہو تو وہ تواضع والوں کے کام تکلف سے بھی کرے۔ اسی طرح باقی اخلاق حمیدہ بھی ہیں کہ عادت کی اس میں تاثیر ہوتی ہے۔ جیسے کوئی آدمی اگر کتاب بنانا چاہے تو وہ کتابت کے کام میں مشغول رہے گا یا نقیہ بنانا چاہے تو فقہاء کے فعل تکرار میں مشغول رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کے دل پر فقر کی صفت منتقل ہو جائے۔ یاں یہ ضرور ہے کہ اس کی تاثیر ایک دو دن میں پیدا ہونے کی توقع نہ رکھے ہمیشہ کرتا رہے گا تو اس کی تاثیر ہوگی جیسا کہ بچے کی نشوونما میں پورا تدوین دن میں نہیں ہو جاتا اور سہمیگی میں بڑی تاثیر ہے۔

اس نقطہ نظر سے تھوڑی سی عبادت کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیے بشرطیکہ اس پر مداومت کی جائے اسی طرح تھوڑے سے گناہ کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔

جیسے فضائل کی باتوں پر ہمیشہ عمل کرنا نفس میں تاثیر پیدا کرتا ہے اور طبیعت کو تبدیل کر دیتا ہے، اسی طرح کام نہ کرنے سے سستی کی عادت ہو جاتی ہے اور آدمی اس کے سبب سے ہرجھلائی سے محروم ہو جاتا ہے۔ کبھی نیک لوگوں کی صحبت سے اخلاقی خستہ کا اکتساب کیا جاتا ہے کیونکہ انسان کی طبیعت چور ہے۔ بھلائی برائی کو چراتی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہوتی ہے کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہے۔ ہر کسی کو دیکھنا چاہیے کہ کس سے دوستی رکھتا ہے۔“

## فصل دوم

### تہذیب اخلاق

یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا کہ اخلاق میں اعتدالِ نفس کی صحت اور اعتدال سے نکل جانا بیماری ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ روح کے علاج کی مثال بھی بدن کے علاج جیسی ہے۔ جیسے بدن کامل پیدا نہیں ہوتا، بلکہ خدا اُو تربیت سے مکمل ہوتا ہے۔ اسی طرح روح بتدریج درجہ کمال کو پہنچتی ہے۔ تزکیہ اور تہذیبِ اخلاق علمی غذا سے مکمل ہوتی ہے۔

طیب کا کام یہ ہے کہ صحت کی حفاظت کرے اور اگر کوئی شخص بیمار ہو تو اس کا کام صحت کو واپس لانا ہے۔ اسی طرح نفس ہے کہ جب وہ پاک و صاف اور اخلاقِ حسنہ سے مزین ہو تو اس کی صفا کرے اور اسے زیادہ طاقت و ربتائے اور اگر اس میں کمال نہ ہو تو اس میں کمال پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جیسے امراضِ بدنیہ کا علاج بالصد کیا جاتا ہے۔ اگر گرمی ہو تو سردی سے اور سردی ہو تو گرمی سے۔ یہی حال بُرے اخلاق کا ہے۔ برائیاں دل کی بیماریاں ہیں۔ ان کا علاج بھی بالصد ہے۔ یہاں تک بیماری کا علاج علم سے کیا جائے گا اور نیکل کا استخادت سے، اسی طرح تکبر کا تواضع سے اور حرص کا پسندیدہ چیز چھوڑ دینے سے۔

جیسے بیمار بدن کی صحت کے لیے بعض اوقات کڑوی دوا میں استعمال کرنی پڑتی ہیں اور مغرب چیزوں سے پرہیز کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح دل کی بیماریوں میں بھی مجاہدے کی کڑوا دوا سٹ اور علاج میں صبر کرنا پڑتا ہے، بلکہ اس میں تو بطریقِ اولیٰ کرنا چاہیے کہ بدنی امراض سے تو موت کی صورت میں نجات مل جاتی ہے، لیکن دل کی بیماری ایسا غدا ہے جو موت کے بعد بھی ہمیشہ رہے گا۔

مُرشد کو چاہیے کہ مریدوں کے روحانی امراض کا علاج ایک ہی خاص فن کی ریاضت سے نہ کرے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات بیماریوں کی پہچان ہے، کیونکہ ہر مریض کا علاج ایک جیسا نہیں ہوتا۔

جب وہ کسی کو امور شریعت سے جاہل دیکھے تو اسے علم سکھائے۔ کسی کو حکم پڑھنے سے لڑاؤ سے ایسے اعمال بتائے جن سے تو اذیت پیدا ہو اور اگر کوئی بڑا غصیل ہو تو اسے حلم اور برداشت کی تعلیم دے۔

اپنے نفس کا علاج کرنے والے کو سب سے زیادہ قوتِ عمر کی ضرورت ہے۔ اگر وہ متردد ہو گا تو اس کی کامیابی بہت مشکل ہے۔ جب وہ اپنے ارادے کی کمزوری معلوم کر لے تو اسے سختی سے روکے اور اگر اس کی عزیمت میں کمزوری دیکھے تو اسے سزا دے تاکہ دوبارہ ایسا نہ کرے۔ جیسا کہ ایک آدمی نے اپنے نفس سے کہا تو غیر ضروری باتیں کرتا ہے، میں تجھے ایک سال کے روزوں کی سزا دوں گا۔

## امراضِ دل کی علامات اور اپنے نفس کے عیب

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر عضو ایک خاص فعل کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی بیماری کی علامت یہ ہے کہ وہ اس کام کو سرانجام نہ دے سکے، یا وہ کام ٹوکرے، لیکن اس میں کچھ اضطراب ہو، یا ناکھ کی بیماری ہے پکڑ نہ سکتا، آنکھ کی بیماری ہے دیکھ نہ سکتا اور دل کی بیماری یہ ہے کہ وہ مفوض کام نہ کر سکے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ ہے علم اور حکمت اور معرفت اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی عبادت اور ان چیزوں کو ہر خواہش پر مقدم سمجھنا۔

اگر انسان ہر چیز کو جان لے اور اللہ تعالیٰ کو نہ جانے تو گویا اس نے کچھ بھی نہ جانتا۔ معرفت کی پہچان محبت ہے جو اللہ کو پہچانے گا وہ اس سے محبت رکھے گا اور محبت کی علامت یہ ہے کہ اپنی تمام محبوب چیزوں کو اس پر قربان کر دے۔ تو جو آدمی کسی محبوب چیز کو اللہ پر ترجیح دے اس کا دل بیمار ہے، جیسا کہ وہ ممدہ جو روٹی کھانے پر مٹی کھانے کو ترجیح دیتا ہے۔

اور دل کی بیماری اتنی مخفی ہوتی ہے کہ کبھی بیماری کو بھی اپنی بیماری کا پتہ نہیں چلتا۔ اسی لیے اس سے غافل رہتا ہے اور اگر جان بھی لے تو کڑوی دوا پر صبر کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی دوا خواہش کی مخالفت ہے اور اگر اس پر صبر کر بھی لے تو کوئی ایسا حادثہ طیب نہیں ملتا جو اس کا علاج کر سکے۔ طیب تو علماء میں۔ اور بیماری ان پر بھی غالب آچکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بیماری لاعلاج ہو چکی ہے۔ یہ علم ٹپکا ہے اور دلوں کی طب اور دل کی بیماریاں غیر معروف ہو چکی ہیں۔ لوگ ایسے اعمال میں مشغول ہیں جن کا ظاہر عبادت اور باطن عادت ہے اور یہی اصل مرض ہے۔

بیماری سے بچے رہنا اور علاج کے بعد صحت کی طرف لوٹنا اس طرح سے ہے کہ اپنی بیماری کو دیکھے۔ مثلاً اس کی بیماری اگر ٹپکل ہے تو اس کا علاج مال خرچ کرنا ہے، لیکن اسراف نہ کرے کہ مفوض خرچ کی حد

تک پہنچ جانے تو یہ ایک دوسری بیماری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی آدمی ٹھنڈک کا علاج اتنی غائب سہارا سے کرے کہ جسم میں حرارت غالب آجائے۔ یہ بھی ایک بیماری ہوگی۔ مطلوب اعتدال ہے۔

اعتدال معلوم کرنا چاہو تو اپنے نفس کو دیکھو۔ اگر مال کا روک رکھنا اور جمع کرنا تمہارے نزدیک زیادہ لذت بخش ہو متعنی پر خرچ کرنے کے مقابلے میں تو جان لینا چاہیے کہ کس کی صفت غالب ہے۔ اب مال خرچ کرنے سے اپنے نفس کا علاج کرو۔ اور اگر بے ضرورت خرچ کرنا تمہارے نزدیک زیادہ آسان ہو بہ نسبت روکنے کے، تو تم میں فضول خرچ کی صفت غالب ہے۔ اب ہاتھ روکنے کی طرف توجہ رکھو، پھر ہمیشہ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے رہو اور افعال کے مشکل یا آسان ہونے سے اپنے اخلاق معلوم کرتے ہو۔ یہاں تک کہ تمہارے دل کا مال سے تعلق ٹوٹ جائے۔ نہ اس کا میلان جمع کرنے کی طرف ہے نہ خرچ کرنے کی طرف بلکہ تمہارے نزدیک وہ پائی کی طرح ہو کہ نہ اس کو کسی محتاج کی حاجت سے روکو اور نہ کسی کی حاجت کے لیے اسے خرچ کرو۔ جو دل بھی اس طرح کا ہو جائے گا وہ اس مقام میں اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگا۔

نہایت ضروری ہے کہ دنیا کی کسی شے سے بھی اس کا تعلق باقی نہ رہ جائے اور جب دنیا سے کوچ کرے تو اس کے تمام اعلق منقطع ہوں۔ کسی طرف بھی اس کی توجہ نہ ہو، نہ اس کے اسباب سے مزین معلوم ہوں۔ اس صورت میں وہ اپنے رب کی طرف نفس مطمئنہ کی طرح رجوع کرے گا۔

دونوں اطراف کے درمیان اعتدالی تعینی نہایت ہی مخفی ہے، بلکہ وہ بال سے بھی زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ نینر ہے، تو ضروری ہے کہ جو آدمی دنیا میں اس سیدھے رستے پر قائم رہے وہ آخرت میں ایسے ہی رستے سے گزر سکے اور چونکہ اس پر استقامت بہت ہی مشکل ہے، لہذا بندے کو حکم ہے کہ وہ ہر روز کئی مرتبہ دعا کرے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (ہمیں سیدھے رستے پر چلا)

جو استقامت کی طاقت نہ رکھے وہ استقامت کے قرب کے لیے کوشش کرے۔ کیونکہ نجات عمل صالح سے ہے اور اچھے اعمال اچھے اخلاق ہی سے صادر ہوتے ہیں۔ ہر آدمی کو چاہیے کہ اپنی صفات اور اخلاق کی نگرانی کرے اور یکے بعد دیگرے ان کے علاج میں مشغول ہو جائے۔

اہل عزم کو اس معاملے کی کڑواہٹ پر صبر کرنا چاہیے کہ وہ بہت جلد بیٹھا ہو جائے گا جیسا کہ بچے کو بعد میں دودھ چھوڑنا اچھا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ ابتدا میں وہ دودھ نہیں چھوڑنا چاہتا۔ دودھ چھوڑنے کے بعد اگر اسے مال کی چھانی کی طرف لایا جائے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے جس آدمی کو معلوم ہو جائے کہ آخرت کی زندگی کے مقابل دنیا کی عمر بہت تھوڑی ہے تو وہ ہمیشہ کی نعمت کے لیے چند دنوں کے سفر کی شفقت برسات

کر لیتا ہے۔ صبح کے ذقن لوگ رات کے کیے ہوئے سفر کی تعریف کرتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اچب اپنے کسی بندے کا بھلا کرنا چاہتا ہے تو اُس کو اُس کے نفس کے عیوب دکھاتا ہے۔ پھر جس کی بعیرت کامل ہو اس پر اپنے عیوب غنمی نہیں رہتے۔ اور جب وہ عیوب کو کو پہچان لے گا، تو علاج کی بھی توقع ہوگی، لیکن اکثر لوگ اپنے عیوب سے ناواقف ہیں۔ ان کو اپنے بھائی کی آنکھ کا تشکا تو نظر آتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

جو آدمی اپنے نفس کے عیوب معلوم کرنا چاہے اس کے لیے چار طریقے ہیں:

پہلا طریقہ یہ ہے کہ کسی کامل شیخ کے سامنے بیٹھے جو اس کو نفس کے عیوب اور ان کے طریقہ علاج سے مطلع کرے۔ ایسے لوگوں کا اس زمانے میں وجود نایاب ہے۔ اگر کسی کو ایسا آدمی مل جائے، تو اسے طبیب حاذق مل گیا۔ کسی حال میں بھی اس سے الگ نہ ہو۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی دیندار و صاحب بعیرت، راستباز کو اپنا دوست بنا لے اور اسے اپنے نفس پر نگران مقرر کرے تاکہ وہ اس کو اس کے بُرے اخلاق و افعال پر متنبہ کرتا رہے۔ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لکھا کرتے تھے: اللہ اُس آدمی پر رحم فرمائے جو ہمارے عیوب ہم کو بتائے؟

بیان کیا جاتا ہے ایک دن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عرضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے اپنے عیوب کے متعلق سوال کیا۔ اُنھوں نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ کے دسترخوان پر دو دو کھانے ہوتے ہیں۔ اور آپ نے دو جوڑے کپڑے بنوا رکھے ہیں۔ ایک جوڑا رات کو پہنتے ہیں اور ایک دن کو۔ برہمن کو حضرت عرضی نے فرمایا: ان کے علاوہ بھی کوئی چیز سنی ہے؟

کہا: نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: یہ دونوں باتیں آئندہ آپ نہ سنیں گے۔

حضرت عرضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کرتے تھے: کیا میں منافقوں میں سے ہوں؟ اور یا اس لیے کہ جو آدمی بھی ہوشیاری میں بلند مرتبہ والا ہوگا وہ اپنے نفس کو زیادہ متہم کرے گا۔ ہاں اس زمانے میں ایسے دوست کیاب ہیں جو مدامت کو چھوڑ دیں اور عیب کی صحیح طور پر نشاندہی کریں یا حسد کو چھوڑ دیں اور ضرورت سے زیادہ بیان نہ کریں۔

سلف صالحین ایسے آدمیوں کو پسند کرتے تھے جو اُن کے عیوب اُن کو بتائیں، لیکن اس زمانے میں ان آدمیوں کو بہت ناپسند کیا جاتا ہے جو ہمیں ہمارے عیوب سے مطلع کریں۔

بڑے اخلاق بچھڑوں کی طرح ہیں۔ اگر کوئی آدمی ہمیں مطلع کرے کہ ہمارے کپڑے کے نیچے بچھڑے، تو ہمیں اس کا ممنون ہونا چاہیے۔ اور بچھڑو کو مارنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ بڑے اخلاق بچھڑے سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دشمنوں کی زبان سے اپنے عیوب معلوم کرے کیونکہ دشمن کی آنکھ برائیاں ہی دیکھتی ہے اور یوں کینہ و در دشمن سے آدمی اپنے عیوب کی تشخیص میں زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے، پر نسبت مدافعت کرنے والے والے دوست کے جو اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں میں مل جل کر رہے اور ان میں جو ناپسندیدہ باتیں دیکھے اُن سے پرہیز کرے۔

## اچھی بُری خواہشات

ہم بیان کر چکے ہیں کہ نفس کی خواہشات کسی نہ کسی فائدے سے ہی کے لیے ہیں۔ اگر کھانے کی خواہش نہ ہو تو غذا کا حصول نہ ہو اور اگر مجامعت کی خواہش نہ ہو تو نسل منقطع ہو جائے، البتہ اس سلسلے میں اچھی اور بُری خواہش کا فرق ضرور ہے۔ بری بات ناپسند خواہشات ہیں۔ کسی خواہش کا حد سے بڑھ جانا بھی ایسا ہی ہے۔ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اس انداز سے کو نہیں سمجھا، اس لیے وہ نفس کی تمام خواہشات کو دبا دیتے ہیں۔ حالانکہ نفس کے حق کو ساقط کرنا بھی ظلم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی بنا پر بھی اس کا حق ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے“

ان میں سے بعض آدمی کہتے ہیں کہ اتنے برس سے میرا نفس یہ خواہش کر رہا ہے اور میں اس کی خواہش پوری نہیں کرتا۔ یہ حلال سے انحراف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپ حلوا اور شہد استعمال کرتے تھے جو آپ کو مرغوب تھے۔ تو کم علم زاہد کی طرف توجہ نہ کرو جس نے مطلق طور پر اپنے نفس کو خواہشات سے محروم کر رکھا ہے۔ وہ انصاف کی نسبت ظلم کے زیادہ قریب ہے۔ ہاں خواہش کو اس وقت چھوڑ دینا چاہیے جب مطلوب شے کا حصول مشکل ہو۔ مثلاً مکروہ طریقے سے حاصل ہوتی ہو یا اس کے پورا کرنے سے عزم ٹوٹتا ہو کہ پھر نفس ہمیشہ اس کی خواہش کرنے لگے یا عبادت میں غفلت واقع ہوتی ہو۔ اس کے سوا نفس کی تقویت کے لیے خواہش کو پورا کرنا ایسے ہی ہے جیسے مریض کا علاج۔ نفس سے نرمی کرنے میں کوئی سوج نہیں، تاکہ وہ عمل کی طاقت پائے۔

## فصل چہارم

### اچھے اخلاق کی علامات

بعض اوقات مرید اپنے نفس سے مجاہدہ کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ برائی اور گناہ چھوڑ دیتا ہے۔ پھر وہ خیال کرتا ہے کہ اس کے اخلاق اچھے ہو گئے ہیں اور یوں وہ مجاہدے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ابھی اسے مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اچھے اخلاق مومنوں کی صفات کا مجموعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوا: **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا لِلَّهِ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ** (مومن وہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

**أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا** (یہی سچے مومن ہیں)

**الْمُتَّقِينَ** (العیاض مدونہ) (توہ کرنے والے عبادت کرنے والے)

**وَلَيَسِّرَ اللَّهُ لِيُسْرَىٰ** (اور مومنوں کو خوشخبری سنا)

**فَإِن مَّ نَعَدْنَا لَكُمُ الْيَوْمَ الْأَمْرَ كَامِيًّا** (مومن کا میاب ہو گئے)

**أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ** (یہی لوگ وارث ہیں)

**وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَتَّقُونَ عَلَى الْغَدِ هَوْنًا** (اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین

پر نرم چال چلتے ہیں) آخر سورۃ تک۔

توہین کو اپنا حال معلوم کرنا مشکل ہو وہ اپنے نفس کو ان آیات پر پیش کرے۔ ان تمام صفات کا موجود ہونا حسنِ خلق کی علامت ہے اور ان تمام علامتوں کا فقدان بد اخلاق کی علامت۔

۱۱۲: ۱۱۲ سورۃ النفال - آیت ۲۰: ۱۱۲ سورۃ النفال - آیت ۲۰: ۱۱۲ سورۃ النفال - آیت ۲۰: ۱۱۲

۱۱۲: ۱۱۲ سورۃ النفال - آیت ۲۰: ۱۱۲ سورۃ النفال - آیت ۲۰: ۱۱۲ سورۃ النفال - آیت ۲۰: ۱۱۲

بعض صفات کا ہونا اور بعض کا نہ ہونا۔ اخلاق حسنہ کے ہونے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے تو جو موجود ہو اس کی حفاظت میں مشغول رہے اور جو نہیں ہے اسے حاصل کرے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی بہت سی صفات بیان فرمائی ہیں اور ان سب کو اخلاق حسنہ میں شمار کیا ہے۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے اُس اللہ کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے اس وقت تک بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔ اور جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ: ”سب سے کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔“  
حسنِ خلق میں سے تکالیف کا برداشت کرنا بھی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کھینچی۔ یہاں تک کہ آپ کے کندھے پر چادر کے کنارے کے نشان پڑ گئے۔ پھر اس نے کہا: اے محمد! اللہ کے اس مال میں سے کچھ مجھے بھی دو جو آپ کے پاس ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر سنئے اور پھر اسے دینے کے متعلق حکم دیا۔

جب آپ کی قوم آپ کو تکلیف دیتی تو آپ کہتے: ”اے اللہ میری قوم کو بخش دے یہ جانتے نہیں ہیں۔“

حضرت ادیس قرنی رحمہ اللہ کو جب بچے پتھر مارتے تو کہتے: ”اے بھائیو! اگر ضرور ہی مارنے ہیں تو چھوٹے چھوٹے مارو تاکہ میری پنڈلی خون آلود نہ ہو کہ تم مجھے نماز سے روک دو۔“

حضرت ابراہیم بن ادہم کسی جنگل کی طرف نکلے۔ آپ کو ایک سپاہی ملا۔ اُس نے پوچھا شہر کس طرف ہے؟ آپ نے فیرستان کی طرف اشارہ کیا، تو اُس نے آپ کے سر پر پتھر مار کر زخمی کر دیا پھر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ ابراہیم ہیں تو اُن کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا تو آپ نے کہا۔ جب اس نے مجھے سر پر پتھر مارا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے جنت کا سوال کیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اُس کے مارنے کی وجہ سے



مجھے اجر ملے گا۔ میں نے یہ پسند نہ کیا کہ مجھے نو اس کی وجہ سے بھلائی ملے اور اسے میری وجہ سے برائی۔  
 کوئی بزرگ بازار سے گزر رہے تھے کہ مکان کی چھت سے آپ پر اکھ پھینک دی گئی۔ اُن کے  
 ساتھی بولنے لگے تو بزرگ نے کہا: ”اگر آگ کے مستحق سے راکھ پر صلح ہو جائے تو اُسے ناراض نہیں ہونا  
 چاہیے“

اُن لوگوں کے نفوس ریاضت سے نرم ہو چکے تھے۔ ان کے اخلاق متبدل ہو گئے تھے اور اُن کے باطن  
 کھوٹ سے پاک و صاف۔ اس کا نتیجہ رخصا بالقضام کی صورت میں نکلا۔ جو اپنے نفس میں وہ علامات نہ دیکھے  
 جو ان لوگوں میں تھیں، تو اسے ریاضت پر مدد دست کرنی چاہیے تاکہ وہ بھی اس بلند مقام پر پہنچ سکے۔ اس  
 لیے کہ وہ ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا۔

## فصل چہارم

### ابتدائی عمر میں بچوں کی ریاضت

معلوم ہونا چاہیے کہ بچہ ماں باپ کے پاس امانت ہے اور اس کا دل ایک سادہ و صاف جوہر ہے۔ ہر نقش کو قبول کر سکتا ہے۔ اگر اسے نیکی کی عادت ڈالی جائے گی تو اس کی نشوونما اسی پر ہوگی اور اس کے ماں باپ اور اُستاد اس کے ثواب میں شریک ہوں گے اور اگر اُسے بُرائی کی عادت ڈالی جائے گی، تو اسی پر بڑھتا چلا جائے گا اور اس کا بوجھ اُس کے سر پرستوں پر ہوگا، تو چاہیے کہ اُسے بُرائی سے بچائیں اور ادب و تہذیب اور اچھے اخلاق سکھائیں۔ بڑے ساتھیوں کے پاس بیٹھنے سے روکیں۔ ناز و نعمت کی عادت نہ ڈالیں اور آرام اور زینت کے اسباب اس کی نظروں میں محبوب نہ بنائیں، کیونکہ وہ بڑا ہو کر پھر انہی کی طلب میں اپنی زندگی برباد کرے گا۔

اول عمر ہی سے بچے کی نگہ رانی کرنی چاہیے۔ اُسے دودھ پلانے اور پرورش کرنے والی کوئی نیک اور متدین عورت تلاش کرنی چاہیے جو حلال کی روزی کھاتی ہو کیونکہ حرام کی خوراک سے حاصل ہونے والے دودھ میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔ پھر جب اس میں تمیز کے اُشعار معلوم ہونے لگیں اور سب سے پہلے شرم و حیا ہوگی اور یہ شرافت کی علامت ہے اور یہ بالغ ہونے کے بعد کمال عقل کی بشارت بھی ہے، تو اس کی اسی صفت سے اس کی تادیب اور تہذیب میں مدد لی جائے۔

سب سے پہلے جو صفت بچے پر غالب آئے گی وہ کھانے کی خواہش ہے، تو چاہیے کہ اُسے کھانے کے آداب سکھائے اور اسے عادت ڈالے کہ کبھی کبھی وہ روکھی روٹی بھی کھائے تاکہ سالن کو ہر وقت ضروری نہ سمجھے اور اسے بتائے کہ زیادہ کھانا بڑا افزودہ زیادہ کھانے والا چارپائیوں کی طرح ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ اُسے سفید کپڑوں کی ترغیب دلائے۔ ریشمی اور رنگین کپڑوں سے پرہیز کرائے اور بتائے کہ یہ عورتوں اور مخمٹوں کا لباس ہے یہ بھی ضروری ہے کہ اُسے ناز و نعمت میں رہنے والے بچوں سے الگ رکھے۔ وہ کچھ بڑا ہو جائے رہا رہے ملک میں پانچ یا چھ سال کی عمر تو اُسے مدرسہ میں قرآن و حدیث اور نیک لوگوں کے حالات کی تعلیم میں مشغول کرنے

تاکہ اس کے دل میں نیک لوگوں کی محبت پیدا ہو اور وہ عشقِ اشرار یاد نہ کرے۔

جب بچے سے کوئی اچھا فعل یا اچھا خلق ظاہر ہو تو اُس پر اُس کی عزت کی جائے اور جس چیز سے وہ خوش ہو اُسے وہ تحفے کے طور پر دی جائے اور لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کی جائے۔ پھر اگر کسی وقت اس کے خلاف اُس سے کوئی فعل ظاہر ہو تو اس سے چشم پوشی کی جائے، اُس کے کام کو ظاہر نہ کیا جائے۔ اگر دوبارہ کرے تو اسے پوشیدہ طور پر ملامت کرے اور ڈرائے کہ لوگوں کو میں اس کی اطلاع دے دوں گا۔ زیادہ ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے۔ کہ اس سے ملامت کا سنا بے حقیقت ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ گفتگو کرنے وقت اپنی ہیبت کو برقرار رکھے۔

ماں کو چاہیے کہ بچے کو باپ کا خوف دلائے اور اُسے دن کو نہ سونے دے کہ اس کے سُستی پیدا ہوتی ہے۔ رات کو سونے سے نہ روکے، لیکن اُسے نرم اور آرام دہ بستر نہ دے تاکہ اس کے اعضاء سخت ہو جائیں اور وہ بستر اور لباس اور طعام میں سُستی کا عادی ہو جائے۔ اسے چلنے پھرنے کی حرکت کرنے اور ورزش کی عادت ڈالے تاکہ اس پر سُستی غالب نہ ہو۔ اُسے ماں باپ کے کمالات یا اپنے کھانے اور لباس پر فخر کرنے سے روکے اور اپنے ساتھیوں سے تواضع سے پیش آنے کی تاکید کرے۔ نیز اس بات سے بھی روکے کہ وہ کسی بچے سے کوئی چیز لے۔ اسے بتائے کہ لینا مکینگی ہے۔ بلندی دینے میں ہے۔ اُس کے ذہن سے سونے چاندی کی محبت نکالے اور اُسے عادت ڈالے کہ نہ مجلس میں حقو کے زناک صاف کرے۔ نہ دوسروں کی موجودگی میں جابجا ہنسی یا الٹائی لے اور نہ پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹے۔ زیادہ بولنے سے بھی اُسے روکے۔ عادت ڈالے کہ وہ صفتِ جواب میں بولے۔ یہ بھی سمجھائے کہ جب کوئی آدمی گفتگو کرے، تو اُسے غور سے سنے۔ اپنے سے بڑے کے لیے کھڑا ہو جائے اور اُس کے سامنے مُردوب ہو کر بیٹھے۔

بُری گفتگو اور بُرے لوگوں کی مجلس سے روکے، کیونکہ بچوں کی اصلی حفاظت یہ ہے کہ اُن کو بُرے ساتھیوں سے بچایا جائے؛ تاہم مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد اُسے اچھے کھیل سے نہ روکا جائے کہ تعلیم و تربیت کی تھکاوٹ سے آرام پائے جیسا کہ کہا گیا ہے: "راحت پانے والے دل نصیحت قبول کرتے ہیں"۔ بچے کو والدین اور اُستاد کی اطاعت اور تنظیم سکھانا چاہیے۔ جب وہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دے اور ظہارت کے چھوڑنے میں چشم پوشی نہ کرے۔ اسے جھوٹ اور خیانت سے ڈرائے اور جب بلوغت کے قریب ہو تو کوئی کام اس کے سپرد کر دے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ کھانا دو ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کے لیے بدن میں قوت پیدا ہو جائے۔

یقیناً یہ دنیا فانی ہے۔ موت دنیا کی نعمتیں ختم کر دے گی۔ چاہیے کہ ہر وقت اس کا انتظار رہے۔ عقلمند وہ ہے جو آخرت کا سامان بنا لے۔

اگر بچے کی تربیت صحیح ہوگی، تو یہ سب باتیں اس کے دل میں اس طرح بیٹھ جائیں گی جیسے پتھر میں نقش ہوتا ہے۔

حضرت سہیل بن عبد اللہ نے کہا: "میں تین برس کا تھا اور رات کے وقت کھڑا ہو کر اپنے ماموں محمد بن سوا کو نماز پڑھتے دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن انھوں نے کہا: کیا تو اللہ کا ذکر نہیں کرتا جس نے تجھے پیدا کیا ہے؟ میں نے کہا: میں اس کا ذکر کیسے کروں؟ تو انھوں نے کہا: اپنے دل میں بغیر زبان ہلائے تین مرتبہ کہو: اللہ مَعِيَ۔ اللہ سَاطِرَ الحِیَ۔ اللہ شَہِیدِی (اللہ میرے ساتھ ہے۔ اللہ مجھے دیکھتا ہے۔ اللہ میرا گواہ ہے) میں نے کئی رات ایسا ہی کیا۔ پھر آپ کو بتایا تو کہا: اسے ہر رات گیارہ مرتبہ پڑھا کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا تو میرے دل میں اس کی لذت پیدا ہو گئی۔ پھر ایک سال گزر گیا، تو ماموں نے مجھ سے کہا: جو میں نے تجھے سکھایا ہے اس کو یاد رکھ اور قبر میں جانے تک اس پر یاد دمت کرو، چنانچہ میں نے کئی سال تک اس کی پابندی کی اور مجھے اپنے باطن میں اس کی لذت معلوم ہوئی۔ پھر میرے ماموں نے کہا: اے سہیل! جس کے ساتھ اللہ ہوا اور وہ اس کو دیکھ رہا ہو اور وہ اس کا نگراں بھی ہو تو کیا ایسا شخص اللہ کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ اللہ کی نافرمانی سے بچ۔"

پھر میں مدرسہ میں چلا گیا اور میں نے چھ یا سات سال کی عمر میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ اب میں ہمیشہ روزے رکھتا اور میری غذا جو کئی روٹی تھی۔ میں ساری رات قیام بھی کرنے لگا؟

## آخرت کا خوف

معلوم ہونا چاہیے کہ جس نے آخرت کو اپنے دل سے یقینی طور پر دیکھ لیا وہ لازماً اسی کو چاہے گا اور دنیا سے بے رغبت ہوگا۔ جس کے پاس کوڑیاں ہوں وہ ایک نفیس ہیرا دیکھے، تو کوڑیوں کی طرف اس کی رغبت نہیں رہے گی۔ اگر اس سے کہا جائے کہ کوڑیوں سے ہیرا خرید لو، تو وہ بڑی ہسبندی

کرے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر تنبیہ کر دے۔ اُس کے لیے فرود کا ہے کہ گناہوں سے بچے۔ یہ اجتناب گویا ایک قلعہ ہے جس میں وہ محفوظ رہے گا۔ اُس پر لازم ہے کہ نفس کی مخالفت کرے اور وظائف و اواراد میں اعتدال کو ملحوظ رکھے۔

ریاضت کی انتہا یہ ہے کہ دل ہمیشہ اللہ کے ساتھ ہو اور یہ غیر اللہ سے خالی ہونے کے بغیر ممکن نہیں ہے اور یہ خوبی بلے جاہدے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

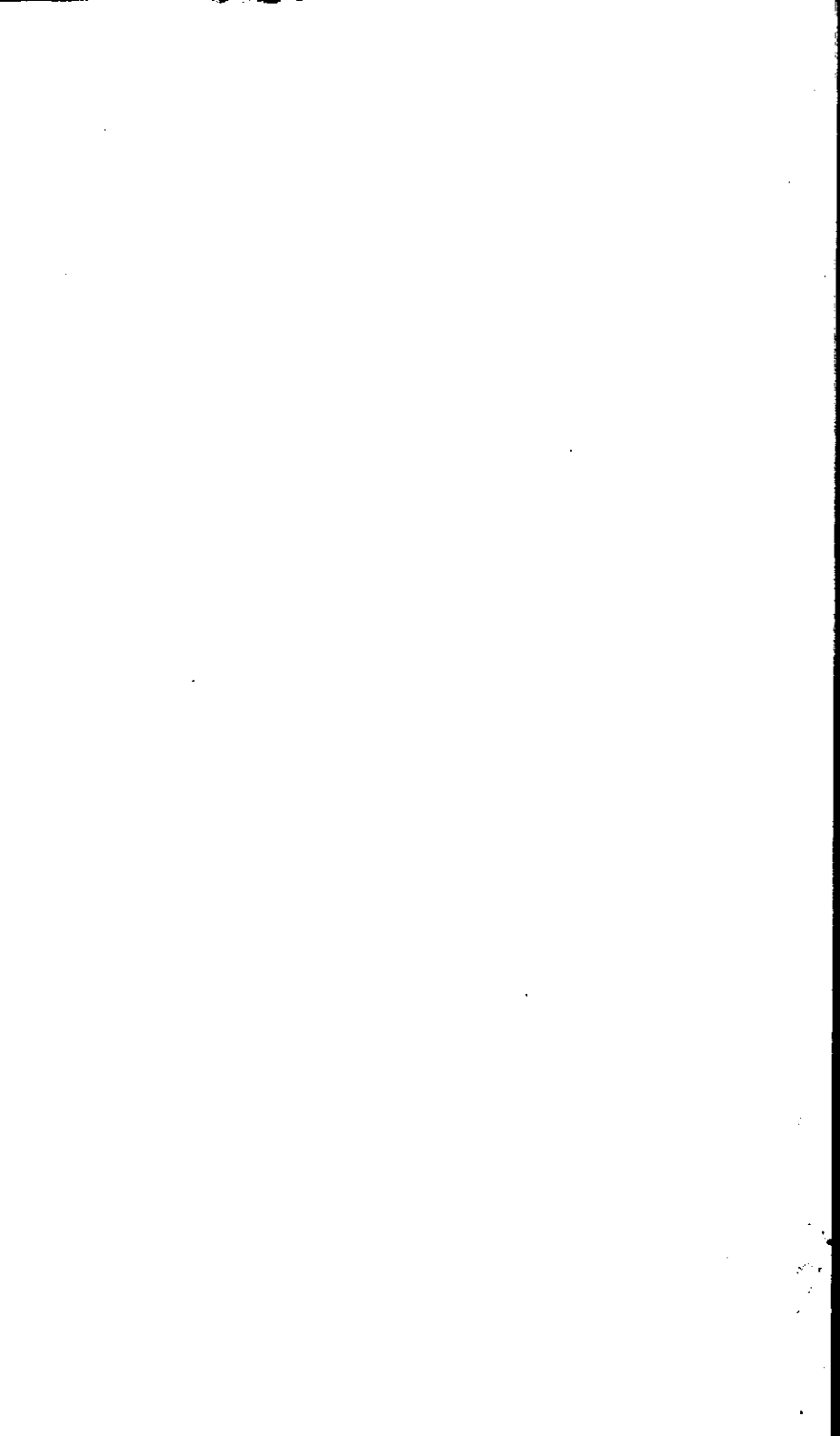
یہ ہے عریقہ ریاضت کا طریقہ اور اُس کی تدریجی تربیت۔ باقی رہی ہر صفت میں ریاضت کی تفصیل تو وہ ان شاء اللہ عنقریب آئے گی۔



# کتاب التَّزْکیَّة

## حصہ اول

- شکم اور جنس کی خواہشات کا سدّ باب
- زبان کی آفات
- غیبت پر آمادہ کرنے والے اسباب اور اُن حل
- غضب، کینہ اور حسد کی مذمت
- حلم اور عفو و درگزر
- دنیا کی مذمت
- مال کی مذمت، مدح اور قناعت و سخاوت
- قناعت کے فوائد
- بخل اور اُس کی مذمت
- ایثار کی فضیلت
- حُبّ جاہ کا علاج
- حقیقی اور مصنوعی زُہد





## فصل اول

## نشکم اور جنس کی خواہشات کا سدبآ

معلوم ہونا چاہیے پیٹ کی شہوت سب سے زیادہ ہلاکت آفرین ہے۔ اسی کی وجہ سے آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے۔ دراصل پیٹ ہی کی شہوت سے شرکگاہ کی شہوت اور مال کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے سچھے بے شمار آفتیں آتی ہیں اور یہ سب پیٹ بھرنے کی مستی کے باعث ہیں۔

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافرات آنتوں میں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: ابن آدم نے پیٹ سے بڑا بڑن اور کوئی نہیں بھرا۔ آدم کے پیٹے کو سیند لقمے کافی ہیں جو اس کی پٹھیکو سیدھا رکھیں۔ پھر اگر پیٹ بھرنے کی ضرورت ہو تو (پیٹ کا) ایک حصہ کھانے کے لیے رکھے۔ دوسرا پانی کے لیے اور تیسرا سانس لینے کے لیے۔

حضرت عقبہؓ لایں نے کہا: میں جن کے پاس گیا وہ کھانا کھا رہے تھے۔ کہنے لگے آؤ کھاؤ۔ میں نے کہا: میں تو اتنا کھا آیا ہوں کہ اب گنجائش نہیں ہے۔ انھوں نے کہا: سبحان اللہ! کیا مسلمان اتنا کھاتا ہے کہ گنجائش ہی باقی نہ رہے؟

زاہدوں کی ایک جماعت نے تھوڑا کھانے اور بھوک پر صبر کرنے میںبالغیہ ہے۔ اس کتاب کے علاوہ ایک اور کتاب میں ہم نے اس کے نقصان بیان کیے ہیں۔ کھانے میں انصاف کی بات یہ ہے کہ کچھ بھوک ہو تو لاتھا اٹھالے اور اس مقام میں سب سے بہترین قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ ایک حصہ کھانے کے لیے ایک پانی کے لیے اور تیسرا سانس کے لیے رکھے۔

اعتدال سے کھانے سے جسم تندرست رہتا ہے۔ بیماری دور ہوتی ہے اور یہ اس طرح ہے کہ بھوک کے بغیر کھانا نہ کھا لے اور خواہش ہوتے ہوئے ہاتھ اٹھالے۔ بالکل ہی کم کھانے سے قوی کمزور ہوتا ہے ہیں۔ کچھ لوگوں نے اپنا کھانا پینا کم کیا، تو بالآخر وہ فرائض ادا کرنے سے رہ گئے۔ لوگوں نے اپنی جہالت

سے اس کو نصیحت سمجھ رکھا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے اور جس نے بھوک کو اچھا کہا ہے اس نے اسی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

پیٹ کی شہرت کو توڑنے کی ریاضت کا طریقہ یہ ہے کہ جو ہمیشہ سیر ہو کر کھانے کا عادی ہو اُسے چاہیے کہ اپنے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا ہر روز کم کرتا جائے، یہاں تک کہ اس اعتدال کی حد تک پہنچ جائے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ بہترین کام اوسط درجے کے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اتنا کھائے جس سے عبادات میں رکاوٹ نہ ہو اور قوت کے باقی رہنے کا سبب بنے۔

کھانے والا نہ تو بھوک محسوس کرے اور نہ بالکل سیر ہو۔ اسی صورت میں بدن صحیح اور بہت اکتھی رہے گی۔ اور فکری قوت صاف ہوگی۔ زیادہ کھائے گا تو اس سے زیادہ نیند اور کند ذہنی پیدا ہوگی کیونکہ دماغ میں بیماریاں زیادہ ہوجاتے ہیں جو فکری کجگاہ اور ذکر کے مقام کو دھانپ لیتے ہیں۔ نیز کچھ اور بیماریاں بھی پیدا کرتے ہیں۔

جو آدمی خواہشات میں سے کسی کو چھوڑے، تو اُسے ہوشیار رہنا چاہیے کہ اس میں ریاضت نہ پیدا ہو جائے۔ اور بعض سلف پسندیدہ خواہش کی چیز خرید لیتے اور اپنے گھر میں لٹکا دیتے اور اسے استعمال نہ کرتے۔ وہ اپنے زہر کو چھپاتے۔ یہی حقیقی زہر ہے کہ زہر کا اظہار اس کی ضد سے کیا جائے اور یہ صدیقین کا عمل ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنے نفس کو دوسرے صبر کا پیا لہ پلایا اور یہ پیار دوسری مرتبہ تو بہت زیادہ کڑوا ہے۔

باقی رہی شرمگاہ کی شہوت، تو معلوم ہونا چاہیے کہ آدمی میں جماع کی خواہش دو فائدوں کے لیے پیدا کی گئی ہے :

پہلا فائدہ بقائے نسل ہے اور دوسرا لذت کا ادراک کہ اس پر آخرت کی لذتوں کو قیاس کرے کیونکہ جو عین ذوق سے معلوم نہ ہو اس کا شوق پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اس شہوت کو اعتدال پر نہ رکھا جائے، تو اس سے بہت سی آفتیں اور آزمائشیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو عورتیں شیطان کا جال نہ ہوتیں۔

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے پیچھے مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر زیادہ نقصان دہ کوئی نعمت نہیں چھوڑا۔

بعض صالحین نے کہا: اگر کوئی آدمی مجھے بیت المال پر امین مقرر کر دے تو امید ہے کہ میں اُس کی امانت اُسے ادا کر دوں گا، لیکن اگر کسی کالی کلوثی عورت پر امین مقرر کر دے کہ میں ایک گھڑی اُس کے ساتھ خلوت بیٹھ رہوں تو میں اپنے نفس پر مطمئن نہیں ہوں۔  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ جائے کہ تیسرا ان میں شیطان آجائے گا۔“

کبھی اس شہوت میں افراط انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کا خیال عورت سے کثرتِ جماع کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو اُسے آخرت کی یاد بھلا دیتا ہے۔ (یہاں تک کہ بڑا کاغذوں میں) بعض ذات بکارتی اور عشق تک نوبت جا پہنچتی ہے۔

خواہشات میں بدترین خواہش یہی ہے اور اس سے اعتنا کرنا چاہیے۔

کبھی لوگوں میں مالِ مہربانے اور چومر، شطرنج اور طنبورے وغیرہ کا عشق پیدا ہوتا ہے۔ یہ چیزیں اُن کے دلوں پر غالب آجاتی ہیں اور وہ اُن سے صبر نہیں کر سکتے۔

ابتداء میں تو ان چیزوں سے بچنا آسان ہے، لیکن آخر میں بڑے سخت علاج کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی تو سخت علاج بھی کارگر نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آدمی گھوڑے کی نگام پھیر دے جبکہ وہ کسی دروازے میں داخل ہونا چاہے تو نگام پھیر دینے سے گھوڑے کو روک لینا آسان ہے لیکن جو آدمی بیماری راسخ ہونے کے بعد اس کا علاج کرنا چاہے اُس کی مثال ایسی ہے کہ گھوڑے کو چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ دروازے میں داخل ہو کر آگے نکل جائے پھر اُسے دم سے پکڑ کر پھینک دینے اور ان دونوں صورتوں میں کتنا بڑا فرق ہے!

## فصل دوم

## زبان کی آفات

زبان کی آفات بہت سی ہیں اور کئی طرح کی ہیں۔ مثلاً دل میں اُن سے حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ اور طبیعت اس کا سبب ہے۔ زبان کے خطرات سے نجات صرف خاموشی میں ہے؛ چنانچہ پہلے ہم خاموشی کی فضیلت بیان کریں گے۔ اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ آفات کا مفصل ذکر ہوگا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ خاموشی سے ہمت مجتمع اور فکر فارغ ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی مجھے اپنے دونوں جبڑوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیزوں کی ضمانت دے میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں؟

ایک اور حدیث میں ہے: کسی بندے کا ایمان سیدھا نہیں ہوتا جب تک اس کا دل سیدھا نہ ہو اور دل اس وقت تک سیدھا نہیں ہوتا جب تک زبان سیدھی نہ ہو۔

حضرت معاذ کی حدیث کے آخر میں ہے کہ: اس (زبان) کو بند رکھو؛ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! کیا ہم سے زبان کی باتوں پر بھی مواخذہ ہوگا؟ تو فرمایا: مصاد! تیری ماں تجھے گم کرے۔ جہنم میں مومنوں کے بل (یا فرمایا) تاک کے بل لوگوں کو زبان کی کٹائی کے علاوہ اور کوئی چیز گرائے گی؟

ایک اور حدیث میں ہے: جس نے اپنی زبان روک لی اللہ نے اس کی پردہ پوشی کر دی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری زبان سے زیادہ لمبی قید کی اور کوئی چیس نہ متعقی نہیں ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنے منہ سے اپنے کانوں کو انصاف دلاؤ۔ تمہیں کان دو عنایت کیے گئے ہیں اور منہ ایک تاکہ بولنے سے زیادہ سنو۔

مخلد بن حصین نے کہا: میں نے پچاس سال سے ایسی کوئی بات نہیں کہی جس سے مجھے معذرت کرنی پڑے۔

## کلام کی آفتیں

پہلی آفت بے مقصد گفتگو کرنا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جس نے اپنے دخت کی قیمت کو جان لیا جو اس کا اصل سرمایہ ہے، وہ اسے بے فائدہ خرچ نہیں کرے گا اور یہ جان لینا بے فائدہ گفتگو کرنے سے زبان کو روکنے کا سبب ہے۔ جو اللہ کا ذکر پھوڑ کر بے فائدہ گفتگو میں مشغول ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی میرا حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہو، لیکن وہ مٹی کا ڈھیلہ اٹھالے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا اچھا اسلام یہ ہے کہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔

لقمان حکیم سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ حکمت کس طرح ملی؛ تو کہا: بے ضرورت میں کوئی سوال نہیں کرتا اور بے مقصد گفتگو نہیں کرتا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ لقمان حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے۔ آپ زہ بنا رہے تھے۔ لقمان دیکھ کر تعجب ہوئے اور اس کے متعلق پوچھنے کا ارادہ کیا لیکن آپ کی حکمت مانع ہوئی؛ چنانچہ آپ نے نہ پوچھا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام فارغ ہوئے تو اٹھ کر زہ پہنی۔ کہا: جنگ کے لیے بہت اچھی ہے۔ لقمان نے کہا: خاموش رہنے میں کئی حکمتیں ہیں، لیکن اس کو اپنانے والے کم ہیں۔ دوسری آفت باطل گفتگو کرنا ہے اور وہ ہنس گناہوں کی گفتگو۔ جیسے شراب کی مجالس اور بکر داروں کے مقامات کا تذکرہ۔ اور باطل کی بے شمار قسمیں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کبھی ایسی گفتگو کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ مشرق و مغرب کے فاصلہ سے بھی زیادہ جہنم کی گہرائی میں جاگرتا ہے۔ اور اسی سے قریب ہے مناظرہ کرنا اور دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے بحث مباحثہ جس کا اصل سبب بڑا بننے کی خواہش ہوتی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ بُری بات کا انکار اور درست بات بیان کرے۔ اگر اس سے قبولی کیا جائے تو فہما ورنہ مناظرہ چھوڑ دے، لیکن یہ جب ہے کہ معاملہ دین کا ہو اور اگر دنیاوی کام ہوں تو اس میں مناظرہ باز کا کوئی جواز نہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس تکبر کو توڑے جو اسے بڑا بننے پر ابھارتا ہے اور جھگڑا کرنا

مناظرہ سے بڑھ کر ہے، کیونکہ مناظرہ سے زائد چیز ہے۔  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے بُرا آدمی بدخو،  
جھگڑا لو ہے، اور یہ جھگڑا وہ ہے جو باطل پر یا لاعلمی پر مبنی ہو۔ اگر کسی کا حق ہو، تو بھی بہتر یہ ہے کہ  
جہاں تک ہو سکے جھگڑے سے بچے کیونکہ اس سے دل گرم ہوتا ہے۔ غصہ بکھر جاتا ہے، کینہ پیدا ہوتا ہے  
جو دوسرے کی بے عزتی کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

تیسری آفت کلام میں تصنع کو ناہے اور وہ ہے منہ بنا کر بات کرنا اور تکلف سے قافیہ بندی۔  
حضرت ابو نعیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک  
قیامت کے دن ممنوع ترین اور زیادہ بد اخلاق زیادہ باتیں بنانے والے، زبان مردڑ کر اور منہ بھر کر باتیں  
کرنے والے ہوں گے۔ اور قافیہ بندی کی گراہت، اور تصنع میں تذکیر کے وہ الفاظ داخل نہیں ہیں جو کلام میں شمس  
پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوں کیونکہ ان سے دلوں میں تحریک اور شوق وغیرہ پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔  
فخر اور تکبر کے اظہار کی غرض سے استعمال نہیں کیے جاتے۔

چوتھی آفت بے حیائی، گالی گلوچ اور فحش گوئی ہے اور یہ مذموم ہے۔ شریعت نے اس سے روکا ہے  
کیونکہ اس کا منبع خباثت نفس اور کمینگی ہے۔ حدیث میں ہے کہ: تم فحش گوئی سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ فحش گوئی  
اور فحش گوینے کو پسند نہیں کرتا۔ پہلے جیسا پر خبت حرام ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: "مومن نہ طعنے دیتا ہے نہ لعنت اور نہ فحش گوئی اور بے حیائی کرتا ہے۔"  
معلوم ہونا چاہیے کہ فحش اور پنداء (بے حیائی) یہ ہے کہ تعبیح امور کو صفات لغظوں میں بیان کیا  
جائے اور ان میں سے اکثر جماع وغیرہ کے متعلق ہوتے ہیں، نیک لوگ ایسی باتوں سے بچتے اور کناہ سے  
کام لیتے ہیں۔

لیے ہی آفات میں سے گانا بجانا بھی ہے۔ اس سے پہلے اس پر مفصل گفتگو کر چکی ہے۔  
پانچویں آفت ہنسی مذاق ہے، ہاں اگر سچ ہو اور کبھی کبھی ہوتو عافیت نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
بھی بعض اوقات مذاق کرتے، لیکن سچ کہتے۔ آپ نے ایک آدمی سے کہا: "او کانوں والے" اور ایک آدمی  
سے کہا: "ہم تجھا دیش کے پتے پر سوار کریں گے" اور ایک بڑھیا سے کہا: "جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی"۔  
پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: **رَأٰنَا اَنْتَا نَاهُنْ لَنْتَا ۗ فَجَعَلْنَا هُنَّ اَجْكَارًا ۗ لِيَسْتَكْفُرْنَ**۔ کیا تم نے پیدا کیا ان کو

پیدا کرنا اور بنایا ہم نے ان کو نورا بیاں) اور ایک عورت سے کہا: تیرا شوہر وہی ہے نا جس کی آنکھیں سفید ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں تین چیزیں پائی گئیں: پہلی یہ کہ مزاج بنی برصداقت ہوتا۔ دوسری یہ کہ ان عورتوں، بچوں اور کھڑو مردوں سے ہونا جس کی تادیب کی ضرورت ہوتی اور تیسری یہ کہ کبھی کبھی ہونا، اس سے اس کو دلیل نہیں یعنی چاہیے جو ہمیشہ مذاق کا عادی ہو کیونکہ کبھی کبھا رکا وہ حکم نہیں ہوتا جو ہمیشہ کا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی آدمی دن رات جھینوں کے ساتھ پھرتا رہے اور ان کا کھیل دیکھتا ہے اور دلیل میں کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے کھڑے ہوئے تھے اور ان کو جھینوں کی طرف دیکھنے کی اجازت دی تھی، تو یہ غلط ہوگا۔ کیونکہ ایسا ایک ہی دفعہ ہوا تھا۔ بہر حال مزاج میں افراط اور مروت کو نامنغ ہے کیونکہ اس سے وقار ختم ہوتا ہے اور کینہ و عداوت پیدا ہوتی ہے۔

تھوڑا بہت مذاق کرنا جائز ہے۔ اس سے طبیعت میں خوشی و انبساط پیدا ہوتا ہے۔

چھٹی آفت استہزاء اور مسخرہ پن ہے اور مسخرہ پن کا مطلب ہے دوسرے کو ذلیل کرنا اور اس کے عیوب اور نقائص کو اس طرح بیان کرنا کہ لوگ اس سے ہنسیں۔ اور کبھی تو یہ قول و فعل کی نقل اتارنے سے ہوتا ہے اور کبھی اشارے اور ایما سے اور یہ سب شریعت میں منع ہے۔ کتاب و سنت میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ ساتویں آفت کسی کے لڑکھانے پر کرنا۔ وعدہ خلافی اور بات اور قسم میں جھوٹ بولنا ہے اور یہ ساری باتیں منع ہیں، سوائے یومی یا جنگ میں جید کرنے کے۔ اور اس کا اصول یہ ہے کہ اگر مقصود اچھا ہو اور توریہ کے بغیر حاصل نہ ہو سکتا ہو تو اس میں ایسا کرنا جائز ہے۔ توریہ سے مراد ہے ذومعنی بات۔ اگر مقصود اچھا ہو تو یہ بھی واجب ہوگا۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے جھوٹ سے بچے۔

اور توریہ کرنا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: توریہ میں جھوٹ سے بچنے کی راہ ہے۔ ضرورت کے لیے توریہ جائز اور بے ضرورت مکروہ ہے کیونکہ اس میں جھوٹ کی مشابہت ہے۔

اس کے متعلق احادیث و آثار بہت زیادہ اور مشہور ہیں۔

فحبت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ایسا تذکرہ کرو کہ اگر اسے معلوم ہو جائے تو اسے برا محسوس ہو۔ بڑا یہ ہے کہ وہ اس کے بدن کا نقص ہو جیسے سچا، بھینگا، اندھا، گنجا، لمبا، ٹھنکنا وغیرہ۔ یا اس کے سب کا نقص ہو کہ اس کا باپ بطنی یا ہندی یا فاسق یا کمینہ وغیرہ ہے یا اس کے اخلاق کا نقص ہو۔ مثلاً وہ بخل یا انجیل یا منکبتر ہے یا اس کے کپڑے کا نقص ہو جیسے اس کا دامن لمبا ہے۔ اس کی آستینیں فران

ہیں یا اُس کے کپڑے گندے ہیں۔ وغیرہ۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کا ایسا تذکرہ کرے جسے وہ ناپسند کرے۔ کہا اے اللہ کے رسول! اگر واقعی وہ چیز میرے بھائی میں ہو تو پھر؟ آپ نے فرمایا اگر تیرے بھائی میں وہ ہو جو تو کہتا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر جو تو کہتا ہے اُس میں نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جس چیز سے بھی مذمت سمجھی جائے وہ غیبت میں داخل ہے اور برابر ہے کہ وہ منکر بات سے ہو یا اشارے، کنائے یا قلم سے۔ کہ قلم بھی دوزبانوں میں سے ایک زبان ہے۔

اور غیبت کی بدترین قسم وہ ہے جس کا ارتکاب ریاکاروں یا بدوں کی مجالس میں ہوتا ہے۔ مثلاً اُن کے پاس کسی انسان کا تذکرہ ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں بادشاہوں کے پاس جانے کے فتنے سے بچایا اور دنیا کے مال کی ذلت سے محفوظ رکھا۔ یا کہتے ہیں: ہم تہمت جیسا سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ یا ہم اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ یوں وہ دوسرے کی مذمت اور اپنی تعریف کو بیچ کر لیتے ہیں۔

بعض اوقات کسی انسان کے تذکرے کے وقت کہتے ہیں۔ اس مسکین کی بڑی آفت سے آزمائش ہوئی اللہ ہم پر اور اس پر رحمت کرے۔ ظاہر میں تو دعا کرتا ہے، لیکن باطن میں دوسروں کے عیب ظاہر کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ غیبت سننے والا بھی اس گناہ میں شریک ہوتا ہے۔ وہ سننے کے گناہ سے نہیں بچے گا بلکہ اس صورت میں کہ زبان سے اس کا انکار کرے۔ دل سے بُرا سمجھے اور وہاں سے اٹھ کر آجائے۔ اگر بات کاٹنے کی طاقت ہو تو اس پر ایسا کرنا واجب ہے۔

تورہ کی مثال ہے وہ واقعہ جو ہمیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق پہنچا ہے کہ آپ نے اپنی لونڈی سے صحبت کی۔ ان کی بیوی کو معلوم ہو گیا وہ چھری لے کر آئی اور آپ فارغ ہو چکے تھے بیوی نے کہا کیا تم نے یہ کام کیا ہے؟ تو کہا میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ تو کہنے لگی قرآن پڑھو ورنہ میں تمہارا پیٹ چھری سے بھاڑ دوں گی تو انھوں نے یہ اشعار پڑھے۔

۱۔ وَفِينَا رَسُولُ اللَّهِ يَتْلُو كِتَابَهُ إِذَا اسْتَقْرَأَ مَعْرُوفٌ مِّنَ الْفَجْرِ مَسَاطِعُ



۲۔ یَكْنِيْتُ يُجَابِي جَبْنَهُ عَنْ حِرَاشِهِ اِذَا اسْتَقَلَّتْ بِالْمَكَارِهِ مِنَ الْمَضَاجِعِ

۳۔ اَدَانَا لَالْهُدَىٰ يَعْدَا لَعَمَىٰ فَعَقَلُوْا بِنَا بِهٖ مَوْفَاتٌ اَنْ مَا قَالٌ وَاَقْعٌ

ترجمہ۔ ۱۔ ہم میں اللہ کے رسول میں جو صبح طلوع ہوتے وقت اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔

۲۔ رات کو اُن کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں جبکہ کافروں کے بستر بوجھل ہوتے ہیں۔

۳۔ ہم اندھے تھے آپ نے ہمیں راہ دکھائی تو اب ہمارے دل یقین کرتے ہیں کہ آپ نے جو کہا

وہ واقع ہونے والا ہے۔

یہی نے کہا میں اللہ پر ایمان لائی۔ میں اپنی آنکھ کو بھونکا کہتی ہوں۔

امام نخعیؒ کو جب بلایا جاتا تو آپ لونڈی سے کہتے۔ اُن سے کہو "اُن کو مسجد میں تلاش کرو"

آٹھویں آفت غیبت ہے اور قرآن مجید میں اس کی ممانعت آئی ہے اور غیبت کرنے والے کو مردار خوار

میں شبیہ دی گئی ہے۔

اور حدیث میں ہے: کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں۔

ابو بزرہ اسلمی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اے وہ لوگو، جو زبان سے ایمان

لائے ہو اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ تم مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور نہ ان کے

عیوب تلاش کرو کہ جس کے عیوب کا اللہ سچھا کرے گا اُس کو اس کے گھر کے اندر بھی رسوا کر دے گا۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ "غیبت سے بچو کہ غیبت زنا سے بھی بری ہے۔ ایک آدمی زنا کرتا ہے

اور شراب پیتا ہے۔ پھر توبہ کرتا ہے، تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، لیکن غیبت کرنے والے

کو اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ صاحب حق اُسے نہ بخشے۔"

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے کہا: "غیبت سے بچو کہ وہ انسانی گفتوں کا سالن ہے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کے پاس کسی مسلمان کو ذلیل کیا جا رہا ہو اور وہ اس کی مدد کرنے

کی طاقت رکھتا ہو اور مدد نہ کرے تو اللہ اُسے سب لوگوں کے سامنے ذلیل کرے گا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے کسی منافق سے یمن کو بھیجا یا کہ وہ اُس کے عیب بیان کر رہا تھا۔

تو اللہ قیامت کے دن ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو اُس کے گوشت کو جہنم کی آگ سے بچائے گا۔"

عمر بن عبد العزیز نے اپنے غلام کو ایک آدمی کے ساتھ دیکھا۔ وہ کسی کی غیبت کر رہا تھا تو اُس سے کہا:

”تجھ پر افسوس! اپنے کانوں کو بدمذہب بانی سے پاک رکھ، جیسے کہ تو اپنے نفس کو اس کے کہنے سے پاک رکھتا ہے۔ سننے والا قائل کا شریک ہے۔ اُس نے اپنے برتن کی برائی کو دیکھا تو اسے تیرے برتن میں اٹھیل دیا، اگر بے وقوف کی بات اس کے منہ میں ٹوٹا دی جائے تو تردید کرنے والا خوش نصیب ہوگا جیسا کہ کہنے والا بدبخت ہوگا۔“

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے جو حقوق ہیں اُن کے بارے میں اور بہت سی احادیث وارد ہیں۔

---

## فصل سوم

### غیبت پر آمادہ کرنے والے اسباب اور ان کا حل

غیبت پر آمادہ کرنے والے اسباب بہت سے ہیں:

پہلا: کسی آدمی سے کوئی ایسی بات ہوئی کہ غصہ آگیا۔ جب کسی کا غصہ بھڑک اٹھا ہے تو وہ اپنے ساتھی کی غیبت کر کے دل ٹھنڈا کرتا ہے۔

دوسرا: ساتھیوں کی موافقت اور ہم آہنگی ہے۔ جب وہ کسی کی عزت سے کھیل کر بنتے ہیں، تو یہ سمجھتا ہے کہ اگر ان کی بات سے اختلاف کرے گا، تو وہ اسے برداشت نہیں کریں گے اور وہ ان کی موافقت کرتا ہے اور اسے حُسنِ معاشرت سمجھتا ہے۔

تیسرا سبب دوسرے کی تعقیص کر کے اپنے نفس کو بند کرنا ہے۔ کہتا ہے فلان جاہل ہے۔ وہ بے سمجھ ہے وغیرہ اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اپنی فضیلت بیان کرے اور ان کو بتائے کہ میں سب سے زیادہ عالم ہوں۔ اسی طرح حسد ہے کہ لوگ کسی آدمی کی تعریف کرتے ہیں۔ اس سے محبت کرتے اور اس کی عزت کرتے ہیں۔ تو یا اس کی مذمت کرتا ہے کہ ان کے دلوں سے یہ چیزیں ناپا مل ہو جائیں۔

چوتھا سبب کھیل اور مذاق ہے۔ وہ مزاح کے طور پر دوسروں کا تذکرہ اس انداز سے کرتا ہے کہ لڑک اس کی بات سُن کر ہنستے ہیں۔ بعض لوگوں کا تو یہی معاش ہے۔

غیبت کا علاج یہ ہے کہ انسان اس کے گناہ ہونے سے آگاہ ہو۔ اُسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ غیبت کر کے اللہ کی ناراضگی اور غصے کا نشانہ بن گیا ہے اور اُس کی نیکیاں اُس کو دی جا رہی ہیں جس کی غیبت کرتا ہے اور اگر اُس کے پاس نیکیاں نہیں ہیں تو دشمن کے گناہ اس کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ جو آدمی ان باتوں کو سمجھ لے گا وہ غیبت سے اپنی زبان کو روک لے گا۔

اسی طرح یہ چاہیے کہ جب غیبت کرنے کا موقع پیدا ہوا ہے اپنے نفس کے عیوب پر غور کرے اور شرم کرے کہ جب اپنی ذات میں اس قدر عیب ہیں، تو دوسروں کی خامیاں زبان پر لانا کب جائز ہے؟ جیسا کہ بعض نے کہا:

- ۱- اگر تو لوگوں کے عیب بیان کرے اور خود تجھ میں بھی ایسے ہی عیب ہوں تو یہ مناسب نہیں کہ دوسروں کو بُرا کہے۔ جو خود بھینٹا ہوا وہ لوگوں کے عیب کس طرح بیان کرے گا۔
- ۲- اور اگر تو لوگوں کے وہ عیب بیان کرے جو ان میں نہیں ہیں، تو یہ اللہ اور لوگوں کے نزدیک سب سے بڑا جرم ہے۔

اور اگر یہ سمجھے کہ خود عیب سب سے بچا ہوا ہے، تو اللہ کے اس احسان پر شکر ادا کر۔ بدترین عیب، یعنی غیبت سے اپنے آپ کو ملوث نہ کرو اور جیسے کہ تو یہ نہیں پسند کرتا کہ کوئی تیری عیبت کرے، تو خود بھی لوگوں کی غیبت سے پرہیز کر۔

پھر اس سبب پر غور کر جو غیبت پر آمادہ کرتا ہے اور اس کو دُور کرنے کی کوشش کر، کیونکہ بیماری کا علاج سبب کے دور کرنے سے ہوتا ہے۔

مہن نے بعض اسباب کا تذکرہ کر دیا ہے چاہیے کہ اپنے مرض کا علاج ان چیزوں سے کرے جو عنقریب کتاب الغیب میں بیان ہوں گی۔

ساتھیوں کی ناراضگی کا علاج یہ ہے کہ جان لے اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے جو مخلوق کو راضی کرنا چاہے۔ اور جب حقیقت یہ ہے تو ایسے ساتھیوں کو خوش کرنے کے بجائے اُن سے ناراض ہونا چاہیے۔ ایسی ہی اور نرا: یوں کا بھی یہی علاج ہے۔

## غیبت سے بچاؤ اور کفارہ

کبھی بظنی کے باعث بھی انسان غیبت کرتا ہے اور یہ بعض اوقات محض اپنے دل کی بدگمانی ہوتی ہے؛ لہذا تجھے مسلمانوں پر بدگمانی نہ کرنی چاہیے۔ ہاں اگر کوئی معاملہ کھل کر سامنے آجائے جس کی تادیل نہ ہو سکے۔ اور اگر تجھے کوئی عادل خبر دے اور تیرا دل اس کی تصدیق کی طرف مائل ہو، تو تو مندوب ہوگا؛ تاہم تجھے تحقیق کرنی چاہیے کہ کہیں یہ عداوت اور حسد تو نہیں ہے؛ اگر ہے تو یہ تمہت اسی سبب سے ہے۔ کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی پیدا ہو، تو اس کی زیادہ رعایت کرنی چاہیے اور اس کے لیے بھلائی کی دعا کرنی چاہیے۔ اس سے شیطان غصے میں آئے گا اور ایسے خیالات کو تجھ سے روکے گا۔ تیرے دل میں بُرے خیال نہ ڈالے گا کیونکہ وہ ڈرے گا کہ تو نفلت کے لیے دعائیں منقول ہو جائے گا۔

اگر کسی مسلمان کی لغزش عیاں طور پر معلوم ہو جائے تو اسے پوشیدہ طور پر سمجھانا چاہیے۔ اچھی طرح سمجھ لے کہ بدگمانی کا نتیجہ جہتس ہے کیونکہ دل صرف گمان پر قناعت نہیں کرتا، بلکہ تحقیق طلب کرتا ہے اور جہتس میں مشغول ہو جاتا ہے اور یہ ناجائز ہے کیونکہ اس سے مسلمان کا پردہ فاشس ہوتا ہے۔ اگر تجھ پر لڑنا نہ کھلے تو تیرا دل مسلمان کے لیے صاف رہے گا۔

یہ باتیں اپنی جگہ، لیکن ایک صورت یہ بھی ہے کہ دوسروں کی خامیوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے اور اسے غیبت نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ کسی کے ظلم کا حال بیان کیا جائے۔ مظلوم کو یہ حق ہے کہ ظالم اس پر زیادتی کرے تو اس کے ظلم کا تذکرہ اس آدمی سے کرے جو اس کا حق اُسے دلا سکے۔ دوسرا یہ ہے کہ برائی کو دور کرنے کے لیے مدد حاصل کرے اور ظالم کو اصلاح کی راہ پر لانے کی ترقیت ہو۔

تیسرا یہ کہ فتویٰ پوچھے۔ مثلاً مفتی سے کہے کہ فلاں آدمی نے مجھ پر ظلم کیا ہے یا اس نے میرا حق دیا لیا ہے، اس سے نجات کا کیا طریقہ ہے؟ اس صورت میں اگرچہ ظالم کا نام لینا جائز ہے، لیکن بہتر ہے کہ اشارے سے کام لے۔ مثلاً کہے کہ اُس آدمی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جس پر اُس کے باپ یا بھائی وغیرہ نے ظلم کیا ہے؟

نام لینے کے جو ازکی دلیل ہندہ کی حدیث ہے جبکہ اُس نے کہا: ابرسفیان بخیل آدمی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہ کیا۔

چوتھا یہ کہ مسلمانوں کو بچانا ہے۔ مثلاً تو دیکھے کہ کوئی طالب علم کسی بدعتی یا فاسق آدمی کے پاس آتا جاتا ہے اور تجھے خوف ہو کہ یہ اس کی طرف مائل ہو جائے گا، تو تجھے اس کا حال بیان کر دینا چاہیے۔ اسی طرح اگر تجھے اپنے غلام کی چوری یا فسق و فجور کا علم ہو تو تجھے اس کے خریدار سے بیان کر دینا چاہیے۔ نکاح کرنے یا امانت رکھنے کے متعلق کوئی مشورہ طلب کرے، تو چاہیے کہ جو کچھ جانتا ہو بخیر خواہی کے طریقے پر بیان کر دے نہ کہ غیبت کے ارادہ سے۔

پانچواں یہ کہ کوئی شخص کسی لقب سے مشہور ہو، جیسے لنگڑا یا چمچا تو اگر کوئی اس طرح اس کا تذکرہ کرے تو یہ کوئی گناہ نہیں۔ البتہ کوئی اور صورت بیان کرنے کی ہو تو وہ بہتر ہے۔

چھٹا یہ کہ کوئی شخص اعلان فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہو اور ایسے تذکرے سے اس کو برا نہ محسوس ہوتا ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا جو آدمی شرم و حیا کی چادر اتار کر کھینک دے اس کی کوئی غیبت نہیں۔

حسن سے کہا گیا کہ جو ناجر علی الاعلان فحور کا مرتکب ہو کیا اس کے گناہ کا تذکرہ غیبت ہے؟ کہا نہیں، لیکن اچھی بات بھی نہیں ہے۔

باقی رہا غیبت کا کفارہ، تو معلوم ہونا چاہیے کہ غیبت کرنے والے نے دو گناہ کیے ہیں: پہلا اللہ تعالیٰ کے حق کے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا تھا تو اس کا کفارہ تو با در نمازت ہے۔

دوسرا مخلوق کی عزت پر حملہ۔ اس کا تدارک یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہو اس کے پاس جا کر معافی مانگ لے اور اپنے اس فعل پر شرمندگی کا اظہار کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی پر مال یا عزت میں ظلم کیا ہو تو وہ اس کے پاس آکر اس دن سے پہلے پہلے معافی مانگے جس دن اس کے پاس نہ درہم ہو گا نہ دینار۔ پھر اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو مظلوم کو دے دی جائیں گی۔ ورنہ اس کے گناہ اس پر رکھ دیے جائیں گے۔

اگر غیبت کرنے کا حال اس شخص کو معلوم نہ ہوا ہو تو اس سے معافی مانگنے کے بجائے اس کے لیے استغفار کرے، جس چیز کا اسے علم نہیں وہ بنا کر اس کے سینے کو گرم نہ کرے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لیے استغفار کرے۔  
جہاد نے کہا ہے کہ تو نے اپنے بھائی کا گوشت کھا یا ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کی تعریف کرے اور اس کے لیے بھلائی کی دعا کرے۔ اور اگر وہ فوت ہو چکا ہے تو یہی ایسا ہی کرے۔

زبان کی آنتوں میں سے نویں آفت چینٹوری ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چنٹورِ جنت میں نہ جائے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ عورت چنٹور کی کافظ کسی انسان کے قول کو نقل کرنے پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہے کہ فلاں آدمی تیرے متعلق اس اس طرح کہتا ہے، لیکن یہ گناہ اسی سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کی تعریف یہ ہے کہ جس چیز کا بیان کرنا برابر ہے اسے بیان کرنا چنٹلی ہے۔ اور برابر ہے کہ وہ اقوال ہوں یا افعال۔

یہاں تک کہ اگر اس نے کسی کو اپنا مال دفن کرنے دیکھا ہو تو اس کا بیان کرنا بھی چغلی ہے۔  
 جس کے پاس چغلی ہوگی کی جاتی ہے مثلاً اُسے کہا جاتا ہے کہ تیرے متعلق فلاں آدمی نے ایسی ایسی  
 بات کہی ہے یا ایسا کیا ہے، تو اس کے لیے یہ چھ باتیں ضروری ہیں:  
 پہلی یہ کہ چغلی کو کسچا نہ سمجھے کیونکہ وہ فاسق ہے اور اُس کی شہادت مردود ہے۔  
 دوسری یہ کہ اُس کو اس سے منع کرے اور نصیحت کرے کہ ایسے گناہ کا ارتکاب نہ کرنا چاہیے۔  
 تیسری یہ کہ اُس سے اللہ کے لیے بغض رکھے کہ اس نے اللہ کو ناراض کیا ہے۔  
 چوتھی یہ کہ اپنے غیر موجود بھائی کے متعلق بدگمانی نہ کرے۔  
 پانچویں یہ کہ جو کچھ اُس نے بیان کیا ہے اس کی تحقیق نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”تجسس  
 نہ کیا کرو“

چھٹی یہ کہ جس بات سے چغلی کو منع کیا ہے خود اس کا ارتکاب نہ کرے یعنی اس کی چغلی کو بیان نہ کرے۔  
 بیان کیا جاتا ہے کہ سلیمان بن عبد الملک نے ایک آدمی سے کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم میری  
 غیبت کرتے ہو اور اس اس طرح کہتے ہوئے اُس آدمی نے کہا: میں نے ایسا نہیں کیا۔ سلیمان نے کہا: مجھے  
 بتانے والا سچا آدمی ہے: اس آدمی نے کہا: چغلی کو سچا نہیں ہوتا۔ یہ سن کر سلیمان نے کہا: تم نے سچ  
 کہا۔ سلامتی سے چلے جاؤ۔  
 یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا: چغلی کو ایک گھڑی میں اتنا نقصان کر دیتا ہے کہ اتنا نقصان جادوگر ایک  
 ہینے میں بھی نہیں کر سکتا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے ایک غلام کا سودا کیا تو اُس کے مالک نے کہا اس کی چغلی  
 اور جھوٹ کا میں ذمہ دار نہیں ہوں، تو اُس نے کہا ٹھیک ہے تم اس سے بُری ہو اور اُسے خرید لیا۔  
 غلام نے اپنے مالک سے کہا تیری بیوی بدکردار ہے اور وہ تجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔ پھر عدالت  
 سے کہا تیرا خاوند اور نکاح کرنا چاہتا ہے وہ تجھ پر سوکن لائے گا۔ اگر تو چاہے تو میں اُس کو تجھ پر مائل  
 کر دوں اور وہ دوسرا نکاح نہ کرے تو جب وہ سوئے تو اُس ترالے کو اُس کی گردن کا ایک بال مونڈ کر مجھے

لاوے۔ پھر اس کے مردے کہا کہ وہ تجھے سوتے میں قتل کرے گی۔ مرد امتحان کے لیے بظاہر بیٹھ کر سو گیا تو وہ عورت اُسترا لے کر آئی کہ اُس کی گردن کا مال منڈے۔ مرد نے اس کا ہاتھ کپٹ لیا اور اُسے مار ڈالا۔ عورت کے وارث آئے، اُنھوں نے اُس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔

دسویں آفت دو قتلے شخص کا کلام ہے جو در دشمنوں کے درمیان آتا جاتا ہے کہ ایک کی بات دوسرے تک پہنچاتا ہے۔ وہ ہر ایک سے اس کی مرضی کی بات کرتا اور یقین دلاتا ہے کہ میں تیرا حمایتی ہوں۔

منہ پر تعریف اور بعد میں برائی کرنے والا بھی ایسا ہی ہے۔

حدیث میں ہے کہ بدترین آدمی دو غلبے جو ایک منہ سے اس طرف بات کہتا ہے اور دوسرے منہ سے اُس طرف۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ عام حالت میں ہے۔ اگر امر اور مکر کے لیے مجبور ہو تو ہمارے ابو اللہ وارضی اللہ عنہ نے کہا: ہم کچھ لوگوں کے منہ پر تبسم کرتے ہیں اور ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اگر طاقت ہو کہ ان کی موافقت کا اظہار نہ کرے تو جائز نہ ہو گا۔

گیارھویں آفت مدح ہے اور اس میں کئی آفتیں ہیں۔ مثلاً کچھ وہ ہیں جو مدح کرنے والے کے متعلق ہیں اور کچھ مدوح کے متعلق۔

مدح کرنے والے کے متعلق یہ ہیں کہ کبھی وہ ایسی بات کہتا ہے جس کی اسے تحقیق نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی اطلاع ہو سکتی ہے۔ جیسے یہ کہے کہ فلاں پر ہنر گارا اور زرا ہڈ ہے اور کبھی وہ ستائش میں مبالغہ کر کے جھوٹ تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی ایسے لوگوں کی مدح کرتا ہے جو نہ قیمت کے قابل ہیں۔

حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ جب ناستق کی مدح ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

صحن نے کہا: جس نے ظالم کے باقی رہنے کی دعا کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کو پسند کیا؟

مدوح میں کبھی تکبر اور غرور پیدا ہو جاتا ہے اور یہ دونوں باتیں مہلک ہیں۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک آدمی کو ایک آدمی کی تعریف کرتے سنا تو فرمایا: 'تُو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی'۔

یہ شہور حدیث ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے پاس



دوسرے تھا، لوگ بھی آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ بارود ادا گیا۔ ایک آدمی نے کہا یہ قبیلہ ربیعہ کا سردار ہے حضرتؐ اور دوسرے لوگوں نے بھی یہ بات سنی اور بارود نے بھی سن لی۔ جب وہ قریب آیا تو حضرت عمرؓ اسے دڑے مارنے لگے۔ اُس نے کہا: اے امیر المؤمنین! مجھ سے آپ کی ناراضگی کیا ہے؟ کہا: کیا تو نے وہ بات نہیں سنی جو اُس شخص نے کہی تھی؟ کہا: نہیں نے سنی تھی پھر کیا ہوا؟ کہا: میں ڈرا کہ تیرے دل میں اس سے غرور نہ پیدا ہو جائے۔ میں نے اُسے تجھ سے دُور کر دیا۔“

جب انسان کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ اپنے آپ سے خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مقصود کو پہنچ گیا۔ پھر وہ عمل کرنے سے روک جاتا ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی؟“

ہاں اگر مدح ان آفتوں سے پاک ہو تو مدح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر و عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح فرمائی ہے۔

مدح کو چاہیے کہ تکبر اور غرور کی آفت اور عمل میں سستی کرنے سے پرہیز کرے۔ اور ان آفتوں سے صرف اسی صورت میں نجات مل سکتی ہے کہ اپنے نفس کو سچانے اور سوچے کہ اگر مدح کرنے والے کو ان باتوں کا علم ہو جائے جو وہ اپنے متعلق جانتا ہے تو کبھی اُس کی تعریف نہ کرے۔

بیان کیا جاتا ہے ایک نیک آدمی کی تعریف کی گئی، تو اُس نے کہا: اے اللہ یہ مجھے نہیں جانتے اور تو مجھے جانتا ہے۔“

بارہویں آفت دینی امور سے متعلق رکھنے والے کلام کے مفہوم میں غلطی کرنا ہے۔ خصوصاً کسی کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان الفاظ کو صحیح طور پر عالم اور فصیح لوگ ہی ادا کر سکتے ہیں جو آدمی عالم یا فصیح نہ ہو اس کا کلام مغزش سے پاک نہیں ہو سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ جہالت کی وجہ سے معاف کر دیتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتَ (جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں) نہ کہا کرے، بلکہ اس طرح کہے مَا شَاءَ اللَّهُ تَوَشَّيْتُ (جو اللہ چاہے اور پھر آپ چاہیں) کہیں کہ عطف مطلق میں شرکت اور برا بھلا ہے۔

اسی طرح وہ بات ہے جس میں آپ نے خطیب کے قول پر اعتراض کیا جبکہ اس نے کہا: وَمَنْ

لَعِبْنَهَا فَتَدْعُوهُ (اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا) فرمایا اس طرح کہو: وَمَنْ يَعْصِ  
اَمْرَهُ وَرَسُولَهُ (اور جو اللہ کی نافرمانی کرے اور اس کے رسول کی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گوئی تم میں سے میرا بندہ اور میری بندی نہ کہے تم سب اللہ کے بندے  
ہو اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں۔ لاں اس طرح کہو: میرا غلام اور میری خادما۔  
انہم غمخیز نے کہا: جب کوئی آدمی کسی سے کہے اے گدھے! اے خنزیر! تو قیامت کے دن اُسے  
کہا جائے گا کیا تو نے میرے متعلق یہ سمجھا کہ میں نے اسے گدھا بنا یا اور خنزیر پر پیدا کیا ہے۔

ان جیسی اور بہت سی باتیں کلام میں داخل ہیں، ان سب کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ جو آدمی ان باتوں پر  
غور کرے گا جس کا ہم نے آفاتِ لسان میں ذکر کیا ہے۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ جو بھی اپنی زبان کو بے گلام  
چھوڑے گا وہ بچ نہیں سکے گا اور اسے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا راز معلوم  
ہوگا کہ جو خاموش رہا اس نے نجات پائی، کیونکہ یہ تمام آفتیں ہلاک کرنے والی ہیں اور یہ سب بولنے والے  
کی راہ میں ہیں۔ پھر اگر خاموش رہا تو بچ گیا۔

آفات میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے کلام کے متعلق سوال کیا جائے۔  
شیطان عام آدمی کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ اگر تو علمی بحث کرے گا تو تو بھی علماء اور اہل فضل میں سے  
ہو جائے گا اور یہ چیز اسے بڑی اچھی معلوم ہوتی ہے، یہاں تک کہ پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ کفر کی بات  
کہہ جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تخریب ہے کہ لوگ سوال کریں۔ یہ اللہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پھر  
اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

علم کی گہری باتوں کے متعلق عوام کا سوال کرنا بہت بڑی مصیبت ہے۔ ان کا اللہ کی صفات کے معانی سے  
بحث کرنا ان کو گمراہ کرتا ہے سزا داتا نہیں، کیونکہ اللہ پر واجب صرف مان لینا ہے۔ عام آدمی کے لیے بہتر یہ  
ہے کہ جو کچھ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے اس پر بلاچون و چرا  
ایمان لے آئے اور عبادات میں مشغول رہے۔ عام آدمی کا علم کے اسرار کے متعلق بحث کرنا ایسا ہی ہے جیسا  
جانوروں کے چرواہے کا حکومت کے رموز و اسرار پر بحث کرنا۔

## فصل چہارم

### غضب، کینہ اور حسد کی مذمت

معلوم ہونا چاہیے کہ غضب آگ کا شعلہ ہے۔ غصے کے وقت انسان کا شیطان لعین سے رشتہ قائم ہو جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل فرمایا: خُلِقْتُ مِنْ نَارٍ وَخُلِقْتَ مِنْ طِينٍ۔  
(تُوئے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس (آدم) کو مٹی سے پیدا کیا)

مٹی کی خاصیت ہے سکون اور وقار اور آگ کی خاصیت ہے بھڑکن اور حرکت اور بے قراری۔  
کینہ اور حسد غضب کے نتائج میں سے ہیں۔ غضب کی مذمت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت کیجیے تو آپ نے فرمایا: غضب میں نہ آؤ، اس نے کئی مرتبہ یہ سوال دہرایا۔ آپ یہی فرماتے رہے غصہ نہ کرو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے اللہ کے غضب سے کون سی چیز دو دکرے گی؟ تو آپ نے فرمایا: غصہ نہ کرو۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلو دوہ نہیں جو مقابل کو گرا دے، بلکہ پہلو ان دوہے جو غصے کے وقت اپنے نفس کو تالو میں رکھے۔

عکرم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: وَسَيِّدًا وَحَصُونًا اور سید اور نکاح رکھنے والا کی تفسیر میں فرمایا: سید وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے اور اس کا غصہ اس پر غالب نہ ہو۔

بیان کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین کی ایک فرشتہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا: مجھے کوئی ایسا علم سکھاؤ جس سے میرا ایمان اور یقین زیادہ ہو جائے۔ فرشتہ نے کہا: غصہ نہ کرو شیطان سب سے زیادہ غصے کے وقت ہی ابن آدم پر قابو پاتا ہے۔

اپنے آپ پر قابو پا کر غصے کو روکنا اور اسے سرد باری سے ختم کر دو۔ جلد بازی سے بچو کہ جلد بازی سے کام لوگ تو غلطی کرو گے۔ دود و زردیک سب کے لیے نرم ہو جاؤ۔ کرکش اور ضدی مت بنو۔ بیان کیا گیا ہے کہ ابلیس لعین، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: ”اے موسیٰ! تیزی“ سے بچو۔ میں تیز طبیعت آدمی سے اس طرح کھیلتا ہوں جیسے بچے گیند سے، اور عورتوں سے بچو کہ میرا سب سے مضبوط پھندا جس پر مجھے بڑا اعتماد ہے وہ عورت کا پھندا ہے۔ اور نجلی سے بچو کہ میں نجلی کی دنیا اور آخرت دونوں پر باد کرو دیتا ہوں؟

غضب ایمان کو اس طرح لگاڑتا ہے جیسے ٹھہرے شہد کو کڑوا کر دیتا ہے۔ غضب عقل کا دشمن ہے۔ اور غضب کی حقیقت یہ ہے کہ انتقام کے لیے دل کے خون میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان غصے میں آتا ہے تو غضب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے جس سے دل کا خون اُبلنے لگتا ہے اور رگوں میں پھیل جاتا ہے اور جسم کے اوپر کے حصے کی طرف چڑھتا ہے جیسے کہ ہانڈی اُبلنے سے پانی جوش مارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چہرہ، آنکھیں اور چڑا سرخ ہو جاتا ہے۔ یہ سب اپنے پیچھے خون کی سُرخ کا پتہ دیتی ہیں جیسا کہ شیشہ اپنے اندر کی چیز کا رنگ ظاہر کرتا ہے۔

خون اس صورت میں پھیلتا ہے جبکہ اپنے سے کمزور پر غصہ آئے اور سمجھے کہ میں اس پر غلبہ پاسکتا ہوں اگر اپنے سے طاقتور پر غصہ آئے اور اس کے ساتھ ہی انتقام سے مایوسی ہو تو اس صورت میں جلد کے ظاہر سے دل کے جوف میں خون گھٹ جاتا ہے اور غم کی شکل اختیار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رنگ زرد ہو جاتا ہے۔ اگر غصہ اپنے جیسے پر ہو جس میں انتقام کا شک ہو تو خون میں کبھی انبساط پیدا ہوتا ہے اور کبھی انقباض اور چہرہ کبھی سرخ ہوتا ہے کبھی زرد اور طبیعت میں اضطراب پیدا ہوتا ہے۔

انتقام قوتِ غضب کی خوراک ہے اور قوتِ غضب میں لوگوں کے تین مراتب ہیں۔ افراط، تفریط اور اعتدال۔ قوتِ غضب میں افراط کوئی محمود اور اچھی چیز نہیں، کیونکہ وہ دین اور عقل دونوں کو اپنے کام سے روک دیتی ہے اور انسان کے اندر غضب کے افراط کی حالت میں نہ قوتِ فکر باقی رہتی ہے نہ اختیار۔

یہ بات اپنی جگہ، لیکن قوتِ غضب میں کمی بھی بری ہے کیونکہ اس سے نہ حقیقت باقی رہتی ہے نہ غیرت۔

جس میں قوتِ غضب بالکل ہی نہ ہو وہ اپنے نفس کی ریاضت سے عاجز آ جاتا ہے، کیونکہ ریاضت شہوت پر غصے کو مسلط کرنے سے پوری ہوتی ہے۔ جب نفس گندی خواہشات کی طرف مائل ہوگا تو وہ اپنے نفس پر

غصہ کرے گا۔ غرض تو تہ غضب کا نہ ہرنا بھی بڑا ہے۔ یہاں تک کہ دونوں حالتوں میں اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جب غصے کی آگ طاقتور ہو کر بھرپور آگنی ہے، تو آدمی کو اندھا کر دیتی ہے۔ وہ ہر نصیحت سے بہرہ ہو جاتا ہے۔ غضب دماغ کی طرف پڑتا ہے تو فکر کے خزانے کو ڈھانپ لیتا ہے اور کبھی جس کے مرکز کی طرف دوڑتا ہے، تو اس کی آنکھوں میں اندھیرا اچھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اس کا دماغ ایسے غار کی طرح ہو جاتا ہے جس میں آگ جلائی گئی ہو۔ اس کی نفسا سیاہ اور بیکار گم ہو جائے اور وہ دھوکے سے بھر جائے۔ اگر اس میں کمزور سا چراغ روشن بھی تھا تو بجھ گیا۔ ایسے غار میں انسان ثابت قدم رہتا ہے نہ اس میں بات سنی جاتی ہے اور نہ اس میں کوئی شکل نظر آتی ہے۔ یہی حال غصہ دل اور دماغ کا کر دیتا ہے یہاں تک کہ غصہ زیادہ ہوتا ہے تو آدمی، آدمی کو قتل کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے غضب کے آثار یہ ہوتے ہیں کہ رنگ بدل جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کانٹے لگتے ہیں۔ افعال میں ترتیب نہیں رہتی۔ جسم تحلیل ہونے لگتا ہے اور انسان دیوانوں کی سی حرکتیں کرتا ہے۔ اگر کبھی کوئی غضب کی حالت میں اپنی بد صورتی کو دیکھے تو اپنے نفس سے نفرت کرے۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ باطن کی بد صورتی ظاہر کی بد صورتی سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔

## غضب کو بھرکانے والے اسباب اور ان کا علاج

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہر بیماری کا علاج اس کا مادہ ختم کرنے اور اس کے اسباب نائل کرنے سے ہوتا ہے۔ اور غضب کے اسباب ہیں: غرور، تسخر، جھگڑا، عداوت، دھوکا اور مال و جاہ کی حرص میں شدت۔ اور یہ سب بُرے اخلاق ہیں۔ چاہیے کہ ہر ایک کا مقابلہ اس کی ضد سے کرے اور غضب کے مادے کو جلائے اور اس کے اسباب کو نائل کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ اور اگر غصہ بھرپور ہی آگے، تو دین کی تعلیمات پر غور کر کے اسے ٹھنڈا کرے۔ ان میں پہلی بات ان اصلاحات و اختیارات پر غور کرنا ہے جو ٹھنڈے کو پی جانے اور صاف کرنے اور حوصلہ اور بُرد باری سے کام لینے کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اس کو اجازت دی تو اس نے آپ سے کہا: اے

خطاب کے بیٹے! ان تو توہین زیادہ مال دیتا ہے اور نہ ہم میں انصاف سے فیصلے کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ غصے میں آگئے۔ آپ نے اس کو نوازدینے کا ارادہ کیا تو حُربن قیس نے کہا: "اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے خُذِ الْعَفْوَ وَأَعْتَدِ لِحُكْمٍ بِالْعِفْوِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (معاف کرنے کو لازم پکڑ دو اور جاہلوں سے منہ پھیرو) اور یہ جاہل لوگوں میں سے ہے تو خدا کی قسم! جب حضرت عمرؓ کو آیت پڑھ کر سنا لی گئی تو پھر آپ نے اس سے آگے کچھ بھی نہ کیا اور آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے پاس ڈٹ جانے والے تھے۔

دوسری بات یہ کہ اپنے نفس کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے اور اس طرح کہے جتنی مجھے اس انسان پر قدرت ہے اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو مجھ پر قدرت حاصل ہے۔ اگر میں اپنے غصے کو اس پر نکالوں گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنا غصہ مجھ پر نازل کر دیں گے اور اس وقت مجھے عفو کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا: "اے آدم کے بیٹے! غضب کے وقت مجھے یاد رکھو یہ بھی غضب کے وقت تجھے یاد رکھوں گا! اور جن کو میں بر باد کروں گا! ان میں تجھ کو بر باد نہ کروں گا!" تیسری بات یہ کہ دشمنی اور انتقام کے انجام اور اپنی بے عزتی اور مصیبت پر دشمن کے خوش ہونے سے اپنے نفس کو ڈرائے، کیونکہ انسان مصائب سے تو خالی نہیں ہوتا۔ اگر اسے آخرت کا خوف نہ بھی ہو تو دنیا کی ان باتوں سے اپنے نفس کو ڈرانا چاہیے۔

یاد رکھنا چاہیے غضب پر خواہش کو مسلط کرنے سے ڈرنا نہیں ہوگا کیونکہ یہ تو بعض خواہشات کو بعض پر مقدم کرنا ہے۔ ہاں اگر اس کی حالت ایسی تبدیل ہو جائے جو اسے آخرت میں مرددے تو اس پر ڈرنا چاہیے۔

چوتھی بات یہ کہ غضب کے وقت اپنی بدشکلی پر غور کرے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ اس وقت کاٹے والے گتے یا حملہ آور دوزندے کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور انبیاء و اولیاء کے اخلاق سے اس کا کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔ اس پہلو پر غور کرنے سے غصے کی شدت کم ہو جائے گی۔

پانچویں بات یہ کہ اس سبب پر غور کرے جو اسے انتقام پر آمادہ کرتا ہے۔ مثلاً اس کے غضب کا سبب

یہ خیال ہو کہ اگر تو نے انتقام نہ لیا تو اس سے تیری عاجزی اور کمینگی اور ذلت اور حقارت نفسِ ظاہر ہو جائے گی اور تو لوگوں کی نگاہ میں ذلیل ہو جائے گا، تو اپنے نفس سے کہے آج تو اتنی بات برداشت کرنے کو ناپسند کرتا ہے اور قیامت کی رسوائی اور ذلت ناپسند نہیں کرتا جب کہ اللہ تعالیٰ تیرا ہاتھ پکڑے گا اور تجھ سے انتقام لے گا، تو لوگوں کی نگاہ میں ذلیل ہونے سے ڈرتا ہے اور اس بات سے نہیں ڈرتا کہ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور نبیوں کے سامنے ذلیل ہوگا!

کیسا بھی اشتعال ہو اپنے غصے کو پی جانا چاہیے۔ اس سے اللہ کے نزدیک معزز ٹھہرے گا لوگوں سے کیا کام؟ کیا تو پسند نہیں کرتا کہ جب قیامت کے روز آواز دی جائے کہ جس کا ابراہیم اللہ کے ذمے ہے وہ اٹھ کر کھڑا ہو جائے! اور صرف وہی کھڑا ہوگا جس نے معاف کیا ہوگا، تو تو بھی اس وقت کھڑا ہونے والوں میں ہو۔

چھٹی بات یہ کہ تجھے معلوم ہونا چاہیے غضب ایسی چیز ہے جو اللہ کے ارادے سے جاری ہوئی نہ کہ تیرے اپنے ارادے سے، تو کسی پر غصہ کر کے اپنے ارادے کو اللہ کے ارادے پر کیسے مقدم کر سکتا ہے؟ باقی راعل تو تجھے چاہیے کہ سکون اختیار کرے۔ اللہ سے پناہ مانگے۔ اپنی حالت کو تبدیل کرے۔ اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔ ہمیں غضب کے وقت وضو کا حکم بھی دیا گیا ہے اور یہ اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔

غضب کے وقت وضو کرنے کی حکمت تو حدیث میں وضاحت سے بیان ہوئی ہے۔ ابو داؤد نے کہا: ہم عروہ بن محمد کے پاس تھے۔ ایک آدمی نے آپ سے گفتگو کی تو آپ بڑے غصے میں آگئے پھر اٹھے اور وضو کیا۔ پھر اٹھا اور کہا: مجھ سے میرے ہا پنے میرے دادا اعیطہ سے روایت کیا ہے اور آپ صحابی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غضب شیطان سے ہے اور شیطان آگ کی مخلوق ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے۔ جب تم میں سے کوئی غضب میں آئے تو وضو کرنے!

رہا بیٹھنا اور لیٹ جانا، تو ممکن ہے کہ اس کا حکم اس لیے دیا گیا ہو کہ وہ زمین سے قریب ہو جائے جس سے بیدار ہوا ہے اور اپنی اصل کو یاد کرے۔ ایسا کرنے سے تکبر ٹوٹے گا۔

ابوسعید کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی میں عقہہ پیدا ہو وہ اپنا رخسارہ زمین

پر رکھے!

بیان کیا جاتا ہے ہمدی عباسی ایک آدمی پر غضب ناک ہوا اور کوڑے مارنے والے کو بلایا شعیبؓ نے اس کے غضب کی شدت اور لوگوں کے گردنیں جھکانے کو دیکھا کہ وہ کوئی بات نہیں کر رہے تو کہہ ا: اے امیر المؤمنین! اللہ کے لیے اس سے زیادہ غصہ نہ کیجئے جتنا اس کا گناہ ہے: ہمدی نے کہا، اُسے چھوڑ دو۔

---



## فصل نخبہ

### غصہ پی جانا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَأَنذَكُم بِالْعِيْظِ** (اور غصے کو پی جانے والے) اور اس کو مدح کے مقام میں ذکر کیا ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے غصے پر باد جو داس کرنا ذکر کرنے کی طاقت ہونے کے قابو پا لیا، اللہ تعالیٰ اُس کو بربر عام بلائے گا اور اختیار دے گا کہ جو بھی سجدہ چاہو پسند کر لو۔  
حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا: جو اللہ سے ڈرا وہ اپنا غصہ جاری نہ کرے گا۔ اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اپنی مرضی نہ کرے گا۔ اور اگر قیامت کا دن نہ ہوتا تو جو دیکھتے ہو دنیا کا یہ رنگ نہ ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **”علم تو علم سیکھنے سے آتا ہے اور بُر و باری حوصلہ کرنے سے۔ علم حاصل کرو اور اس کے ساتھ سکون اور بردباری بھی حاصل کرو۔ اپنے شاگردوں سے بھی نرمی کرو اور اپنے استادوں سے بھی۔ اور جابر اور سخت گیر علماء سے نہ ہو جاؤ کہ تمہارے جاہل تم پر غالب آجائیں گے۔“**

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشع بن قیس سے فرمایا: تیری دو عادتیں اللہ اور اس کے رسول کو بڑی پسند ہیں۔ بُر و باری اور جلد بازی نہ کرنا؟

ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباس کو گالی دی۔ جب وہ بات کر چکا، تو آپ نے فرمایا: اے عکرمہ! دیکھو اس آدمی کی کوئی حاجت ہے جو ہم پوری کریں؟ تو اس آدمی نے اپنا سر جھکا لیا اور شرمندہ ہوا۔  
ایک آدمی نے امیر معاویہ سے بدکلامی کی تو اُن سے کہا گیا: آپ اس کو سزا کیوں نہیں دیتے؟ تو فرمایا:

ملہ سورۃ آل عمران - آیت : ۱۳۳

مجھے شرم آتی ہے کہ میرا حوصلہ میری رعیت کے گناہ سے بھی کم ہو۔  
 امیر معاویہ نے چٹڑے کے بچپونے تقسیم کیے۔ دمشق کے ایک بوڑھے آدمی کو بھی بھیجا۔ وہ اُسے پسند  
 نہ آیا۔ اُس نے قسم کھائی کہ میں یہ امیر معاویہ کے سر پر ماروں گا۔ پھر وہ امیر معاویہ کے پاس آیا اور اُسے اپنی  
 قسم کے بارے میں بتایا تو امیر معاویہ نے کہا: اپنی نذر پوری کرو۔ اور اس بوڑھے سے نرمی سے پیش آئے۔  
 حضرت ابوذرؓ کا غلام آیا۔ اُس نے آپ کی بکری کی ٹانگ توڑ دی تھی۔ آپ نے اُس سے کہا: اس کی  
 ٹانگ کس نے توڑی ہے؟ اُس نے کہا: میں نے جان بوجھ کر توڑی ہے تاکہ آپ غصے میں آئیں اور  
 مجھے ماریں اور گنہگار ہوں؟ آپ نے فرمایا: جس نے تجھے میرے غصے پر بھڑکایا ہے میں اُس کو غصے میں  
 ڈالوں گا، پھر اُس کو آزاد کر دیا۔

ایک آدمی نے حدیث بن حاتم کو گالی دی۔ آپ خاموش رہے۔ جب وہ خاموش ہو گیا، تو اس سے  
 کہا: اگر کچھ اور کہنا چاہتے ہو تو وہ بھی میرے قبیلے کے لوہوں کے آنے سے پہلے پہلے کہ لو کہین کہ گروہ نہیں  
 کہ اُن کے ہنر دار کو تم اس طرح کہہ رہے ہو تو وہ پسند نہ کریں گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اذہیری رات میں مسجد میں آئے۔ ایک آدمی سویا ہوا تھا اُس کے پاؤں پر پاؤں  
 جا پڑا۔ اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہا: کیا تو پاگل ہے؟ حضرت عمر نے کہا: نہیں؟ آپ کے محافظ نے اُس  
 کو مارنے کا قصد کیا، تو عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: رک جاؤ! اُس نے مجھ سے پوچھا تھا کیا تو دیوانہ ہے؟  
 تو میں نے کہا نہیں؟

ایک آدمی علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے ملا اور آپ کو گالی دی۔ فلوں اس پر حملہ کرنے لگے تو آپ  
 نے فرمایا: چھوڑ دو! پھر اُس آدمی کی طرف توجہ کی اور فرمایا: ہمارا جو پتیزن تجھ سے مخفی ہیں وہ اس سے  
 بھی بڑی ہیں۔ کیا تیری کوئی حاجت ہے کہ ہم مدد کریں؟ وہ آدمی شرمندہ ہو گیا۔ آپ نے اپنی چادر اتار  
 کر اُس کو دی اور حکم دیا اسے ایک ہزار درہم دے دو۔ اس کے بعد وہ آدمی کہا کرتا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں  
 کہ آپ رسول اللہ کی اولاد ہیں۔

ایک آدمی نے وہب بن منبہ سے کہا: ظلال آدمی نے آپ کو گالی دی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیسا

شیطان کو تیرے سوا کوئی ایلیٰ نہ ملا!

## فصل ششم

### علم اور عفو و درگزر

معلوم ہونا چاہیے کہ عفو کا مطلب ہے تمہارا کوئی حق تھا جو تم نے چھوڑ دیا اور تم نے اس کی طرف سے قصاص یا تاوان خود ادا کر دیا۔ اور یہ خلق ہے جو تمہاری اور غصہ پنی جانے کے علاوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (اور لوگوں کو معاف کر دینے والے) اور فرمایا: فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (جو آدمی معاف کر دے اور درست کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے)۔

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ مال کو کم نہیں کرنا اور معاف کر دینے سے اللہ عزت بڑھتا ہے۔ اور جو آدمی اللہ کے لیے تواضع کرے اللہ اسے بلند کرتا ہے۔

عقبتین عامر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عقبہ، کیا میں تجھے دنیا اور آخرت کے لہسنے والوں کے بہترین اخلاق نہ بتاؤں؟ جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس سے صلہ رنجی کر۔ اور جو تجھے نہ دے تو اس سے دے اور جو تجھ پر ظلم کرے تو اس کو معاف کر دے۔

بیان کیا جاتا ہے قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ جن کا اجر اللہ کے ذمے ہے وہ اٹھ کر کھڑے ہو جائیں تو صرف وہی کھڑا ہو گا جس نے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کیا ہو گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خود بھی نرم ہیں اور نرمی کو پسند کرتے ہیں اور نرمی پر اللہ تعالیٰ وہ کچھ دے دیتے ہیں جو سختی پر نہیں دیتے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمام کاموں میں نرمی کو پسند کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے: کہ جو نرمی سے محروم ہوا وہ سب جھلائیوں سے محروم ہوا۔

## فصل ہفتم

### کینہ اور حسد

جب غصہ کو اس لیے دیا جائے کہ وہ اس کو نکال نہیں سکتا، تو وہ غصہ باطن میں جمع ہو جاتا ہے اور یہی کینہ بن جاتا ہے۔ اور اس کی علامت ہے آدمی سے بغض رکھنا۔ اُسے برداشت نہ کرنا اور اس سے نفرت کرنا، گویا کینہ غضب کا نتیجہ ہے اور حسد کینے کا نتیجہ۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں پہلی امتوں کی بیماری پھیل کر آئے گی جو حسد اور بغض ہے۔

صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: نہ آپس میں بغض رکھو نہ قطع تعلق کرو نہ حسد کرو اور نہ پٹھ پٹھے غیبت کرو۔ اسے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسد نیکوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک کڑیوں کو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اس راستے سے نکھارے پاس ایک جنتی آدمی آئے گا۔ تو ایک آدمی آیا۔ اُس سے اُس کے عمل کے متعلق پوچھا گیا، تو اُس نے کہا۔ میرے دل میں کسی مسلمان کے متعلق نہ حسد ہے نہ کینہ۔ کسی بھی بھلائی پر جو اُس کو اللہ نے عطا کی ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں: ”حساد آدمی میری نعمت کا دشمن ہے۔ میرے فیصلے سے ناراض ہے اور بندوں میں میری تقسیم پر خوش نہیں ہے۔“

ابن میرین نے کہا: ”میں نے کسی پر بھی کبھی دنیاوی امور میں حسد نہیں کیا کیونکہ یا تو وہ جنتی ہوگا تو میں اُس کے کسی دنیاوی کام میں حسد کیوں کروں، جبکہ وہ جنت کی طرف جا رہا ہے اور اگر وہ دوزخی ہے، تو میں اُس کے کسی دنیاوی کام پر کیا حسد کروں جبکہ وہ دوزخ کی طرف جا رہا ہے۔“

ابن سعید نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہا: حسد سے بچ کر اسی حسد نے مجھے اس حال تک پہنچایا ہے۔

اللہ تعالیٰ تیرے بھائی کو کوئی نعمت عطا کرے تو اس میں تیری دو حالتیں ہیں: پہلی یہ کہ تو اس نعمت کو ناپسند کرے اور چاہے کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، تو یہ حسد ہے! اور دوسری یہ کہ تو نہ تو نعمت کو اس کے پاس بُرا سمجھے اور نہ اس کا زوال چاہے، لیکن یہ چاہے کہ مجھے بھی اس طرح کی نعمت ملے، تو اس کا نام غبطہ (رشک) ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے کہا: میں کہتا ہوں کہ میں نے کسی کو کما حقہ حسد کی تحقیق کرتے نہیں دیکھا۔ میں اس کی تشریح کرتا ہوں =

معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کا نفس بلندگی کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی ہم جنس اس سے بلند ہو جائے۔ پھر جب کوئی اس سے بلند ہو جاتا ہے تو اسے شاق گزرتا ہے اور اس کی نعمت کا زوال چاہتا ہے، تاکہ یہ اور وہ برابر ہو جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تین چیزیں ہیں جن سے کوئی آدمی نجات نہیں پاسکتا۔ ظن، فال اور حسد۔  
میں تم کو بتاؤں گا ان سے نجات کی کیا صورت ہے۔ جب تم کو کوئی ظن (گمان) کرے تو اس کو سوچ نہ مان اور جب تو کوئی فال لے تو اس کی پروا نہ کر اور اپنے ارادے پر قائم رہ اور جب حسد کرے تو اس چیز کی خواہش نہ کر جس کے باعث دل میں حسد پیدا ہوا ہے۔

حسد کا علاج کبھی تو رضا بالقضاء سے ہوتا ہے کبھی دنیا کی بے رغبتی سے اور کبھی ان پریشانیوں اور حساب آخرت پر غور و فکر کرنے سے جو اس نعمت سے متعلق ہیں۔ ایسا کرنے سے اس کی تسلی ہو جائے گی اور جب نفس کے تقاضے کے مطابق کام نہ کرے گا تو فطری خواہش بھی اُسے نقصان نہ دے گی۔

جو آدمی کسی نبی کی نبوت پر حسد کرے اور چاہے کہ وہ نبی نہ ہوتا۔ یا کسی عالم کے علم پر حسد کرے کہ اسے علم نہ ملتا۔ یا یہ نبوت یا علم ان سے چھین لیا جائے اس کی حالت پر غور نہیں کرنا چاہیے کیونکہ کافر یا شریر نفوس کے علاوہ یہ کسی کی بھی جتنی خواہش نہیں ہے۔ ماں اگر کوئی آدمی اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھنا چاہتا ہو یا وہ کسی ایسی چیز پر مطمح ہو جس پر وہ مطلع نہیں ہیں، تو وہ اس سے گھٹکار نہ ہوگا کیونکہ اُس نے ان کی نعمت کا زوال نہیں چاہا، بلکہ اُن سے اپنے بلند ہونے کی خواہش کی ہے کہ اُس کے رب کے پاس اُس کا حقہ زیادہ ہو۔ جیسے دو غلام اپنے مالک کی خدمت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَذَٰلِكَ فَلَيْتَنَّٰ فِی السُّعُوٰطِ (اور اس میں ریس گزرتے لے ریس کریں)

صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا چاہیے۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید عطا کیا ہو اور وہ دن رات اس سے قیام کرتا ہو۔ اور ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اُسے سنی کی راہ میں دن رات خرچ کرتا ہو۔"

اور حسد کے بہت سے اسباب ہیں اور ان میں سے کچھ عداوت، تکبر، غور، سرداری کی خواہش، خباثتِ نفس اور بیکل ہے۔ اور ان میں سب سے زیادہ سخت عداوت اذنیض ہے کہ جس کو کسی انسان نے کسی سبب سے کوئی تکلیف پہنچائی ہو یا مخالفت کی ہو تو اس کا دل اس سے ناراض ہوا اور وہ اسے تکلیف پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کیفیت سے دل میں کینہ لاسخ ہو جاتا ہے۔ اور کینہ انتقام اور بدلہ لینے کا تقاضا کرتا ہے؛ چنانچہ جب اس کے دشمن کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بدلہ ہے۔ اسی طرح جب اسے کوئی نعمت ملتی ہے تو اُسے بُری لگتی ہے۔ گویا حسد، بغض اور عداوت لازم و ملزوم ہیں۔

پرہیزگاری یہ سب سے کم کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے۔ اگر کوئی کسی انسان سے بغض رکھے تو یہ ناممکن ہے کہ اس کے نزدیک اس کی بُرائی اور بھلائی برابر ہو۔

تکبر یہ بھی ہے کہ اس کے بغض برابر والوں کو مال یا حکومت کا کوئی عہدہ مل جاتا ہے، تو وہ ڈرتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے بڑا ہو جائے گا۔ گویا وہ اس کی بُرائی کو برداشت نہیں کرتا یا وہ آدمی جسے یہ چیزیں مل چکیں اُس سے کم درجے کا ہو تو وہ اس کی بلندی یا اُس کی برابری برداشت نہ کر سکے۔ کافروں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد فریباً اسی طرح کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْشِيِّينَ عَظِيمٍ (اور کہنے لگے یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا)

مومنوں کے متعلق فرمایا: اَهْلُوْا لَآءٍ مِّنَ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ مِّنْ يَّسِيْرًا (کیا یہی ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان فرمایا ہے)

ایک اور آیت میں فرمایا: مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (تم ہمارے جیسے آدمی ہی تو ہو)

۱۵ سورۃ زخرف - آیت: ۳۱ لہ سورۃ انعام - آیت: ۵۳ لہ سورۃ یس - آیت: ۱۵

فرمایا: وَلَسْتُمْ أَطْعَمْتُمْ بِشَرِّ مَا مُشَكَّرْتُمْ لَكُمْ إِذْ أَخَذَ الْمُخَاسِرُونَ لَيْسَ (اگر تم اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو گے تو یقیناً خسارہ اٹھاؤ گے)

انھوں نے تعجب کیا اور انکار کر دیا کہ ان جیسا کوئی آدمی رسالت کے مرتبے پر فائز نہ ہو اس لیے انھوں نے آپ پر حسد کیا۔

سرداری اور مرتبے کی محبت کی مثال یہ ہے کہ وہ آدمی جو کسی فن میں بے مثال بننا چاہتا ہے اور جب اس پر تعریف کی محبت غالب ہو جاتی ہے تو یہی سن کر خوش ہوتا ہے کہ وہ زمانے میں بے مثال اور اپنے فن میں یگانہ نہ روزگار ہے اور جب وہ دنیا کے کسی خطے میں اپنا نظیر پیدا ہونے کے متعلق سنتا ہے تو اُسے یہ بات جبری معلوم ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ مجھے یا اس کی وہ نعمت زائل ہو جائے جس سے وہ اس کا شریک بن گیا ہے۔ علم، شجاعت، عبادت، صنعت یا دولت یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز جو سرداری کی علامت ہے وہ اس میں اکیلے رہے۔

علمائے یہود صرف اپنی ریاست و سرداری کے ختم ہوجانے کے خوف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر اور پیمان سے انکار کرتے تھے اور آپ پر ایمان نہ لاتے تھے۔ باقی رہی نفس کی خباثت اور اللہ کے بندوں پر بخلی تو تم کچھ لوگوں کو پاؤ گے کہ وہ نہ ریاست چاہتے ہیں نہ اُن میں تکبر ہوتا ہے لیکن اُن کے سامنے جب کسی آدمی کا اچھا حال بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اس پر احسان کیا ہے، تو یہ چیز ان کو شاق گزرتی ہے اور جب اُن سے لوگوں کا مضطرب ہونا اور ان کی مصیبت اور اُن کی زندگی کی پرانگندگی بیان کی جاتی ہے، تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ لوگوں کی بد حالی کو پسند کرتے ہیں اور بندوں پر اللہ کی نعمت کا بخل کرتے ہیں۔ گویا وہ اُن کی ملکیت اور ان کے خزانہ سے لے رہے ہیں۔

بعض علمائے کہا ہے کہ بخیل وہ ہے جو اپنے مال سے بخل کرے اور شیخ وہ ہے جو دوسروں کے مال سے بخل کرے۔ تو یہ آدمی بندوں پر اللہ کی نعمت کا بخل کرتا ہے، حالانکہ اُن کے اور اُس کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہے اور نہ کوئی عداوت ہے پس سوائے خباثتِ نفس اور گندی طبیعت کے اس کا اور کوئی سبب نہیں ہوتا۔ اس مرض کا علاج بڑا مشکل ہے کیونکہ اس کا کوئی سبب نہیں ہوتا کہ اس کو زائل کیا جائے بلکہ اس کا سبب

فطری خباثت ہوتی ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ لوگوں میں اکثر حسد انہی اسباب سے ہوتا ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ عموماً ہمسامد برابر کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ مثلاً بھائیوں اور چچا زاد بھائیوں میں۔ کیونکہ حسد کا سبب مختلف اغراض کا ایسے مفاد پر توڑ دہے جن میں باہمی ٹکراؤ ہو۔ تم دیکھو گے کہ عالم، عالم سے حسد کرے گا نہ کہ عابد سے۔ اور عابد، عابد سے حسد کرے گا نہ کہ عالم سے۔ اسی طرح تاجر، تاجر کا حامد ہوگا اور موچی، موچی کا۔ ان میں سے کوئی بزاز سے حسد نہ کرے گا، مگر یہ کہ کوئی اور وجہ ہو۔

عداوت کا اصل ایک ہی غرض میں مزاحمت ہے۔ ایک غرض دو دُور رہنے والوں کو جمع نہیں کرتی جیسے دو شہروں میں رہنے والوں میں کوئی غرض مشترک نہیں ہوتی، اس لیے ان کے مابین حسد بھی نہیں ہوتا، مگر جس شخص پر اقتدار حاصل کرنے کی حرص غالب ہو وہ ہر اس آدمی پر حسد کرے گا جسے وہ اپنی صفات میں ہم مرتبہ خیال کرے گا۔ خواہ وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں رہتا ہو۔

ان سب چیزوں کی بنیاد دراصل دنیا کی محبت ہے اور دنیا ان لوگوں پر تنگ ہو جاتی ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں عاقبت کی بھلائی چاہنے والوں کے لیے تنگی نہیں۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، اس کے نبیوں اور اس کی زمین اور آسمان کی بادشاہی کی معرفت حاصل کرے گا اور اللہ سے محبت رکھے گا وہ کسی آدمی سے حسد نہ کرے گا کیونکہ معرفت عارف لوگوں پر تنگ نہیں ہوتی بلکہ ایک ہی معلوم کو لاکھوں جہان پہنچانتے ہیں اور دوسروں کی معرفت سے خوش ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے حق میں ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے۔ اُن کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور وہ ایک وسیع سمندر ہے جس میں کوئی تنگی نہیں۔ اور ان کا مقصد اللہ کے نزدیک مرتبہ حاصل کرنا ہے۔

اس کی سب سے بڑی نعمت خود اس کی ملاقات کی لذت ہے اور اس میں نہ منافعت ہے نہ مزاحمت، بلکہ کثرت سے اُن کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ ہاں اگر علماء کا مقصد مال و جاہ ہو تو وہ حسد کرتے ہیں۔ علم اور مال میں فرق ہے۔ مال ایک ہاتھ میں اس وقت تک نہیں آتا جب تک کہ دوسرے کے ہاتھ سے نہ جائے، لیکن علم عالم کے دل میں ٹھہرا رہتا ہے اور بغیر اس کے کہ اُس کے دل سے نکلے اس کے بتانے سے دوسرے کے سینہ میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

جس آدمی کو اللہ تعالیٰ کے جلال، اُس کی عظمت اور اس کے ملک میں غور کرنے کی عادت ہو جائے تو یہ



اس کے نزدیک تمام نعمتوں سے زیادہ لذیذ ہے۔ اس کے دل میں کسی سے حسد نہیں ہوگا بلکہ کوئی اور اسی کی طرح معرفت حاصل کر لے گا تو اُس کی لذت میں کوئی کمی نہیں آئے گی، بہر حال ایسے تم کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ حسد ایک ایسے مقصود پر مشتمل فالوں میں ہوتا ہے جو سب کو نہ مل سکے، تم لوگوں کو دیکھو گے کہ آسمان کی زینت دیکھنے کے لیے کبھی مزاحمت نہیں کرتے، کیونکہ اُس کے کنارے بڑے وسیع ہیں وہ تمام دیکھنے والوں کا ذوق دید پورا کر سکتے ہیں۔

اگر تم اپنے نفس کے خیر خواہ ہو تو وہ نعمتیں طلب کرو جن میں مزاحمت نہیں۔ اور ایسی لذتیں حاصل کرو جو مکدر نہ ہوں۔ اور دنیا میں ایسی نعمت اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے ملکوت کے عجائبات کے سوا اور کوئی نہیں۔ لیکن معرفت میں بھی اس نعمت کی طلب نہیں کی جاتی۔ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا شوق نہیں اور نہ تمہیں اس کی لذت حاصل ہوتی ہے، تو تم مردوانا نہیں ہو۔ یہ حال مردوں کا ہے، کیونکہ شوق ذوق کے بعد اور جس نے دیکھا اُس نے نہ پہچانا اور جس نے نہ پہچانا اسے شوق نہ ہوا اور جسے شوق نہ ہوگا، وہ طلب نہ کرے گا اور جو طلب نہ کرے گا نہ پائے گا اور جو نہ پائے گا وہ محروم ہی رہے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حسد دل کی بہت بڑی بیماریوں میں سے ہے۔ اور امراضِ قلوب کا علاج علم اور عمل ہی سے ہوتا ہے۔ اس بیماری کے لیے نافع علم یہ ہے کہ تو اس حقیقت کو جان لے کہ حسد سے سراسر تیرا اپنا ہی نقصان ہے، دین کا بھی اور دنیا کا بھی۔ جس پر حسد کیا جاتا ہے اس کا نہ دین میں کچھ نقصان ہے نہ دنیا میں، بلکہ اُس کو اٹنا فائدہ پہنچتا ہے۔ جان لے کہ تیرے حسد سے محسوس کی نعمت زائل نہیں ہوگی۔ عقلندی کا تقاضا یہ ہے کہ تو حسد سے بچے کیونکہ اس میں دل کی تکلیف ہے، فائدہ کچھ بھی نہیں، تو پھر جب تمہیں آخرت کے عذاب کا علم بھی ہے تو پھر سوچو تمہارا کیا حال ہوگا!

یہ جو ہم نے کہا ہے کہ محسوس کا کوئی نقصان نہیں، نہ دین میں نہ دنیا میں، بلکہ تمہارے حسد سے اس کا فائدہ ہے، دین کا بھی اور دنیا کا بھی۔ اُس کی حقیقت یہ ہے کہ جو نعمت اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں لکھی ہے ضرور ملے گی کہ وہ مدت مقررہ تک اس کے پاس رہے۔ تمہارے حسد کرنے سے اس کی نعمت ہرگز کم نہ ہوگی۔ اس کا فائدہ یوں ہوگا کہ تمہارے حسد کی وجہ سے اس کی حیثیت مظلوم کی ہوگی۔ باقی رہا خود تمہارا معاملہ، تو مخالفت کی اہم غرض دشمن کو غم میں ڈالنا ہوتی ہے اور جس مرض میں تم مبتلا ہو اس سے خود مبتلائے عذاب ہو گئے۔ اس سے بڑا نقصان اور کیا ہوگا!

ہماری مذکورہ باتوں پر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ تم اپنے نفس کے دشمن ہو اور حسد تمہارے دشمن کا درست ہے۔ گویا تمہاری مثال اس آدمی جیسی ہے جو دشمن کو قتل کرنے کے لیے پتھر مارے، لیکن وہ اُسے گلے کے بجائے پلٹ کر اُس کی اپنی دائیں آنکھ پر لگے اور اُسے پھوڑ دے۔ پھر اس کا عقصہ اور بڑھے اور دوبارہ پہلے پتھر سے بھی زیادہ بڑا پتھر اُس کو مارے اور وہ پتھر بھی واپس آگرا اس کی دوسری آنکھ پھوڑ دے اور وہ اندھا ہو جائے۔ پھر اُسے تیسرا پتھر مارے تو وہ واپس آگرا اس کے سر کو کچل دے اور اس کا دشمن صحیح سلامت کھڑا ہنس رہا ہو۔ یہ ہیں علمی دوائیں۔ جب انسان اُن میں غور کرے گا تو اُس کے دل سے حسد کی آگ بجھ جائے گی۔

نافع عمل یہ ہے کہ تکلیف اٹھا کر بھی اپنے نفس کی اذیت خواہشات کو کچل ڈالے۔ جب اسے محسوس کیجئے اور اس کی مذمت کرنے پر آمادہ کرے تو اپنے نفس کو اُس کی مدح اور ثنا کرنے پر مجبور کرے اور اگر اُسے تکبر پر ابھارے تو اپنے اوپر تواضع کو لازم کرے اور اگر اسے محسوس پر انعام کرنے سے روکے تو اپنے نفس پر انعام زیادہ کرنا لازم کرے۔

سلف کی ایک جماعت کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کو معلوم ہوتا کہ کسی آدمی نے اُن کی غیبت کی ہے تو اس کو ہدیہ بھیج دیتے۔ برائیلوں کے انسداد کی یہ بڑی مفید دوائیں ہیں۔ ہاں کہ ٹیڈی ضرور میں ہیں لیکن ان کا پینا اس طرح آسان ہو جاتا ہے کہ آدمی جان لے کہ اس کی ہر خواہش پوری نہیں ہو سکتی تو اس لیے وہ نفس سے کہے اسی کا ارادہ کرو جو ہو رہا ہے اور یہ پورا علاج ہے۔ واللہ اعلم۔



دنیا ایسی ہے جیسے کوئی نم نم سے اپنی انگلی سمندر میں ڈبوئے تو دیکھو انگلی کے ساتھ سمندر کا کتنا پانی آگیا؟  
ایک اور حدیث میں ہے کہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت (اسلم)  
ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا ایک مچھر کے پڑ کے برابر بھی قیمت رکھتی تو کسی کافر کو پانی پینا نصیب نہ ہوتا۔ (ترمذی و صحیح)

ایک اور حدیث میں ہے کہ دنیا اور دنیا کی سب چیزیں ملعون ہیں ہوائے ان چیزوں کے جو اللہ کے لیے ہوں۔  
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: جس نے  
دنیا سے محبت رکھی اس نے اپنی آخرت کا نقصان کیا اور جو آخرت سے محبت رکھے گا اس کی دنیا کو نقصان  
پہنچے گا۔ تو باقی رہنے والی کو فانی پر ترجیح نہ دو۔

حضرت حسنؓ نے عمر بن عبدالعزیز کی طرف دنیا کی مذمت میں ایک طویل مراسلہ بھیجا۔ اس میں یہ بھی تھا:  
”اما بعد، دنیا کوچ کا مقام ہے ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ آدم علیہ السلام کو یہاں نزل کے طور پر اتارا گیا تھا، تو اسے  
امیر المؤمنین! اس سے بچ کر رہو۔ اس سے زاد راہ نہیں چھوڑنے سے ہے۔ جو یہاں غنی ہے وہ دراصل فقیر ہے۔  
جو اسے عزیز رکھے گا ذلیل ہوگا۔ یہ زہر کی طرح ہے کہ ناواقف اس کو کھاتا ہے حالانکہ وہ اس کی موت ہے  
تو اس دھوکے اور فریب کے گھر سے بچو۔ جس حال میں ہونوش رہو۔ اس سال میں زیادہ ڈرو جس میں تم دنیا کے  
لیے ہو جاؤ۔ اس کی خوشی میں غم کی آمیزش ہے۔ اس کے صاف میں بھی کدورت ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے اس  
کے متعلق کچھ نہ بتایا ہوتا تو اس کے لیے کوئی بھی مثال بیان نہ فرمائی ہوتی تو بھی عقل کی رو سے ثابت ہو جاتا  
ہے کہ اس کی ہر چیز فانی اور عارضی ہے۔ پھر جبکہ اللہ نے اس سے تشبیہ بھی کر دی۔ پھر اب کونسا عذر ہے۔  
اللہ کے نزدیک نہ اس کی کوئی قدر ہے نہ وزن۔ جب سے اسے پیدا کیا ہے تو اس کی طرف دیکھا تک  
نہیں ہے۔“

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا کے خزانے اور ان کی گنجیاں پیش کی گئیں اور کہا گیا مچھر کے پڑ  
کے برابر بھی اللہ کے نزدیک ان کا درجہ کم نہ ہوگا، تو پھر بھی آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور  
جسے اس کے خالق نے ناپسند کیا، اُس کو پسند کرنا برا سمجھو۔ اللہ نے اپنی پسند سے اسے نیک لوگوں سے دور رکھا اور  
اپنے دشمنوں کو تکلیف دینے کے لیے پھیلادیا۔ جو آدمی اس کے دھوکے میں ہے دنیا اس کے پاس ہے۔ کیا وہ  
یہ سمجھتا ہے کہ دنیا عطا کر کے اس کی عزت کی گئی ہے، نہیں! وہ یہ بات بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھے۔

خدا کی قسم جسے دنیا کی فراخی ملی اور اُسے یہ ڈر پیدا نہ ہو کہ اس کے ساتھ چالی کی گئی ہے، تو اس کی عقل ناقص ہے اور جس بندے کو دنیا نہ ملی اور اس نے یہ نہ سمجھا کہ میرا بھلا کیا گیا ہے، تو اس کی عقل بھی ناقص ہے۔ حضرت مالک بن دینار نے کہا: جادو گر کوئی سب سے بچو، یعنی دنیا سے۔ یہ علماء کے دلوں پر جادو کرتی ہے۔ دنیا کی مثالوں میں ایک یہ بھی ہے کہ یونس بن علی نے کہا: ”دنیا کی مثال سوئے ہوئے آدمی کی ہے کہ وہ

تو اب میں اچھی اور بری چیزیں دیکھتا ہے اور پھر اس کے بعد بیدار ہو جاتا ہے۔“

اسی طرح کا یہ قول بھی ہے کہ لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مر جائیں گے تو بیدار ہوں گے۔“

مطلب یہ ہے کہ موت سے جاگ اٹھتے ہیں، لیکن ان کے ماتھے میں ان چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں ہوتی جن کی طرف مائل تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کو ایک بڑھیا کی شکل میں دیکھا، اس کے منہ میں دانت نہیں تھے لیکن وہ ہر طرح کی زہیہ و زینت سے آراستہ تھی۔ آپ نے اُس سے کہا: تیرے کتنے شوہر ہو چکے؟ کہنے لگی۔ بے شمار۔ آپ نے فرمایا: کیا سب مر گئے یا انھوں نے تجھے طلاق دے دی؟ کہنے لگی۔ میں نے سب کو مار ڈالا۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: تیرے باقی شوہروں کا برا ہو وہ تیرے پہلے شوہروں سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ تو کس طرح ان کو یکے بعد دیگرے مارتی جاتی ہے اور وہ پھر بھی تجھ سے پرہیز نہیں کرتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن دنیا کو ایک سفید بالوں والی بڑھیا کی شکل میں لایا جائے گا۔ آنکھیں نیلی، دانت باہر کو نکلے ہوئے اور بد شکل، وہ لوگوں کے سامنے آئے گی، تو کہا جائے گا اس کو پہچانتے ہو؟ لوگ کہیں گے، اس کے پہچانتے سے اللہ کی پناہ، تو کہا جائے گا یہ وہ دنیا ہے جس پر تم جھگڑے اور قطع رحمی کی اور آپس میں حسد و بغض رکھا، اور تم نے دھوکا کھایا۔ پھر اسے بہت مہینک دیا جائے گا۔ تو وہ کہے گی۔ اے میرے رب! میرے تابع را اور ساتھی کہاں ہیں؟ تو حکم ہوگا اس کے ساتھیوں اور تابع راوں کو بھی اسی کے ساتھ پھینک دو۔

حضرت ابو العلاء نے کہا: میں نے خواب میں ایک بہت بوڑھی عورت دیکھی۔ اس پر ہر طرح کی زینت تھی اور لوگ اُس پر اُٹھ رہے ہوئے تھے اور بہت شوق سے اسے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اُس سے پوچھا۔ تیرا

ستی ناس! تو کون ہے؟ کہنے لگی مجھے نہیں جانتے؛ میں نے کہا نہیں کہنے لگی میں دنیا ہوں۔ میں نے کہا۔ میں تیری برائی سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہنے لگی۔ اگر میری برائی سے پناہ چاہتے ہو تو رو پیسے کو بڑا سمجھو۔ بعض نے کہا: ہم نے دنیا کو ایک بد شکل کبڑی بڑھیا کی شکل میں دیکھا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے تین حال ہیں: ایک وہ حالت تھی جب تم کچھ نہیں تھے یعنی تمہارے پیدا ہونے سے پہلے کی حالت۔

دوسری حالت تمہاری موت سے لے کر میتگی کی زندگی تک۔ تمہاری روح جسم سے نکلنے کے بعد وجود اختیار کرے گی اور تم جنت یا دوزخ میں داخل کیے جاؤ گے۔ اور وہ ہمیشہ کا رہنا ہوگا۔ ان دونوں حالتوں کے درمیان ایک متوسط حالت ہے اور وہ ہے تمہاری دنیا کی زندگی۔ تو اس مقدار کو دیکھو اور دونوں حالتوں سے اس کا تناسب معلوم کرو، تو معلوم ہوگا کہ تمہاری دنیا کی زندگی ملک چھیننے سے بھی کم ہے۔ جس نے دنیا کو اس نگاہ سے دیکھا وہ اس کی طرف مائل نہ ہوگا اور نہ پروا کرے گا کہ اس کے دن کیسے گزریں تنگی میں یا تکلیف میں۔ یا فراخی اور آرام میں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی مکان بنایا نہ کنواں کھودا، فرمایا: میرا اور دنیا کا آپس میں کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال ایک سوار سیسی ہے جس نے کسی درخت کے نیچے دو پہر کو آرام کیا اور پھر اسے چھوڑ کر چلا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”دنیا ایک پُل ہے اس سے گزر جاؤ اسے آباد نہ کرو۔“

یہ ایک واضح مثال ہے کہ دنیا کی زندگی آخرت کے لیے ایک پُل ہے جس کا پہلا ستون چنگوڑا ہے اور دوسرا ستون لحد۔

بعض لوگوں نے نصف پُل عبور کر لیا اور بعض نے دو تہائی اور بعض ایسے ہیں جن کا صرف ایک ہی دم باقی رہ گیا ہے اور وہ اس سے بے خبر ہیں جس طرح بھی اُسے عبور کرنا ہے، پھر خودی پُل پر عمارت بنانے لگے اور اسے سجدے تو وہ انتہائی بے وقوف اور جاہل ہے۔

کہا گیا ہے کہ دنیا کے طالب کی مثال سمندر کا پانی پینے والے عیبی ہے وہ جتنا زیادہ پیتا ہے، اسی تناسب سے اُس کی پیاس بھرتی ہے۔ یہاں تک کہ مر جاتا ہے۔

بعض سلف اپنے ساتھیوں سے کہتے: ”اتھیں دنیا دکھائیں۔ وہ اُن کو بڑی کُڑی پر لے جلتے اور کہتے دیکھو یہ اس کے پھل ہیں، یہ مرغیاں ہیں، یہ شہد ہے اور یہ اس کا گھی ہے۔“

لہٰذا دنیا میں روٹی۔ گندگی کا ڈھیر۔ وہ جگہ جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری تمھاری اور دنیا کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ایک دیران جنگل میں جا رہے تھے۔ وہ نہ جانتے تھے کہ کتنا چل کر آگے اور کتنا باقی ہے۔ اُن کی خوراک ختم ہو گئی۔ اور سواریاں مر گئیں اور وہ جنگل میں پریشان تھے۔ نہ اُن کے پاس خورچ تھا، نہ سواری۔ انھیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تھا۔ وہ اسی حالت میں تھے کہ ان کے پاس ایک خوش لباس آدمی آیا۔ اُس کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ یہ شخص ایسے سرسبز علاقے سے آیا ہے جو قریب ہی ہے۔ جب وہ ان کے پاس پہنچا تو کہا: تم کس سال میں ہو؟ انھوں نے کہا: دیکھ ہی رہے ہو۔ تو اس نے کہا: اگر میں جاری پانی اور سبز باغ کی طرف تمھاری رہنمائی کروں تو تم کیا کرو گے؟ کہنے لگے: ہم کبھی تیری نافرمانی نہ کریں گے۔ اُس نے کہا: اللہ کی قسم اور اللہ کا عہد دو، تو انھوں نے اللہ کی قسمیں اور اللہ کا عہد دیا کہ اس کی نافرمانی نہ کریں گے اور وہ اُن کو جاری پانی اور سرسبز باغ میں لے آیا۔ پھر جتنی دیر اللہ نے چاہا وہ اُن میں رہے۔ پھر اس نے کہا: اے لوگو! کوچ-کوچ! کہنے لگے اب کہاں؟ اُس نے کہا: اُس پانی کی طرف جو اس پانی سے بہتا ہے اور اُس باغ کی طرف جو اس باغ سے بہتا ہے۔ تو اکثر لوگوں نے کہا: خدا کی قسم! مایوسی کے بعد ہی تو ہمیں یہ باغ ملا تھا اور اس سے بڑھ کر عیش ہم کیا کریں گے؟ بس تھوڑے لوگوں نے کہا: کیا تم نے اس کو اللہ کا عہد اور اس کی قسمیں نہ دی تھیں کہ تم اُس کی نافرمانی نہ کرو گے؟ اُس نے پہلی بات میں بھی سچ بولا تھا اور دوسری بات میں بھی وہ سچ کہے گا۔ تو پھر جنھوں نے اس کا کہا مانا وہ اُن کو لے کر چلا گیا۔ باقی چھپے وہ گئے۔ پھر دشمن نے حملہ کیا۔ کچھ قتل ہوئے کچھ قید ہو گئے۔“

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری اور میری بعثت کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا۔ اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے لشکر آتا دیکھا ہے اور میں واضح طور پر مطلع کر رہا ہوں، تم سچ جاؤ، تو اُس کی قوم کے کچھ لوگوں نے اس کا کہا مان لیا۔ وہ رات کو نکلے اور جہلت سے فائدہ اٹھا کر چلے گئے اور جنت پا گئے، لیکن ایک جماعت نے جھٹلایا وہ اپنی جگہ پر رہے تو اُن کے ٹھکانے پر لشکر لے حملہ کیا اور ان کو ہلاک و برباد کر دیا۔ یہ مثال ہے اُس آدمی کی جس نے میری اور میری تعلیم کی پیروی کی اور اس کی مثال جس نے میری نافرمانی کی اور میری سچی تعلیم کو جھٹلایا۔“

## دنیا کی حقیقت

بہت سے لوگوں نے مطلقاً دنیا کی مذمت سُت رکھی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا ان موجودات کی طرف اشارہ ہے جو لوگوں کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں، تو انھوں نے کھانے پینے کی اشیاء سے منہ موڑا جو کہ بدن کی مصلح ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے طبائع میں ان چیزوں کا شوق رکھا ہے جو ان کی مصلح ہیں۔ یہ لوگ اس فطری خواہش کو دباتے ہیں اور سمجھتے ہیں یہی وہ زہد ہے جو مطلوب ہے۔ یہ لوگ نفس کے حقوق سے نا آشنا ہیں اور اکثر مصنوعی زاہدوں کا یہی طریقہ ہے۔ یہ لوگ ایسا اپنی کم علمی کی وجہ سے کرتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا عبارت ہے انسان کے لیے موجود اشیاء سے جن میں اس کا حصہ ہے۔ اور وہ زمین اور اس کی سب چیزیں ہیں۔ زمین انسان کے رہنے کی جگہ ہے اور جو اشیاء اس پر ہیں وہ کھانے پینے اور پہننے اور نکاح وغیرہ کے لیے ہیں۔ اور یہ سب بدن کی سواری اور اس کی خوراک ہیں جو کہ اللہ کی طرف سفر کر رہا ہے۔ بدن ان مصالح ہی سے باقی رہے گا۔ جیسا کہ حج کے راستے میں اونٹنی چارے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، تو جس نے اسے جائز طریقہ پر حاصل کیا وہ اچھا ہے۔ اور جس نے ضرورت سے زیادہ لالچ کر کے لیا وہ بُرا ہے۔ کیونکہ دنیا کے حصول میں لالچ کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اس سے نفع کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔ اس آدمی کی مثال ایسی ہے جو اونٹنی کو چارہ کھلائے، پانی پلائے اور اس پر رنگ رنگ کے کپڑے ڈالے اور بھول جائے کہ ساتھی جا چکے ہیں۔ اس غفلت کے باعث وہ اور اس کی اونٹنی جنگل میں درندوں کی خوراک بن جائیں گے۔

ضرورت سے کم لینے کی بھی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ مناسب خوراک ہی سے اونٹنی سفر کی طاقت رکھے گی۔ سلامتی کی راہ اعتدال کی راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ چلنے کے لیے بقدر ضرورت دنیا لے لے۔ اگرچہ اُس کی خواہش بھی ہو کہ چونکہ نفس کو اس کی پسندیدہ چیز دینا اس کی مدد بھی ہے اور اس کے حق کی ادائیگی بھی ہے۔ سفیان ثوری بعض اوقات بڑا اچھا کھانا کھاتے اور سفر میں اپنے ساتھ فالودہ بنا کر لے جاتے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادہم بعض اوقات بڑا اچھا کھانا کھاتے اور کہتے "جب ہمیں مل جاتا ہے تو مردوں کی طرح کھاتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو ہم مردوں کی طرح صبر کرتے ہیں"



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی سیرت کو سامنے رکھنا چاہیے کہ نہ تو وہ دنیا کے حاصل کرنے میں اخراط سے کام لیتے اور نہ نفس کے حقوق میں کوتاہی کرتے تھے۔

چاہیے کہ نفس کی خواہشات پر غور کیا جائے۔ اگر اُس کی خواہش میں اس کی حفاظت، اصلاح اور بھلائی کے لیے خوشی سے آمادگی ہو تو اُس کو اُس سے نہیں روکنا چاہیے۔ اور اگر اس کی خواہش صرف لذت پر مبنی ہو اور مصالح مذکورہ سے متعلق نہ ہو، تو وہ خواہش بری ہے۔ اُس سے روک جانا حقیقی زیور ہے۔

---

## فصل نہم

### مال کی مذمت، مدح اور قناعت و سخاوت

معلوم ہونا چاہیے کہ مال بذاتِ خود برا نہیں، بلکہ مناسب یا نامناسب استعمال سے اچھا یا بُرا ہو جاتا ہے اور یہ یا تو اتھائی لالچ ہے، یا حرام طریقے سے حاصل کرنا، یا اس کو حق میں خرچ نہ کرنا، یا اس کو ناحق خرچ کرنا یا اس پر فخر کرنا وغیرہ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **رَأْسُ مَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ هُمْ عَنْهَا مُغْمِطُونَ** مال اور تمھاری اولاد ایک آزمائش ہیں۔

سنن ترمذی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: **أَنَا دُوبِحٌ لِّكُمْ بَعِيرٌ يُّبْرِي بَعِيرِي** گھلے میں نقصان نہیں کرتے جتنا کہ تم تیرا مال کی قیمت انسان کے دین کو برباد کرتی ہے۔  
سلف مال کے فتنے سے ڈرا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب فتوحات دیکھتے تو روتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ سے ان کو روک کر ان سے برائی کا ارادہ نہ کیا اور نہ عمرؓ سے بھلائی کا ارادہ کر کے اس کو روے دیں۔

یحییٰ بن صفاؤ نے کہا: **لَوْ بَدِئْتُ بِسَيْفِي لَمْ يَجْعَلِي**، اگر تم اس کا منتر اچھی طرح نہیں جانتے، تو اس کو ہاتھ مت لگاؤ کہ اگر تم کو دس لے گا تو اس کا نہ ہر تم کو مار ڈالے گا۔ پوچھا گیا۔ اس کا منتر کیا ہے؟ تو کہا اس کو حلال طریقے سے حاصل کرنا اور جائز جگہ میں خرچ کرنا۔ اور کہا:

”موت کے وقت مال میں بندے پر دو مصیبتیں ہوتی ہیں کہ ان جیسی مصیبت کسی نے کبھی نہیں سنی۔ پوچھا گیا۔ وہ کیا ہیں؟ تو کہا: اس سے مال سارے لیا جاتا ہے اور حساب سارے مال کا دینا پڑتا ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مال بذاتِ خود بُرا نہیں ہے، بلکہ مدح کے لائق ہے کیونکہ وہ دین و دنیا کے مصالح کی طرف پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نام خیر رکھا ہے۔ سورۃ نساء کے ابتداء

میں فرمایا: **دَلَّ تَوَلَّوْا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمْ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا** (اور سیرتوں کو اپنا وہ مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہارے قائم رہنے کا سبب بنایا ہے)

حضرت سعید بن مسیب نے کہا: جو حلال طریقے سے بھی مال جمع نہیں کرتا اس میں کوئی بھلائی نہیں کہ اس سے اپنی عزت کو بچائے اور صلہ رحمی کرے اور اس سے خفزاروں کا سستی ادا کرے۔

حضرت ابوالاسحاق سبعی نے کہا: سلف مال کی فراخی کو دین کا معاون سمجھتے تھے:

حضرت سفیان ثوری نے کہا: ہمارے اس زمانے میں مال مؤمن کا ہتھیار ہے۔

بحث کا حاصل یہ ہے کہ مال سانپ کی طرح ہے۔ اس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی۔ اس کا تریاق اس کے فائدے ہیں اور اس کی تباہ کاریاں اس کا زہر ہے، تو جس نے اس کے فائدے اور ہلاکت کو جان لیا، ممکن ہے وہ اس کی برائی سے بچا رہے اور اس کی بھلائی حاصل کر لے۔

اس کے فائدے دینی اور دنیاوی دو طرح کے ہیں، دنیوی فوائد تو لوگوں کو معلوم ہیں اور اسی لیے اس کی طلب میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔

دنیوی فوائد تین طرح کے ہیں: ایک یہ کہ اس کو اپنے نفس پر خرچ کرے یا عبادت میں۔ جیسے حج اور جہاد یا عبادت میں مدد لینے کے لیے۔ جیسے کھانا پینا اور مکان وغیرہ۔ اگر یہ ضرورتیں میسر نہ ہوں گی تو دل دین اور عبادت کے لیے فارغ نہ ہو گا تو دین پر مدد حاصل کرنے کے لیے بقدر ضرورت دنیا کو حاصل کرنا دینی فوائد سے ہے اور اس میں ضرورت سے زیادہ لینا داخل نہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو لوگوں پر خرچ کرے اور اس کی چار قسمیں ہیں: پہل صدقہ ہے اور اس کے فضائل بے شمار اور مشہور ہیں۔ دوسری عروت ہے یعنی وہ مال جو دو تہندوں اور اشراف پر ضیافت اور بدیا اور تعاون وغیرہ کے لیے خرچ کیا جاتا ہے اور یہ بھی دینی فوائد میں سے ہے۔ کیونکہ اس سے انسان بھائی اور دوست بنا سکتا ہے۔

تیسری یہ ہے کہ آدمی مال خرچ کر کے اپنی عزت محفوظ کرے۔ مثلاً تاجروں کی بچاؤ اور بے وقوفوں کی غیبت اور ان کی زبان بند کیا اور ان کی برائی کو روکنے کے لیے خرچ کرے۔ اور یہ بھی دینی فوائد میں سے ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **اِجْمَالُ اِذْمَا a**

اپنا کوئی کام کرانے کے بدلے تنخواہ یا مزدوری ادا کرے۔ آدمی اپنے سارے کام خود ہی انجام دے گا تو اس کا وقت ضائع ہوگا اور ذکر و فکر کے ذریعے سے جو کہ سالک کے مقامات میں سے ہیں محروم ہو جائے گا تو ہر

وہ کام جو دوسرا کر سکتا ہو، اور اس سے مقصد حاصل ہو سکتا ہو، اس میں خود مشغول ہونا سراسر نقصان ہے۔ تیسری قسم وہ ہے کہ مال کسی معین کام میں تو خرچ نہیں ہوتا، لیکن اس سے بہت سی بھلائی حاصل ہوتی ہے۔ جیسے مسجد اور پل کی تعمیر اور ایسے ہی دیگر کام۔ یہ سب مال کے ذمہ دار سے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور فوائد بھی ہیں۔ مثلاً سوال کی ذلت اور غربت کی حقارت سے بچنا۔ لوگوں میں معزز ہونا اور دلوں میں احترام اور وقار حاصل کرنا وغیرہ۔ اب رہیں مال کی آفتیں اور تباہی، تو یہ بھی دو قسم کی ہیں یعنی دینی بھی اور دنیاوی بھی۔ ان میں سے دینی تین ہیں: پہلی یہ کہ مال عموماً گناہ کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ مال دل میں طاقت اور تحفظ کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اور یہ احساس گناہ کی طرف تحریک کرتا ہے۔ اگر انسان پریشان حال ہو تو گناہ کا خیال بھی نہیں آتا۔

دو بچاؤ کی ایک صورت یہ ہے کہ مال نہ ہو۔ کیونکہ صاحبِ قدرت کے دل میں کوئی خواہش پیدا ہوگی تو اسے پورا کر کے ہلاک ہوگا اور گروہبر کرے گا تو اسے ممبر کی سختی کی تکلیف برداشت کرنا پڑے گی۔ گو یا دولت کا فتنہ تنگدستی کے فتنے سے بڑا ہے۔

دوسری یہ کہ مال مباح چیزوں سے تعیش کی تحریک کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ پھر وہ اس سے صبر نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ یہ اہتمام بھی نہیں رکھ سکتا کہ جو مال حاصل ہوتا ہے وہ ترقی کے شہت سے پاک ہو۔ پھر وہ ملامت اور نفاق کی آفتوں میں ترقی کرتا ہے کیونکہ جس کے پاس مال زیادہ ہوگا اس کا لوگوں سے میل جول بھی زیادہ ہوگا اور جب ان سے ملے گا تو نفاق اور عداوت اور حسد و غیبت سے محفوظ نہ رہے گا اور یہ سب اصلاح مال کی ضرورتیں ہیں۔

تیسری یہ ہے جس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا اور وہ یہ ہے کہ مال سے اللہ کی یاد سے غافل کرے گا اور یہ بہت ہلک بیماری ہے کیونکہ عبادت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اُس کے جلال و عظمت میں غور و فکر ہے اور یہ فارغ دل کا تقاضا کرتا ہے۔ زمیندار آدمی دن رات کا شتکاروں کے جھگڑوں اور ان کے مجاہدے میں مشغول رہے گا۔ پانی اور مردود کے جھگڑے نشاے گا۔ حکومت کے کارندوں سے خراج اور مزدوروں سے زمین کی آبادی میں کوتاہی کے متعلق پوچھ گچھ کرے گا۔

اسی طرح تاجر آدمی دن رات اپنے شراک کی خیانت، کام میں کوتاہی اور مال ضائع کرنے کے متعلق غور کرے گا، غرض اس طرح مال کی تمام قسموں کے لیے یہاں تک کہ جس کے پاس کوئی چیز اور محفوظ ہے بھی اس کی حفاظت اور ضائع ہونے کے خوف پر غور کرے گا، لیکن جس کے پاس نقد کے روز کھانا آئے گا۔ وہ ان سب چیزوں سے محفوظ رہے گا اور یہ سب مصیبتیں ان کے سوا ہیں جو دہمتندوں کو دنیا میں پیش آتی ہیں۔ خوف، غم، پریشانی اور مشقت وغیرہ۔

حُبّ مال کا ریاقت یہ ہے کہ اس سے دنیوی گناہ اور باقی نیک کاموں میں خرچ کر دو۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ زہرِ آرافت ہے۔

## حوص و طمع کی مذمت اور قناعت کی مدح

معلوم ہونا چاہیے کہ فقر (تنگ دستی) اچھی چیز ہے لیکن فقیر کو چاہیے کہ قناعت کرے۔ مخلوق سے طمع نہ لکھے۔ جو ان کے پاس ہے اس پر تو بہ نہ کرے۔ اور جس طرح بھی ہموال کے کمانے پر چریں نہ ہو، اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ بقدر ضرورت کھائے اور لباس پر قناعت نہ کرے۔

صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ نجات پا گیا جو مسلمان ہوا اور اسے بقدر کفایت روزی ملج اور اللہ نے اسے اپنے دیے پر قناعت عطا فرمائی“  
حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے کہا: ”میں نے ہر طرح کی زندگی کا تجربہ کیا ہے، نرم کا بھی اور سخت کا بھی، تو مجھ نے دیکھا کہ ادنیٰ چیز سے کفایت ہو سکتی ہے۔“

حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قناعت ایسا مال ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔“

حضرت ابو حازم نے کہا: ”جس آدمی میں تین چیزیں ہوں اس کی عقل کامل سے (۱) اپنے نفس کو پہچان لے۔ (۲) اپنی زبان کو محفوظ رکھے اور (۳) اللہ کے دیے پر قناعت کرے۔“  
بعض حکماء نے کہا: ”جب تک تم قناعت کرو گے معزز رہو گے۔“  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سے منع کیا اور فرمایا: ”اے لوگو! اچھی روزی تلاش کرو کیونکہ آدمی کو وہی ملے گا جو اس کے لیے لکھا گیا ہے۔“ طمع سے منع فرمایا اور کہا: ”لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے پوری طرح مایوس جاؤ۔“

بعض سلف نے کہا: ”اگر طمع کرنے والے سے پوچھا جائے تیرا باپ کون ہے؟ تو کہے گا خدا کی قسم میں شک، اور اگر اس سے پوچھا جائے تیرا پیشہ کیا ہے؟ تو کہے گا ذات حاصل کرنا اور اس سے کہا جائے تیری انتہا کیا ہے؟ تو کہے گا موعوی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ طمع امیر کو ذلیل کرتی ہے اور لوگوں سے بے پروا ہر ناقیر کو معزز کرتی ہے۔“

## فصل دہم

### حرص اور طمع کا علاج

معلوم ہونا چاہیے کہ فتنہ تین ارکان سے مرکب ہے: صبر، علم اور عمل۔ اور ان کا مجموعہ پانچ چیزیں ہیں:

پہلی: معیشت میں میانہ روی اور خرچ کرنے میں نرمی۔ تو جو تناعت کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ سستی الامکان انراجات کا دروازہ اپنے نفس پر بند کر دے اور نفس کو صرف وہی چیزیں دے جس کے بغیر چارہ نہیں۔ جو کھانا ملے اس پر تناعت کرے۔ تھوڑے سے سامن اور ایک کپڑے کا اپنے نفس کو پابند کرے۔ اور اگر اس کے بال بچے ہوں تو اسی انداز سے پرہیز کرے کہ عادی بنائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ تنگ دست نہیں ہوتا جو میانہ روی اختیار کرے“  
ایک اور حدیث میں ہے: ”تدبیر کرنا آدمی معیشت ہے“

ایک اور حدیث میں ہے: ”تین چیزیں نجات دینے والی ہیں۔ ظاہر اور باطن میں اللہ کا ڈر، دو تہمتی اور تنگ دستی میں میانہ روی، اور رضا اور غضب دونوں حالتوں میں انصاف کرنا“

دوسری یہ کہ جب موجودہ وقت کے لیے بقدر کفایت مل جائے، تو مستقبل کے لیے بے چین اور مضطرب نہ ہو۔ اس معاملے میں اس کے مددگار ہیں۔ تھوڑی آرزوئیں رکھنا اور اس بات کا یقین کہ اس کا رزق لازماً اس کو ملے گا۔ اور وہ یہ جان لے کہ شیطان اسے تنگ دستی سے ڈراتا ہے۔

حضرت ابن سعور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”روح القدس نے میرے دل میں القاء کیا کہ کوئی آدمی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ اپنا رزق اور اپنی مدت حیات پوری نہ کر لے۔ تو اللہ سے ڈرو اور طلب رزق میں بہتر طریقہ اختیار کرو اور اگر رزق ملنے میں دیر ہو جائے تو حرام طریقے سے اس کو حاصل نہ کرو کیونکہ جو اللہ کے پاس ہے وہ اس کی اطاعت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور جب وہ ذریعہ باقی نہ رہے جس سے اسے رزق حاصل ہونے کی امید تھی تو اس کا دل بیقرار نہ ہونا چاہیے۔“

کیونکہ حدیث میں ہے کہ: "اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو دیاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اُسے گمان نہیں ہوتا۔"

تیسرے یہ کہ جان لے قناعت میں بے نیازی کی کتنی عزت ہے اور طمع اور حرص میں کتنی ذلت! قناعت میں خواہشاتِ زائدہ سے حیرا تا ہے اور آخرت کا ثواب الگ ملے گا۔ جو آدمی اپنی خواہش پر اپنی عزت کو ترجیح نہ دے وہ کمزور عقل والا اور ناقص الایمان ہے۔

چوتھا یہ کہ یہود و نصاریٰ اور کینے اور بے وقوف لوگوں کی عیش و عشرت پر اکثر غور کرے۔ پھر انبیاء و صالحین کے حالات بھی دیکھے۔ ان کی احادیث سننے اور حالات کا مطالعہ کرے اور عقل سے کہے کہ تو دنیا جہان کے ذلیل لوگوں سے مشابہ ہونا چاہتی ہے یا اللہ کی پسندیدہ مخلوق سے۔ یہاں تک کہ تھوڑے پر صبر اور قلیل پر قناعت اس کے لیے آسان ہو جائے۔ اگر وہ کھانے کو نعمت سمجھتا ہے تو چار پائے اس سے زیادہ کھاتے ہیں اور اگر جماعت کو خوبی سمجھتا ہے تو چڑا (کنجشک) اس سے زیادہ جمار کر سکتا ہے۔

پانچواں یہ کہ سمجھے مال جمع کرنے میں کیا کچھ خطرات ہیں۔ یا تو فقر کے ثواب کو دیکھے اور یہ بات اس طرح کامل ہوگی کہ دنیا میں اپنے سے نیچے کو دیکھے اور دین میں اپنے سے اوپر والے کو۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور اپنے سے اوپر والے کو نہ دیکھو یہ زیادہ مناسب ہے کہ تم اپنے رب کی نعمت کو خفیہ نہ سمجھو گے۔"

اس کام کا ستون صبر اور امید کم کرنا ہے اور یہ جان لے کہ دائمی نفع کے لیے دنیا میں اس کے صبر کے ختم ہونے میں تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ ایسا کرے تو اُس مرضی کی طرح ہوگا جو تندرستی کی امید میں ڈاکا کڑوا، پھر صبر کرتا ہے۔

## قناعت کے فوائد

جس کے پاس مال نہ ہو اسے قناعت اختیار کرنی چاہیے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور جس کے پاس مال ہو وہ سخاوت اور ایثار اور بھلائی کے کاموں میں اسے خرچ کرے، کیونکہ سخاوت انبیاء کے اخلاق میں سے ہے اور وہ نجات کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو بل نے کہا اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں اسلام ایک دین ہے جسے میں نے پسند کیا اور اس کی اصلاح، سخاوت اور حسنِ خلق سے ہے، تو جب تک تم مسلمان ہر ان دونوں سے اسلام کی عزت کرو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بخی کے گناہوں سے درگزر کرو کہ جب بھی وہ کوئی لغزش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔“ ایک اور حدیث میں ہے کہ: ”جنتِ نخیلوں کا گھر ہے اور جتنے بھی ولی ہوئے ہیں وہ سب سخی تھے۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت کے اہل عبادت اور دوزخوں کے سبب جنت میں داخل نہیں ہوں گے، بلکہ وہ نفس کی سخاوت اور سنیے کی سلامتی اور سلامتی کی خیر خواہی سے جنت میں داخل ہوں گے۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ: تم بھلائی کرنے کو لازم پکڑو کہ یہ میری موت سے بچاتی ہے۔“ ابنِ مسکات نے کہا: مجھے اُس آدمی پر تعجب ہے جو اپنے مال سے غلام خریدتا ہے وہ اپنی سخاوت سے آزاد لوگوں کے ذلی کیوں نہیں خریدتا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ آندھی سے بھی زیادہ سخاوت میں تیز رو تھے اور آپؐ سے کبھی کسی چیز کا اس طرح سوال نہیں کیا گیا کہ آپؐ نے ”نہیں“ کہا ہو۔ ایک آدمی نے آپؐ سے سوال کیا تو آپؐ نے اُس کو دو بیارٹوں کے درمیان کی ساری بکریاں دے دیں۔ وہ آدمی اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا: اے میری قوم مسلمان ہو جاؤ مجھ اس آدمی کی طرح دینا ہے جسے تنگدستی کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ذمے پچاس ہزار درہم قرضہ تھا۔ آپؐ مسجد کی طرف آئے تو حضرت طلحہ نے آپؐ سے کہا آپؐ کا مال تیار ہے وہ لے لیں انھوں نے کہا: اے ابو محمد وہ آپؐ کی مروت کے کاموں میں اعانت ہے۔“

ایک دیہاتی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور سوال کیا اور یہ بھی بتایا کہ میری آپؐ سے قربت ہے۔ آپؐ نے فرمایا قربت کے واسطے سے تجھ سے پہلے مجھ سے کسی نے سوال نہیں کیا۔ یہ فرما کر اسے تین لاکھ درہم دیے۔ حضرت عروہ نے کہا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا آپؐ نے ستر ہزار درہم تقسیم کیے اور آپؐ کی تمہیں کہ بیوند لگے ہوئے تھے۔



بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن میں ایک لاکھ اسی ہزار درہم لوگوں میں تقسیم کیے۔ جب شام ہوئی تو لوٹنڈی سے فرمایا: "ہمارے لیے روزے کی افطاری لے آؤ۔" وہ روٹی اور زیتون کا تیل لائی اور کہا: "آپ نے اتنا روپیہ خرچ کیا اگر افطاری کے لیے گوشت منگالیتیں تو کیا بات بھئی؟ فرمایا اگر تم مجھے یا درادیتی تو میں ایسا کر لیتی۔"

عبداللہ بن عامر نے خالد بن عقبہ سے ان کا وہ مکان جو بازار میں تھا تو سے ہزار درہم میں خرید لیا۔ رات ہوئی تو خالد کے گھر والوں کے رونے کی آواز سنی۔ اپنے گھر والوں سے پوچھا یہ کیوں رو رہے ہیں؟ انھوں نے کہا مکان کے فروخت ہو جانے کی وجہ سے۔ تو آپ نے کہا: اے غلام، ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم مال اور مکان دونوں رکھو۔

عبداللہ کی طرف ایک آدمی نے پیغام بھیجا کہ مجھے کہا گیا ہے کہ تم گائے کا دودھ پیا کرو۔ آپ مجھے ایک گائے بھیج دیں کہ میں اس کا دودھ پی سکوں، تو آپ نے اس کو سات سو گائیں اور ان کے چرواہے بھیج دیے اور کہا وہ بستی بھی تمھاری ہے جس میں یہ گائیں چرا کرتی تھیں۔

علی بن حسین حضرت محمد بن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لیے آئے، تو وہ رونے لگے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ کہا مجھ پر قرضہ ہے۔ پوچھا کتنا ہے؟ کہا پندرہ ہزار دینار یا انیس ہزار دینار، تو آپ نے کہا وہ میرے ذمہ ہوا۔

ایک آدمی نے معن سے سوال کیا تو آپ نے کہا: اے غلام! میری نلال اذنی ادا ایک ہزار دینار اس کو دے دو۔ اس نے دے دی حالانکہ آپ اسے جانتے بھی نہ تھے۔

معن کے متعلق ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شاعر مدت تک ان کے دروازے پر ٹھہرا رہا، لیکن ان سے ملاقات نہ ہو سکی، تو اس نے ان کے کسی خادم سے کہا: جب میرے باغ میں داخل ہوں تو مجھے ان کو دکھانا، چنانچہ جب باغ میں آئے تو خادم نے اس کو بتا دیا۔ شاعر نے کھڑی پراک شعور لکھا اور باغی میں ڈال دیا جو باغ میں داخل ہو رہا تھا۔ جب معن نے کھڑی دیکھی تو اس کو کپڑ لیا اس پر لکھا تھا:

أَيَا جُودَ مَعْنٍ نَجَّحَ مَعْنًا بِحَاجَتِي فَمَا لِي إِذِ مَعْنٍ سِوَاكَ شَفِيحٌ

توجہ: اے معن کی سخاوت میری حاجت کے متعلق معن سے گفتگو کر کہ تیرے سوا ان کی خدمت میں میرا کوئی سفارشی نہیں ہے۔

پوچھا یہ کس نے لکھا ہے؟ انھیں شاعر کے متعلق بتایا گیا۔ اُسے بلا کر دریافت کیا نہ میری سخاوت کے بارے میں کس نے بتایا، اس نے پھر شعر پڑھا تو آپ نے اس کو دس بدسے دینے کا حکم دیا (بدلہ ہزار یا دس ہزار درہم کا تحفہ) اس نے لے لیے اور امیر تلخ اس مکتوی کو اپنے فرزند کے نیچے رکھ دیا۔ دوسرے دن پھر اسے فرزند کے نیچے سے نکال کر پڑھا اور شاعر کو بلا کر پھر ایک لاکھ درہم عنایت کیے۔ شاعر نے لے لیے تو اسے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ امیر اس کا پس منہ لے لے کر چلا گیا۔ جب تیسرا دن ہوا تو پھر اس کو پڑھا اور شاعر کو بلوایا معلوم ہوا کہ وہ چلا گیا ہے تو کہا، میں اس کو دیتا جاتا یہاں تک کہ میرے خزانے میں کوئی درہم و دینار باقی نہ رہتا۔“

قیس بن سعد بن عبادہ بنیامرہوئے تو ان کے دوستوں نے بیامرہرسی میں دیر کی۔ پوچھا تو ان سے کہا گیا چونکہ وہ آپ کے مقروض ہیں۔ آپ کے سامنے آنے سے شرم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ مال کو ذلیل کرے جس نے میرے بھائیوں کو میرے پاس آنے سے روک دیا، پھر منادی کا حکم دیا کہ آواز دے۔ قیس کا جس پر کوئی قرضہ ہے وہ اسے معاف ہے۔ کہا جاتا ہے عشاء کے وقت تک آپ کی عیادت کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے آپ کی میٹھی ٹوٹ گئی۔

ایک آدمی نے کھڑے ہو کر سعید بن عاص سے سوال کیا۔ آپ نے اس کو ایک لاکھ درہم دیے تو وہ ڈنڈے لگا۔ سعید نے پوچھا۔ کیوں روتا ہے؟ کہا میں زمین پر روتا ہوں کہ وہ تیرے جیسے آدمی کو بھی کھائے گی، تو آپ نے اس کو ایک لاکھ درہم اور دیے۔

## فصل یازدہم

# بُخْلِ اور اُس کی مذمت

حضرت ابوسید نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دو عادتیں کسی مومن میں اکٹھی نہیں ہوتیں۔ بُخیلی اور بد خلقی۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایمان اور حرص کسی بندے کے دل میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔“  
مسلم کے افراد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے: ”اے اللہ! میں بزدلی اور بُخیلی سے تیری پناہ لیتا ہوں۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی سلمہ سے پوچھا تمہارا سرو اور کون ہے؟ کہنے لگے عبد بن قیس، لیکن ہم اُسے بخیل سمجھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: ”بُخْلِ سے بڑھ کر بڑی بیماری کوئی ہے؟ بلکہ تمہارا سرو اور لہڑی بہن برا، بن معرور ہے۔“ اور یہ عمرو بن مہموج کے ذکر سے زیادہ صحیح ہے اور بعض راویوں نے غلطی کھائی اور برا بن معرور کہہ دیا۔ حالانکہ برا، ہجرت سے پہلے نعت ہو چکے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں بُخیلی جس کی پیروی کی جائے اور خواہش جس کا پیچھا کیا جائے اور آدمی کا اپنے نفس کو پسند کرنا۔“  
خطابی نے کہا: ”سچ نہ دینے میں بُخْلِ سے زیادہ بدلیغ ہے۔“

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا: ”جب سخی مترا ہے، تو زمین اور اس کے نگران فرشتے کہتے ہیں اے رب! اپنے بندے کو اس کی سخاوت کی وجہ سے معاف کر دے اور جب بخیل مترا ہے تو کہتے ہیں اے اللہ! اس بندے کو حجت سے روک دے، جیسا کہ اس نے تیرے بندوں کو دُنیا میں اس چیز سے روکا جو تو نے اُس کے ہاتھ میں دی تھی۔“

بعض حکماء نے کہا: ”بخیل کے مال کا وارث اس کا دشمن ہوتا ہے۔“

ایک عرابی نے ایک قوم کی مذمت کی اور کہا وہ بھلائی سے روزہ رکھتے ہیں اور بے حیائی پر اظہار کرتے ہیں۔

ایک اور اعرابی نے ایک آدمی کی صفت بیان کی اور کہا: وہ میری نگاہ میں چھوٹا ہے کیونکہ دنیا اس کی نگاہ میں بڑی ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ حاجب عرب کا ایک بہت امیر آدمی تھا، لیکن بخیل ایسا تھا کہ رات کو اس لیے آگ نہ جلاتا کہ کوئی اُس کی روشنی سے فائدہ اٹھائے گا۔ بہت ہی ضرورت کے وقت آگ جلاتا، لیکن جیسے ہی یہ گمان گزرتا کہ کوئی روشنی سے فائدہ اٹھا رہا ہے تو اُس کو گھبا دیتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مروان بن ابی حنفہ سب سے زیادہ بخیل آدمی تھا۔ ایک دن وہ خلیفہ جہدی عباسی کے پاس آنے لگا تو اُس کی بیوی نے کہا: اگر تمہیں کچھ انعام ملا تو مجھے کیا دو گے؟

کہنے لگا: اگر مجھے ایک لاکھ درہم ملے تو مجھے ایک درہم دے دوں گا۔  
خلیفہ نے اسے ساٹھ ہزار درہم دیے، تو اُس نے بیوی کو چار دانق دیے۔  
کہا جاتا ہے کہ ایک بخیل بہت دولت مند تھا۔ ایک دن اُس نے بازار سے ضرورت کی کچھ چیزیں خریدیں اور دو دو کو بلایا اور کہا ان اشیاء کو اٹھانے کا کیا لو گے؟

اس نے کہا: ایک بقرہ (چاندی کا سکہ جو دو سو کے وزن کا تھا)  
کہنے لگا: کچھ کم کرو۔“

مزدور بلا، جتنے سے کم کیا کروں کہ سب سے چھوٹا سکہ تو یہی ہے۔“  
بخیل نے کہا: ہم ایک سبتہ کی گاجریں لیتے ہیں، پھر دونوں مل کر کھا لیتے ہیں۔“

## ایشیاء کی فضیلت

معلوم ہونا چاہیے کہ سخاوت اور بخیل کے کئی درجے ہیں اور سخاوت کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ایشیاء ہے جو یہ ہے کہ اپنی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دی جائے۔ اسی طرح بخیل کا سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ ضرورت کے باوجود آدمی اپنی ذات پر بھی خرچ نہ کرے۔ کتنے ہی بخیل ہیں جو مال دار ہونے کے باوجود اپنا علاج بھی نہیں کرتے اور دل میں کوئی خواہش پیدا ہوتی ہے تو بخیل پوری نہیں کرنے دیتا۔ کتنا فرق ہے اس آدمی میں جو ضرورت کے باوجود اپنی ذات پر بھی خرچ نہ کرے، اور اُس آدمی میں جو حاجت کے باوجود اپنا مال دوسروں کو دے دے۔ دراصل اخلاق اللہ تعالیٰ کی خاص بخشش ہے

جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

سخاوت میں ایثار سے بڑھ کر اور کوئی درجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مدح ایثار سے فرمائی۔ ارشاد ہوا: **وَيُؤْتِيهِمْ مِنْ عَالِي الْقُبُورِ وَلَوْ كَانَ مِنْكُمْ حَصَاحَةٌ** (اور

وہ اپنی جانوں پر بھی دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر یہ خود ان کو ضرورت ہو)

اس آیت کے نازل ہونے کا سبب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جبکہ انھوں نے ایک بھوکے آدمی کو اپنی اور اپنے بچوں کی روٹی کھلا دی۔ یہ ایک مشہور واقعہ ہے۔

یرموک کی جنگ میں عکرمہ بن ابوجہل، ہسیل بن عمرو، حارث بن ہشام اور بنو مغیرہ کی ایک عجمت شہید ہو گئی۔ جب وہ زخمی ہو کر گرے ہوئے تھے، تو ان کے پاس پانی لایا گیا۔ وہ پانی ایک دوسرے کی طرف بھیجتے رہے۔ یہاں تک کہ سب شہید ہو گئے اور پانی کسی نے بھی نہ پیا۔

حضرت عکرمہ کے پاس پانی لایا گیا۔ انھوں نے دیکھا کہ ہسیل بن عمرو پانی کو دیکھ رہے ہیں۔ تو کہا پہلے ان کو پلاؤ۔ ہسیل نے حارث کو دیکھا کہ وہ پانی کو دیکھ رہے ہیں تو کہا پہلے ان کو پلاؤ۔ یونہی ہر ایک پانی پینے میں دوسرے کو ترجیح دیتا رہا یہاں تک کہ سب ہی پانی پینے سے پہلے شہید ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے تو کہا: میری جان تم پر قربان ہو!

ایک صحابی کو بکری کی سری ہڈی میں دی گئی تو انھوں نے کہا: میرے بھائی کو اس کی زیادہ ضرورت ہے! اور میری کسی اور کی طرف بھیج دی۔ یہاں تک کہ وہ سات گھروں سے ہو کر پھر پہلے کے پاس آگئی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر اپنی زمین کی طرف نکلے تو ایک باغ کے پاس سے گزرے۔ اس میں ایک حبشی غلام کام کرتا تھا۔ غلام کی روٹی آٹی، ساتھ ہی ایک کتا باغ میں داخل ہوا اور غلام کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ غلام نے اس کی طرف ایک روٹی پھینکی۔ اس نے کھالی۔ پھر دوسری پھینکی تو وہ بھی کھا گیا۔ پھر تیسری پھینکی وہ بھی کھا گیا۔

عبداللہ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے کہنے لگے: اے شخص! تجھے روزانہ کتنی روٹیاں ملتی ہیں؟ اس نے کہا: جتنی آپ نے دیکھیں۔ پھر کہا: تو نے کتنے کو کیوں کھلا دیں؟ تو اس نے کہا: اس علاقے میں گتے نہیں

ہوتے۔ یہ دور کی مسافت طے کر کے آیا تھا اور بھوکا تھا۔ میں نے اس کو لٹا نا پسند نہ کیا۔ پوچھا اب تم کیا کرو گے؟ کہا: میں راج بھوکا رہ لوں گا۔“ بعد ازاں شیخ جعفر نے کہا: مجھے سخاوت پر ملامت کی جاتی ہے اور مجھ سے بھی زیادہ سخی ہے۔ پھر اس باغ، اس کے آلات اور اس غلام کو خریدو اور اسے آزاد کر کے وہ باغ اس کو ہبہ کر دیا۔

ایک جگہ تھیروں کی ایک جماعت اکٹھی ہوئی۔ ان کے پاس چند روٹیاں تھیں جو ان کو کافی نہ تھیں انھوں نے دو ٹیوں کے ٹکڑے کیے اور چرائی کر کے کھلنے پر بٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد چرائی جلا گیا تو کھانا اسی طرح پڑا تھا۔ اپنے ساتھیوں پر ایشیا کرتے ہوئے کسی نے ایک نوالہ بھی نہ کھایا تھا۔

لوگوں نے بخل اور سخاوت کی تعریف میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قوم نے بخل کی تعریف یہ کی ہے کہ بڑے اجبات ادا نہ کرے جو واجبات ادا کرے وہ بخیل نہیں ہے، لیکن یہ تعریف کافی نہیں، کیونکہ جو آدمی اپنے بچوں کو ضرر آتا ہی دے جتنا حاکم نے مقرر کیا ہے۔ اس کے بعد انھیں ایک لقمہ یا ایک کھجور بھی نہ دے تو وہ بخیل ہے بخل سے بریت تب ہوتی ہے جب شریعت کے واجبات اور مروت کے لوازمات خوشی سے ادا کرے۔ اگر شریعت کے واجبات، مکمل اور بال بچوں کے واجبات ہیں۔ اس کے علاوہ مروت کے لحاظ سے ضروری ہے کہ بچوں پر تنگی نہ کرے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کا حساب نہ لیتا ہے۔ یہ رویت نا پسندیدہ ہے۔

ہر شخص کے حالات اس کی حیثیت کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔ کئی چیزیں دولت مند کے لیے بری ہیں۔ فقیہ کے لیے بری نہیں ہیں، لیکن اپنے بال بچوں، قرابت داروں اور ہسالیوں پر تنگی کرنا بہر حال بُرا ہے، البتہ کسی اجنبی کی ضرورت کا خیال نہ کرنا برائی سے نہیں۔ بخل یہ ہے کہ ایسی چیزوں کو روک لے جن کو روکنا چاہیے۔ جو شریعت کے واجبات اور مروت کے لوازمات ادا کرے بخیل نہیں۔

لبض نے کہا سخی وہ ہے جو دے کر احسان نہ جتائے، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ سخی وہ ہے جو دے کر خوش ہو۔

ربا بخل کا علاج، تو معلوم ہونا چاہیے کہ بخل کا سبب مال کی محبت ہے اور مال کی محبت کے دو سبب ہیں، پہلا سبب خواہشات میں الجھ جانا اور دوسرا آرزوؤں میں مبتلا ہو جانا۔ ان میں وہ آرزوئیں بھی شامل ہیں جو انسان اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے۔

دوسرا سبب یہ کہ بذات خود مال کی محبت ہو۔ لبض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس ضرورت سے

بھی بہت زیادہ دولت ہوتی ہے۔ وہ عمر کی آخری منزل تک پہنچ چکے ہوتے ہیں، اولاد سے بھی محروم ہوتے ہیں، لیکن حال یہ ہوتا ہے کہ خاص اپنی بنیادی ضرورتیں بھی پوری نہیں کرتے۔ صاف نظر آ رہا ہوتا ہے کہ ان کی موت کے بعد یہ مال دوسروں کے قبضے میں چلا جائے گا، لیکن دولت کی حرص انہیں خرچ کرنے سے روک رکھتی ہے یہ ایک لا علاج مرض ہے۔

ایسے شخص کی مثال اس آدمی جیسی ہے جسے کسی سے محبت ہو۔ پھر اس کا ایلچی آئے تو ایلچی سے محبت کرنے لگے اور اپنے محبوب کو بھول جائے۔ یہ دنیا ایلچی ہے حقیقی منزل کی طرف لے جانے والی ہے۔ جو شخص اس سے محبت کرے اور حقیقی منزل کو بھول جائے اس سے بڑھ کر بد نصیب کون ہوگا؟

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر بیماری کا علاج اس کے اسباب کی رعایت سے ہوتا ہے۔ مثلاً خواہشات کی محبت کا علاج قناعت اور صبر ہے اور لمبی آرزوؤں کا علاج موت کا اکثر تذکرہ کرنا۔ اسی طرح اگر اولاد کی محبت میں دل الجھ گیا ہو، تو اس کا علاج یہ خیال کرنا ہے کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے اُس نے اُن کی روزی بھی پیدا کی ہے۔ کتنے ہی آدمی، میں تجھیں کوئی چیز داشت میں نہ ملی اور وہ وارث ہونے والے ہیں زیادہ خوشحال ہیں۔ اسے چاہیے اس صورت سے ڈرے کہ بچوں کے لیے تو بھلائی چھوڑ جائے اور خود اللہ کے پاس بُرائی لے کر جائے۔ اگر اُس کی اولاد نیک ہوگی تو اللہ ان کا مددگار ہے اور اگر بُری ہوگی تو ان کے لیے ایسا مال نہ چھوڑ جائے جس سے گناہوں پر ان کو مدد ملے۔

بخل کی مذمت اور سخاوت کی مدح میں ہم نے جو ذکر کیا ہے اسے بار بار سنتا رہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں محبوب جتنے زیادہ ہوں گے معائب بھی اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ جو مال کی آفت کو جان لے گا وہ اس سے پیار نہ کرے گا۔ اور جو آدمی بقدر ضرورت مال حاصل کرے اور اسے اپنی ضرورت کے لیے روک رکھے تو وہ بخیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر سب سے بڑا خوف رہا اور پوشیدہ خواہش کا ہے اس پوشیدہ خواہش کی تباہ کاریوں پر بعض اوقات بڑے بڑے علماء بھی آگاہ نہیں ہو سکتے، چر جائیکہ عام عبادت گزار واقف ہوں اور اس بیماری میں وہ علماء اور عابد مبتلا ہوتے ہیں جو آخرت کی راہ طہ کرنے کے لیے کمر بستہ باندھتے ہیں۔ جب یہ اپنے نفسوں کو مغلوب کر لیتے ہیں اور اُن کی خواہشات اُن سے چھڑا دیتے ہیں اور عبادت کے اسباب پر اُن کو مجبور کر دیتے ہیں تو نفس ظاہری گناہوں سے مایوس ہوجاتے ہیں

جو کہ اعضاء سے صادر ہوتے ہیں۔ تو وہ علم اور عمل کے اظہار میں راحت پانا چاہتے ہیں۔  
 لوگوں کا ان کو تار اور تنظیم کی نگاہ سے دیکھنا اور خلقت میں مقبول ہونا ایسی باتیں ہوتی ہیں جن سے  
 نفس کو لذتِ عظیم حاصل ہوتی ہے۔ اس کے مقابل گناہ کا چھوڑنا ان کو بالکل حقیر معلوم ہوتا ہے۔ پھر کوئی ان  
 میں سے خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ کے لیے خالص ہے حالانکہ وہ منافقین کے دفتر میں لکھا ہوتا ہے۔ شیطان  
 کا ایک بہت بڑا کمر ہے اس سے مقرب لوگ ہی بچ سکتے ہیں؛ چنانچہ اسی لیے کہا گیا ہے کہ صدیقین کے  
 دماغ سے جو آخری چیز نکلتی ہے، وہ مرتبہ وجاہ کی محبت ہے اور چونکہ یہی ایک پوشیدہ بیماری ہے اور یہی  
 شیطان کا سب سے بڑا حال ہے تو فروری ہے کہ ہم اس کے اسباب اور حقیقت اور اقسام کو تفصیل  
 بیان کریں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جہاد مرتبہ کا اصل شہرت اور چچا کا پھیلنا ہے۔ اور یہ بہت بڑا خطرہ ہے۔  
 سلامتی گناہی میں ہے۔ نیک لوگ شہرت نہیں چاہتے اور نہ اُس کے اور اُس کے اسباب کی طرف توجہ کرتے  
 ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہو جائے تو اس سے بھاگتے اور گناہی کو توجیح دیتے ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ اپنے گھر سے نکلے تو ایک جماعت آپ کے پیچھے چلنے لگی۔  
 آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "میرے پیچھے کیوں آ رہے ہو؟ خدا کی قسم! جو میں اپنے گھر کے اندر  
 کرتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو جائے تو تم میں سے میرے پیچھے دو آدمی بھی نہ آئیں" ایک روایت میں ہے کہ  
 آپ نے فرمایا: "واپس چلے جاؤ یہ پیچھے آنے والے کے لیے ذلت اور مقبرع کے لیے قنبر ہے"

ابوالعالیہ رحمہ اللہ کی مجلس میں جب چار آدمیوں سے زیادہ بیٹھ جاتے، تو آپ مجلس سے اُٹھ جاتے اور  
 خالد بن معدان رحمہ اللہ کا حلقہ جب بڑا ہو جاتا تو آپ ناپسند کرتے اور اُٹھ کر چلے جاتے۔

زہری رحمہ اللہ نے کہا: "ہم نے سب کم زہد ریاست میں دیکھا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی مال اور کھانے  
 کی پروا نہیں کرتا، لیکن جب ریاست میں اُس سے جھگڑا کیا جائے تو اُس کی حفاظت کرتا ہے اور اُس  
 پر لڑتا ہے"

ایک آدمی نے بشر حافی رحمہ اللہ سے کہا: "مجھے کچھ وصیت فرمائیے تو کہا اپنے کو گناہم کر دو، خواہ کھا،  
 اچھا کھاؤ۔ اور فرمایا: آدمی آخرت کی لذت نہیں پاتا جو دنیا میں شہرت کا طالب ہو۔"  
 صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن سعدؓ سوار ہو کر اپنے باپ سعد کی طرف گئے جو مدینہ سے



باہر انبی بکریاں چرا رہے تھے۔ جب آپ نے اُس کو دیکھا تو کہا: میں اس سواد کی بڑائی سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچے تو کہا: ابا جان! کیا آپ اعرابی بن کر اپنی بکریوں ہی میں رہیں گے لوگ مدینہ میں حکومت کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہیں؟ تو سعد نے اُن کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا: خاموش رہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ پر مہینہ گار، بے نیاز اور گنہگار آدمی کو پسند کرتا ہے۔“

ابا امام رضی اللہ عنہ نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل رشک وہ مؤمن ہے جو غریب ہو، نماز خوب پڑھتا ہو۔ اپنے رب کی عبادت اچھی طرح کرے۔ پوشیدگی میں بھی اس کی اطاعت کرتا ہو اور لوگوں میں گنہگار ہو۔ انگلیوں سے اس کی طرف اشارے نہ ہوتے ہوں اور اس کا رزق محض گزارے کے لیے ہو۔ پھر وہ اس پر صبر کرے۔ پھر ہاتھ سے زمین کریدنے لگے اور فرمایا: اس کی موت جلدی ہو جائے۔ اس کے رونے والے تھوڑے ہوں۔ اس کی میراث تھوڑی ہو۔“ (حدیث حسن)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو وصیت کرتے اور فرماتے: تم بن جاؤ علم کے چستے، ہدایت کے چراغ، گھروں میں بیٹھ رہنے والے، رات کے چراغ، نئے دلوں والے، پرانے کپڑوں والے، تم آسمان میں پہچانے جاؤ اور زمین والوں پر مخفی رہو۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ اس میں گناہی کی نفی صحت اور شہرت کی مذمت ہے۔ اور انبیاء اور ائمہ و علماء کی شہرت سے بڑھ کر اور کس کی شہرت ہے؟

تو ہم کہتے ہیں انسان کا شہرت طلب کرنا برا ہے۔ اور اگر طلب کے بغیر اللہ کی طرف سے یہ چیز مل جائے تو بُری نہیں۔ اس کا وجود کمزوروں کے لیے فتنہ ہے۔ کمزور کی مثال اس غرق ہونے والے کی طرح ہے جو تیز نہ جانتا ہو۔ اگر کوئی اس کو پکڑے گا تو خود بھی غرق ہو جائے گا اور اگر پیراکی میں ماہر ہو تو ڈوبنے والے کی نجات اور خلاصی کا سبب بن جائے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جاہ اور مال دنیا کے دوستوں ہیں۔ مال کا معنی ہے پیڑوں کا مالک ہونا جن سے فائدہ حاصل کیا جائے اور جاہ کا معنی ہے دلوں کا مالک ہونا جن سے تعظیم اور اطاعت مطلوب ہو اور ان میں

تصرف کر سکے۔

جاہ (مرتبہ) لوگوں کے دلوں میں منزلت کا قیام ہے۔ اور وہ اس شخص میں کسی کمال کی صفت کا دل میں ملتا ہے خواہ وہ علم ہو یا عبادت، نسب، توت، خوبصورتی یا اور کوئی چیز جسے لوگ کمال سمجھتے ہوں، تو جتنا ان کے متعلق کسی کا عقیدہ ہوگا اتنا ہی دل اس کی اطاعت، مدح، خدمت اور عزت کے لیے فرمانبردار ہوگا۔ پس معلوم ہوا جاہ محبوب بالطبع ہے اور یہ مال کی محبت سے زیادہ بلینغ ہے، کیونکہ مال بذاتہ محبوب نہیں، بلکہ وہ محبوب چیزوں کے حصول کا وسیلہ ہے۔ مال اور جاہ کا سبب میں مشترک ہونا محبت کے اشتراک کا تقاضا کرتا ہے اور جاہ مال سے زیادہ راجح ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جاہ (مرتبہ) اچھا بھی ہے اور بُرا بھی۔ یہ تو معلوم ہے کہ انسان کے لیے مال ضروری ہے کہ اس سے کھانے اور لباس وغیرہ کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ اسی طرح لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے جاہ و مرتبہ بھی لازمی چیز ہے کیونکہ انسان کو بادشاہ سے بھی حاجت ہے جو اس کی حفاظت کرے اور ساتھی کی بھی جو اسے مدد دے اور غلام کی بھی جو اس کی خدمت کرے، تو اس کی محبت بھی بُری نہیں ہے کیونکہ مال کی طرح مرتبہ بھی اغراض کے حصول کا وسیلہ ہے۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ مال اور جاہ بذاتہ خود محبوب نہ ہوں۔ جب آدمی اپنے مرتبے کا قیام کسی صفت کی وجہ سے جس سے وہ موصوف ہو صحیح غرض کے لیے کرے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کہا تھا اَجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ اِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا۔ (مجھے زمین کے خزانے سپرد کر دو میں حفاظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں)۔

یا اپنے کسی عیب کو چھپانا مقصود ہوتا کہ اس کی منزلت ختم نہ ہو تو یہ جائز ہے۔ اور اگر منزلت لوگوں سے کسی ایسی صفت پر عقیدے کے سبب مطلوب ہو جو اس میں نہیں ہے، مثلاً علم، پرہیزگاری اور نسب تو یہ جائز نہیں۔

اسی طرح اگر لوگوں کے سامنے اچھی طرح نماز پڑھے تاکہ لوگ اس کے خشوع کے متعقد ہوں، تو یہ اس میں ریاکار ہوگا۔ فریب سے دلوں کو اپنی طرف راغب کرنا اور دھوکے سے مال کا مالک ہونا جائز نہیں۔

لے سورۃ یوسف - آیت: ۵

## فصل سیزدہم

### حُبّ جاہ کا علاج

معلوم ہونا چاہیے کہ جس کے دل پر حُبّ جاہ غالب ہو اس کا انتہائی مقصد مخلوق کی خوشنودی بن جانا ہے۔ اس کے دل میں ان کے پاس آنے جانے اور ان کو اپنے اچھے اعمال دکھانے کا خیال ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ ایسے اقوال و افعال کی طرف توجہ کرتا ہے جن سے لوگوں کے نزدیک اس کی منزلت بڑھے۔ یہ نفاق کا بیج اور نسا کی بڑھ ہے، کیونکہ جو لوگوں کے دلوں میں منزلت چاہے گا وہ منافعت سے ایسی باتوں کا اظہار کرے گا جو اس میں نہیں ہیں، اور یہ چیز اسے عبادت میں ریاکاری اور ممنوعات کے ارتکاب اور دلوں کا شکار کرنے کی طرف لے جائے گی۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال اور جاہ کی محبت اور ان کے ذہنی نقصان کو دودھو کے بیٹھڑوں سے تشبیہ دی ہے جنھیں بکریوں میں چھوڑ دیا جائے۔

ایسی صورت میں جاہ کی محبت ہلک ہے۔ اس کا علاج ضروری ہے۔ اور اس کا علاج علم اور عمل سے مرکب ہے۔ علم سے تو اس طرح کہ وہ جان لے کہ وہ سبب جس کی وجہ سے وہ جاہ سے محبت رکھتا ہے اور وہ ہے لوگوں اور ان کے دلوں پر کمال درجے کی قدرت، تو یہ اگر کمذرات سے صاف اور سچی ہوئی بھی ہو تو انجام کار موت ہے۔ اُسے چاہیے اُن آفات و خطرات پر غور کرے جو مرتبہ دالوں کو دنیا میں لاحق ہوتے ہیں۔ ان سے حسد کیا جاتا ہے۔ اُن کو ایذا میں دینے کے ارادے ہوتے ہیں؛ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے مرتبہ کے زوال سے ڈرتے رہتے ہیں اور لوگوں کے دلوں سے اپنی قدر و منزلت کے تبدیل ہونے سے بچتے رہتے ہیں۔

دل تو باطنی ہوتی ہنڈیا سے بھی جلدی بدل جاتے ہیں۔ ان کی رعایت میں مشغول ہونا دنیا کے غم میں جو مرتبے کی حفاظت کو متاثر کرنے میں، تو دنیا کی امیدیں اس کے خوف کی برابری نہیں کر سکتیں اور آخرت کا نقصان اس کے علاوہ ہے۔

علمی حیثیت سے علاج یہ ہے کہ لوگوں کے لوں سے اپنی جاہ و منزلت کو ایسے افعال سے ختم کر دیا جائے جو انہیں پسند نہ ہوں۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک زراہ کی زیارت کے لیے ایک بادشاہ آیا۔ جب وہ اُس سے قریب ہوا تو اُس نے عمدہ کھانا منگایا اور بے تحاشا کھانے لگا۔ منہ میں بڑے بڑے تھکے ڈالتا۔ بادشاہ نے اُسے اس طرح کھانے دیکھا تو خیال کیا یہ شخص زراہ نہیں ہو سکتا اور عقیدت کا اظہار کیے بغیر لوٹ گیا۔ ابراہیمؑ شخصی کو جب قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا تو آپ نے سُرخ قمیص پہنی اور باناڑ میں آکر بیٹھ گئے۔ معلوم ہوتا چاہیے کہ زراہ کا لوگوں سے الگ تھلک رہنا لوگوں میں اس کے مرتبہ کو پیدا کرتا ہے۔ پھر جب اس فتنے سے ڈرے تو سلامتی کے طریقے پر اُن سے میل جول رکھے۔ بازاروں میں چلے پھرے اپنی ضرورت کی چیزیں خریدے اور اٹھا کر لائے اور ان کی دنیا سے امیدیں منقطع کر لے۔ اس طرح اس کی مراد پوری ہوگی۔

### حقیقی اور مصنوعی زہد

معلوم ہوتا چاہیے اکثر لوگ دوسروں کی مذمت کے خوف اور ان کی مدح کی محبت میں ہلاک ہو گئے ہیں۔ ان کی تمام حرکات مدح کی اُمید اور مذمت کے خوف کی وجہ سے لوگوں کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں اور یہ چیز سراسر ہلاکت ہے۔ اس کا علاج کرنا ضروری ہے۔ اس برائی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس صفت کو دیکھو جس کی وجہ سے کوئی تمھاری مدح کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ تم میں موجود ہے، تو پھر یا تو وہ ایسی صفت ہوگی جس پر خوش ہونا چاہیے، جیسے علم اور ہرگز کا یا پھر وہ ایسی ہوگی جو خوش ہونے کے قابل نہیں۔ مثلاً عزت و جاہ اور دولت وغیرہ۔ پہلی صورت میں بڑے انجام سے ڈرنا چاہیے۔ اس کا خوف مدح کی خوشی سے غافل کر دے گا۔ ہاں اگر حسنِ خاتمہ کی اُمید پر خوش ہوتے ہو تو تم پر اللہ کا فضل ہے کہ تم کو علم اور پرہیزگاری ہی پر خوش ہونا چاہیے۔ مذکورہ لوگوں کی مدح و ثنا پر۔

دوسری صورت میں جبکہ مال اور جاہ کی وجہ سے مدح ہوتی ہے تو یہ لیں ہے جیسے زمین کی زرخیزی پر خوش ہونا کہ وہ بہت ہی جلد چورا چورا ہوجاتی ہے۔ اس پر تو کوئی بیوقوف ہی خوش ہوگا۔ اور اگر تم اس صفت سے خالی ہو جس کی وجہ سے تمھاری مدح ہو رہی ہے تو اس مدح پر خوش ہونا انتہائی پاگل پن ہے۔

ہم نے پہلے آفاتِ لریان کے بیان میں مدح کی آفات کا ذکر کیا ہے تو اس پر خوش نہ ہونا چاہیے بلکہ اسے ناپسند کرنا چاہیے۔ جیسا کہ سلف اسے ناپسند کرتے تھے اور ایسا کرنے والے پر ناراض ہوتے تھے۔

نومت کو ناپسند کرنے کا علاج مدح کی محبت کے علاج سے سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اس کے برخلاف ہے اور اس میں مختصر بات یہ ہے کہ جو تمھاری مذمت کرتا ہے، اگر وہ اس بات میں سچا ہے اور تمھارا خیر خواہ ہے تو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اُس نے تمھارے عیوب کا ہدیہ تمھاری خدمت میں پیش کیا ہے اور اگر اُس نے خیر خواہی کا ارادہ نہیں کیا تو اس نے خود اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ چاہیے کہ اُس کے قول سے فائدہ اٹھاؤ۔ اُس نے تمھیں وہ بات بتادی ہے جو تمھیں معلوم نہ تھی اور تمھارے وہ گناہ یاد کرائے جو تم بھول چکے تھے۔

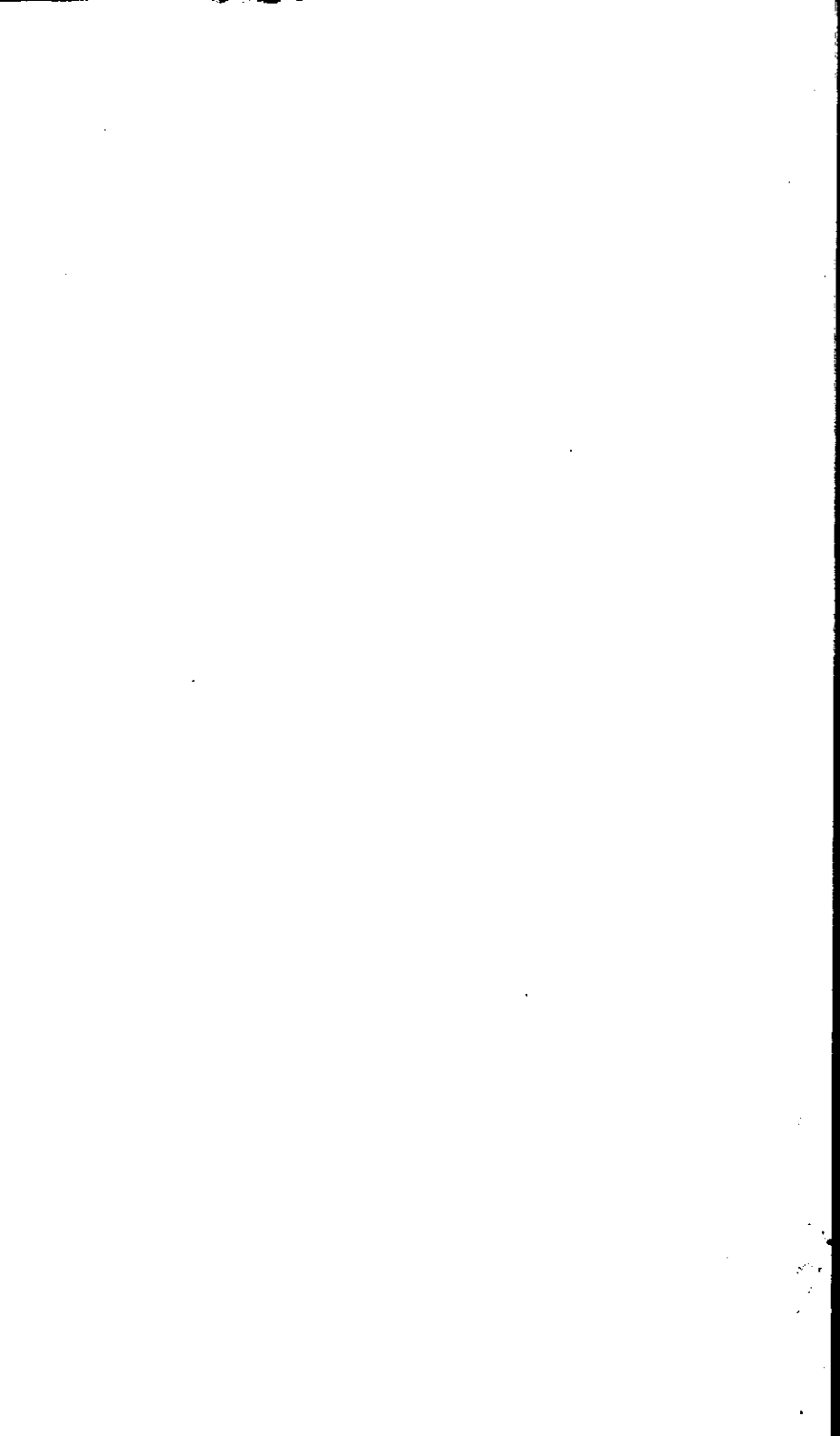
اگر اس نے تم پر چھوٹا الزام لگایا ہے، تب بھی تین چیزوں پر غور کرنا چاہیے: پہلی یہ کہ اگرچہ تم اس عیب سے پاک ہو، لیکن اس جیسے دوسرے عیوب سے پاک نہیں، تو جن عیوب پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے وہ بہت زیادہ ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ اُس نے تمھیں تمھارے عیوب پر مطلع نہیں کیا۔ دوسری یہ کہ الزام گناہوں کا کفارہ ہے۔ تیسری یہ کہ عاصد نے اپنے دین کا نقصان کیا اور اللہ کے غضب کے سامنے آیا، تو چاہیے کہ تم اللہ سے اُس کے لیے معافی مانگو، یہ تمھارے لیے باعثِ اجر ہوگا۔ بیان کیا گیا ہے کہ امیہ نے ابراہیم بن ادھم کو زخمی کر دیا۔ آپ نے اُس کے لیے بخشش کی دعا کی اور کہا میں اس کے سبب سے اجر کا مستحق ہوں۔ اُسے میرے سبب سے عذاب نہیں ہونا چاہیے پہلے یہ حکایت بردباری کی فضیلت میں بیان ہو چکی ہے۔



# کتاب التزکیہ

## حصہ دوم

- ریا، اُس کی حقیقت، اقسام اور مذمت
- عبادات میں ریا
- کونسی ریا سے عمل ضائع ہو جاتا ہے
- ریا کے امراض کا علاج
- عبادت میں تساہل اور اُس کا سدباب
- ریا کی اقسام اور ان کا علاج
- تکبر اور غرور کی مذمت
- تکبر کے درجے
- تکبر کا علاج اور تواضع کا حصول
- عُجب کے متعلق تصریحات
- دھوکا اور اُس کے درجات
- گمراہیوں کی قسمیں
- ریا کار صوفی
- دولت مند لوگ





## فصل اول

### ریا، اُس کی حقیقت، اقسام اور مذمت

ریا کی مذمت کتاب و سنت میں بکثرت بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **قَوْلِهِمْ لِمَنْ صَلَّى عَلَيْنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ** **هُم عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ السَّيِّئِينَ هُمْ يُرَادُونَ** (ان نمازیوں پر انہوں نے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں)

فرمایا: **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا**۔ (پھر جو اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو وہ اچھے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو آدمی کوئی ایسا عمل کرے جس میں میرے سما کسی اور کو بھی شریک ٹھہرائے، تو وہ عمل اسی کا ہے جس کو شریک ٹھہرایا۔ میں اس سے بُری ہوں۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سب سے زیادہ خوف تم پر چھوٹے شرک کا ہے۔ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! چھوٹا شرک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ریا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا تو ان سے فرمائے گا ان کے پاس ماؤں جن کو تم دنیا میں اعمال دکھایا کرتے تھے۔ کیا ان کے پاس تمہارا سے لیے کوئی بھلائی ہے؟

حضرت بشر حافی نے کہا: اگر میں دنیا کا بجا کر حاصل کروں، تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے کہ میں اسے دین کا وسیلہ بنا کر حاصل کروں۔“

معلوم ہونا چاہیے کہ ریا روایت سے مشتق ہے اور تمکوہ سماع سے مشتق ہے۔ ریا کار لوگوں کو وہ چیز دکھاتا ہے جس سلطان کے نزدیک اسے عزت حاصل ہو۔ اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً، پہلی قسم دین میں ریا کاری ہے اور یہ بھی کئی طرح کی ہے: ایک بدن کے لحاظ سے ہے کہ جسم کی کمزوری اور زردی اور ویرانی کا اظہار کیا جائے

اور لوگوں کو یہ تاثر دیا جائے کہ یہ شخص دینی کاموں میں بڑی مشقت برداشت کرتا ہے اور اس پر خوفِ خدا غالب ہے۔ دین میں ایسا مستغرق ہے کہ اسے بال درست کرنے کی بھی فرصت نہیں۔  
یہی حال ہے آواز سنجی رکھنے، آنکھیں گہری کرنے اور ہونٹ خشک دکھانے کا کہ معلوم ہو یہ ہمیشہ روزے رکھتا ہے۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو اپنے سر کو تیل لگائے اور گنگھی کرے اور یہ اس لیے کہ روزہ دار پر ریاکی کی آفات کا خوف ہے“ یہ تو دین داروں کی جسم کے لحاظ سے ریا کاری ہے۔

دنیا دار جسم کے موٹاپے، رنگت کی صفائی، جسم کے اعتدال، چہرے کی خوبصورتی اور بدن کی صفائی سے بھی ریا کاری کرتے ہیں۔

دوسری قسم لباس اور حالت کی ریا کاری ہے۔ جیسے لکھا گردن چھکا کر چلنا۔ چہرے پر سچورے کے نشان کو باقی رکھنا۔ موٹے کپڑے پہننا۔ ادنیٰ لباس رکھنا۔ تہ بند اونچا باندھنا۔ قمیص کے کف پھوٹے اور کپڑے میلے کچیلے رکھنا وغیرہ۔

انہی میں سے بے ضرورت چیزیں لگے کپڑے پہننا۔ صوفیوں سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے پیلا رنگ استعمال کرنا اور پگڈی کے اوپر چادر اوڑھنا ہے کہ اس امتیاز کی وجہ سے لوگوں کی نگاہیں اُس کی طرف اٹھیں۔  
ریا کاروں کی کئی طبقے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو نیک لوگوں میں زہد کے اظہار سے مقبول ہونا چاہتے ہیں۔ وہ گندے، میلے کچیلے اور موٹے کپڑے ریا کاری کے لیے پہنتے ہیں۔ اگر ان کو اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہننے کو کہا جائے جیسا کہ سلف پہنتے تھے تو یہ ان کے نزدیک ذبح ہو جانے کی طرح ہے۔ وہ ڈرتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ پہلے یہ آدمی زاہد تھا اور اب اس راہ سے لوٹ آیا ہے۔

ایک طبقہ وہ ہے جو نیک لوگوں، دنیا داروں، بادشاہوں، امراء اور تاجروں سب میں مقبول ہونا چاہتا ہے۔ اس کے لباس کا کپڑا قیمتی لیکن وضع قطع صلحا کے لباس کی سی ہوتی ہے۔

ان لوگوں کو اگر میلے یا موٹے کپڑے پہننے کو کہا جائے تو ان کے لیے موت کے برابر ہے۔ وہ ڈرتے ہیں کہ بادشاہوں اور دوئمندوں کی نگاہ سے گری جائیں گے اور اگر ان کو باریک اور قیمتی سوئی سینفید کپڑے پہننے کو کہا جائے تو یہ بھی ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ وہ ڈرتے ہیں کہ نیک لوگوں کی نگاہ سے گری جائیں گے۔

ہر ریاکار کا ایک مخصوص لباس اور سہیت ہوتی ہے۔ اس سے نیچے یا اوپر ہونا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے۔  
یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بجائے لوگوں کی مذمت سے ڈرتے ہیں۔

دنیا داروں کی ریاکاری نفیس لباس، اچھی سواری، ترمین کی مختلف اقسام، مکان اور اعلیٰ ساز و سامان سے ہوتی ہے۔ وہ اپنے گھروں میں نور ٹوٹے بھوٹے کپڑے پہن لیتے ہیں، لیکن یہ پسند نہیں کرتے کہ لوگ انھیں معمولی لباس میں دیکھیں۔

تیسری قسم باتوں کی ریاکاری ہے۔ دینداروں کی ریاکار بے موقع بے موقع وعظ و نصیحت اور احادیث و آثار بیان کرتے رہنا اور بحث مباحثے میں مصروف رہنا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو ان کے علم کی کثرت معلوم ہو، وہ سلف کے حالات پر بڑی توجہ دیتے ہیں۔ لوگوں کی مجلس میں اپنے ہونٹ ہلاتے رہتے ہیں اور لوگوں کے سامنے برائیوں پر بڑے غصے کا اظہار کرتے ہیں۔ آذانِ نبوی رکھتے ہیں اور قرآن کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ وہ گناہوں کے غم اور اللہ کے خوف میں مبتلا ہیں۔

چوتھی قسم عملی ریاکی ہے، جیسے کوئی نمازی لمبا قیام اور لمبے رکوع و سجود کرے اور خواہ مخواہ خشوع کا اظہار کرتا رہے اور یہی کیفیت روزے، جہاد، حج اور صدقے وغیرہ کی بھی ہے۔

دنیا داروں کی ریاکاری غر، تکبر، غرور، ہاتھوں کو حرکت دینے، چھوٹے چھوٹے قدم رکھنا اور چالاکانہ رہ کر پکڑنے اور کندھے جھکانے سے ہوتی ہے تاکہ ان کی شہرت معلوم ہو سکے۔

پانچویں قسم دوستوں اور رزاقین سے ریاکاری ہے۔ جیسے وہ آدمی جو تکلف سے کسی عالم یا عابد کی زیارت کرتا ہے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں نے فلاں کی زیارت کی ہے۔ دیندار لوگ اس کے پاس آتے جاتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ لوگ ہیں جو شیوخ کی کثرت سے ریا کرتے ہیں، تاکہ لوگ کہیں کہ اس نے بڑے اساتذہ سے استفادہ کیا ہے۔

کچھ لوگوں کا مقصد صرف جاہ و مرتبہ کا حصول ہوتا ہے۔ کتنے ہی عبادت گزار ہیں جو پہاڑوں میں بیٹھے ہیں اور کتنے ہی ماہر گرجوں میں بیٹھے پڑے ہیں۔ ان کو مال کی طرح بالکل نہیں۔ وہ صرف مرتبہ و جاہ و منزلت کے طلبگار ہیں۔

بعض کا مقصد دولت کا حصول ہوتا ہے اور بعض کا مدح و ثنا اور شہرت کا۔

اگر سوال کیا جائے کہ ریا کاری حرام ہے، مکروہ ہے، مباح ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو ریا کاری عبادات میں ہوگی یا دوسری چیزوں میں۔ اگر عبادات میں ریا کاری ہے تو وہ حرام ہے۔ جو آدمی نماز، صدقہ، اور حج وغیرہ میں ریا کاری کرتا ہے وہ عامی اور گنہگار ہے کیونکہ وہ اس سے غیر اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے اور اللہ کی ملاحتی عبادت ہے، تو ریا کار اس سے اللہ کے غضب کی زد میں ہے۔

اور اگر عبادات کے علاوہ ہے تو وہ طلب مال کی طرف ہے۔ اس حیثیت سے حرام تو نہیں کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں صرف اپنا وقتا رہنا ناچا یا، لیکن جیسے مال کمانا تلبیسات اور منوع اسباب سے ممکن ہوتا ہے اسی طرح جاہ و منزلت بھی ہے اگر اس نے بقدر ضرورت تھوڑا سا مال کمایا جس کا انسان محتاج ہے تو وہ محمود ہے اور یہی حال جاہ کا بھی ہے اور یہی وہ منزلت ہے جس کو یوسف علیہ السلام نے اپنے ان الفاظ سے طلب کیا تھا کہ: اِنِّی حَفِیْظٌ عَلَیْہِمْ (میں حفاظت کرنے اور جاننے والا ہوں)۔ یہ جاہ و منزلت حرام نہیں، مگر جبکہ یہ صاحب منزلت کو ناجائز چیزوں پر آمادہ کرے جیسے کہ ہم مال میں ذکر کر چکے ہیں تو خرابی سے پاک نہیں۔

جاہ و منزلت کی وسعت میں کچھ حرج نہیں، اگر اسے حرص سے طلب نہ کیا جائے اور اس کے جلتے رہنے سے انسان غم میں مبتلا نہ ہو کیونکہ کسی کا بھی مرتبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان علمائے دین سے جو آپ کے بعد ہوئے بڑا نہیں ہے، لیکن اپنی ساری توجہ جاہ و منزلت کے حصول میں صرف کر دینا دین کا نقصان ہے، بہر حال اسے حرام نہیں کہہ سکتے۔

اچھے کپڑے بنا نا جنھیں آدمی لوگوں کے پاس جلتے وقت اظہار امارت کے لیے پہنتا ہے تاکہ لوگ اسے بڑا آدمی سمجھیں اور یہی حال ہے ہر تھمٹل کا جو لوگوں کے لیے کیا جائے۔ یہ منع نہیں ہے۔ اور اس سے بھی مقصد مختلف ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کو گھٹیا نظروں سے کسی حالت میں نہ دیکھیں۔

مسلم کے افراد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ تو ایک آدمی نے کہا کہ: آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کا جوتا اچھا ہو، تو آپ نے فرمایا: اللہ تو بصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر ہے حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

بعض آدمی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار چاہتے ہیں اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بھی دیا ہے۔

## فصل دوم

### عبادات میں ریبا

معلوم ہونا چاہیے ریبا کے کئی درجات ہیں۔ ان میں سب سے سخت اور بُرا یہ ہے کہ عبادت سے ثواب کا ارادہ بالکل نہ ہو۔ جیسے وہ آدمی جو لوگوں کے سامنے تو نماز پڑھے اور اکیلا ہو تو نہ پڑھے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ربا کے ساتھ کچھ کمزور سا ارادہ ثواب کا بھی ہو کہ اگر وہ انگ ہو تو عمل نہ کرے۔ یہ بھی پہلی قسم کے قریب ہے۔ یہ دونوں اللہ کی نگاہ میں بہت بُرے ہیں۔

تیسرا یہ ہے کہ ثواب اور ریبا دونوں کا ارادہ مساوی ہو کہ اگر ایک چیز دوسری سے خالی ہو تو اسے عمل پر آمادہ نہ کر سکے تو اس نے جتنا بگاڑ اتنا سنوارا اور یہ بھی گناہ سے نہیں بچے گا۔

چوتھا یہ ہے کہ اگر لوگ اس کی نیکی پر مطلع ہو جائیں، تو اس کی خوشی میں اضافہ ہو۔ اور اگر کوئی مطلع نہ ہو تو بھی وہ اس عمل کو نہ چھوڑے۔ اس کو اس کے صحیح ارادے پر ثواب ملے گا اور ناسد ارادے پر سزا۔ اسی طرح وہ ریبا سے جو عبادت کے اوصاف کے متعلق ہو نہ کہ اصل عبادت سے۔ جیسے وہ نمازی جس کا ارادہ تھا کہ رکوعاً سجود بٹکا کرے گا اور قرات لمبی نہ کرے گا، تو جب لوگوں نے اس کو دیکھ لیا تو اس نے نماز کو سبک کر دیا۔ یہ بھی ممنوع ہے کیونکہ اس میں بھی غلٹی کی تنظیم ملحوظ ہے، لیکن یہ اس ریبا سے کم زہ ہے جو اصل عبادت کے متعلق تھا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ریبا جلی بھی ہے اور خفی بھی۔

زیادہ جلی تو وہ ہے جو انسان کو عمل پر آمادہ کرے اور اُبھارے اور پوشیدہ وہ ریبا ہے جو عرف دکھاوے اور جسے آدمی کو عمل پر آمادہ نہیں کرے گی۔ یہ اس کام کو بٹکا کر دیتی ہے جس سے اللہ کی رضا مطلوب تھی۔ ایسے کوئی آدمی تہجد پڑھتا تو ہو، لیکن یہ نماز اس پر بھاری ہو مگر جب اس کے پاس کوئی جہان آئے تو اس خیال سے پابندی کرے کہ جہان اسے تہجد گزار سمجھے گا۔ اس سے بھی زیادہ خفی وہ ریبا ہے جو عمل اور آسانی میں کوئی اثر نہیں کرتی، لیکن اس کے باوجود وہ دل میں مخفی ہوتی ہے۔ جب دعا کام نہ کرے تو اس کا پتہ

صوت علامات سے چلتا ہے اور ریا کی سب سے کھلی علامت یہ ہے کہ لوگوں کو اس کی دینداری کا پتہ چلے تو وہ خوش ہو۔ بہت سے مخلص بندے ایسے ہوتے ہیں جو عمل خالص کرتے ہیں اور ریا کا قصد بھی نہیں کرتے، بلکہ اسے ناپسند کرتے ہیں اور تمام عمل اسی خلوص پر ہوتا ہے، لیکن جب لوگوں کو اس کی اطلاع ہو جائے تو یہ بات انھیں پسند آتی ہے اور اس پر خوش ہوتے ہیں۔ عبادت کی مشقت و کلفت ان کے دل سے دور ہو جاتی ہے۔ یہ خوشی مخفی ریا پر دلالت کرتی ہے۔ اگر دل کی توجہ لوگوں کی طرف نہ ہو تو ان کے مطلع ہونے سے اُس کے دل میں خوشی پیدا نہ ہو۔ معلوم ہوا دل میں ریا پوشیدہ تھی، جیسے پتھر میں لگ پوشیدہ ہوتی ہے۔ لوگوں کی اطلاع نے اُس کی خوشی اور سرور کو ظاہر کر دیا۔ پھر جب اطلاع کی وجہ سے لذت محسوس کرتا ہے تو اس کا مقابلہ کراہت سے نہیں کرتا، بلکہ کوئی خفیف سی حرکت کرتا ہے، یا اشارے سے لوگوں کو مطلع کرنے کا تکلف کرتا ہے۔

کبھی ریا اس سے بھی مخفی ہوتی ہے۔ انسان نہ تو بول کر صراحتاً اس کا اظہار کرتا ہے نہ اشارتاً، لیکن عادات سے اظہار کرتا ہے مثلاً جسمانی کمزوری، زرد رنگت، نیچی آواز، ہونٹوں کی خشکی، آنسوؤں کے نشان اور نیند کے غلبے وغیرہ سے جو کہ لمبی نماز تہجد پر دلالت کرتے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ مخفی یہ ہے کہ انسان عمل اس طرح چھپ کر کرتا ہے کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکا لیکن اس کے باوجود جب لوگوں کو دیکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ وہ اسے پہلے سلام کریں۔ خندہ پیشانی سے ملیں۔ اس کا کام خوشی سے کریں۔ معاملے میں اُس سے نرمی کریں اور محفل میں اس کے لیے جگہ خالی کر دیں۔ اگر کوئی اس معاملے میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کے دل پر بوجھ ہوتا ہے۔ گویا کہ اس کا نفس اس طاعت پر جو چھپ کر رکھی تھی احترام کا تقاضا کرتا ہے۔

جب تک انسان اس طرح عبادت نہ کرے کہ اللہ کے سوا کوئی خیال ہی نہ رہے ریا کی مخفی ملاوٹ سے خالی نہیں ہوگا۔ ان سب باتوں سے ایڑیں کھٹی ہوتی ہے جن کا ذکر کیا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ریا کے گناہ سے صرف صدیق ہی بچ سکتے ہیں۔

ہمیں وہب بن منبہ کی روایت پہنچی ہے کہ عبادت گزاروں میں سے ایک آدمی نے اپنے ساتھیوں سے کہا: بے شک ہم نے ماں اور اولاد سے سرکشی پیدا ہونے سے ڈر کر علیحدگی اختیار کی اور ہم ڈرتے ہیں کہ وہی سرکشی ہم میں دنیا داروں اور دو تہندوں سے زیادہ آچکی ہے کہ ہم میں سے کوئی آدمی جب کسی سے ملاقات کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کے دین کی وجہ سے اس کی تعظیم کی جائے۔ اگر اس کا کوئی کام ہو تو پورا کیا جائے۔

اور اگر کوئی چیز خریدے تو اس کے دین کی دہر سے اُسے انان قیمت پر دی جائے؛

یہ بات ملک کے بادشاہ تک پہنچی تو وہ سواروں کا ایک دستہ لے کر اُس نرا ہد سے ملنے کے لیے آیا۔ زاہد نے پوچھا یہ کیسا ہنگامہ ہے؟ تب آیا گیا۔ بادشاہ سلامت آپ سے ملنے آئے ہیں۔ یہ سُن کر اس نے کہا میرے پاس کھانا لاؤ، اور جب کھانا لایا گیا تو اس نے منہ بھر بھر کھانا شروع کیا اور بے تحاشا کھا یا۔ بادشاہ نے اُسے اس حال میں دیکھا تو کہا۔ اُس کے پاس تو کچھ بھی بھلائی نہیں ہے اور وہاں چلا گیا۔ بادشاہ چلا گیا تو زاہد نے کہا؛ تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے اُس کو مجھ سے پھیر دیا اور وہ ملامت کرتا چلا گیا؛

مخلص لوگ ہمیشہ ریاءِ خفی سے ڈرتے رہے۔ وہ اپنے نیک اعمال کے متعلق لوگوں کو بے خبر رکھنے کی اتنی ہی کوشش کرتے ہیں جتنی کوشش لوگ اپنی برائیوں کو چھپانے کی کرتے ہیں اور یہ سب کچھ وہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے عملِ خالص رہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن ان کے اخلاص کا بدلہ دے۔

ریاءِ خفی کی ملاوٹ بے شمار تقویوں سے ہوتی ہے۔ جب انسان اپنے نفس میں لوگوں کے اپنی عبادت پر مطلع ہونے یا نہ ہونے میں فرق محسوس کرتا ہے تو اس میں بھی ریاء کا شائبہ ہے۔ لیکن ہر شائبہ نہ ابھرنے کا ضائع کرتا ہے نہ عمل کو برباد کرتا ہے، بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

اگر کہا جائے کہ طاعت کا پتہ چل جائے، تو ہر آدمی خوش ہوتا ہے، تو کیا یہ خوشی مذہب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی خوشی بُری بھی ہے اور اچھی بھی۔ اچھی تو یوں ہے کہ اس کا ارادہ تو مخفی رکھنے کا تھا، لیکن جب لوگ مطلع ہو گئے تو اس نے جانا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اچھے حال کو لوگوں پر ظاہر کر دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ اُس کے حسن معاملہ پر خوش ہوا۔ اس کی اطاعت کو ظاہر کر دیا اور نافرمانی پر پردہ ڈال دیا اور بُرائی پر پردہ ڈالنے اور بھلائی کو ظاہر کرنے سے بڑھ کر اور کیا مہربانی ہو سکتی ہے؛ چنانچہ وہ اس سے یہ اندازہ کیوں نہ کرے کہ جیسے اللہ نے دنیا میں اُس کی بھلائی کو ظاہر کیا اور اُس کے گناہوں کی پردہ پوشی کی ایسا ہی معاملہ آخرت میں بھی اس کے ساتھ کرے گا۔ یہ مضمون حدیث میں بھی آیا ہے۔

اور اگر وہ لوگوں کے مطلع ہونے سے یوں خوش ہو کہ اُن کے دلوں میں اس کی عقیدت پیدا ہوگی اور وہ اس کی مدح کریں گے، اس کی تنظیم کریں گے اور اس کی حاجتیں پوری کریں گے تو یہ خوشی مکروہ اور بُری ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ ایک آدمی نے کہا؛ اے اللہ کے رسول، ایک آدمی چھپ کر نیک عمل کرتا ہے لیکن اگر کوئی اس پر مطلع ہو جائے، تو اُسے اچھا لگتا ہے؟

تو آپ نے فرمایا: "اس کے لیے دو اجزائیں ایک پوشیدہ عمل کرنے کا اور دوسرا ظاہر عمل کرنے کا"۔  
 تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اسے صرف ترمذی نے روایت کیا ہے اور بعض اہل علم  
 اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں تو اس کو پسند آئے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے  
 "تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو"۔

مسلم کے افراد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! ایک آدمی نیک  
 عمل کرتا ہے اور اس پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؛ تو آپ نے فرمایا: "یہ مومن کے لیے دنیا میں بشارت ہے"۔  
 یاں اگر اسے یہ پسند ہو کہ لوگوں کو اس کی نیکی کا پتہ چلے اور اس پر وہ اس کی عزت کریں تو یہ ریا ہے۔

## کو کسی ریا سے عمل ضائع ہو جاتا ہے؟

جب انسان کو ریا کا خیال آئے تو اس کی کئی صورتیں ہیں:

یا تو عبادت سے فارغ ہونے کے بعد خیال آئے گا، یا اس سے پہلے۔ اگر فراغت کے بعد اس کے  
 ظاہر کے بغیر ظاہر ہو گیا ہے اور اس پر اسے خوشی حاصل ہوئی ہے تو اس سے عمل ضائع نہیں ہوتا کیونکہ اس کا  
 کی صفت پر وہ عمل پورا ہو چکا ہے۔ اب اس کے بعد خیال آنے کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔ خصوصاً جبکہ  
 اس نے نہ خود ظاہر کیا ہے اور نہ کسی سے بیان کیا ہے۔ یاں اگر اس نے عمل پورا ہونے کے بعد اس کو خود  
 ظاہر کیا ہے تو اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ اکثر اوقات ایسے آدمی کے دل میں عمل کرتے وقت بھی کچھ  
 نہ کچھ ریا کا شائبہ ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ریا سے بچا ہوا بھی تھا تو بھن اس کا اجر کم ہو جائے گا کیونکہ پوشیدہ  
 اور ظاہر عمل کے اجزائیں مترادف کا فرق ہے۔

اگر عبادت سے فارغ ہونے سے پہلے ہی اسے ریا کا خیال آ گیا۔ مثلاً وہ نماز جو اس نے غلامی  
 سے شروع کی تھی۔ اگر وہ صرف خوشی کی حد تک ہو، تو عمل میں کوئی اثر نہ پڑے گا، لیکن اگر ایسی ریا ہو جو کس  
 خاص عمل پر آمادہ کرے۔ مثلاً نماز لمبی کر دے تاکہ اس کی منزلت معلوم ہو تو اس سے اسے ضائع ہو جاتا ہے  
 اگر عبادت کے ساتھ ہی ریا کا خیال بھی ہو، مثلاً نماز شروع ہی ریا کے ارادے سے کرے اور اس  
 ارادے پر اس کو پورا بھی کرے تو ایسا عمل کسی توجہ کے لائق نہیں۔ اگر بعد میں اس پر ندامت ہو تو اسے چاہے  
 کہ اسے نئے سرے سے شروع کرے۔ واللہ اعلم۔



## فصل سوم

## ریا کے امراض کا علاج

یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا کہ ریا اعمال کو برباد کر دیتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے اور یہ ایک ہلک بیماری ہے جس کا یہ حال ہوئے اُس کے دور کرنے میں کمر ہمت باندھ لینی چاہیے۔

ریا کے علاج میں دو مقام ہیں :

پہلا: اس کی جڑوں اور تنے کو اکھاڑنا جس سے یہ مرض بھوٹتا ہے۔

دوسرا: اُن خطرات کی ممانعت جو اُسے گھرے ہوئے ہوں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ریا کی جڑ جاہ و منزلت کی محبت ہے۔ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو اس کے تین اصول ہیں: اور وہ ہیں تشریف کی لذت، خدمت کی تکلیف اور جو لوگوں کے پاس ہے اُس کی طرح۔

اور اس کی تائید صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی آدمی شجاعت کے لیے لڑتا ہے اور کوئی حیثیت کے لیے اور کوئی ریا کے لیے۔ ان میں سے اللہ کی راہ میں کرن سی جنگ ہے؟ آپ نے فرمایا: جو آدمی اس لیے لڑے کہ اللہ کی بات بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

شجاعت کے لیے لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تذکرہ ہو اور اس کی مدح کی جائے حیثیت کے لیے لڑنے کا مفہم یہ ہے کہ وہ لوگوں کی خدمت اور اُن کے فہر کو ناپسند کرتا ہے اور یا کے لیے لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مقام لوگوں کو معلوم ہو۔ اور یہ دونوں میں جاہ و منزلت کی محبت ہے۔

کبھی انسان مدح کا طمّ لب نہیں ہوتا، لیکن مذمت سے ڈرتا ہے۔ جیسا کہ بہادروں میں بزدل آدمی کہ وہ میدان میں کھڑا رہتا ہے۔ بھاگتا نہیں اور اس کا یہ کھڑے رہنا مذمت کے ڈر سے ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی جہالت کی مذمت کے خوف سے آدمی بغیر علم کے فتویٰ دے دیتا ہے، تو یہ وہ امور ہیں جو ریا کی تحریک کرتے ہیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ یہ پیرنی الحال تو لڑنے سے بیکن انجام کار نقصان وہ ہے تو وہ اس سے پرہیز کرے

اداس کی طرف بالکل راغب نہ ہو جیسے کہ کوئی آدمی جانتا ہو کہ شہد لہذیبہ ہے لیکن اسے معلوم ہو جائے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے تو اس سے منہ پھیر لے گا۔ بس یہی طریقہ اس رغبت کو ختم کرنے کا بھی ہے۔

جب انسان کو ریا کے نقصان، دل کی اصلاح کا ختم ہو جانا، آخرت کی منزلت کا برباد ہونا، عذابِ آخرت کا مستحق بن جانا، خدا کی ناراضگی، ذلت کا پیش آنا اور پھر دنیا میں لوگوں کے دلوں کے ملاحظہ کے سبب انکار کا پریشان ہونا معلوم ہو جائے تو اس سے فوراً رگ جلے۔ لوگوں کی رضا ایک ایسا مقصد ہے جو کبھی حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ جس چیز سے ایک فریقِ خوش ہو گا اسی سے دوسرا فریقِ ناراض ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ جو خدا کو ناراض کر کے بندوں کو خوش کرے گا اس سے خدا ناراض ہو گا اور بندوں کو بھی اس پر ناراض کرنے کا پھر اس کی کوئی غرض ہے ان کی مراد میں، یقیناً یہ نادانی ہے کہ انسان، مخلوق کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرے، کہ نہ تو ان کی مراد کی وجہ سے اس کا رزق بڑھ سکتا ہے اور نہ عمر اور نہ وہ اس کے فقر وفاقہ کے دن اسے نفع دے سکتے ہیں۔

یہی حال ان کی مذمت کا ہے۔ پھر اس سے ڈرنا کیسا؟ نہ تو ان کی مذمت اس کا کچھ نقصان کر سکتی ہے۔ نہ اس کی عمر گھٹا سکتی ہے اور نہ اس کا رزق بچھے ڈال سکتی ہے، کیونکہ بندے سب عاجز ہیں۔ وہ تو اپنے ذاتی نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں۔

جب یہ باتیں اُس کے دل میں بیٹھ جائیں گی تو ریا سے اس کی رغبت منقطع ہو جائے گی اور اپنے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے گا کیونکہ عقل مند آدمی اس چیز کی رغبت نہیں کرتا جس کا نقصان زیادہ اور نفع کم ہو۔ لوگوں کے ہاتھ کی چیزوں کی طرح بھی ایک برائی ہے۔ اس کا ازالہ اس سے ہو گا کہ وہ جان لے کہ دینے اور نہ دینے میں دلوں کو مستحق کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی رازق نہیں۔ جو مخلوق سے طمع رکھے گا وہ ذلیل بھی ہو گا اور بے مراد بھی۔ اور اگر مراد حاصل ہو بھی جائے تو احسانِ مندی اور ذلت سے نہیں بچے گا۔ پھر تھوٹی امید اور وہمِ فاسد کے سبب وہ چیز کیسے چھوڑی جا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

فائدہ مند دوا یہ ہے کہ اپنے نفس کو عبادت چھپانے کی عادت ڈالے۔ اور اُس کے آگے یوں دروازے بند کر دے جیسا کہ برائی کے وقت دروازے بند کرتا ہے۔ ریا میں اعمال چھپانے کے علاوہ اور کوئی دوائی مفید نہیں۔ یہ جہاد ہے کے ابتدا میں تو بڑھی مشکل معلوم ہوتی ہے لیکن جب تکلف سے کچھ مدت اس پر صبر کرے گا، تو اس کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اللہ اپنی توفیق سے اس کو مدد دے گا۔ بندے کا کام ہے کہ کوشش کرنا اور

اللہ کا کام ہے توفیق دینا۔

دوسرا مقام عبادت کے دوران میں ریبا کا خیال دفع کرنے کے متعلق ہے اور اس کا جاننا بھی نہایت ضروری ہے۔ جو آدمی اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے۔ قناعت سے، لوگوں کی نگاہوں سے، اپنے نفس کو گرانے سے اور لوگوں کی مدح و ذم کو تغیر سمجھنے سے ریبا کی جڑیں اکھاڑ دیتا ہے، تو پھر بھی شیطان اس کو عبادت کے دوران میں نہیں چھوڑتا، بلکہ ریبا کے خیالات اس کے دل میں پیدا کرتا رہتا ہے۔

جب کسی کو عبادت سے آگاہ ہونے کا خیال آئے تو اسے اس طرح دفع کرے کہ گویا بہت ہی ناخوش چیز ہے۔ اپنے نفس کو کہے تیرا اور لوگوں کا کیا تعلق ہے۔ وہ باتیں یا نہ جانیں، لیکن اللہ تیرے معاملے کو جانتا ہے اور دوسروں کے جاننے کا کیا فائدہ ہے؟

نفس پھر بھی تنہا کی آفت کی طرف رغبت کرے، تو اسے ریبا کی آفات اور خدا کی ناراضگی یاد کروائے اور ناراضگی کی کراہت کو اس رغبت کے مقابل لائے۔ لوگوں کی اطلاع کی معرفت اگر خواہش پیدا کرے گی، تو ریبا کی آفت کی معرفت سے کراہت پیدا ہوگی۔

## فصل چہارم

### عبادت میں تساہل اور اس کا سدباب

معلوم ہونا چاہیے کہ اعمال کو چھپانے میں اخلاص کا فائدہ ملتا ہے۔ یہاں سے نجات ملتی ہے، البتہ ظاہر کرنے میں ایک اچھا پہلو بھی ہے۔ اس سے لوگوں کو بھلائی کی ترغیب ملتی اور پیروی کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض اعمال ایسے ہیں جن کو چھپانا ممکن ہی نہیں۔ جیسے حج اور جہاد۔ بہر حال عمل کو ظاہر کرنے والے کو چاہیے کہ اپنے دل کی نگرانی کرے۔ یہاں تک کہ اس میں پوشیدہ ریاکی محبت بھی نہ رہے۔ کمزور آدمی کو چاہیے کہ اس تبت سے اپنے نفس کو دھوکا نہ دے۔ کمزور آدمی کی مثال اس غرق ہونے والے کی طرح ہے جو تھوڑا تھوڑا تیرنا جانتا ہو۔ اس نے ایک جماعت کو ڈوبتے دیکھا اس کو ان پر رحم آیا۔ وہ ان کے پاس گیا اور انھوں نے اس کا سہارا لیا تو وہ بھی ڈوبے اور یہ بھی ڈوبا۔

جو آدمی طاقتور ہو، یعنی اس کا اخلاص مکمل ہو اور اس کی نگاہ میں لوگوں کی مداح و ذمہ کی کوئی حقیقت نہ ہو تو اس کو اپنا عمل ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ نیکی کی ترغیب دینا بھی نیکی ہے۔ سلف کی ایک جماعت سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے کچھ حالات ظاہر کر دیتے تھے تاکہ ان کی پیروی کی جائے۔ جیسا کہ بعض نے فوت ہونے کے وقت اپنے گھر والوں سے کہا۔ مجھ پر نہ رونا کیونکہ میں جب سے سلطان ہوا ہوں میں نے کبھی گناہ نہیں کیا۔

ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے سے کہا: "اس کرے میں اللہ کی نافرمانی نہ کرنا کہ میں نے اس میں بارہ ہزار قرآن ختم کیے ہیں۔" ان کے کلام میں سے ایسی اور بہت سی باتیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ گناہوں کو چھپانے کے سلسلے میں بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گناہوں کا چھپانا بھی ریا ہے، لیکن ایسا نہیں، کیونکہ وہ سچا آدمی جو ریا کار نہیں ہے۔ اگر اُس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، تو اسے چاہیے اپنی نغزش چھپائے۔ اللہ تعالیٰ گناہ ظاہر کرنے کو ناپسند اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے۔ جسی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "جو آدمی کسی گندگی (گناہ) کا ارتکاب کرے

تو اسے چاہیے کہ اللہ کی پردہ پوشی سے اپنے گناہ کو چھپائے۔  
 آدمی نے گناہ کر کے اگرچہ اللہ کی نافرمانی کی ہے، لیکن اس کا دل اس چیز کی محبت سے جسے اللہ پسند کرتا  
 ہے خالی نہیں ہوا۔ اور یہ محبت ایمان کی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ چاہیے کہ دوسروں کے گناہ ظاہر ہونے کو  
 بھی برا سمجھے، الیسا کرنا صدق کا اثر ہے۔

اسی سلسلے میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر لوگ اُس کی مذمت کریں، تو اسے ناپسند کرے کیونکہ اس  
 سے اس کا دل اور اس کی عقل اللہ کی اطاعت سے ہٹ جائے گی۔ طبیعت مذمت سے ضرور تکلیف پاتی ہے۔  
 اگر علاج بھی اس کو خدا سے غافل کرے، اُس کے دل کو گھیر لے اور ذکر سے پھر دے تو اسے بھی برا سمجھنا  
 چاہیے۔ اور یہ بھی ایمان کی قوت میں سے ہے۔

## ریاکی اقسام اور ان کا علاج

ریا کے خوف سے طاعات کو چھوڑ دینا ناروا ہے۔ ہاں اگر طاعت پر آمادہ کرنے کا سبب دین کے  
 علاوہ کوئی اور چیز ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ وہ نافرمانی ہے اور اس میں اطاعت نہیں ہے، البتہ اگر اس  
 پر آمادہ کرنے والا دین ہے اور یہ کام خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اس عمل کو نہ چھوڑنا چاہیے، کیونکہ اس  
 پر آمادہ کرنے والا کوئی جواز نہیں دینداری ہے۔

اسی طرح اگر کوئی عمل کو اس لیے چھوڑ دے کہ لوگ کہیں گے وہ ریاکار ہے، تو اسے نہیں چھوڑنا چاہیے۔  
 کیونکہ یہ شیطان کا فریب ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا: ”جب تم نماز میں ہو اور شیطان تمہارے پاس آکر کہے  
 تو ریاکار ہے، تو نماز اور زیادہ بھی کرو“

بعض سلف سے بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے ریا کے خوف سے عبادت کو چھوڑ دیا، جیسا کہ ابراہیمؑ نے ہی  
 کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ آپ قرآن پڑھ رہے تھے کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا۔ آپ نے قرآن کریم بند کر  
 دیا اور رات چھوڑ دی اور کہا: ”خیر نہ دیکھے کہ میں ہر وقت قرآن پڑھتا ہوں، تو اس کو اس بات پر مجبور کیا  
 جائے گا کہ انھوں نے اس توقع پر اپنے نفس کو مزین محسوس کیا تو اس کو کاٹ کر رکھ دیا۔“

کبھی آدمی تہجد گزاروں کے ساتھ رات گزارتا ہے۔ وہ رات کا زیادہ حصہ نماز پڑھتے ہیں اور اسے ایک  
 گھنٹی قیام کرنے کی عادت ہے، تو وہ بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتا رہتا ہے۔ یا وہ روزہ رکھتے ہیں، تو یہ

بھی روزہ رکھ لیتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اُس کے دل میں عبادت کی یہ خواہش نہ ہوتی۔ یا کبھی خیال کرنے والا خیال کرتا ہے کہ یہ ریاضے اور یہ مطلق طور پر ایسا نہیں ہے، بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر مومن اللہ کی عبادت کی رغبت رکھتا ہے، لیکن کچھ موافقات اسے روک دیتے ہیں اور غفلت اسے پریشان کر دیتی ہے۔ پھر کبھی دوسروں کا مشاہدہ اس غفلت کو زائل کر دیتا ہے اور موافقات دور جاتے ہیں کہ انسان اپنے گھر میں ہوتا ہے۔ جہاں وہ آرام دہ بستر پر سوتا ہے اور سیری سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن جب کسی اور کے مکان میں رات گزارے تو یہ مشاغل دور ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے اسباب حاصل ہو جاتے ہیں جو اسے نیکی پر آمادہ کرتے ہیں۔ انہی میں سے ایک عبادت گزاروں کا مشاہدہ بھی ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کھلنے کی زیادہ چیزوں کی وجہ سے روزہ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ برخلاف دوسری جگہ کے تو ایسے حالات میں شیطان اس کو عبادت سے روکنے کے لیے آتا ہے اور کہتا ہے۔ اگر تو نے اپنی عادت کے خلاف عمل کیا تو تورا یا کارہوگا۔ اس کی طرف تو تیر نہیں دینی چاہیے، بلکہ اپنے دل کے قصد کو دیکھنا چاہیے۔ انسان کو چاہیے اپنے عمل کا امتحان کرے، لوگوں کو ایسی جگہ میں فرض کر لے کہ خود تو ان کو دیکھتا ہوں اور وہ اس کو نہ دیکھتے ہوں۔ پھر اپنے نفس کو دیکھے۔ اگر وہ عبادت کے لیے تیار ہو، تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور اگر تیار نہ ہو، تو ان کے ہوتے اس کا تیار ہونا ریاضے۔ اسی پر دیگر باتوں کو قیاس کر لو۔ تو یہ ریاضے کچھ آفتیں ہیں ان کا خیال رکھو، لغتیں کرو اور اپنی نیت کا دھیان رکھو، کیونکہ ریاضے کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ مرید کو چاہیے کہ اپنی تمام عبادتوں میں اپنے دل کو اللہ کے علم پر قناعت کرنے کا پابند کرے۔ اور اس پر قناعت وہی کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہو اور اسی سے امید رکھتا ہو۔ اپنے نفس کو اخلاص سے مایوس نہ کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر کہ اخلاص پر تو طافتنور آدمی قادر ہو سکتے ہیں اور میں کمزور ہوں۔ اخلاص کے حاصل کرنے میں مجاہدہ نہ چھوڑ دے۔ اس لیے کہ کمزور کو تو اس کی زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت ابراہیمؑ میں اوہم نے کہا: میں نے معرفت ایک راہب سے سیکھی جس کا نام سمعان تھا۔ میں اس کے عبادت خانے میں داخل ہوا اور اس سے پوچھا تم اس عبادت خانے میں کتنی مدت سے ہو؟ اُس نے کہا تتر سال سے۔ میں نے کہا تمہاری خوراک کیا ہے؟ اُس نے کہا: ہر رات چنے کا ایک دانہ۔ میں نے کہا کونسی چیز تمہارے دل میں تحریک کرتی ہے؟ تمہیں ایک چنا کافی ہے؟ اُس نے کہا ان لوگوں کو دیکھ رہے ہو

جو تمہارے سامنے کھڑے ہیں، میں نے کہا ہاں۔ تو اس نے کہا یہ سال میں ایک دن میرے پاس آتے ہیں۔ میرے عبادت خانے کو سجانے میں اور میری تعظیم کی وجہ سے اس کے گرد چکر لگاتے ہیں اور میں سارے سال کی مشقت اس ایک گھڑی کی عزت کے لیے برداشت کرتا ہوں۔ اسے دین خلیف کے پروردگار! تم بھی ہمیشہ کی عزت کے لیے ایک گھڑی کی مشقت برداشت کرو۔ تو اس سے میرے دل میں معرفت جاگزیں ہو گئی۔

اس نے کہا میں تجھے کچھ مزید بتلاؤں؟ میں نے کہا: ہاں۔ تو کہا: عبادت خانے سے نیچے اتر۔ میں اتر اترا تو اس نے میری طرف ایک تھیلا لٹکا دیا اس میں چنے کے بیس دانے تھے۔ پھر مجھ سے کہا۔ اب گر جا میں داخل ہو جاؤ۔ اس کی ہدایت پر جب میں گر جا میں داخل ہوا تو عیسائی اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے، اے مسلمان! راہ بسا نے تجھے کیا دیا ہے؟ میں نے کہا اپنی کچھ خوراک مجھ کو دی ہے۔ کہنے لگے، تو اسے کیا کرے گا؟ ہم اس کے لیے زیادہ سخی دابہیں، اس کی قیمت مقرر کر لے۔ میں نے کہا بیس دینار۔ انھوں نے مجھے بیس دینار دے دیے۔ میں رقم لے کر راہب کے پاس واپس گیا، تو اس نے کہا تو نے غلطی کی، تو اگر ان سے بیس ہزار دینار بھی مانگتا تو وہ تجھے دے دیتے۔

یہ عزت اس آدمی کی ہے جو اللہ کی عبادت نہیں کرتا اس سے اللہ کی عبادت کرنے والے کی عزت کا اندازہ کرو۔ اے مسلمانو! اللہ کی عبادت میں لگ جاؤ۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ لوگوں کے دلوں میں عظمت حاصل کر لینا بڑی قیمتی چیز ہے۔ بے نفس کو خلوت پر آمادہ کرتی ہے، لہذا یہ ایک عظیم آفت ہے۔ اس آفت سے محفوظ رہنے کی علامت یہ ہے کہ انسان کے نزدیک آدمی اور چارپائے ایک جیسے ہو جائیں۔ اس کا عمل ایسا ہونا چاہیے کہ جیسے زمین پر اس کے سوا اور کوئی انسان نہیں ہے۔ پھر جب کمزور سے دوسرے پیدا ہوں تو ان کو دور کر دے۔ واللہ اعلم۔

## فصل نخبہ

### تکبر اور غرور کی مذمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، سَأَصْرَفُ عَنْ آيَاتِي الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (میں اپنی آیتوں سے عنقریب ان کو پھیر دوں گا جو ناحق زمین میں تکبر کرتے ہیں۔

فرمایا: لَا يُجِيبُ الْمُسْتَكْبِرِينَ (وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)

مسلم کے افراد میں حدیث صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔

صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جہنم نے کہا میں تکبر توگوں کے لیے منتخب ہوا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جاہرا و سکتا لوگ قیامت کے دن چوٹیوں کی صورت میں اکٹھے کیے جائیں گے اور ان کو لوگ پاؤں تلے رد نہیں گے۔ کیونکہ وہ اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ نے کہا، جس کا گناہ خواہش نفس سے مغلوبیت کا نتیجہ ہو، اس کے لیے توبہ کی امید رکھو۔ آدم علیہ السلام نے بھی خواہش نفس کے دباؤ میں آکر نافرمانی کی، تو ان کو بخش دیا گیا، لیکن جب نافرمانی تکبر کی وجہ سے ہو تو اس پر لعنت کا خوف ہے۔ ابلیس نے تکبر کی بنا پر نافرمانی کی تو اس پر لعنت برسی۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا کپڑا تکبر سے زمین پر لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ تو ابو بکر نے کہا: اے اللہ کے رسول میرے تہ بند کا ایک کنا رہ ٹک ہوتا ہے جب تک کہ میں اس کا پوری طرح خیال نہ رکھوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ان لوگوں سے نہیں ہے جو ایسا تکبر کی بنا پر کرتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ تکبر ایک باطنی عُلق ہے، اس سے کچھ اعمال صادر ہوتے ہیں جو اس کا ثمرہ ہیں۔ پھر



وہ اعضا پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور تکبر یہ ہے کہ اپنے آپ کو صفات و کمالات میں دوسروں سے فوقیت دے۔ اور اس تعریف سے یہ عُجب (غرور) سے الگ ہو جاتا ہے کیونکہ عُجب دوسرے کے وجود کو لازم نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ ایک ہی انسان پیدا ہو تو تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ضرور ہو، لیکن یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ متکبر ہو۔ تا وقتیکہ اس کے ساتھ دوسرے بھی نہ ہوں۔ اور وہ اپنے آپ کو ان کے اوپر سمجھے۔

جب انسان اپنے آپ کو بڑا دیکھے گا تو لازماً دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھے گا۔ متکبر کی صفت یہ ہے کہ وہ عوام کی طرف جہالت اور حقارت کی وجہ سے ایسے دیکھتا ہے جیسے گدھوں کی طرف دیکھتا ہو۔

تکبر کی آفت بڑی عظیم ہے اور اس میں عوام بھی ہلاک ہوتے ہیں اور عابد، زاہد اور علماء بھی اس کم ہی پتے میں نہی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ، جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اور تکبر جنت کے آگے حجاب ہے کیونکہ وہ بندے اور مومنوں کے اخلاق میں حائل ہو جاتا ہے۔ تکبر آدمی طاقت نہیں رکھتا کہ مومنوں کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ وہ تو وضع پرتا نہیں ہوتا۔ زغصے، کینے اور غضب کو چھوڑ سکتا ہے اور نہ نصیحت قبول کرتا ہے۔ اسی طرح لوگوں کو حقیر سمجھنا اور ان کی غیبت کرنے سے بھی نہیں بچ سکتا۔ غرض جو بھی برا خلق ہے وہ اس کے لیے لازم ہے۔

تکبر کی بدترین قسم وہ ہے جو تکبر کو علم کے استغفا دے، قبولِ حق اور اس کی اطاعت سے روک دے۔ کبھی متکبر کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے، کبھی حق کی فرما نہ داری کے لیے اس کا نفس اس کی پیروی نہیں کرتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَجَعَلُوا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهُمْ مَثَلًا لِّتَتَفَكَّرُوا فِيهَا أَنفُسُهُمْ ظَلَمُوا وَعَلَوُوا اور انھوں نے ظلم اور تکبر سے اس کا انکار کر دیا اور اس کا لیکھ ان کے نفس اس کا یقین کر چکے تھے

فَقَالُوا أَأُؤْمِنُ لِبَشَرٍ مِّثْلًا (وہ بولے کیا ہم اپنے جیسے دو بندوں پر ایمان لے آئیں)

إِن أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (تم ہمارے جیسے آدمی ہی تو ہو)

اس طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔ اور یہ اللہ اور اس کے رسول پر تکبر ہے۔

پہلے بیان ہو چکا، تکبر یہ ہے کہ دوسروں کو ذلیل اور اپنے آپ کو ان سے بڑا جانے۔ اور یہ اللہ کے حکم کی نافرمانی ہے۔

جیسے کہ آدم علیہ السلام پر ابلیس کے تکبر نے اُسے اپنے رب کے حکم کی تعمیل سے روک دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کی تشریح یوں فرمائی ہے: تکبر یعنی کو ٹھکانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔

## فصل ششم

## تکبر کے درجے

معلوم ہونا چاہیے کہ علماء اور عبادت گزاروں کے تکبر کی آفت میں تین درجے ہیں: پہلا یہ کہ ان میں سے کسی انسان کے دل میں تکبر جاگزیں ہو اور وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہو، لیکن وہ کوشش کر کے تواضع کرتا ہو۔ اس آدمی کے دل میں تکبر کا درخت تو لگا ہوا ہے، لیکن اس کی شاخیں کٹی ہوئی ہیں۔

دوسرا یہ کہ اپنے افعال سے اس کا اظہار کرے، مثلاً مجلس میں بلند مقام پر بیٹھے، ساتھیوں سے آگے بڑھے اور ان کے حق میں کوتاہی کرے۔ ان پر اعتراض کرے۔ تم دیکھو گے کہ ایسا شخص لوگوں کے لیے اپنے رخسارے کو کھٹھا کرتا ہے، گویا کہ ان سے منہ پھیرتا ہے۔ وہ اس طرح رہتا ہے گویا کہ لوگوں کو گندہ سمجھتا ہو۔

یہ دونوں اس ادب سے جا بجا ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو سکھا یا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، **وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ** (اور اپنے تابعدار مومنوں کے لیے اپنے بازو جھکائے رکھو)

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اپنی زبان سے تکبر کا اظہار کرے، جیسے بڑے بڑے دعوے کرے۔ اپنی خوبیاں بیان کرے۔ اپنے نفس کو پاک بتائے۔ فخر کے طور پر اپنے حالات بیان کرے اور اپنے نسب پر اتراٹے۔ خواہ کوئی علم اور تقویٰ میں اس سے بڑھا ہوا ہو، لیکن وہ نسب کے باعث اسے حقیر جانے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک آدمی دوسرے آدمی سے کہتا ہے میں تجھ سے زیادہ معزز ہوں اور تقویٰ کے بغیر کوئی بھی کسی سے زیادہ معزز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ** (اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے)

اسی طرح مال، جمال، طاقت اور مبعین کی کثرت وغیرہ کا تکبر ہے۔ مال سے تکبر تو عموماً بادشاہوں اور تاجروں وغیرہ میں ہوتا ہی ہے۔

اور خوبصورتی سے بکبر معمولاً عورتوں میں۔ وہ ان کو دوسروں کی تنقیدیں اور غیبت اور عیب بیان کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

متبعین اور مددگاروں سے بکبر بادشاہوں کے علاوہ علماء میں بھی ہوتا ہے۔ بادشاہ اپنے لشکر کی کثرت پر بکبر کرتے ہیں اور علماء اپنے شاگردوں کی کثرت پر۔ مختصر یہ کہ ہر آدمی جس چیز کو کمال سمجھتا ہے اگرچہ وہ حقیقت میں کمال نہ ہو اس سے بکبر پیدا ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ فاسق آدمی اپنی بدکرداری اور شراب نوشی پر بھی فخر کرتا ہے کیونکہ وہ اسے کمال سمجھتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ بکبر انسان کے خصائل میں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ رخسارے کو ٹیڑھا کرنا۔ ترچھی نگاہ سے دیکھنا، سر جھکانا اور چہ زانو یا ٹیکہ لگا کر بیٹھنا۔ اسی طرح اس کا اظہار اقوال سے بھی ہوتا ہے؛ حتیٰ کہ آواز، لہجے، انداز گفتگو، بیجاں ڈھال، نازنخرے، قیام و قعود، حرکات و سکنات اور تمام افعال سے ظاہر ہوتا ہے۔

بکبر کی خصالت یہ بھی ہے کہ وہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوجائیں۔ اور کھڑا ہونا دو طرح پر ہے؛ ایک یہ کہ وہ بیٹھا ہو اور ایک آدمی اس کے سر کے پاس کھڑا ہو تو یہ ناجائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے؛ ”جو آدمی پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے رہیں، وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنا لے“

دوسرا یہ کہ کسی انسان کے آنے کے وقت کھڑا ہوجانا، تو سلف ایسا بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہمیں کوئی آدمی محبوب نہیں تھا۔ اور جب صحابہ آپ کو آتے ہوئے دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے، کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آپ اس چیز کو پسند نہیں کرتے۔

علماء نے کہا ہے کہ ماں باپ، عادل بادشاہ اور فاضل آدمی کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے اور اب تو گویا فضلاء میں یہ بات ایک علامت بن گئی ہے۔ پھر اگر آدمی کسی مستحق قیام کے لیے قیام نہ کرے تو خطرہ ہوتا ہے کہ وہ اسے اپنی قوم میں سمجھے۔ اپنی تعظیم جانے اور اس سے کینہ پیدا ہو۔ اور کھڑا ہونے والے کے بارے میں اس کا مستحب ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ جس کے لیے قیام کیا جاتا ہے وہ اسے ناپسند کرے اور اپنے آپ کو اس کا اہل نہ سمجھے۔

متکبر کی ایک نخصلت یہ ہے کہ وہ اکیلا نہیں چلتا، بلکہ اس کے پیچھے پیچھے کوئی آدمی چلتا ہے۔ اس کی ایک نخصلت یہ ہے کہ وہ تکبر کی وجہ سے کسی کی ملاقات کو نہیں جاتا۔ اور اپنے پہلو میں کسی کے بیٹھنے یا ساتھ چلنے کو برا سمجھتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”مدینے والوں میں سے کوئی نوٹھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کام کے لیے لے جاتی۔“

ابن وہب نے کہا: میں عبدالعزیز بن ابی رزاد کے پاس بیٹھا تھا اور میری ران ان کی ران سے لگ رہی تھی۔ اسی دوران میں میں ان سے ذرا دُور گیا، تو انہوں نے میرا کپڑا پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا: ”تم وہ معاملہ مجھ سے کیوں کرتے ہو جو جاہل بادشاہوں سے کرتے ہو اور میں اپنے آپ کو تم سب سے زیادہ حقیر سمجھتا ہوں؟“ متکبر میں ایک نخصلت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے گھر میں کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے بالکل خلاف ہے۔

اسی طرح اس کی ایک نخصلت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنا سامان بازار سے اٹھا کر نہیں لاتا جبکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی چیز خریدی خود اس کو اٹھا کر گھر لے آئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تجارت کے لیے کپڑے کی گٹھڑی اٹھا کر بازار لے جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گوشت خریدا اسے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے گھر لے آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھجوریں خریدیں ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اٹھا لیا۔ کسی نے کہا: ”لا بیسے میں اٹھا لوں“ تو فرمایا: ”بچوں کے باپ کا زیادہ حق ہے کہ وہ خود اٹھائے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک دن بازار سے لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لائے اور آپ ان دنوں مردان کے خلیفہ تھے۔ آپ نے ایک آدمی سے کہا: ”اپنے امیر کو راستہ دے دو۔“ جو آدمی چاہے کہ تکبر ختم ہو اور تواضع اختیار کرے، اسے چاہیے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو ملحوظ رکھے اور اس کی طرف ہم پہلے کتاب آداب معیشت میں اشارہ کر چکے ہیں۔



چیز کو مزید افسوس کر رکھا تھا ہے۔ تو وہ اس کو ہلاک کر دیتی ہے۔ کسی چیز کی خواہش کرتا ہے تو وہ اسے ملتی نہیں اور پھر اس سے مطمئن نہیں کرنا گہائی طور پر اس کی زندگی چھین لی جائے گی۔

انسان کی موجودہ زندگی دراصل درمیانی زندگی ہے۔ وہ اس کی ابتدا تھی جس کا ذکر کیا گیا۔ رہا انجام، تو وہ موت ہے جو اسے پہلے کی طرح بے جان بنا دے گی۔ پھر اسے مٹی میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ ایک بدبو دار مردہ ہوگا۔ اس کے اعضا گل سڑ جائیں گے۔ ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی۔ کیڑے اس کے اجزا کھائیں گے اور بالآخر وہ مٹی بن جائے گا؛ جس سے پیالے بندے جائیں گے۔ مکانوں کی اینٹیں نہیں گی۔ پھر اسی پر خاتمہ نہ ہو جائے گا بلکہ اس کے متفرق اجزاء پھر جمع کیے جائیں گے اور اسے قیامت کے میدان میں حاضر کیا جائے گا۔ وہ دیکھے گا زمین بدلی ہوئی ہے۔ پہاڑ چل رہے ہیں۔ آسمان چھٹا ہوا ہے۔ ستارے بے نور ہو گئے ہیں۔ سورج کی شعاعیں لپیٹ کر الگ رکھ دی گئی ہیں۔ حالات تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور جہنم کی بھاپ شور برپا کیے ہوئے ہے اور صحیفے کھلے ہوئے ہیں۔ اس سے کہا جائے گا: اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ اَلِدُّمَّرَ عَلَيْكَ حَسْبًا (اپنی کتاب پڑھا اور تیرا اپنا نفس ہی آج تیرا حساب لینے کے لیے کافی ہے)۔

وہ کہے گا میری کتاب؛ کون سی کتاب؛ تو کہا جائے گا جس زندگی پر تو بڑا نوش تھا اور جس کی نعمتوں پر تو اکڑا پھرتا تھا۔ اس زندگی میں تجھ پر دو فرشتے مقرر کیے گئے تھے۔ جو تو بولتا تھا یا کرتا تھا وہ لکھتے جاتے تھے۔ خواہ وہ تھوڑا تھا یا زیادہ۔ تیرا ٹھنڈا بلٹھنا اور کھانا پینا سب کچھ نامہ اعمال میں درج کیا جاتا تھا، تو ان چیزوں کو بھول چکا ہے، لیکن اللہ نے ان کو گن رکھا تھا، تو اب اس کا حساب دینے کے لیے تیار ہو جا؛ جس کا یہ سال ہوا اس کا تکبر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر اگر جہنم کی طرف چلا گیا تو انجام کے لحاظ سے اس سے جانور اچھے ہیں کیونکہ وہ پھر مٹی ہو جائیں گے۔

جس کی یہ حالت ہو اور اب اُسے غلطی کے معاف ہوجانے کا بھی یقین نہ ہو تو وہ تکبر کیسے کر سکتا ہے اور کون ہے جو سزا کے لائق گنہگاروں سے بچ سکتا ہے؛ اس کی مثال تو اس آدمی جیسی ہے جس نے بادشاہ کا گناہ کیا ہوا دروہ ہزار کوڑے سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا ہو۔ پھر اُسے تید میں ڈالا جائے تاکہ اُسے نکال کر سزا دی جائے اور وہ انتظار کر رہا ہو کہ سزا کے لیے اُسے بلایا جائے گا۔ کیا تم خیال کرنے ہو کہ

وہ قید خانے والوں پر تکبر کرے گا، غور کیا جائے تو دنیا بھی تو ایک قید خانہ ہے اور انسان کے گناہ سزا کو لازم کرنے والے ہیں۔

یہی رب العالمین کی ہیجان، تو اگر اس کی قدرت کے آثار اور عجائباتِ صنعت کو دیکھے تو اس کی عظمت کا پتہ چل جائے گا اور معرفت حاصل ہو جائے گی۔ بس یہی وہ علاج ہے جو تکبر کی بڑیں اکھاڑنے والا ہے۔ تکبر کا عملی علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے تواضع اختیار کرے۔ اگر اسے تواضع کے ساتھ اپنائے گا تو تواضع عادت ثانیہ بن جائے گی۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے، تواضع اور اخلاقِ جمیلہ کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔

دوسرا مقام: نسب کی بزرگی کے خیال سے بھی انسان کے دل میں تکبر پیدا ہوتا ہے، تو جسے نسب کی وجہ سے تکبر ہوا ہے جاننا چاہیے کہ یہ تو دوسرے کی خوبی سے عزت حاصل کرنا ہے۔ ایسی صورت ہونے پر آباد اجداد کی اصیلت کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ معلوم ہو گا وہ بھی اسی طرح عالم وجود میں آئے تھے جس طرح سب انسان پیدا ہوتے ہیں۔

جس میں خوبصورتی کی وجہ سے تکبر ہو، اسے عقلمندوں کی طرح اپنے باطن کی طرف دیکھنا چاہیے اور چار پاؤں کی طرح ظاہر کو نہ دیکھنا چاہیے۔

جس میں جسمانی طاقت کی وجہ سے تکبر پیدا ہو، اسے جاننا چاہیے کہ اگر اس کی ایک رگ میں درد اٹھے تو وہ ہر عاجز سے زیادہ عاجز ہو جائے گا۔ اور ایک دن کا بنجرا اس کی اتنی فزت تحلیل کر دے گا جو مدت تک پوری نہ ہوگی۔ اگر اس کے پاؤں میں ایک کانٹا چھب جائے، تو اسے عاجز کر دے اور اگر ایک کھٹمل اس کے کان میں داخل ہو جائے تو اسے بیقرار کر دے گا۔

جو دولت کی وجہ سے تکبر کرے، تو اسے چاہیے اس حقیقت سے آگاہ ہو کہ یہودی سب سے زیادہ مالدار ہیں۔ پس تُف ہے اس بزرگی پر جس میں یہودی بھی اس سے آگے بڑھ جائے اور جسے چودا ایک لحظے میں چھین کر لے جائے اور اس کا مالک ذلیل ہو جائے۔

جو علم کی وجہ سے تکبر کرے، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت جہاں کی نسبت عالم پر زیادہ سخت ہے اسے چاہیے اس عظیم خطرے کو محسوس کرے جو اس کے سامنے ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ یہ خطرہ آنا ہی بڑا ہو گا تبنا بڑا مرتبہ ہو گا۔

نیز یہ بھی جانتا چاہیے کہ تکبر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور جب وہ تکبر کرے گا تو اس پر اللہ کا غصہ اور ناراضگی ہوگی۔ اللہ عاجزی اور تواضع کو پسند کرتا ہے۔ بس اس طرح ہر ایک سبب کا علاج اس کی ضد سے کرے اور تواضع اختیار کرے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دوسرے اخلاق کی طرح اس خلق کی بھی دو طرفیں اور ایک درمیان ہے: جو طرف زیادت کی طرف مائل ہے اس کا نام تکبر ہے۔ جو نقصان کی طرف مائل ہے اسے خست اور ذلت کہتے ہیں اور درمیان کا نام تواضع ہے اور یہی محمود ہے۔

جو اپنے ساتھیوں پر برتری بتائے وہ تکبر ہے اور جس نے پستی ظاہر کی وہ تواضع ہے۔ گویا اس نے اپنے مرتبے کے کچھ پتہ گھٹا دی، لیکن اگر کسی عالم کے پاس کوئی موچی یا اسی حیثیت کا کوئی شخص جائے اور عالم اس کو اپنی جگہ بٹھائے پھر اس کا جوتالا کرے اس کے سامنے رکھے اور جب وہ رخصت ہو تو دروازے تک اس کے ساتھ جائے تو اس نے ذلت کو پسند کیا اور یقیناً یہ بات اچھی نہیں۔ اچھی چیز اعتدال ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک حق دار کو اس کا حق ادا کرے۔

معمولی لوگوں میں تواضع یہ ہے کہ ان کے سوال کے جواب میں ان پر نرمی کرے اور نرم انداز سے گفتگو کرے۔ ان کی دعوت قبول کرے۔ ان کی حاجت پوری کرنے میں کوشش کرے۔ ان کی تہقیر نہ کرے اور انہیں ذلیل نہ سمجھے۔ واللہ اعلم۔



## فصل ہاشتم

## عجب کے متعلق تصریحات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا، ایک آدمی دو چادریں پہن کر بڑے غرور کی چال جا رہا تھا کہ اللہ نے اس کو زمین میں غرق کر دیا، وہ قیامت تک اس میں دھنسا چلا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں جہنم میں بٹخیں جن کی پیروی کی جائے۔ خواہش جس کی اطاعت کی جائے اور آدمی کا اپنے نفس پر غرور ہونا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: دو چیزوں میں ہلاکت ہے۔ عجب اور قنوط۔ اور ان دونوں کو اس لیے عجب کیا ہے کہ نیک سنجی، طلب اور کرمیت باندھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسے آدمی طلب نہیں کرتا، اور غرور یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی مراد میں کامیاب ہو چکا ہے اور یوں وہ کوشش نہیں کرتا۔

مطرف رحمہ اللہ نے کہا: اگر میں ساری رات سو کر گزاروں اور ندامت کی حالت میں صبح کروں تو یہ حالت مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ساری رات قیام میں گزاروں اور صبح غرور کی حالت میں کر دوں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ عجب تکبر پیدا کرتا ہے کیونکہ یہ بھی اس کے اسباب میں سے ہے۔ اور تکبر سے بے شمار آفتیں پیدا ہوتی ہیں اور غرور کی یہ نوعیت تو مخلوق کے ساتھ ہے۔ باقی رہا خالق کا معاملہ، تو عبادت پر غرور نتیجہ ہے عبادتوں کو بڑا سمجھنے کا، گو یا کہ وہ اس عبادت سے اللہ پر احسان کرتا ہے۔ اللہ نے جو عبادت کی توفیق دی ہے اسے بھول جاتا ہے اور عبادت کو برباد کر دینے والی آفتوں سے اندھا ہو جاتا ہے۔

اپنے اعمال کی نگرانی وہ کرے گا جسے اعمال کے رد کر دیے جانے کا خوف ہوگا، نہ کہ وہ جو ان پر غرور ہو۔ اور عجب کسی صفت کمال پر ہوتا ہے۔ خواہ علم پر ہو یا عمل پر۔ پھر اگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی سمجھے کہ اس کا اللہ پر حق ہے تو تیار نہ ہوگا، یعنی عجب اپنے اعمال کو بڑا سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ ایسا شخص خیال کرتا ہے کہ وہ لازمی طور پر اللہ کی رحمتوں کا مستحق دار بن گیا ہے۔ مثال کے طور پر ایسے شخص کو اپنی دعا کے بارے میں گمان ہوگا کہ وہ رد

نہ ہوگی۔ حالانکہ عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ اگر اللہ چاہے تو قبول کرے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے عمل کی توفیق دے کر تجھ پر احسان کیا ہے۔ پھر کسی عامل کا عمل پر غور کرنا یا کسی عامل کا علم پر اترنا یا کسی خوبصورت کا خوبصورتی پر ناز کرنا یا کسی دولت مند کا دولت پر گھنڈ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور آدمی تو صرف محض نعمت ہے اور اس کا محض نعمت ہونا بھی اللہ کا ایک احسان ہے۔

اگر تم کہو کہ عمل تو تمہاری قوت سے حاصل ہوا ہے تو یہ تبتلاؤ کہ تمہاری قوت کہاں سے آئی ہے؟ کیونکہ عمل کا تصور تو تمہارے وجود سے ہے اور تمہارا وجود اور ارادہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقت یہ ہے کہ تمام امور کی کنجی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک کنجی نہ دی جائے گی تم عمل نہ کر سکو گے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کسی کو بھی اس کے عمل جنت میں داخل نہیں کر سکتے۔ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو بھی؟ تو فرمایا: میں بھی اللہ کی رحمت اور فضل ہی سے جنت میں جا سکتا ہوں:

معلوم ہونا چاہیے کہ عجب بھی انہی اسباب سے پیدا ہوتا ہے جن سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور اس کا ذکر اور علاج پہلے گزر چکا ہے۔

ایک عجب نسب سے ہوتا ہے جیسا کہ کوئی شریف آدمی یہ خیال کرے کہ وہ اپنے باپ دادا کے شرف سے نجات پا جائے گا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ وہ جائے کہ جب وہ اپنے باپ دادا کا مخالف ہو اور پھر بھی یہ سمجھے کہ وہ ان ہی میں سے ہے تو یہ اس کی جہالت ہے۔ اور اگر ان کی پیروی کرے تو عجب ان کے اخلاق میں سے نہیں تھا، بلکہ خوف اور نفس کو تغیر سمجھنا ان کے اخلاق تھے۔ اگر انہیں کوئی بزرگی ملی ہے، تو اچھی صفات اور طاعت سے ملی ہے نہ کہ سب کی وجہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! میں اللہ کے ہاں تیرے کسی کام نہیں آسکوں گا۔

اگر تم یہ کہو کہ شریف کو امید ہوتی ہے کہ اس کی قربت والے اس کی سفارش کریں گے، تو جواب یہ ہے کہ تمام مسلمان شفاعت کی امید رکھتے ہیں، لیکن کبھی کسی آدمی کے لیے آگ میں جیلنے کے بعد سفارش قبول ہوگی اور اگر



## فصل نہم

### دھوکا اور اُس کی اقسام

بعض لوگ ایسے ہیں جنہیں دنیا نے دھوکا دیا ہے وہ کہتے ہیں نقدا دھار سے بہتر ہے اور دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار۔ بس یہی فریب کا تمام ہے کیونکہ نقدا دھار سے بہتر صرف اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ نقد اور ادھار برابر ہوں۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ آخرت کی مدت کی نسبت انسان کی زندگی کتنی لاکھ گنا سے بھی کم ہے۔ اور جس نے یہ کہا تھا کہ نقدا دھار سے بہتر ہے وہ نقدا و ادھار کے برابر ہونے کی صورت میں تھا اور یہ کفار کا دھوکا ہے۔

جو لوگ عقائد صحیح ہونے کے باوجود گناہوں میں مبتلا ہیں وہ اس دھوکے میں کفار کے ساتھ شریک ہیں۔ کیونکہ انھوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کو پسند کیا ہے، تاہم ان کا معاملہ کفار کی نسبت آسان ہے۔ اس لیے کہ اصل ایمان ان کو ہمیشہ کے عذاب سے بچانے کا۔

بعض آدمی اس دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اللہ بڑا بخشنے والا ہے اور ہم اس کی بخشش پر بھر دوسرے ہیں ایسے لوگ کہیں اپنے باپ دادا کی نیکی سے دھوکا کھاتے ہیں، لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ عمل نے کہا ہے جو کسی چیز کی امید رکھتا ہے وہ اسے طلب کرتا ہے اور جو کسی چیز سے ڈرتا ہے اس سے بھاگتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے جو گناہ پر اصرار کے باوجود بخشش کی امید رکھتا ہے۔ وہ دھوکے میں مبتلا ہے۔ جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وسیع رحمت کے باوجود سخت عذاب دینے والا بھی ہے اور اُس نے کافروں کے لیے ہمیشہ جہنم میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مالا لکہ ان کے کفر سے اس کا کوئی نقصان نہیں۔ دنیا میں اُس نے اپنے بندوں پر شقت اور امرائے مسلط کر رکھے ہیں، اگرچہ وہ ان کو دُور کر دینے پر قادر ہے، پھر اُس نے ہمیں اپنے عذاب سے ڈرایا بھی ہے تو پھر ہم کیوں نہ ڈریں!

خوف اور امید و سائق (مانگنے والے) ہیں جو انسان کو عمل پر آمادہ کرتے ہیں اور اگر یہ عمل پر آمادہ نہ کریں، تو اس کا مطلب ہوگا ان کا صحیح ادراک حاصل نہیں۔ اسی لیے اکثر لوگوں کو امید بے عملی اور گہمگاری پر آمادہ کرتی ہے۔

قرنِ اول کے لوگ عمل کر کے بھی ڈرتے تھے، لیکن اس زمانے کے لوگ کمزور ایمان کے باوجود مطمئن ہیں، تو کیا ان کی رائے یہ ہے کہ ان کو رحمتِ خداوندی کی وہ نشان معلوم ہوگئی جو پہلے انبیاء اور نیک لوگوں کو معلوم نہیں ہوئی تھی؟ اگر یہ بات صرف خواہش سے معلوم ہو سکتی، تو یہ لوگ کیوں اتنی محنت کرتے اور کیوں رویا کرتے؟ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے تو اہل کتاب کی مذمت کی ہے۔ فرمایا: **يَا خِزَّانَ عَرَضَ هَذَا الْاَدْنَىٰ دَلِيلًا لِّمَنْ سَمِعَ لَيْسَ**۔ (وہ اس ادنیٰ دنیا کا سامان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں معاف کر دیا جائے گا) غور کیا جائے تو ان لوگوں کی غلط فہمی اہل کتاب جیسی ہی ہے۔

جو اپنے باپ دادا کی نیکی سے دھوکا کھاتا ہے وہ نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے۔ اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے باپ کے اقعات پر غور کیوں نہیں کرتا؟ اسی دھوکے کے قریب قریب ان لوگوں کا دھوکا بھی ہے جن کے پاس نیکیاں اور برائیاں دونوں ہیں، لیکن ان کی برائیاں زیادہ ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی نیکیاں زیادہ ہیں، تو ان میں سے کسی کو دیکھے گا کہ وہ ایک درہم صدقہ کرتا ہے اور اس سے کئی گنا زیادہ غصب کا مال لے لیتا ہے اور شاید یہ درہم جو صدقہ کیا ہے، یہ بھی اسی چھینے ہوئے مال سے ہے۔ اگر وہ اس صدقے پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو ترازو کے ایک پلٹے میں ایک درہم رکھے اور دوسرے میں ہزار درہم اور پھر اسے یہ امید ہو کہ ایک درہم ہزار سے زیادہ وزنی ہو جائے گا۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ان کی نیکیاں گناہوں سے زیادہ ہیں اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کی تعداد کو تو یاد رکھتے ہیں، لیکن برائیوں پر نفس کا محاسبہ نہیں کرتے اور نہ اپنے گناہوں کی تفتیش کرتے ہیں جیسے کہ وہ آدمی جو ایک ہی دفعہ سوم تہ استغفار کرے اور تسبیحیں کہے اور پھر باقی سال اذن مسلمانوں کی غیبت کرتا رہے اور ناپسندیدہ باتوں میں مبتلا رہے۔ وہ تسبیح اور استغفار کے فضائل تو دیکھتا ہے، لیکن بدگلاہی اور غیبت کی نرا پر غور نہیں کرتا۔

## فصل دوازدهم

# گمراہوں کی قسمیں

عموماً چار قسم کے لوگ دھوکے میں مبتلا ہوتے ہیں :  
 علماء، عابد، متصرفین اور دو تندر۔

علماء میں سے دھوکا کھانے والے کئی قسم کے لوگ ہیں۔ مثلاً ان میں سے ایک فرقہ تو وہ ہے جنہوں نے علوم شرعی اور عقلی میں سختگی تو پیدا کر لی ہوتی ہے، لیکن اپنے اعضاء و گونگہروں سے نہیں بچاتے۔ وہ اپنے علم پر مغرور ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا ایک مرتبہ ہے۔ اگر یہ لوگ بعیرت کی نگاہ سے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ علم بھی تو عمل کے لیے مطلوب ہے اور اگر عمل نہ ہو تو علم کی کوئی قدر نہیں۔  
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **خَدَّ اَخْلَعَ مَنْ ذُنُوبُهُ** (جس نے نفس کو پاک کیا وہ خلاصی پا گیا)

یہ تو نہیں فرمایا کہ جس نے علم حاصل کیا اُس نے خلاصی پائی۔ عورت علم اسے کیسے پاک کر سکتا ہے۔ اگر شیطان اس کو اپنے علم کے فضائل پڑھ کر سنائے، تو اُسے وہ آیتیں بھی یاد کرنی چاہئیں جو بدرکار عالموں کے متعلق آئی ہیں۔  
**فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ نَحِصِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثُ اَوْ تَسْبُكْهُ يَلْهَثُ** (تو اُس کی مثال گتے کی سی ہے اگر تو اس پر بوجھ لا دے تو ہانپنے اور اگر چھوڑ دے تو ہانپے)

**كَسْبُ الْاِحْسَارِ يَجْمَلُ اَسْفَاكًا** (جیسے گدھا جو اٹھائے بڑی بڑی گناہیں)

ایک فرقہ وہ ہے جن کا علم اور ظاہری عمل تو مضبوط ہے، لیکن انہوں نے اپنے دل کی نگرانی نہیں کی کہ بری صفات کا خاتمہ کریں۔ جیسے تکبر و حسد، ریا اور طلبِ جاہ و منزلات اور خواہشات کی طلب۔ ان لوگوں نے اپنے ظاہر کو تو مزین کر لیا ہے، لیکن اپنے باطن پر کوئی توجہ نہیں کی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھول گئے کہ: **اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور مال نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دل اور اعمال کو دیکھتا ہے**۔

انہوں نے اعمال کی نگرانی تو کی لیکن دلوں کی نگرانی نہ کی اور دل ہی اصل ہے کیونکہ نجات وہی پائے گا جو اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کر آیا۔ ان لوگوں کی مثال اُس آدمی کی سی ہے جس نے کھیتی کاشت کی، پھر وہ اگی تو اس کے ساتھ گھاس پھوس وغیرہ بھی آگ آیا جو کھیتی کو تباہ کر دیتا ہے تو اس سے کہا گیا کہ گھاس کو اکھاڑ دو۔ اُس نے گھاس کی تپیاں اور شاخیں تو کاٹ دیں لیکن اس کی جڑیں چھوڑ دیں تو اس کی جڑیں اور مضبوط ہو گئیں۔ ایک فرقہ وہ ہے جسے یہ تو معلوم ہے کہ یہ باطنی اخلاق برے ہیں لیکن وہ اپنے نفس پر مغرور ہیں سمجھتے ہیں کہ ہم اخلاق ذمیر سے پاک ہیں اور اللہ کے نزدیک اس سے بہت بلند ہیں کہ اللہ میں ان میں مبتلا کرے۔ ان میں تو عوام مبتلا ہوتے ہیں نہ کہ وہ جو ہمارے جیسا علم کئے ہیں۔ اور جب ان پر تکبر یا اقتدار کی طلب کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں یہ تکبر نہیں ہے۔ یہ تو دین کی عزت کی طلب اور علم کے شرف کا اظہار اور بدعتیوں کی تذلیل ہے۔ اگر ہم معنی سے کپڑے پہن لیں اور نیچی جگہ میں بیٹھ جائیں تو ہماری وجہ سے دین کے دشمن خوش ہوں گے اور ہماری ذلت پر ہنسیں گے اور ہماری ذلت میں اسلام کی ذلت ہے۔ یہ لوگ اس دعوے کو نظر نہیں رکھتے کہ یہ بات اہلسنت نے اُن کے دل میں ڈالی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تو واضح کیا کرتے تھے اور فقر و سکنیت کو پسند کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ شام پہنچے تو راستے میں پانی آگیا۔ آپ اپنے اونٹ سے اتارے اور موزے اتارے اور پانی میں داخل ہو گئے۔ آپ نے اونٹ کی جہاں بھی پکڑ رکھی تھی حضرت ابو عبیدہ نے کہا: 'آج آپ نے شام والوں کے سامنے ایک بہت بڑا کام کیا ہے۔' آپ نے ان کے سینے میں ہاتھ مارا اور کہا: 'اے ابو عبیدہ! کاش یہ بات کہنے والے تم نہ ہوتے۔ تم سب سے زیادہ ذلیل اور حقیر لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے رسول کے سبب عزت بخشی، تو جب بھی تم ان کے بغیر عزت طلب کرو گے اللہ تمہیں ذلیل کرے گا۔'

آپ کے متعلق ایک روایت میں ہے کہ جب آپ شام پہنچے تو لوگوں نے آپ کا استقبال کیا۔ اس وقت آپ اونٹ پر سوار تھے۔ کہا گیا: 'کاش آپ گھوڑے پر سوار ہو کر امرا و عورتوں سے ملاقات کریں؟ فرمایا: میں تمہاری عزت اس جگہ پر نہیں دیکھتا فیصلے تو اس جگہ سے ہوتے ہیں؟ اور اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور پھر کہا: 'میرے اونٹ کا راستہ چھوڑ دو۔'

تعجب تو اس مغرور پر ہے جو نعمتی کپڑوں اور خوبصورت گھوڑوں سے دنیا کی عزت طلب کرتا ہے اور جب

اُس کے دل میں ریا کا خیال آتا ہے تو کہتا ہے۔ اس سے میری غرض علم اور عمل کا اظہار ہے تاکہ لوگ میری پیروی کر کے دین کی ہدایت پائیں۔ اگر اس کا یہی مقصد ہوتا تو جتنا لوگوں کے اپنی پیروی سے خوش ہوتا ہے اتنا ہی اس بات سے بھی خوش ہوتا کہ کسی دوسرے کی پیروی کریں۔ کیونکہ جس کا ارادہ لوگوں کی اصلاح ہو وہ لوگوں کی اصلاح پر خوش ہوتا ہے خواہ وہ کسی کے ہاتھ سے ہو۔

اسی طرح وہ آدمی ہے جو ان میں سے بادشاہ کے پاس جاتا ہے۔ اس سے محبت کرتا ہے۔ اس کی شکر کرتا ہے اور اس کے سامنے انکساری کرتا ہے اور کہتا ہے اس سے میری غرض یہ ہے کہ میں کسی سلطان کی سفارش یا کسی کی تکلیف دوں کہوں۔ اللہ جانتا ہے کہ اگر اس کے بعض ساتھی بادشاہ کے نزدیک مقبول ہو جائیں تو اسے یہ بات بڑی شاق گزرے۔

ان میں سے بعض کی غلط فہمی تو اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ بادشاہ سے حرام مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں اس مال کا کوئی مالک نہیں ہے، یہ مسلمانوں کے رفاه کے لیے ہے۔ ایسا شخص اس قول کی وجہ سے کلاس مال کا کوئی مالک نہیں ہے و جابوں میں سے ایک دجال ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا ہوگا کہ حرام حلال ملا ہوا ہوگا۔ اور اس سے وہ مال حلال نہیں ہو جاتا بلکہ اکثر تو اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مال کس سے لیا گیا ہے۔

ایک اور فرقہ ہے جن کا علم مضبوط ہے۔ انھوں نے اپنے اعضاء کو پاک کر لیا ہے اور وہ طاعت سے مزین ہیں۔ انھوں نے اپنے دلوں کی نگرانی کر کے ان کو ریا، حسد اور کبر وغیرہ سے پاک کر دیا ہے لیکن دل کے کنوڑوں سے کچھ شیطانی فریب مخفی رہ گئے ہیں۔ ان کا نفس فریب کھا رہا ہے، لیکن وہ سمجھتے نہیں اور نہ اس کی پروا کرتے ہیں۔ تم دیکھو کہ کوئی ان میں سے رات بھر جاگتا ہے اور سارا دن بھی علوم اور ان کی ترتیب اور الفاظ کی تحسین میں گزار دیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس پر آمادہ کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کے دین کے اظہار کی حرص ہے۔ حالانکہ کبھی اس پر آمادہ کرنے والی چیز سے یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ بھلائی سے اس کا ذکر کریں اور وہ مشہور ہو۔ ایسے لوگ اپنی تصنیفات میں اپنی ثناء ضرور بیان کرتے ہیں۔ یہ لوگ یا تو بے چوڑے دعوے کر کے صریحاً اپنی تعریف کرتے ہیں یا دوسروں پر طعنہ زنی کے ضمن میں ایسا پہلو نکال لیتے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ آدمی جو طعنہ کر رہا ہے یہ اس سے افضل اور اس سے زیادہ عالم ہے۔

یہ ایسے مخفی عیوب ہیں جن سے نہایت ہوشیار اور طاقتور لوگ ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ ہم جیسے کمزور لوگوں کو اس میں کوئی امید نہ رکھنی چاہیے۔



سب سے کتر دہر یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کے عیوب کو پھانسی اور ان کو درست کرنے کی کوشش کرے۔ جسے اپنی نیکیاں اچھی لگیں اور اپنی برائیاں بری محسوس ہوں تو اس کے لیے اُمید رکھنی چاہیے، بر خلاف اُس شخص کے جو اپنے نفس کو پاک تباہی اور زہنے آپ کو بہر مخلوق سمجھے۔ تو یہ اُن لوگوں کا حال ہے جنہوں نے اہم علوم حاصل کیے ہیں۔ سوچنا چاہیے اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو غیر اہم علوم پر فخر و عظمت کر چکے ہیں۔

بعض ایسے ہیں کہ وہ حکومت، لڑائی جھگڑوں اور دنیاوی معاملات کی تفصیل کے متعلق فتاویٰ کے علم پر بس کر چکے ہیں جن سے لوگوں میں اصلاحِ معیشت ہو سکے، لیکن یہ لوگ اعمالِ ظاہری کو ضائع کر دیتے ہیں اور بعض معاصی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ مثلاً غیبت جن کو دیکھنا جائز نہیں اُن کو دیکھنا۔ ناجائز کاموں کی طرف چل کر جانا اور اپنے دلوں کو تکبر، حسد، ریا اور دیگر تمام مہلکات سے نہ بچانا۔

یہ لوگ دو طرح سے دھوکے میں مبتلا ہیں۔ ایک تو عمل کی حیثیت سے اور دوسرے علمی حیثیت سے۔ اور ان کی مثال اس مرضِ جیسی ہے کہ جب وہ کسی دوا کا نسخہ سیکھ لے تو اس کی تکرار اور تعلیم میں مشغول ہو جائے بلکہ ان کی مثال تو اس آدمی جیسی ہے جسے سرسام (ایک ہڈیائی بیماری) ہو۔ وہ ہلاکت تک پہنچ چکا ہو، لیکن اپنے مرض کا علاج کرنے کے بجائے استحضار کی دوا سیکھنے میں مشغول ہو اور اس کی تکرار کرتا رہے۔

یقیناً یہ انتہائی دھوکہ ہے۔ اور اس دھوکے کا سبب یہ ہے کہ اس نے فقہ کی تعظیم کی روایات سنی ہیں۔ اور اسے یہ معلوم نہیں کہ فقہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عذاب کی صفات کی پہچان ہے نہ کہ دل میں خوف پیدا ہوا اور تقویٰ اختیار کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلُوا لَا نَعْبُدُكُمْ كَلَّ فَرْقَةٍ مِّنْهُمْ حَلِيفَةٌ لِّتَتَفَقَّهُوا فِي السِّبْتِ (پھر ان کے ہر فرقہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلتے کہ دین کو سمجھیں)

وہ علم جس سے انفراد (ٹولانا) حاصل ہوتا ہے، وہ اس علم کے علاوہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ معاملات کی شرائط سے مالوں کی حفاظت کی جائے اور مالوں سے ایوان کی حفاظت کی جائے اور نقل اور زخموں کی علاج ہو۔

مال اللہ کی راہ میں آکر ہے اور بدن سواری۔ اور اہم علم رستے پر چلنے کی پہچان اور بدل کی گھاٹیوں کو

طے کرنا ہے، جو کہ برسی صفات ہیں۔ اور یہی بندے اور اللہ کے درمیان حجاب ہیں۔  
جو آدمی اسی پر رک جائے۔ اُس کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو حج کے رستے پر چلنے کے لیے مشکیزہ اور  
موزہ کے سینے کا علم حاصل کرے۔ اس میں تو کوئی ٹسک نہیں کہ یہ بھی ضروری علم ہے، لیکن حج سے تو ان باتوں کا  
کوئی تعلق نہیں۔

بعض وہ ہیں جو اختلافات کے علم پر بس ہو گئے ہیں اور ان کی اہمیت صرف مجاہدہ، الزام، خاموشی کرانے  
اور غلبے کی وجہ سے حتیٰ کو رد کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور یہ پہلے لوگوں سے بھی زیادہ بُری حالت میں ہیں۔ فقہ  
میں (مجاہدہ) جھگڑے کے تمام قوانین بدعت ہیں۔ سلف ان کو نہیں جانتے تھے۔  
باقی رہے احکام کے دلائل تو فقہی مسلک کا علم ان کے علم پر مشتمل ہے اور وہ دلائل کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ  
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جھگڑے (مناظرہ) کے مختلف طریقے مثلاً، کسر، قلب، فساد وضع و ترکیب اور تعدیہ،  
تو یہ خاموش کرانے اور غلبے کے اظہار کے لیے ایجاد کیے گئے ہیں۔

ایک فقرہ اور ہے جو مخالفین کے رد اور اپنی خواہشات کے مطابق مجاہدہ کرتا ہے۔ اور علم کلام کے جوہر  
دکھاتا ہے۔

پھر یہ دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ ایک گروہ تو گمراہ ہے، لیکن دوسرا کس قدر سختی کی طرف ہے، گمراہ تو وہ ہے جو  
سنتِ رسول کے علاوہ دیگر باتوں کی طرف بلاتا ہے۔ اس سے بہتر وہ ہے جو سنت کا تارک تو نہیں لیکن علم  
کے ذمے میں مبتلا ہے۔ ان لوگوں کا دھوکا اس حیثیت سے ہے کہ انھوں نے سمجھ رکھا ہے کہ مناظرہ ہی سب سے  
اہم امر ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ حجت تک کوئی آدمی بحث نہ کرے اس کا دین مکمل نہیں ہوتا، یعنی جو آدمی بغیر وضع دلیل  
کے اللہ اور رسول کی تصدیق کرے اس کا ایمان کامل نہیں۔ اسی فاسد خیال میں انھوں نے اپنی عمریں بحث اور  
جدال میں صرف کر دی ہیں۔ ان کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں۔ وہ سلف کی طرف نہیں دیکھتے جن کے تعلق نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم نے بہترین مخلوق ہونے کی شہادت دی ہے، ان کے زمانے میں بھی کئی ایک خواہشات اور بدعات  
پیدا ہو چکی تھیں، لیکن انھوں نے اپنی عمریں اور اپنا دین جھگڑے اور مجاہدے کے لیے وقف نہیں کیا۔ وہ اپنے  
دلوں اور اعضاء کی نگرانی چھوڑ کر اس میں نہیں اُٹھے، بلکہ گمراہی کی تردید کی ضرورت کے علاوہ اس کے متعلق بات  
بھی نہیں کی۔ اگر ان کو معلوم ہوا کہ کوئی بدعت پر اصرار کر رہا ہے تو بغیر بحث اور جھگڑے کے اس سے  
کننا رکش ہو گئے۔

حدیث میں ہے کہ جو قوم ہدایت کے بعد گمراہ ہو جائے اس میں بھگڑا پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک اور فرقہ ہے جو وعظ و نصیحت میں مشغول ہے۔ ان میں سے بلند مرتبہ وہ ہیں جو نفس کی اصلاح اور دل کی صفات کے متعلق بات کرتے ہیں، یعنی خوف، امید، صبر و شکر، توکل، زہد و یقین اور اخلاص وغیرہ کے متعلق۔ اور جب وہ ان صفات کے متعلق بات کرتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ بس دوسرے ہی ان صفات سے ہی فہم آئے ہیں۔ گو یا یہ لوگ دوسروں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، لیکن خود اس سے بھاگتے ہیں۔ یہ سب لوگوں سے زیادہ دھوکے میں مبتلا ہیں۔

کچھ ایسے ہیں جو عجیب و غریب باتیں بیان کرنے کے لیے وعظ کے سیدھے راستہ سے ہٹ کر شیطانی (کے باتیں) اور لافنیق (خود بات بنالینا) کی طرف مائل ہو جاتے ہیں جو کہ شریعت کے خلاف ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو جوصال و فراق کے اشعار سے دلیل کھینچتے ہیں۔ ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کی مجالس میں کثرت سے چرخ و پیکارا دروہد پیدا ہو۔ اگر محض فاسد اغراض ہوں تو یہ لوگ انسانوں میں شیطان ہیں۔ ایک فرقہ وہ ہے جو اپنا زیادہ وقت حدیث کے سماع اور روایات کو جمع کرنے میں خرچ کرتا ہے، لیکن اللہ کی رضا کی بجائے مقصد یہ ہوتا ہے کہ شہروں میں پھریں، شہر کو دکھیں تاکہ کہیں کہ میں خلائ سے روایت کرتا ہوں اور میں خلائ خلائ سے ملا ہوں۔ اور میرے پاس ایسی سندیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں۔ یہ بھی راہ راست پر نہیں۔

ایک فرقہ علم نحو، لغت اور شعر کے حصول میں مشغول ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اہانت کے علماء میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنی عمریں اسٹی مشغل میں ضائع کر دی ہیں۔ اگر سمجھیں تو ان کو معلوم ہو لغت عرب سیکھنے میں اپنی عمر کو ضائع کرنے والا بھی ایسا ہی ہے جیسا لغت ترک کے سیکھنے میں عمر ضائع کرنے والا۔ ان دونوں میں فرق صرف یہی ہے کہ شریعت عربی زبان میں وارد ہوئی ہے۔ لغت کے غرائب کے علم میں قرآن اور حدیث کے غرائب کا علم کافی ہے اور علم نحو آٹھویں کا فیہ ہے جس سے زبان سیدھی ہو جائے۔ اس سے زیادہ کوشش کرنے سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ انسان ان باتوں کے علم سے محروم رہ جاتا ہے جو ضروری ہیں۔ علم صرف و نحو کی گہرائی میں جانے والے کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو اپنی عمر قرآن مجید کے حروف کے غارح کی تصحیح میں گزار دے اور اسلامی پیرس ہو کر رہ جائے۔ یہ صریح دھوکہ ہے، کیونکہ حروف سے مقصود معانی ہیں۔ حروف تو حروف اور وسیلہ ہیں۔ اگر صرف آواز کی زیادتی کا مریض سکنجبین پینے کے بجائے سکنجبین بنانے کی ترکیب سیکھنے میں عمر برباد کر دے تو

وہ یقیناً دھوکے میں مبتلا ہے۔ خوش قسمت وہ ہے جو اپنی اہم ضرورت کو حاصل کرے دوسری کو چھوڑ دے۔ عمل کی طرف توجہ کرے اور اسی کو مقصود اصلی بنائے۔

ایک اور فرقہ ہے جس نے حقوق کو روکنے کے لیے حیلے ایجاد کر لیے ہیں، یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ طریقہ ان کے لیے نافع ہے۔ یہ سزا مہر دھوکہ ہے کیونکہ انسان اگر اپنی بیوی کو مجبور کر دے کہ وہ اپنے حق سے دست بردار ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک تو بری نہیں ہو جائے گا۔ اگر مرد زکوٰۃ والا مال سال کے آخر میں بیوی کے نام بہہ کر دے اور بیوی مر کے نام بہہ کر دے اور اس طرح وہ زکوٰۃ کو ساقط کر دینے کا مقصد یہ شخص خود کو دھوکہ دینا ہوگا ان کا حق ان کے ذمے باقی رہے گا۔

دوسری قسم جمادات گزاروں اور بظاہر نیک عمل کرنے والوں کی ہے اور ان کے کئی فرقے ہیں۔ ان میں ایک فرقے نے فرائض تو چھوڑ دیے ہیں لیکن نوافل اور فضائل میں مشغول ہے۔ بعض اوقات وضو کے پانی کے استعمال میں اپنے وسوسوں کو قبیح خیال کرتے ہیں۔ جس پانی پر شریعت طہارت کا حکم لگاتی ہے اس پر وہ خوش نہیں ہوتے، بلکہ اس کے پلید ہونے کے بعد استعمال پید کرتے ہیں، لیکن کھانے کے متعلق وہ احتیاط نہیں کرتے۔ اگر یہ احتیاط پانی سے کھانے کی طرف منتقل ہو جائے تو سلف کی سیرت سے بہت زیادہ مشابہ ہو جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی عورت کے منگے سے پانی لے کر وضو کیا، حالانکہ نجاست کا احتمال ظاہر تھا۔ دوسری طرف حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے آپ بعض حلال چیزوں کو بھی چھوڑ دیتے تھے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک عورت کے مشکیزے سے وضو کیا۔ بعض آن میں وہ ہیں جو بانی میں اسراف کرتے ہیں اور وضو میں اتنی دیر کر دیتے ہیں کہ بعض اوقات نماز ضائع ہو جاتی ہے۔

بعض ایسے ہیں جن کو نماز کی تکبیر تحریم میں وسوسہ پڑتا ہے، یہاں تک کہ امام کے ساتھ ان کی ایک رکعت ہی جاتی رہتی ہے۔ اسی طرح بعض ایسے ہیں جن کو سورۃ فاتحہ اور آذکار کے حروف کے خارج میں وسوسہ پڑتا ہے۔ وہ ضما و ارتقا کے فرق اور شدتوں میں ضرورت سے زیادہ احتیاط کرتے ہیں، بلکہ ان چیزوں کی طرف اتنی توجہ دیتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور کسی چیز کا خیال ہی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ قرآن کے معانی اور اس کی نصیحت تک سے غافل ہو جاتے ہیں۔ یہ غلط فہمی کی بدترین قسم ہے کیونکہ لوگوں کو قرآن مجید کی تلاوت میں حروف کے خارج کی تحقیق کی تکلیف نہیں دی گئی ماسوائے اُس کے جو کلام میں عادت کے مطابق جاری ہے۔

ان لوگوں کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو بادشاہ کے پاس بیٹیا م لے کر جائے اور پیغام پہنچاتے وقت صوف کے مخارج کو خوب صورت بنائے اور اس کی نکلار کی طرف متوجہ رہے اور پیغام کے مقصود اور مجلس کی حرمت کے آداب سے غافل ہو جائے۔ ظاہر ہے ایسا آدمی سزا پانے اور باہر نکال دینے کے لائق ہے۔

ایک اور فرقہ ہے جو قرآن کی تلاوت میں دھوکا کھاتا ہے۔ وہ اس کو بڑی تیزی سے پڑھتے ہیں اور سب اوقات ایک دن میں دو دو مرتبہ ختم کرنے ہیں۔ ان کی زبان تو الفاظ یاد کرتی ہے، لیکن دل خواہشات کی وادیوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ وہ نہ تو قرآن کے معانی میں غور کرتے ہیں نہ اس کی نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ اس کے ادا و نفاذ ہی پر عمل کرتے ہیں۔ یہ بھی دھوکے میں مبتلا ہیں سمجھتے ہیں کہ قرآن کا مقصد صرف تلاوت ہے۔ ان کی مثال اس آدمی جیسی ہے جسے اس کا آقا خط لکھے۔ بعض امور سے منع کرے اور بعض کا حکم دے اور وہ خط کا مضموم سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی طرف تو دھیان نہ دے، الفاظ یاد کرنے اور ان کی تکرار میں مصروف رہے اور یہ خیال کرے کہ خط لکھنے کا یہی اصل مقصد ہے۔ نہ وہ کام کرے جن کے کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور نہ ان سے باز رہے جن سے روکا گیا تھا۔

بعض ایسے ہیں جو قرآن پڑھنے میں اپنی آواز سے لذت حاصل کرتے ہیں اور اس کے معانی سے منہ پھینکتے ہیں۔ چاہیے کہ ایسا شخص اپنے دل کو ٹٹولے اور یہ بات سمجھے کہ تلاوت کا مقصد معانی پر غور کرنا اور اعمال کی اصلاح ہے، ایک اور فرقہ ہے جو روزے سے دھوکا کھاتا ہے۔ اس کے افزا دہشت روزے رکھتے ہیں، لیکن اپنی زبانوں کو غیبت اور فضول باتوں سے نہیں بچاتے اور نہ اخطاری کے وقت حرام سے اپنے پیٹوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اور نہ اپنے خیالات کو ریاسے پاک کرتے ہیں۔

بعض آدمی حج سے دھوکا کھاتے ہیں وہ حج کے لیے جاتے ہیں، لیکن منظم کام ازا نہیں کرتے نہ قرض ادا کرتے ہیں نہ ماں باپ سے اجازت لیتے ہیں نہ حلال زاد راہ ساتھ لیتے ہیں اور سب اوقات تو یہ صورت دیکھنے میں آتی ہے کہ واپس آکر ان برائیوں میں اور شدت سے ملوث ہو جاتے ہیں۔ راستے میں بھی ان کی یہ حالت برپا رہتی ہے کہ عبادات اور فرائض سے غافل رہتے ہیں، نیند بن اور کپڑوں کی گلہا رتس سے عاجز آتے ہیں۔ نیز لڑائی جھگڑے اور بے جا لڑائی کی باتوں سے پرہیز نہیں کرتے۔ اس کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ اعتراض کرنے والے دھوکے میں پڑے ہوتے ہیں۔

کچھ اور لوگ ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، لیکن اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔

بعض ایسے ہیں جو کسی مسجد میں امامت کراتے ہیں اور اگر کوئی ان سے زیادہ پرہیزگار اور علم والا آگے کھڑا ہو جائے تو ان کو بہت گراں گزرتا ہے۔

بعض ایسے ہیں جو اذان کہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ یہ کام اللہ کے لیے کہتے ہیں، لیکن اگر ان کی عدم موجودگی میں کوئی اور آدمی اذان کہہ دے تو ان کو اس سے تکلیف ہوتی ہے اور کہتے ہیں اُس نے میرے مرتبہ میں مزاحمت کی ہے۔

بعض وہ ہیں جو کربلا مدینہ میں مجاور ہیں، لیکن ان کا دل اپنے شہروں میں ہے یا لوگوں کے مال کا طمع کرتے ہیں۔ کبھی اُسے جمع کرتے اور اس پر سبکل کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے لیے جہلک چیزیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور ان کا کوئی عمل آفات سے خالی نہیں ہوتا۔

ایک فرقہ وہ ہے جو مال سے بے رغبت ہے۔ وہ معمولی لباس اور عام کھانے پر قناعت کرتا ہے اور مکان کے بجائے مسجدوں میں رہتا ہے۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ زہادوں کا مرتبہ حاصل ہو چکا ہے۔ حالانکہ انہیں جاہ و منہلت کی شدید رغبت ہوتی ہے۔ انھوں نے دو کاموں میں سے ہلکے کو چھوڑ دیا ہے اور بہت بڑی ہلاکت کو قبول کر لیا ہے۔

ایک اور فرقہ ہے جو نفلوں میں رغبت رکھتا ہے اور فرائض کی پروا نہیں کرتا۔ تم دیکھو گے کہ کوئی ان میں سے تہجد اور صبح کی نماز پر خوش ہوتا ہے، لیکن فرائض میں اسے لذت نہیں ملتی اور نہ وہ اول وقت میں نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان بھول جاتا ہے جو اپنے رب سے بیان فرماتے ہیں کہ تم قرب لوگ میرا جتنا قرب فرض کی ادائیگی سے حاصل کرتے ہیں اتنا اور کسی چیز سے نہیں کر سکتے۔

## فصل یازدہم

### ریا کار صوفی

ایک فرقتے نے لباس، بول چال اور شکل و صورت سے دھوکا کھا یا ہے۔ یہ لوگ ظاہری طور پر سچے صوفیوں سے مشابہت رکھتے ہیں، لیکن مجاہد سے اور ریاضت میں اپنے نفسوں کو نہیں تھکاتے اور حرام، مشتبہ اور بادشاہوں کے موالیہ پرکتوں کی طرح پل پڑتے ہیں اور اگر ان کی اغراض میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ایک دوسرے کی عزت کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں۔

ان کی مثال اُس بڑھیا کی سی ہے جس نے سنا کہ بہادری گونگوں کے نام دفتر میں درج ہو رہے ہیں اور ان کو مختلف شہروں میں جاگیریں دی جا رہی ہیں تو اس کے دل میں بھی اس کا شوق پیدا ہوا۔ اُس نے زرہ پہنی۔ اپنے سر پر نو دکھا اور بہادریوں کے رجز یاد کر لیے اور پھر لشکر کی طرف متوجہ ہوئی۔ اُس کا نام بہادریوں کے دفتر میں لکھا گیا۔ پھر جب وہ ڈاکٹری معائنہ کے لیے پیش ہوئی تو اُسے خود اور زرہ تارنے کا حکم دیا گیا تاکہ اُس کے بدن کو دیکھا جائے اور اُس کی بہادری کا امتحان لیا جائے اور جب اُس نے یہ سب چیزیں اتاریں تو وہ ایک ضعیف عمر رسیدہ بڑھیا تھی۔

لوگوں نے کہا تو بادشاہ اور اس کے درباریوں سے مذاق کرنے آئی ہے۔ پھر حکم ہوا کہ اس کو گرفتار کر لو۔ ریاتھی کے پاؤں تلے کچل دو، تو وہ کچل دی گئی۔

ان ریا کار صوفیوں کا قیامت میں یہی حال ہوگا جبکہ ان کا پردہ کھل جائے گا اور سب سے بڑے کم کے سامنے پیش کیے جائیں گے جو کہ دلوں کو دیکھتا ہے نہ کہ لباس اور گڈبڑی کو۔

ایک اور فرقتے ہے جو علم و معرفت، شہادہتی اور تقامات و اسوالات کو نہ دیکھتا ہے بلکہ ان کو صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ ان کے نام انھوں نے یاد کر لیے ہیں۔ تم ان میں سے کسی کو دیکھو گے کہ ان الفاظ کو یاد کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اُس کا علم پہلے اور پچھلے لوگوں کے علم سے بہت اعلیٰ ہے۔ وہ فقہاء، دین اور مختلف علما کو سخاوت کی نگاہ سے دیکھتا ہے چہ جائیکہ عوام۔ یہاں تک کہ عوام میں سے بعض

اُن کے ساتھ رہتے ہیں اور اُن سے اُن کے کھوٹے کلمات سیکھتے اور بار بار اُن کا اعادہ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہیں۔ سخی کے ساتھ واصل اور مقربین میں سے ہیں، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک فاجر اور منافق کا درجہ رکھتے ہیں۔

اریاب دانش کے نزدیک بھی یہ لوگ جاہل اور بے وقوف ہیں۔ نہ وہ علم میں مضبوط ہیں، نہ اُن کے اخلاق جذب ہیں اور نہ وہ قلب کی پاکیزگی کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ سوائے خواہش کی اتباع اور لاجینی باتیں یاد کر لینے کے ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

ان میں سے ایک فرقے نے شریعت کی بساط لپیٹ دی ہے۔ احکام چھوڑ دیے ہیں اور حلال حرام سب برابر کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال سے بے نیاز ہے پھر ہم کیوں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالیں؟ بعض کہتے ہیں اعضا کے اعمال کی کوئی قدر نہیں ہے دیکھنا تو دل کو ہے۔ ہمارے دل اللہ کی محبت سے رشتہ ہیں اور معرفت تک پہنچ گئے ہیں۔ بیشک ہم دنیا میں مشغول نظر آتے ہیں لیکن ہمارے دل خدا کی بارگاہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہم جو خواہشات رکھتے ہیں وہ صرف بدن ہی سے ہیں، دل سے نہیں۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عوام کے مقابلے میں ان کا درجہ بہت بلند ہے اور وہ بدن کے اعمال سے بے نیاز ہونے چکے ہیں۔ گویا اپنے زعم میں اپنے آپ کو انبیاء سے بھی بلند سمجھتے ہیں (نعوذ باللہ) کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو ایک ایک لغزش پر بیرون روتے رہے۔ اہل باہت کے دھوکے کی اقسام بے شمار ہیں۔ وہ سب مغالطے اور موسے میں ہیں شیطان نے ان کو دھوکا دے رکھا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ علم کی مضبوطی سے پہلے مجاہدے میں مشغول ہو گئے اور کسی دیندار شیخ کی پیروی بھی ان کو نصیب نہ ہوئی۔

ان میں سے ایک فرقہ اد ہے۔ ان پر معرفت کا دروازہ کھلا۔ انھوں نے معرفت کی ابتلائی خوشبو سونگھی اور یہ عجیب غریب خوشبو اُن کو ایسی پسند آئی کہ ان کے دل اسی کے بارے میں سوچنے اور دوسروں کی اس سے محرومی پر غور کرنے میں مصروف ہو گئے۔

یہ سب کچھ دھوکا ہے کیونکہ اللہ کی راہ کے عجاہبات کی کوئی انتہا نہیں۔ اگر انسان کا دل ہر عجب پر پھڑھکاٹے اور اسی کا پابند ہو جائے تو اس کے قدم رک جائیں گے اور اس کی مثال اس آدمی جیسی ہوگی جس نے بادشاہ کی زیارت کا ارادہ کیا، لیکن شاہی باغ میں بے مثال پھول کھلے ہوئے دیکھ کر انہی کو دیکھنے کے لیے پھر گیا یہاں تک کہ وہ سالہا وقت نکل گیا جس میں بادشاہ کی ملاقات کا امکان تھا۔



## فصل دوازدہم

## دو تندر لوگ

ان کے بھی کئی خیرے ہیں۔ ان میں سے ایک فرخہ مسجد، مدارس، سرائے اور چکن وغیرہ تعمیر کرنے کی بڑی خواہش رکھتا ہے جو لوگوں کو نظر آئیں۔ وہ ان پر اپنے نام لکھتے ہیں تاکہ ان کا ذکر ہمیشہ رہے۔ اگر ان کو کسی ایسی جگہ ایک روپیہ بھی خرچ کرنے کو کہا جائے جہاں ان کا نام نہ لکھا جاسکے تو وہ ایک روپیہ بھی خرچ نہ کریں گے۔ اگر ان کا ارادہ اللہ کو خوش کرنے کا ہوتا تو لوگوں کی رضامندی مقصود نہ ہوتی۔

ان میں سے بعض آدمی مسجد کی زیبائش میں پیسہ خرچ کرتے ہیں اور انھیں نقوش سے مزین کرتے ہیں جو کہ منہ ہے۔ ایسی زینت نمازیوں کو نماز سے غافل کر دیتی ہے۔ نماز کا اصل مقصد خشوع اور حضور قلب ہے جو باقی نہیں رہتا۔ گویا یہ لوگوں کے دلوں کو بگاڑتے ہیں۔ پھر اگر وہ مال جو اس کام میں لگایا حرام ہو تو یہ اول بھی عذاب کا سبب بنتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے کہا۔ ”ایک آدمی مسجد کی طرف آیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا میرے جیسا گندہ آدمی اللہ کے گھر میں داخل ہونے کا کوئی حق نہیں رکھتا، تو اسے اسی وقت صدیق کا متبر دے دیا گیا“

مسجدوں کی تنظیم تو یہ ہے کہ انھیں اپنے وجود سے پاکیزہ تر خیال کرے نہ یہ کہ حرام مال سے ان کو ناپاک کرے اور دنیا کی زینت سے اللہ پر احسان رکھے۔ اس آدمی کا دھوکا یہ ہے کہ اس نے بڑائی کو بھلائی سمجھ رکھا ہے۔

ایک اور فرخہ ہے جو مال کو کھیل کی دہرے سے خرچ نہیں کرتا۔ یہ لوگ ایسی بدنی عبادتوں میں مشغول رہتے ہیں۔ جن میں پیسہ خرچ نہ ہو، ختم قرآن وغیرہ۔ یقیناً یہ دھوکے میں پڑے ہیں کیونکہ کج عمل ایک مہلک مرض ہے جو ان پر غالب ہو چکا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ مال خرچ کر کے اس مرض کا علاج قمع کریں اور ایسی باتوں کو چھوڑ کر جو ان پر عا جب نہیں ہیں فرائض ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

غور کریں تو اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے کپڑوں میں سانپ داخل ہو جائے لیکن وہ صغیر آدمی کی تسکین کے لیے سنجبین تیار کرنا ضروری خیال کر رہا ہو۔

بعض وہ ہیں جو صرف زکوٰۃ نواذ کرتے ہیں، لیکن زکوٰۃ میں ردھی مال نکالتے ہیں اور ان فقروں کو دیتے ہیں جو ان کی خدمت کرتے ہوں یا وہ جو آئندہ اُن کے کام آسکتے ہوں یا جن سے کوئی غرض وابستہ ہو۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی زکوٰۃ تقسیم کرنے کے لیے کسی بڑے آدمی کو دیتے ہیں تاکہ اس کی نگاہ میں عزت بڑھے اور وہ اُن کی حاجتیں پوری کرے۔ یہ سب باتیں نیت کو بگاڑنے والی ہیں اور جو ایسا کرتا ہے سخت دھوکے میں ہے کیونکہ وہ عبادت کا مادہ ضد اللہ کے سوا کسی اور سے چاہتا ہے۔

دو تہذیبوں کا ایک اور فرقہ ہے جو مجالسِ ذکر کی حضوری سے دھوکا کھانے ہوئے ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسی مجالس میں حاضری ان کو عبادت کی ادائیگی سے بے نیاز کر دے گی۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے کیونکہ ذکر کی مجالس ایک زائد چیز ہیں۔ یہ نیکی کی ترغیب تو فر دیتی ہیں، لیکن فرائض کا بدل نہیں ہو سکتیں۔ جب تک مقصود کو حاصل نہ کیا جائے اصل فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

بعض اُن میں سے وہ ہے جو کوئی ڈروانی بات سنتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے اے سلامتی دینے والے مجھے سلامت رکھ۔ یا کہتا ہے میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں اور سمجھتا ہے کہ مقصود حاصل ہو گیا۔

اس کی مثال اس مریض کی سی ہے جو طبیعوں کے پاس جائے اور وہ اُن کا مکالمہ سننے یا کوئی بھوکا کسی ایسے آدمی کے پاس جائے جو اس کے سامنے لذیذ کھانوں کا تذکرہ کرے۔ ظاہر ہے ایسا کرنے سے اُسے کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہو گا۔ فائدہ تو دو کھانے اور کھانا تناول کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

بس بھی حالِ عمل کے بغیر صرف عبادت کے اوصاف سننے کا ہے، بلکہ اس میں ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ جس واعظ کا وعظ سنا وہ تجھ پر حجت ہو جائے گا۔

اگر کہا جائے کہ دھوکے کے جن مداخل کا ذکر کیا گیا اُن سے تو کوئی آدمی بچ نہیں سکتا۔ تو جواب یہ ہے کہ آخرت کا دار و مدار صرف ایک بات پر ہے اور وہ ہے دل کو سیدھا رکھنا اور اس سے صرف بد نیت

آدمی ہی عاجز آئے گا۔ اگر انسان آخرت کے امور کا اہتمام اس طرح کرے جس طرح دنیا کے امور کا کرتا ہے تو ضرور کامیاب ہو گا۔ اور سلفِ صالحین اور نبی میں اُن کی اتباع کرنے والوں نے ایسا کر کے دکھا دیا ہے۔

دھوکے سے خلاصی پانے کے لیے تین چیزوں سے مدد لی جا سکتی ہے:

عقل: اور یہ وہ اصلی نور ہے جس سے انسان چیزوں کے حقائق معلوم کرتا ہے۔  
 معرفت: جس سے انسان اپنے نفس اور اپنے رب اور دنیا و آخرت کو پہچانتا ہے۔  
 اور کتاب المحبت اور شرح عجائب القلب اور التفکر اور کتاب الشکر میں نفس کے اوصاف اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے لیے اشارات موجود ہیں۔

دنیا اور آخرت کی معرفت حاصل کرتے کے لیے کتاب ذم الدنیا اور کتاب ذکر الموت سے مدد حاصل کرے۔ جب یہ معرفت حاصل ہو جائے گی تو اللہ کی معرفت سے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوگی اور آخرت کی معرفت سے اس کی رغبت بڑھے گی اور دنیا کی معرفت سے اُس سے بے رغبتی پیدا ہوگی اور اب اس کے سب سے اہم کام وہ ہوں گے جو اللہ کی طرف پہنچائیں اور اُسے آخرت میں نفع دیں۔

جب دل پر یہ ارادہ غالب آجائے گا تو تمام امور میں اس کی نیت صحیح ہو جائے گی اور سارے دھوکے ختم ہو جائیں گے۔ اور جب یہ فائدہ حاصل ہو جائے گا تو تیسری چیز کا محتاج ہوگا اور وہ ہے علم۔ اور علم سے ہماری مراد وہ علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے کی کیفیت اور اس کی آفات کا علم ہو جائے اور جس سے اللہ کا قرب اور اس کی رسوائی حاصل ہو۔ یہ سب باتیں ہماری اس کتاب میں موجود ہیں۔

عبادات و عادات کے رُبع سے ضروری وغیر ضروری چیزیں معلوم ہوں گی اور شریعت کے آداب کا پتہ چلے گا۔

اور مہلکات کے رُبع سے ان تمام گھاٹیوں کا علم ہوگا جو اللہ کی راہ میں چلنے سے مانع ہوتی ہیں اور وہ ہیں اخلاق میں بُری صفات۔

اسی طرح منجیات کے رُبع سے ان اچھی صفات کا پتہ چلے گا جن کو بُری صفات کے مٹانے کے بعد ان کی جگہ رکھنا لازمی ہے۔ انسان ان تمام باتوں کا احاطہ کرے گا، تو دھوکے کی تمام اقسام سے بچ سکے گا جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ سب کچھ کر لے تو پھر بھی ڈرنا بچا ہیے کہ شیطان دھوکہ میں نہ ڈالے۔ شیطان کا قاعدہ ہے کہ وہ جملہ کرنے سے رکتا نہیں۔ یہاں تک کہ انسان اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو جائے۔

کہا گیا ہے کہ مخلص لوگ عظیم خطرے پر ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ پر جب موت کا وقت آیا، تو شیطان نے اُن سے کہا: "آپ مجھ سے بچ گئے!" آپ نے کہا: "ابھی ہمیں موت کے بعد ثابت ہوا اولیاء کے

دل سے اللہ کا ذکر بھی نہیں نکلنا چاہیے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں دھوکے سے بچائے۔ غم  
بالخیر کرے۔ وہ قریب ہے اور دعائیں قبول کرنے والا ہے۔  
یہاں مہلکات کا ربع ختم ہوا اور اب تجلیات کا ربع شروع ہو رہا ہے۔

---

# کتاب المنجیات

## حصہ اول

- توبہ اور اُس کے متعلقات
- گناہوں کی اقسام
- ایک اور تقسیم
- آخرت میں درجات کی تقسیم دنیا میں نیکی اور بدی کے مطابق ہوگی
- وہ اسباب جن سے صغیرہ گناہ کبیرہ بن جاتے ہیں
- توبہ کی شرائط
- توبہ کے لیے مجاہدہ
- توبہ کی مقبولیت کا راز
- صبر اور شکر
- صبر کی اقسام
- صبر کے آداب
- صبر کی دوا اور اُس کے معاون



## فصل اول

## توبہ اور اُس کے متعلقات

معلوم ہونا چاہیے کہ گناہ محبوب سے حجاب ہیں اور جو چیز محبوب سے دور کرے اس سے پزیرا لازمی ہے اور دور رہنے کا مقصد تین باتوں سے پورا ہوتا ہے۔ علم، ندامت اور پختہ ارادہ، کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہوگا کہ گناہ محبوب سے دوری کا سبب ہیں وہ گناہ پر نادم نہ ہوگا اور نہ اُسے دوری کی راہ ملے کرنے کی تکلیف ہوگی اور جب تکلیف نہ ہوگی تو واپس نہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کا حکم دیا ہے: **وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ**۔  
(اے مومنو! سب اللہ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ)

فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوَلَّوْا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا** (اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں خالص توبہ کرو)

فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ** (اللہ پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں اور پاک لوگوں کو)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اے لوگو! اللہ کی جناب میں توبہ کرو۔ میں ایک دن میں اللہ کی جناب میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں**۔

صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اُس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک بہت بڑے جنگل میں تھا۔ اُس کے پاس اس کی سواری تھی جس پر اُس کا کھانا اور پانی تھا۔ وہ آدمی سو گیا پھر جاگا تو اُس کی اونٹنی جا چکی تھی۔ وہ اُسے تلاش کرتا رہا یہاں تک کہ اُس پر پیاس نے غلبہ کیا پھر اُس نے کہا میں اسی جگہ چلا جاتا ہوں جہاں تھا۔**

۱۷ سورۃ نور آیت: ۳۱ ۱۸ سورۃ تہیم آیت: ۸۰ ۱۹ سورۃ بقرہ آیت: ۲۲۲۔

میں وہاں سو جاؤں گا یہاں تک کہ مر جاؤں تو اُس نے مرنے کی نیت سے اپنا سراپتے بازو پر رکھا اور لیٹ گیا۔ پھر وہ جاگا تو اُس کی سواری اُس کے پاس کھڑی تھی۔ اُس پر اُس کا کھانا اور پانی بھی موجود تھا، تو اللہ مومن بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا کہ وہ بندہ اپنی سواری دیکھ کر خوش ہوا۔“

اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔ توبہ کے وقت جب ہونے پر اجماع ہو چکا ہے کیونکہ گناہ تباہ کن اور خدا سے دور کرنے والے ہیں۔ ان سے بھاگنا فوراً واجب ہے؛ چنانچہ توبہ کرنا واجب ہے۔ انسان کسی وقت بھی گناہ سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر اعضاء سے گناہ نہ کرے تو دل گناہ پر آمادہ رہتا ہے اور اگر یوں بھی نہ ہو تو شیطان کے دساوس سے خالی نہیں ہوتا۔

شیطان جو تفریق خیالات انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے اسے اللہ کے ذکر سے غافل کرتے ہیں۔ اگر ان سے بھی خالی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے علم۔ اس کی صفات اور افعال میں غفلت اور تصور سے خالی نہیں ہوتا۔ غرض یہ سب نقص ہیں اور ان سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔ ہاں نقص کے اندازے میں لوگ ضرور مختلف ہیں، لیکن اس کا اصل سبب میں موجود ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میرے دل پر بغبار سا آجاتا ہے پھر میں دن رات میں اللہ تعالیٰ سے ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے اسی لیے آپ کو اس تڑپ سے نوازا: **وَلْيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ** تاکہ اللہ تعالیٰ تیرے پہلے پچھلے گناہ معاف فرمائے جب حضرت رسول اللہ کا یہ معاملہ ہے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا؟ جب توبہ کی شرائط جمع ہو جاتی ہیں، تو وہ توبہ صحیح اور مقبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ذَهَبَ اللَّهُ بِلُحْيَتِي يُغْفِرُ لِقَوْمِي إِنَّهُمْ لَأُولُو عِلْبَانٍ** (وہ اللہ وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک کہ اس کی نزع کا وقت نہ آجائے۔ اور اس میں بہت سی احادیث ہیں۔



## فصل دوم

# گناہوں کی اقسام

معلوم ہونا چاہیے انسان کے اخلاق و اوصاف تو بہت سے ہیں، لیکن گناہوں کی بنیاد چار صفات میں ہے: پہلی صفات ربوبیت کا عکس ہے اور اُس سے تکبر، فخر، محبتِ مدح و ثناء اور عزت اور طلبِ رفعت وغیرہ پیدا ہوتی ہیں اور یہ سب ہلاک کرنے والے گناہ ہیں۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ اکثر لوگ ان سے غافل ہیں۔ وہ ان کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔

دوسری صفات شیطانیہ ہیں اور ان سے حسد، سرکشی، حیلے، مکر، فریب، کھوٹ، نفاق اور فساد وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔

تیسری صفات بہیمیت ہیں جن سے پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت پورا کرنے کی حرص پیدا ہوتی ہے اور انسان زنا، لواطت اور پوری وغیرہ برائیوں کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ چوتھی صفات سبعیت ہیں اور ان سے غضب اور کینا اور لوگوں پر ہجوم کر کے قتل اور مار کٹائی اور مال چھین لینا وغیرہ برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔

یہ صفات ایک ترتیب سے پیدا ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے صفت بہیمی غالب آتی ہے پھر صفت سبعی اور جب یہ دونوں اکٹھی ہو جاتی ہیں تو عقل کو صفات شیطانیہ میں استعمال کرتی ہیں، یعنی مکر، فریب اور حیلے وغیرہ میں یہاں تک کہ یہ صفات ربوبیت پر غالب آتی ہیں۔

یہ گناہوں کی بنیادیں اور ان کے سرچشمے ہیں، انہی سے گناہ پھوٹ کر اعضاء کی طرف آتے ہیں اور بعض گناہ دل کی طرف رخ کرتے ہیں جیسے کفر اور بدعت اور نفاق اور دل میں برائی کو مخفی رکھنا وغیرہ اور بعض آنکھ میں، کان میں، زبان میں، پیٹ میں، شرمگاہ میں، ہاتھوں اور پاؤں میں اور بعض سارے بدن میں، ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ پھر گناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو آدمیوں کے حقوق سے متعلق ہیں اور دوسرے وہ جو بندے اور رب کے درمیان ہیں۔

پھر حقیق العباد سے متعلق ہیں ان میں ماملہ زیادہ سخت ہے، لیکن جو بندے اور رب کے درمیان ہیں ان میں معافی کی بہت زیادہ امید ہے۔ سوائے شرک کے۔ اس سے خدا کی پناہ، یہی وہ گناہ ہے جس کی بخشش نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے پاس تین دفتر ہیں۔ ایک دفتر میں تو وہ گناہ ہیں جن کی اللہ پروا نہیں کرتا اور ایک دفتر کے گناہ وہ ہیں جن کو اللہ نہ چھوڑے گا اور ایک دفتر وہ ہے جسے اللہ کبھی معاف نہ کرے گا؟

وہ دفتر جسے اللہ کبھی نہ بخشے گا وہ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِنَّهُ مَتَّ شِرْكًا بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی)

وہ دفتر جس کی اللہ پروا نہیں کرتا وہ ہے بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا، یعنی وہ گناہ جن میں بندے اور اللہ کا تعلق ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو معاف کر دے۔

وہ دفتر جس سے کوئی چیز نہیں چھوڑے گا وہ ہے بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا۔ ان میں قصاص لازمی ہے۔

## ایک اور تقسیم

مسلم ہونا چاہیے مگر گناہ دو قسم کے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ اور ان میں بہت اختلاف ہے۔ کبائر کی تعداد میں بہت سی احادیث ہیں، لیکن صحاح کی پانچ احادیث متفق علیہ ہیں:

پہلی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزیں ہے جو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ کون کون سی ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، اس جان کو ناحق مار ڈالنا جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے، سو دیکھنا، تیسیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے بھاگ آنا اور پاک دامن مومن بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

دوسری: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ تو فرمایا: یہ کہ تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

اُس نے کہا پھر کونسا؟ فرمایا: ”یہ کہ تو اپنے بچے کو اس ڈر سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔“  
اُس نے کہا پھر کونسا؟ فرمایا: ”یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔“

تیسری: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیونکہ گناہ  
ہیں، اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔“

چوتھی: آپ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ وہ جھوٹ بولنا یا فرمایا جھوٹی  
شہادت دینا۔“

پانچویں، حضرت ابوبکرؓ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبیرے گناہوں کا تذکرہ ہوا تو  
آپ نے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔“ آپ تیکر لگائے ہوئے تھے،  
پھر اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: ”جھوٹی بات کہنا اور جھوٹی شہادت دینا۔“ اور اس کو بار بار دہراتے  
رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ اب خاموش ہو جائیں۔

احادیث سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ گناہ کبیرہ صرف وہ ہیں جن کا ان احادیث میں ذکر آیا ہے۔  
بہر حال گناہ کبیرہ کی تعریف میں علماء کے بہت سے مختلف اقوال ہیں اور اس سے شارح کا مقصد  
گناہ کبیرہ کو مبہم رکھنا ہے تاکہ لوگ گناہوں سے ڈرتے رہیں۔ تاہم ان احادیث سے کبائر کی اجناس معلوم  
ہوتی ہیں اور سب سے بڑے گناہ کا پتہ بھی چلتا ہے۔

علمائے کبار کی تعداد میں بحث کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کبیرہ گناہ چار ہیں۔  
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا سات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بات پسندی کہ وہ سات  
ہیں تو فرمایا وہ سات کی بجائے ستر کے قریب ہیں۔

حضرت ابومالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جن پر دنیا میں حد واجب ہے۔  
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ”کبیرہ گناہ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء کے شروع سے  
لے کر ان تَجْتَنِبُوا کِبَارًا مَّا سَأَلْتُمُوْنَ عَنْهُ (اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچو جن سے تم منہ کیے گئے ہو انکے کرنا ہے۔“

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے کہا کہ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آگ کا وعدہ کیا ہے۔  
 ابو طالبؓ مکی نے کہا: کبیرہ گناہ سترہ ہیں۔ میں نے ان کو احادیث سے جمع کیا ہے۔ چار دل کے گناہ  
 ہیں۔ شرک کرنا، گناہ پر اصرار کرنا، اللہ کی رحمت سے یالوس ہونا اور اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہونا۔  
 اور چار گناہ زبان کے ہیں۔ جھوٹی شہادت دینا، پاکدامن عورتوں پر تمہمت لگانا، جھوٹی قسم کھانا اور جادو  
 کرنا۔ اور تین پیٹ کے ہیں۔ شراب پینا، یتیم کا مال ظلم سے کھانا اور سود کھانا۔ دو شرک گاہ کے ہیں۔  
 زنا کرنا اور عمل قوم لوط کا ارتکاب کرنا۔ اور دو ہاتھوں کے ہیں قتل کرنا اور چوری کرنا۔ اور ایک پاؤں  
 کا ہے۔ میدان جنگ سے بھاگنا۔ اور ایک سارے بدن کا ہے۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔  
 ممکن ہے کہ اس سے کم و بیش گناہ ہوں، کیونکہ یتیم کو مارنا اور اس کو سزا دینا اس کا مال کھانے سے  
 بھی بڑا گناہ ہے۔ واللہ اعلم۔

## فصل سوم

# آخرت میں نجات کی تقسیم دنیا میں نیکی اور بدی کے مطابق ہوگی

معلوم ہونا چاہیے کہ آخرت میں لوگ درجات میں مختلف ہوں گے، جیسا کہ دنیا میں مختلف ہیں۔ وہ ان چار گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے: ہلاک ہونے والے، سزا پانے والے، نجات پانے والے اور کامیاب ہونے والے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی بادشاہ کسی ملک پر غالب آجائے تو وہاں کے کچھ آدمیوں کو قتل کرتا ہے بعض کو سزا دیتا ہے قتل نہیں کرتا۔ بعض کو چھوڑ دیتا ہے اور یہ نجات پانے والے ہیں، اور بعض کو خلعت عطا کرتا ہے اور یہ کامیاب ہونے والے ہیں۔

جب بادشاہ عادل ہوتو ان کو اس طرح استحقاق کی بنا پر تقسیم کرتا ہے۔ وہ قتل صرف اس کو کرتا ہے جو اس کی حکومت کا انکار کرے اور اس کے اقتدار سے بنیادی طور پر عناد رکھتا ہو۔ سزا اس کو دیتا ہے جو اس کی حکومت کو تسلیم تو کرے، لیکن اس کی خدمت میں کوتاہی کرتا ہو۔ اور جو اس کی حکومت کو تسلیم کرے اور کوتاہی بھی نہ کرے اس کو چھوڑ دیتا ہے اور جو آدمی اپنی عمر بادشاہ کی مدد اور خدمت میں صرف کرتا ہو اسے خلعت عطا کرتا ہے۔

ان اقسام میں سے ہر ایک نعمت اور سزا میں اپنے حالات کے مطابق مختلف ہیں اور اس کی شہادت اس حدیث سے ملتی ہے کہ بعض لوگ پلھراط سے ایسے گزر جائیں گے جیسے کبھی کو نہ جاتی ہے۔ بعض سات ہزار سال تک آگ میں بریں گے۔ ایک نخلے اور سات ہزار برس میں بہت بڑا فرق ہے۔

باقی رہا عذاب کی سختی کا اختلاف تو اس کے زیادہ سے زیادہ سخت ہونے کی کوئی انتہا نہیں۔ سب سے کم سزا یہ ہے کہ حساب میں اس سے مناقشہ (گرفت) ہو جیسے کہ بادشاہ اعمال میں بعض کوتاہی کرنے والوں کو سزا دے کہ اس سے حساب سختی کے ساتھ کرے۔ وہ کبھی معاف کر دیتا ہے کبھی کوڑے سے مارتا ہے اور کبھی اور طرح کی کوئی سزا دیتا ہے۔

نیک بختوں کی منازل بھی اسی طرح نعمتوں میں مختلف ہوں گی۔ اور یہ سب امور قرآن و حدیث اور نوہ معرفت سے معلوم ہوتے ہیں۔

اس کی تفصیل کے سلسلے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ جس آدمی نے اصل ایمان کو مضبوط کیا۔ کبیرہ گناہوں سے بچا۔ تمام ذرائع اچھی طرح ادا کیے۔ اگر کبھی صغیرہ گناہ متفرق طور پر سرزد ہوئے اور ان پر بھی اصرار نہیں کیا تو اس کے متعلق امید ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے گا۔

قرآن پاک نے تصریح کی ہے کہ کبائر سے پرہیز کرنا صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ ایسا آدمی یا تو مقربین میں شامل ہوگا یا اصحاب الیمین میں، اور یہ اس کے ایمان اور یقین کے مطابق ہوگا۔ اگر وہ کم ہوا اور کمزور ہوا تو اس کا مقام نیچے ہوگا اور اگر زیادہ ہوا اور طاقتور ہوا تو اس کا مقام بلند ہوگا۔

مقربین بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مطابق مختلف ہوں گے کیونکہ معرفت میں عارفین کے درجات لاتعداد ہیں، معرفت کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں۔ غوطہ خور اس میں اپنی طاقت کے مطابق غوطے لگاتے ہیں۔ اصحاب الیمین کا اعلیٰ درجہ مقربین کے ادنیٰ درجے کے برابر ہے۔ یہ اس آدمی کا حال ہے جو کبائر سے بچے اور ذرائع ادا کرے۔

جس نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا اور ارکان اسلام کو ترک کیا، لیکن موت سے پہلے نیک اعمال تو بہ کرئی تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ملحق ہو جائے گا جنہوں نے مہرے سے گناہ کا ارتکاب ہی نہیں کیا، کیونکہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ دھویا ہوا کپڑا ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ وہ میلا ہوا ہی نہ تھا۔

جو آدمی توبہ سے پہلے مر جائے، اس کا معاملہ خطرناک ہے۔ اگر گناہ کے اصرار پر موت ہو جائے تو یہ اس کے ایمان کے متزلزل ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ اس کا ایمان تقلیدی ہو، کہ وہ ادنیٰ شک اور خیال سے تحلیل ہو جاتا ہے، جبکہ یقین کرنے والے عارف کا ایمان ضائع ہونے کا خوف نہیں ہوتا۔ اگر توبہ کے بغیر آدمی مر جائے تو اس کا عذاب کبیرہ گناہ کی قباحت اور اصرار کی مدت کے مطابق ہوگا۔ یعنی مقررہ مدت دوزخ میں رہنے کے بعد رہائی پائے گا اور پھر ان میں سے جن لوگوں نے کسی کی تقلید یا اپنی نادانی کی وجہ سے گناہ کیا ہوگا جنت میں داخل کیے جائیں گے اور جو نیک اور بصیرت میں ان سے بڑھے ہوئے ہوں گے وہ علیتین میں

قیام پذیر ہوں گے۔

ہم نے بندوں کے جو مراتب آخرت میں بیان کیے ہیں یہ ظاہر اسباب کی بنا پر ہیں اس کی مثال یہ ہے جیسے حکیم کسی مریض کے متعلق کہے کہ یہ ضرور مر جائے گا اور یہ علاج کی اصلاح کو قبول نہیں کرے گا۔ اور ایک مریض پر حکم لگائے کہ اس کی بیماری ہلکی ہے اور اس کا علاج آسان ہے۔ ظاہر ہے یہ ایک نطن ہوتا ہے جو کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی صحیح نہیں ہوتا۔ ہلکی بیماری والا مر جاتا ہے اور بڑی بیماری والا لپچ جاتا ہے اور کسی کو بھی سبب کا علم نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار ہیں۔

آدمیوں کی ارواح میں کبھی وہ اسباب اثر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے رکھے ہیں اور کبھی وہ جن کی حقیقت کو جاننا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ بس یہی حال آخرت کی ہلاکت اور کامیابی کا ہے کہ ان کے بھی کچھ مخفی اسباب ہیں کہ آدمی کی طاقت نہیں کہ ان پر مطلع ہو سکے، چنانچہ اسی بنا پر ضروری ہے کہ گنہگار کو معاف کر دیا جائے خواہ اس کے گناہ کتنے ہی یاد ہوں۔ اور فرما بنا واپر عقاب ہوا اگر چہ اس کی ظاہری عبادت کتنی ہی زیادہ ہو کیونکہ دار و مدار تقویٰ پر ہے۔ تقویٰ دل میں ہے اور دل کے حالات کبھی دل والے سے بھی مخفی رہتے ہیں چہ جائیکہ کوئی اور اسے جان سکے؟

نجات پانے والے ان سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جو خدا سے سچ جائیں نہ وہ جو سعادت اور کامیابی کے مراتب پر فخر ہوں، وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہ تو خدمت کی ہے کہ ان کو خلعت عطا کیا جائے اور نہ انہوں نے کوتاہی کی ہے کہ ان کو سزا دی جائے۔ ممکن ہے یہ حال دیوانوں، کفار کی اولاد کا اور ان کا ہر جنہیں دعوت اسلام نہ پہنچی ہو کہ نہ تو ان کو معرفت نصیب ہوئی اور نہ انہوں نے انکار کیا امید ہے کہ یہ لوگ اعراف میں ہوں گے۔

عصی کا عیب ہونے والے دراصل یہی لوگ، عارف، مقرب اور سابق ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک تیار کی گئی ہے وہ کوئی بھی نہیں جانتا۔ یہ لوگ جنت کے حریف نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ملاقا اور اس کے دیدار کے شائق ہیں۔

اور ان کی مثال عاشق کی ہے کہ وہ اس حال میں اپنے آپ سے بھی بے خبر ہوتا ہے۔ نہ وہ اپنے وجود کی تکلیف کو محسوس کرنا ہے اور نہ اسے اپنے محبوب کے سوا کوئی غم و فکر ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ لوگ آنکھوں کی آبی ٹھنڈک پانے والے ہیں جس کا تصور بھی کسی آدمی کے دل میں نہ گزرا ہو گا۔ نیکیوں کے مطابق درجات کی تقسیم کے متعلق آنا بیان ہی کافی ہے۔

## فصل چہارم

### وہ اسباب جن سے صغیرہ گناہ کبیرہ بن جاتے ہیں

معلوم ہونا چاہیے کہ کچھ اسباب ہیں جن سے صغیرہ گناہ کبیرہ بن جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک سبب گناہ پر اصرار اور مداومت بھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اصرار کے ساتھ کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا اور نہ استغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ رہتا ہے:

معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کبیرہ گناہ جو ایک دفعہ ہو جائے اور اس کے بعد وہ گناہ نہ ہو اس کی معافی کی امید اس صغیرہ گناہ سے بہت زیادہ ہے جس پر بندہ اصرار کرے۔ اس کی مثال پانی کے ان قطروں کی ہے جو نواتر پتھر پر گرتے رہیں۔ وہ اس میں نشان پیدا کر دیتے ہیں۔ اگر اتنا ہی پانی ایک بار اس پر گرا دیا جائے تو اس کا کچھ بھی اثر ظاہر نہ ہوگا۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی ہو، اگر یہ وہ مختصر ایسی کیوں نہ ہو:

ان اسباب میں سے جن سے صغیرہ گناہ کبیرہ بن جاتا ہے یہ بھی ہے کہ انسان گناہ کو معمولی سمجھے۔ جب بندے کے نزدیک کوئی گناہ بڑا ہوتا ہے تو اللہ کے نزدیک وہ چھوٹا ہوتا ہے اور جب بندہ اس کو چھوٹا سمجھے، تو اللہ کے نزدیک وہ بڑا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا بڑا یا چھوٹا ہونا دل کی نفرت اور کراہت کے سبب سے ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مومن اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے وہ پہاڑ کے نیچے پلٹیا ہو اور اسے خطرہ ہو کہ اس پر گر نہ پڑے۔ اور خیر آدمی اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے کھنی ناک پر پلٹیا اور ہاتھ سے اسے اڑا دیا (بخاری۔ مسلم)

مومن کے دل میں گناہ اس لیے بڑا ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کے جلال کو جانتا ہے۔ پھر جب وہ اس ذات کی عظمت کا تصور کرتا ہے جس کی نافرمانی ہو رہی ہے تو چھوٹے گناہ کو بھی بڑا سمجھتا ہے۔ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ تم کچھ ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نگاہ میں بال سے



بھی کمتر ہیں اور ہم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تباہ کن گناہوں میں سے سمجھتے تھے  
حضرت بلال بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: گناہ کا چھوٹا ہونا نہ دیکھو، بلکہ جس کی نافرمانی کرتے ہو اس کی  
عظمت کو دیکھو۔

اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ صغیرہ گناہ پر خوش ہو اور اس سے اپنی مدح کا خواہاں ہو جیسے کہے۔ کیا تو نے  
نہیں دیکھا کہ میں نے فلاں آدمی کو کس طرح بے عزت کیا! میں نے اس کی برائیاں بیان کیں تو وہ فخر مند ہو گیا۔ یا کوئی  
تاجر کہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ میں نے اس کو کھوٹا مال کس طرح دے دیا اور اسے کیسا دھوکا دیا اور نقصان  
پہنچایا۔ یہ اور اس جیسی باتوں سے صغیرہ گناہ کبیر بن جاتا ہے۔

ایک سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پردہ پوشی، بردباری اور مہلت دینے کو ہلکی بات سمجھے اور یہ  
نہ جانے کہ یہ ناراضگی کا باعث ہے تاکہ مہلت ملنے سے زیادہ گتہ گار ہو جائے۔

ایک سبب یہ ہے کہ گناہ تنہائی میں کوئے اور پھر اسے مجلس میں دوسروں کے سامنے بیان کرتا پھرے۔  
صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری سب امت کو  
معاف کر دیا جائے گا سوائے گناہوں کا اعلان کرنے والوں کے۔

اعلان کرنا یہ ہے کہ آدمی رات کو کوئی کام کرے اور اللہ اس کی پردہ پوشی کر دے اور وہ صبح کو کہتا  
پھرے میں نے گزشتہ شب فلاں فلاں گناہ کیا ہے۔ اس سے بڑی غلطی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ نے اس کی  
پردہ پوشی کی اور وہ اپنا پردہ خود فاش کر رہا ہے۔

ایک سبب یہ ہے کہ گناہ کرنے والے عالم آدمی ہو جس کی لوگ اکتفا کرتے ہوں۔ جب اس کا گناہ معلوم  
ہوگا تو وہ کبیرہ ہو جائے گا، جیسے ریشمی لباس پہننا۔ ظالم بادشاہوں کے پاس جانا۔ ان کو برائی سے نہ روکنا۔  
لوگوں کی بے غرضی کرنے میں زبان کھولنا اور ایسے علوم میں مشغول رہنا جس سے جاہ و منزلت حاصل ہو جیسے  
جھگڑے (منظرے) کا علم تو یہ وہ گناہ ہیں جن میں عام کی پیروی ہوگی یہاں تک کہ وہ مر بھی جائے گا تو اس کی  
برائی دنیا میں پھلتی رہے گی۔ مبارک ہے وہ بندہ کہ جب آپ مرے تو اس کے ساتھ اس کے گناہ بھی جاتے ہیں۔  
حدیث میں ہے کہ جس نے کوئی برا طریقہ رائج کیا اس پر اس کا اپنا بوجھ بھی ہوگا اور ان کا بھی جو اس  
کے بعد اس پر عمل کریں گے اور عمل کرنے والوں کا بوجھ بھی ملنا ہوگا۔

عالم کے ذمے دو کام ہیں: ایک یہ کہ گناہ چھوڑ دے اور دوسرا یہ کہ اگر اس سے گناہ ہو جائے تو

اس کو چھپائے اور جس طرح پیروی کی وجہ سے علماء کے گناہوں کا بوجھ زیادہ ہو جاتا ہے، اُسی طرح پیروی کی وجہ سے اُن کی نیکیوں کا ثواب بھی بٹھ جاتا ہے۔ عالم کو چاہیے کہ اپنے لباس اور خوراک میں اعتدال رکھے، بلکہ کمی کی طرف مائل رہے کیونکہ لوگ اس کی طرف دیکھتے ہیں، لہذا جن چیزوں میں اس کی پیروی کی جائے گی ان میں احتیاط لازمی ہے۔ مثلاً جب وہ بادشاہوں کے پاس جاٹے گا اور اُن سے دنیا کا سامان لے گا، تو لوگ بھی اس کی پیروی کریں گے اور اُن کا گناہ اُس پر ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تو بادشاہ کے پاس جا کر سلامت رہے، لیکن دوسرے لوگ سلامت نہ رہ سکیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ لوگوں کو خنزیر کا گوشت کھانے پر مجبور کیا کرتا تھا۔ ایک عالم آدمی کو لایا گیا، تو بادشاہ کے دربان نے اس سے کہا۔ میں نے تمہارے لیے بکری کا بچہ ڈبچ کیا ہے، تم بے دھرمک کھا لینا۔ جب اُس کے سامنے گوشت رکھا گیا تو اس نے نہ کھایا۔ بادشاہ نے اُس کے قتل کا حکم دے دیا۔ دربان نے اُس سے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ وہ بکری کا بچہ ہے؟ تو اُنھوں نے جواب دیا جو آدمی میری پیروی کریں گے ان کو کیسے معلوم ہوگا کہ میں نے بکری کا گوشت کھا یا تھا یا خنزیر کا؟

## فصل پنجم

### توبہ کی شرائط

معلوم ہونا چاہیے کہ توبہ نام ہے اس ندامت کا جو عزم اور قصد پیدا کرے۔ اور یہ ندامت اس علم سے پیدا ہوتی ہے کہ گناہ انسان اور اس کے محبوب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور ندامت دل کی اس تکلیف کا نام ہے جو محبوب کے فراق سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی علامت ہے طویل غم اور رونا۔ مثلاً:

جس آدمی کو اپنے بیٹے یا کسی عزیز کی مصیبت کا حال معلوم ہوتا ہے تو وہ بہت دیر تک روتا ہے۔ غور کرنا چاہیے اپنی جان سے زیادہ کون عزیز ہے؟ اور آگ سے زیادہ سخت سزا اور کون سی ہے؟ اور گناہ سے زیادہ مصیبت آنے کا سبب اور کیا ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سچا خبر دینے والا اور کون ہے؟ اگر کسی آدمی کو طبیب خبر دے کہ اس کا بیٹا بیماری سے شفا یاب نہ ہو گا تو وہ فوراً غم میں مبتلا ہو جائے گا، اگرچہ اس کا بیٹا اس کی اپنی جان سے زیادہ عزیز نہیں ہے اور نہ طبیب اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اور نہ موت آگ سے زیادہ سخت ہے۔ اور نہ بیماری اتنی موت پر دلالت کرتی ہے جتنی کہ گناہ خدا کی ناراضگی اور آگ کے داخل ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

توبہ کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی فوت شدہ نمازوں یا شرائط کی پابندی کے بغیر ادا شدہ نمازوں کے بارے میں آگاہی حاصل کرے۔ مثلاً پلید کپڑے سے نماز پڑھی ہو یا اپنی جہالت کی وجہ سے نیت صحیح نہ کی ہو، تو ان سب کی قضا ادا کرے۔ اور اسی طرح اگر اس کے ذمے روزے یا زکوٰۃ یا حج یا کوئی اور فرض ہو تو ان سب کی قضا ادا کرے اور اس کی تحقیق کرے اور اس کا تدارک کرے۔ غرض جملہ گناہوں کے متعلق جو اس سے سرزد ہوئے ہیں تحقیق کرے اور ان میں جن گناہوں کا تعلق بندے اور خدا کے درمیان ہے ان سے استغفار اور ندامت ہی اس کی توبہ ہے۔ پھر گناہوں کی مقدار کو دیکھے اور ان کے مناسبت ہر گناہ کے بدلے نیکی کرے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ان الحسنات یدھبن السيئات (نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: برائی کے بعد نیکی کرو، وہ اس برائی کو مٹا دے گی۔“

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر گناہ ناجائز یا ناساہے تو قرآن اور مجالس ذکر کا سماع کرے اگر بغیر ظہارت کے قرآن کر یا تھ لگا یا ہے تو اب اس کی عزت کرے اور کثرت سے اس کی تلاوت کرے اور اگر ممکن ہو تو قرآن کریم کو لکھ کر اسے وقف کر دے۔ شراب پینے کا کفارہ یہ ہے کہ پینے والی حلال چیز کا صدقہ کرے۔ غرض اسی طرح ہر گناہ کی ضد سے اس کا کفارہ ادا کرے۔

یہ حکم ان گناہوں کا ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان ہیں۔ باقی رہے حقوق العباد تو ان میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے کیونکہ اس نے بندوں پر ظلم کرنے سے منع کیا ہے۔ بندوں پر ظلم کرنے والا اللہ کی نافرمانی کا بھی ترکیب ہوتا ہے۔ اس کا تدارک ندامت اور آئندہ ایسا نہ کرنے کے عزم سے ہے۔ اس کے علاوہ ایسی نیکیاں بھی کرے جو ان مظالم کا مداوا کرنے والی ہوں۔ اگر لوگوں کو تکلیف دہی ہے تو اب ان سے اچھا سلوک کرے۔ مال چھیننے کا کفارہ یہ ہے کہ حلال مال سے صدقہ کرے۔ اگر ان کی بے عزتی کی ہے تو دینداروں کی مدد کرے۔ اگر کسی کو قتل کیا ہے تو غلام آزاد کرے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے متعلق ہے۔ جب کوئی شخص اتنا کر لے گا تو اب بندوں کے حقوق ادا کرنا بھی اس پر لازم ہے۔ اور بندوں کے حقوق، جان، مال اور عزت کو نقصان پہنچانے سے متعلق ہوں گے۔ پہلی بات یہ کہ جب کسی آدمی کو خطا سے قتل کرے تو مستحی کو دیت پہنچائے خود خود ادا کرے یا اس کی برادری ادا کرے اور اگر عمداً قتل کیا ہے اور شرائط کے مطابق اس پر قصاص واجب ہو چکا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دے۔ وہ چاہے تو اسے قتل اور اگر چاہے تو معاف کر دیں۔ اس بزم کا چھپانا جائز نہیں یہ بخلاف زنا، چوری، شراب پینے یا ایسا کام کرنے کے جس میں حد واجب ہے کیونکہ ان گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے توبہ کی یہ شرط نہیں کہ وہ اپنے گناہ ظاہر کریں۔ انھیں چاہیے کہ اپنی پردہ پوشی کریں۔ ہاں یہ درست ہے کہ اپنے آپ کو کسی حاکم مجاز کے سامنے پیش کرے جو اس پر حد قائم کرے۔ اس کی یہ توبہ صحیح بھی ہوگی اور اللہ کے نزدیک قبول بھی۔ اس کی دلیل ماعراشلی اور غامدیہ کے اقعات ہیں۔ یہی حال تہمت کی حد کا ہے کہ اس میں بھی مستحی کو اختیار دینا لازمی ہے۔ چاہے تو سزا دے چاہے تو معاف کر دے۔

ان کے علاوہ دوسرے وہ حقوق ہیں جو مال سے متعلق ہیں مثلاً مال چھیننا اور خیانت کرنا اور معاملات

میں دھوکہ نہ دے اور نہ ہی کوئی ضروری ہے کہ ان کے مالکوں کو وہ اشیاء لوٹا دے جو چرائی یا غصب کی ہوں۔ اسی طرح جن کے حقوق میں ان کو ادا کرے اور ان سے اپنے آپ کو پاک کرے۔ اور اگر اس کے مظالم اتنے زیادہ ہوں کہ وہ ادا نہ کر سکتا ہو تو جتنا ادا کر سکتا ہو اتنا کرے۔ اور اب اس کے لیے صرف یہ طریقہ ہے کہ نیکیاں زیادہ کرے تاکہ قیامت کے دن اس سے قصاص میں لی جا سکیں اور ان کے حوالے کی جا سکیں جن پر اس نے ظلم کیا تھا۔ اگر اس کی نیکیاں پوری نہ ہوں گی تو ان کے گناہ اس پر رکھ دیے جائیں گے۔

یہ ان مظالم کا حکم ہے کہ مظلوم بھی موجود ہو اور مال بھی، اور اگر اس کے پاس ناجائز مال ہو، لیکن اس کے مالک یا اس کے وارثوں کو نہ جانتا ہو تو اس کی طرف سے اسے صدقہ کر دے اور اگر حلال اور حرام مال بل چکا ہو تو اجتناب سے حرام کا اندازہ کرے۔ اتنا مال صدقہ کر دے۔

تیسری قسم بے عزتی کرنے اور تکلیف دینے کی ہے، تو اس پر لازم ہے کہ ان کو تلاش کرے اور ان سے اپنے گناہ معاف کرائے اور انہیں گناہ کی تفصیل بھی بتائے کیونکہ مبہم معافی مانگنا کافی نہیں ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صحیح اندازہ بنا دیا جائے، تو مظلوم کا دل نہیں چاہتا کہ اس کو معاف کرے۔ ہاں اگر اس گناہ کا تذکرہ کرنے سے اسے زیادہ تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر بیان نہ کرے۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ اس کے ساتھ زیادہ احسان کرے۔ اور پھر مبہم طور پر اس سے معافی مانگے۔ بصورت دیگر قیامت کے دن اس کی نیکیاں اس کا معاوضہ ہو جائیں گی۔

جو آدمی ان میں سے مرچکے ہوں ان کا معاملہ تو ختم ہو گیا۔ اس کا تدارک زیادہ نیکیاں کرنے سے ہو گا، تاکہ قیامت کے دن اس کے معاوضے میں لی جا سکیں۔ صرف نیکیاں زیادہ ہونے ہی سے اس کی نجات ہو سکے گی۔

## فصل ششم

### توبہ کے لیے مجاہدہ

صحیح توبہ کی شرط یہ ہے کہ مصمم ارادہ کر لے کہ آئندہ ایسا گناہ نہیں کرے گا اور اس پر پڑا پختہ ارادہ کرے۔ اس کی مثال اس مریض جیسی ہے جسے علم ہو کہ اس کی بیماری میں پھل اس کے لیے مضر ہیں تو وہ پختہ ارادہ کر لے کہ خیب تک اس بیماری میں مبتلا ہے کہ کوئی پھل نہیں کھائے گا، یہ عزم فوراً موثر ہوگا، اگرچہ یہ نصرت کیا جا سکتا ہے کسی دوسری حالت میں پھل کھانے کی خواہش اس پر غالب آجائے، لیکن اس وقت تک توبہ درست نہیں جب تک کہ موجودہ وقت میں گناہ چھوڑنے کا پختہ ارادہ نہ ہو، توبہ کرنے والے کو چاہیے ابتدائی حالت میں عزت، خاموشی، تھوڑا کھانے اور تھوڑا سونے کی عادت ڈالے۔ حلال کی خوراک کا اہتمام کرے اور پسندیدہ لباس ترک کر دے۔

بعض نے کہا ہے جو شخص خواہش چھوڑنے میں سچا ہوا اور سات مرتبہ اپنے نفس سے جہاد کر لے، تو وہ آئندہ گناہ میں مبتلا نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو کسی گناہ سے توبہ کرے اور اس پر سات سال تک استقامت رکھے تو وہ دوبارہ اس گناہ کو نہ کرے گا۔

توبہ میں لوگ چار قسم کے ہیں: پہلی قسم کے ہاں تائب ہیں جو آخری عمر تک اپنی توبہ پر قائم رہیں اور جن کا دل میں کوتاہی کی ہے اس کا تدارک کریں اور ان کے دل میں اس گناہ کی طرف لوٹنے کا خیال تک نہ آئے، سوائے ایسی معمولی لغزشوں کے جن سے انسان عادتاً کبھی خالی نہیں ہو سکتا۔ یہ توبہ میں استقامت ہے اور ایسی توبہ کرنے والا نیکوں میں آگے بڑھنے والا ہے۔ اسی توبہ کا نام توبۃ النصوح ہے اور یہ نفس مطمئنہ ہے۔

یہ لوگ درجات اور اوصاف کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جن کی خواہش معرفت الہی کے غلبے کے نیچے دب چکی ہے اور ان کی جنگ (مجاہدہ) ختم ہو گئی ہے۔ بعض وہ ہیں جن سے نفس جھگڑتا رہے اور یہ اُسے زیر کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں

دوسری قسم ان توبہ کرنے والوں کی ہے جو بنیادی اطاعتوں کی ادائیگی اور کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتے

ہیں۔ یہی استقامت ہے؛ لیکن وہ پوری طرح گنہوں سے صاف نہیں۔ اُن سے گناہ کا صدور ہوتا ہے؛ لیکن بغیر ارادہ کے، وہ ارادہ کے بغیر بعض حالات سے گزرتے ہوئے گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے جب بھی کوئی گناہ کرتا ہے تو اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور ارادہ کرتا ہے کہ آئندہ اس کے اسباب سے پرہیز کرے گا۔ یہ نفس تو اسے کیونکہ وہ ایسی بُری حالت پر خود کو ملامت کرتا ہے۔ یہ توبہ بھی بڑا بلند ہے اگرچہ پہلے سے کمتر عام تو بکرنے والوں کی عموماً یہی حالت ہوتی ہے، وجہ یہ کہ برائی انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے۔ وہ اس سے کم ہی بچ سکتا ہے، خواہ کوئی شخص کتنی بھی کوشش کرے کہ اس کی نیکیاں برائیوں پر غالب آجائیں اور برائیوں کے پلڑے میں کچھ بھی نہ رہے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ برائیوں کا پلڑا بالکل خالی ہو جائے۔ ہر حال ان لوگوں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھا وعدہ ہے کہ فرمایا: **الَّذِينَ يَتَذَكَّرُونَ كَبَارًا** **الْإِسْمِ وَالْفَوَاحِشِ إِلَّا لِلنَّمِّ - إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ** (وہ جو بڑے گنہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں، ماسوائے صغیرہ گناہوں کے تو تیرا رب بڑی وسیع بخشش والا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مرتبہ کی طرف ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے گنہگار مومن کو پسند کرتا ہے۔“

تیسری قسم یہ ہے کہ توبہ کرے اور ایک مدت تک توبہ پر استقامت رکھے اور پھر بعض گناہوں میں اس طرح لغو ہو جائے کہ نیکیوں پر پیشگی کرنے اور طاقت ہوتے ہوئے گناہوں سے پرہیز کرنے کا ارادہ باقی ہو۔ اس کا دل چاہے کہ اگر اللہ اسے طاقت دے تو برائی کو اٹھا کر کھینک دے۔ نیز یہ کہ اس کی برائی کا کفارہ ہو۔ جب گناہ کر چکے تو نادم ہوا اور اپنے نفس کو اس گناہ سے توبہ کرنے پر تیار کرے تو اس نفس کا نام مستور ہے اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَإِذْ خُورُوا أَخْتَرُوا يَذُوبُهُمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرًا مَسِيئًا** (اور کچھ ایسے ہیں جن کو اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ انھوں نے کچھ نیک عمل کیے ہیں اور کچھ بُرے) ان کا معاملہ طاعت پر پیشگی کرنے اور برائیوں سے کراہت کرنے کی وجہ سے پُر امید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُمْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ** (اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ ان کا انجام تاخیر کی وجہ سے خطرے سے باہر بھی نہیں۔ بسا اوقات توبہ سے پہلے ہی موت واقع ہو

جاتی ہے اور اعمال کا دار و مدار خاتمے پر ہے۔ ہر سانس پر موت واقع ہو سکتی ہے۔ انسان کو چاہیے اپنے ہر سانس کی حفاظت کرے اور نہایت کے ارتکاب سے پرہیز کرتا رہے۔

پوتھی قسم یہ ہے کہ توبہ کرے اور ایک مدت تک استقامت رکھے، لیکن پھر گناہ کی طرف لوٹ جائے اور اُسے توبہ کا خیال آئے نہ گناہوں پر افسوس ہو تو یہ اصرار کرنے والوں میں سے ہے اور یہی نفس اتار رہے جو برائی کا حکم دینے والا ہے۔

ایسے شخص کا خاتمہ بالآخر نہیں ہوتا؛ تاہم اگر اُس کی موت توجید پر ہوئی تو اس کے لیے دوزخ سے نجات کی امید ہے اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہی کیوں نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی محض سبب کی وجہ سے اسے عام معافی مل جائے، لیکن اس پر بھروسہ کر لینا درست نہیں ہے۔ جو آدمی کہے کہ اللہ تعالیٰ سخی ہے اور اس کے تزانے بڑے وسیع ہیں اور میرے گناہ سے اس کا کچھ نقصان بھی نہیں ہے اور پھر تم اس کو دیکھو کہ روپیہ کی طلب میں سمندروں کا سفر کرتا ہے تو پھر اگر اسے کہا جائے کہ اگر خدا سخی ہے تو اپنے گھر میں بیٹھ جا شاید اللہ تجھے یہیں رزق دے دے تو اس کہنے والے کو وہ جاہل سمجھے گا اور کہے گا رزق تو کسب سے ملتا ہے تو اس سے کہا جائے گا اسی طرح نجات بھی تقویٰ سے ملتی ہے۔



## فصل ہفتم

### توبہ کی قبولیت کا راز

ہم بیان کر چکے ہیں کہ توبہ کرنے والے کو چاہیے جو برائیاں کی ہیں ان کے بدلے نیکیاں کرے کہ وہ برائیوں کا کفارہ بنیں اور ان کو مٹادیں۔ کفارہ بننے والی نیکیاں اول اور زبان اور اعضا سے ہوتی ہیں جیسے برائیاں۔ دل کی نیکیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا اور اس کے حضور ذلیل ہونا ہے۔ زبان کی نیکیاں گناہ کا اقرار کرنا اور پھر استغفار کرنا ہے، مثلاً کہے: "اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے تو مجھے معاف کر دے۔"

حدیث میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو آدمی کوئی گناہ کرے پھر اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ اس کو معاف کر دیتا ہے۔"

بدنی نیکیوں کی صورت، عبادات اور طاعات بجالانا اور صدقات دینا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے جب تک بیماری کا پتہ نہ چلے دو اتھوڑ نہیں ہو سکتی کیونکہ دوا تو بیماری کے اسباب سے نکلنا ہے۔ لیکن ہوتی ہے اور بیماری کی ضد ہی سے اس کا علاج کیا جاتا ہے۔

گناہوں پر اصرار کا سبب غفلت اور شہوت ہے اور غفلت کی ضد علم ہے اور شہوت کی ضد صبر؛ چنانچہ لازم ہے کہ شہوت کی تحریک کرنے والے اسباب کو ختم کر دیا جائے۔

گناہوں کی غفلت دور کرنے کے لیے ایک ہی مجون ہے جو علم کی علوت اور صبر کی کڑواہٹ سے تیار کیا جائے، جیسا کہ سکنجبین میں عینہ کی شیرینی اور سرکہ کی کھٹائی جمع کی جاتی ہے اور ان دونوں کے مجموعے صفر کا قلع قمع ہوتا ہے۔

غفلت کی بیماری کے طبیب عالم لوگ ہیں کیونکہ یہ دلوں کی بیماری ہے اور دلوں کی بیماری بدن کی بیماری سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ایک بڑی برائی توبہ ہے کہ مریض کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ مریض ہے۔

دوسرے یہ کہ اس کا اتجام اس دنیا میں مشاہدے میں نہیں آتا برخلاف بدن کی بیماری کے کہ اس

کا انجیم موت ہے جو دیکھی جاتی ہے اور طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ گناہ میں ایک طرح کی لذت اور کشش ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کے فریب کو انجام معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے باز نہیں آتا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ دل کی بیماری میں تو اللہ کی بخشش پر بھروسہ کرتا ہے، لیکن بدن کے علاج میں خود کشش کو ضروری سمجھتا ہے۔ تو کل نہیں کرتا۔

تیسری چیز جو سب سے زیادہ خطرناک ہے وہ ہے طیب کا نہ ملنا۔ کیونکہ طیب تو علماء میں اور وہ خود اس زمانے میں بیمار ہیں۔ دل کی مہلک ترین بیماری دنیا کی محبت ہے اور یہ بیماری طیبوں پر بھی غالب آچکی ہے۔ اسی لیے وہ لوگوں کو کوئی مؤثر علاج نہیں بنا سکتے۔ وہ خود سمجھتے ہیں کہ اگر لوگوں کو دنیا کی حرص سے بچنے کی تاکید کریں تو وہ کہیں گے تم لوگوں کو حرص سے بچنے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو پس اسی وجہ سے یہ بیماری عام ہو چکی ہے۔

اگر پوچھا جائے کہ لوگوں کے ساتھ داغظ کو کیا روش اختیار کرنی چاہیے، تو جواب یہ ہے کہ جو آیات قرآن مجید میں گنہگاروں کو ڈرانے کے لیے آئی ہیں یا جو احادیث و آثار مروی ہیں ان کو بیان کر لے اور اس میں توبہ کرنے والوں کی مدح بھی شامل کر لے دوسرے انبیاء و سلف صالحین کو معمولی لغزشوں کے سبب مصلحتیں پہنچیں ان کو بیان کرے، مثلاً آدم علیہ السلام کا حال کہ لغزش کے بعد جنت سے نکالے گئے یا جو ماجرا یونس والوب اور یوسف و داؤد و سلیمان علیہم السلام کے ساتھ گزرا وہ بتائے کیونکہ قرآن مجید نے ان کو صرف عبرت حاصل کرنے کے لیے ہی تو بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں خوش قسمتی یہ ہے کہ جلدی ممانذہ ہو جائے، ایسی صورت میں انسان توبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، لیکن بدبختوں کو مہلت مل جاتی ہے کہ وہ گناہ زیادہ کر لیں اور اس لیے بھی کہ آخرت کا عذاب بہت سخت ہے تو چاہیے کہ ایسی باتیں اصرار کرنے والوں کو زیادہ سنائی جائیں کہ وہ توبہ کی تحریک کے لیے بہت مفید ہیں۔

تیسرا یہ کہ، ان کو یہ بھی یقین دلانے کے دنیا میں بھی جلدی سے منزا متوقع ہے کیونکہ بندے کو جو مصلحت پہنچتی ہے وہ اس کے گناہوں کے سبب سے پہنچتی ہے۔

بسا اوقات آدمی آخرت کے معاملے میں تو سستی کرتا ہے، لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے دنیا کی منزا سے ڈرتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ کبھی گناہوں کی شامت دنیا میں بھی پہنچتی ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ ”بندہ اپنے گناہ کی وجہ سے نذوق سے محروم ہو جاتا ہے۔“  
فضیل بن عیاض نے کہا میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہوں تو اس کا اثر اپنے گدھے اور اپنے خادم کے اخلاق میں  
دیکھ لیتا ہوں۔

ابو سلیمان دارانی نے کہا، اختلاف بھی سزا ہے۔ اور کسی بندے سے نماز گناہ کے بغیر فوت نہیں ہوتی۔  
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے  
دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر توبہ کر لے اور اس کو چھوڑ دے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور  
اگر زیادہ گناہ کرے تو سیاہی زیادہ ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے سارے دل پر پھیل جاتی ہے۔“  
یہی وہ رنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے: **كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ ثُلُومِهِمْ مِّمَّا**  
**كَانُوا يَكْسِبُونَ** (ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کے سبب سے رنگ ہے)

حسن رحمہ اللہ نے کہا: ”نیک دل کا نور ہے اور بد دل کی قوت اور برائی دل کا اندھیرا ہے اور بد دل کی کمزوری“  
چوتھی بات یہ کہ گناہوں کی جو سزائیں احادیث میں آئی ہیں ان کو بیان کرے۔ مثلاً شراب نوشی، زنا، قتل  
مکبر، حسد اور غیبت وغیرہ کے سلسلے میں جو احادیث ہیں وہ بکثرت لوگوں کو سنائے۔

ضروری ہے کہ طیب بیماری کو بھی جانتا ہو اور اس کا علاج کرنا بھی۔ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
سے کہا مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ تو آپ نے فرمایا: ”غصہ نہ کیا کرے“

ایک اور نے کہا: مجھے وصیت فرمائیے تو آپ نے فرمایا: ”جو لوگوں کے پاس ہلے اس سے مایوس ہو جاوے“  
آپ نے پہلے میں غضب کے آثار دیکھے اور دوسرے میں طمع اور لالچ کے۔ اور دونوں کو ان کے روحانی امراض  
کے مطابق نصیحت فرمائی۔

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا غفلت کا علاج ہے۔ رہا شہوت کا علاج تو جو کچھ ہم نے ”نفس کی ریاضت“ میں بیان  
کیا ہے اس سے علاج کیا جائے گا؛ تاہم پرہیز بہت ضروری ہے۔ بعض دفعہ مرعین کی بیماری صرف اس لیے طبعی  
ہو جاتی ہے کہ وہ مضر چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا۔ خواہش کی شدت اسے بد پرہیزی پر آمادہ کرتی ہے یا پھر اپنی  
تکلیف سے غافل ہوتا ہے۔ ہر حالت میں صبر کی کڑواہٹ لازمی چیز ہے۔ مثلاً کسی نوجوان پر شہوت غالب

آجائے اور وہ اپنی نگاہ، دل اور اعضاء کو شہوت کے پیچھے دوڑنے سے روک نہ سکے تو چاہیے کہ خوف کی آیات جو قرآن میں آئی ہیں اور احادیث جو رسول اللہ نے بیان فرمائی ہیں ان کو سامنے رکھے۔ جب اس پر خوف غالب ہو جائے گا تو وہ شہوت کی تحریک کرنے والے اسباب خود بخود دور ہو جائیں گے۔

جو چیز خارجی طور پر شہوت کو بھڑکاتی ہے وہ مرغوب چیز کا حاضر ہونا اور اس کو دیکھنا ہے اور اس کا علاج ہے بھوک اور ہمیشہ روزے رکھنا اور یہ سب چیزیں صبر سے پوری ہوں گی اور صبر خوف کی وجہ سے اثر کرے گا۔ خوف علم سے پیدا ہوا اور علم بصیرت سے۔ ترسب سے پہلے سے مجالس ذکر کی حضری کا اہتمام کرنا چاہیے اور نصیحت کی باتیں فارغ دل سے سنتی چاہئیں اور ان پر غور کرنا چاہیے۔ اسی سے خوف پیدا ہوگا اور صبر آسان ہو جائے گا۔ نیز علاج کی طلب کے لیے محرکات آسان ہو جائیں گی اور ان سب باتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوگی۔

اگر سوال کیا جائے کہ کیا بات ہے کہ انسان برائی کے انجام کو جانتے ہوئے بھی اس کا ارتکاب کرتا ہے، تو اس کے کئی جواب ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اللہ نے جس عذاب کی خبر دی ہے وہ سامنے نظر نہیں آتا۔ دوسرے یہ ہے کہ مومن جب گناہ کرتا ہے تو لازماً توبہ کا ارادہ کرتا ہے اور چونکہ انسانی طبع پر طبی امید غالب ہے اس لیے وہ توبہ کو پیچھے ڈالتا جاتا ہے۔ توبہ کی امید رکھتا ہے اور گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی طرف سے معافی کی امید رکھتا ہے۔ ان تمام اسباب کا علاج یہ ہے کہ اپنے دل میں غور کرے کہ جو کچھ آنے والا ہے وہ قریب ہے اور وہ موت ہے۔ اس کے ناگہان آجانے سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

تسلیف (آئندہ کر لوں گا) کا علاج یہ ہے کہ دو چیزوں کے حالات پر غور کرے۔ وہ بھی اسی وجہ سے اس حال کو پہنچے کہ گناہ کرتے تھے اور توبہ کو آئندہ پڑھتے تھے۔

ویسے بھی یہ نادانی ہے کہ انسان اپنی اجلیت پر غور نہ کرے۔ جو چیز بالکل اس کے اختیار میں نہیں وہ ہے زندگی۔ شاید وہ باقی نہ رہے اور اگر باقی بھی رہے، تو شاید کل اس کام کو پھوٹنے پر قادر نہ ہو جیسا کہ آج قادر نہیں ہے۔ آخر آج بھی تو شہوت کے غلبے ہی کی وجہ سے عاجز ہے۔ آخر وہ کل کیوں نہ باقی رہے گی، بلکہ عادت پختہ ہو جانے کی وجہ سے وہ تو اور پختہ ہو جائے گی۔

آئندہ پڑھنے والے بالعموم ہلاک ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک ہی جیسی دو چیزوں میں فرق کر جاتے ہیں۔

آئندہ پڑانے والے کی مثال اس آدمی کی سی ہے جسے ایک درخت اکھاڑنے کی ضرورت ہو وہ دیکھے کہ درخت بہت مضبوط ہے۔ شدید خشقت سے اکھڑے گا تو وہ کہے میں ایک سال کے بعد اس کو اکھیڑنے کے لیے آؤں گا۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ درخت جتنی مدت باقی رہے گا، مضبوط ہوتا جائے گا اور اس کی جتنی عمر رہی ہوتی جائے گی یہ خود کمزور ہوتا جائے گا۔ جب وہ طاقتور ہونے کے باوجود درخت کی کمزوری کی حالت میں اسے نہیں اکھاڑ سکتا تو جب خود کمزور ہو جائے گا اور درخت اور طاقتور، تو پھر اس پر کیسے غالب آسکے گا؟

باقی رہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کی امید تو یہ ممکن تو ضرور ہے لیکن آدمی کو ہوشیار رہنا چاہیے اگر کوئی محض اس امید کا سہارا لے تو اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو اپنا سارا مال خرچ کر کے اپنے آپ کو اور اپنے بانی بچوں کو فقیر بنا دے اور امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ کسی دیرانے میں خزانے کی اطلاع دے کر اس کو روزی دے دے گا۔ یہ ممکن تو ہے لیکن سنت اللہ یہ نہیں۔ لہذا ایسے آدمی کو احمق ہی کہا جائے گا۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

## فصل ہشتم

## صبر اور شکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قریباً نوے مقامات پر صبر کا تذکرہ کیا ہے۔ اکثر نیکوں اور درجات کو اس کی طرف منسوب فرمایا ہے اور ان کو صبر کا پھل قرار دیا ہے: ارشاد ہے: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْتَدُونَ يَا مَرْغُوبًا صَبْرًا (اور ہم نے ان میں سے امام بنائے جبکہ انھوں نے صبر کیا وہ ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے)

فرمایا: وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا (بنی اسرائیل نے جب صبر کیا تو تیرے رب کے اچھے وعدے ان سے پورے ہو گئے)

فرمایا: وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِّ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (اور ہم صابر لوگوں کو ان کے اچھے اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے)

فرمایا: إِنَّمَا يُوفِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (اور صابر لوگوں کو بغیر حساب کے بے اندازہ اجر دیا جائے گا)

صبر کے علاوہ جو بھی کوئی نیکی ہے اس کے اجر کا ایک اندازہ اور حساب ہے اور چونکہ روزہ بھی صبر کی ایک قسم ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا؟

اللہ تعالیٰ نے صابر لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ (اللہ ان کے ساتھ ہے۔ صبر کے لیے جتنی باتوں کو اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیا ہے اور کسی نیکی پر جمع نہیں کیا فرمایا: أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ۔ (یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں)

۱۶ سورۃ سجدہ - آیت ۲۳۱ ۱۷ سورۃ اعراف - آیت ۱۳۷ ۱۸ سورۃ نحل - آیت ۹۶

۱۹ سورۃ زمر - آیت ۱۰ ۲۰ سورۃ بقرہ - آیت ۱۵۷

اور اس میں بہت سی آیات ہیں۔

مجیجین میں ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صبر پر جتنی وسیع اور بہتر بھلائی کسی کو ملتی ہے اتنی کسی عمل پر نہیں ملتی۔

ایک اور حدیث میں ہے: ایمان میں صبر کا وہی مرتبہ ہے جو بدن میں سہ کا ہے؛

حضرت حسنؓ نے کہا: صبر بھلائی کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے یہ اللہ تعالیٰ اسی آدمی کو عطا کرتا ہے جو اس کے نزدیک بڑا معزز ہو۔

بیان کیا جاتا ہے کسی عارف کی جیب میں ایک زعفران تھا وہ ہر وقت اُس کو نکال کر اس کا مطا لعد کرتا۔ اس میں لکھا تھا: **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا** اپنے رب کے حکم پر صبر کرو تم ہماری نگہ رانی میں ہو

معلوم ہونا چاہیے کہ صبر صرف مخلوق انسان کا خاصہ ہے۔ جانوروں میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہاں یہ قوت بڑی ناقص ہے۔ ان پر خواہشات کا غلبہ ہے اور کوئی چیز ان کا مقابلہ کرنے والی نہیں۔ اسی طرح فرشتوں میں بھی اس کا تصور نہیں ہے کیونکہ وہاں صبر کی قوت کامل ہے۔ ان میں صرف بارگاہ الہی کی سامنے کاشوق ہے اور کوئی خواہش ان پر مسلط نہیں جو ان کو اس سے پھیر دے۔

انسان ابتدا میں جانوروں کی طرح ناقص پیدا ہوتا ہے اس میں صرف غذا کی خواہش ہوتی ہے جس کا وہ محتاج ہو۔ پھر اس میں کھیلنے اور زیب و زینت کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ پھر نکاح کی اور اس مرحلے تک اس میں صبر کی قوت نہیں ہوتی پھر جب عقل میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور طاقت پکڑتی ہے تو سن جینز کے وقت اس میں نوزیدہائیت کی چمک نظر ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ بڑھتی رہتی ہے۔ جیسا کہ صبح کا نور ظاہر ہوتا ہے، پھر سورج طلوع ہوتا ہے لیکن یہ رہنمائی کمزور ہوتی ہے۔ آخرت کے مصالح کی طرف اس کو رتہ دکھانے والا کوئی نہیں ہوتا۔

طبیعت جب شریعت کی معرفت سے تعلق پیدا کرتی ہے تو جو چیزیں آخرت کے متعلق ہیں وہ روشن ہو جاتی ہیں اور اس کا اسکھڑ زیادہ ہو جاتا ہے۔

پھر طبیعت اپنی محبوب چیزوں کا تقاضا کرتی ہے اور عقل اور تربیت کا داعیہ اسے روکتا ہے اور ان دونوں میں جنگ چھڑ جاتی ہے۔ میدان جنگ انسان کا دل ہوتا ہے۔ اس مرحلے پر صبر یہ ہے کہ آدمی خواہشات کے مقابل دین میں ثابت قدم رہے۔ اگر وہ اس مقابلے میں ثابت قدم رہے اور شہوت پر غالب آجائے تو صابریں میں سے ہر جاتا ہے، لیکن اگر اس کا ارادہ کمزور ہو اور شہوت غالب آجائے تو شیطان کے پیڑوں سے مل جاتا ہے۔

---



## فصل نہم

## صبر کی اقسام

صبر دو قسم کا ہے۔ ایک بدنی، جیسے مشقت کا برداشت کرنا اور عبادت کے مشکل اعمال کا ادا کرنا وغیرہ۔ دوسرے انفسانی۔ یہ خواہش کے تقاضے اور طبیعت کی مرغوب چیزوں سے رک جانا ہے۔ صبر کی تیس قسم اگر پیرٹ اور شرمگاہ کی خواہش سے متعلق ہو تو اس کا نام عفت ہے۔ اگر میدان جنگ میں صبر ہو تو اس کا نام شجاعت ہے۔ اگر غصے کو دبانے میں ہو تو اس کا نام حلم ہے۔ اگر کسی پریشان کرنے والی مصیبت سے ہو تو اس کا نام سینے کی فراخی ہے۔ اگر کسی معاملے کو پوشیدہ رکھنے کے متعلق ہو تو اس کا نام راز کو چھپانا ہے۔ اگر نائد ضروریات سے رکنا ہو تو اس کا نام زہد ہے اور اگر ٹھوڑی سی ضروریات پر مطمئن ہونا ہو تو اس کا نام قناعت ہے۔

دراسن مصیبت میں ثابت قدم رہنے کا نام صرف صبر ہے۔ ہم نے جو بیان کیا ہے اس سے معلوم ہو چکا کہ ایمان کے اکثر اوصاف صبر میں داخل ہیں۔ اگر ہر اپنے متعلقات کے اختلاف کی وجہ سے ان کے نام مختلف ہوں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ بندہ کسی حال میں بھی صبر سے بے نیاز نہیں ہوتا کیونکہ دنیا میں جو چیز بھی انسان کو ملتی ہے وہ دو قسم کی ہے: ایک تو وہ ہے جو اس کی خواہش کے موافق ہے، جیسے صحت، سلامتی، مال و جاہ، برادری، ملازمین کی کثرت اور دنیا کا تمام ساز و سامان۔ بندہ ان تمام چیزوں میں صبر کا محتاج ہے کہ وہ ان کی طرف جھیک نہ جائے اور ان سے لذت حاصل کرنے میں ایسا منہمک نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہ ہوں۔

اگر انسان ساز و سامان میں منہمک ہونے سے پہلے اپنے آپ کو روک نہ سکے اور بعد میں ان کی طرف مائل ہو جائے تو اس سے برکتی اور تکبر برپا ہوگا۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ مومن مصیبت پر صبر کر لیتا ہے اور عافیت پر صرف متدین ہی صبر کر سکتا ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: تکلیفوں سے ہماری آزمائش ہوئی، تو ہم نے صبر کیا، لیکن

جب نعمت و آسائش سے آزمائش ہوتی تو ہم صبر نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَلْمِزْهُمْ أَمْوَالَكُمْ وَلَا أَوْلَادَكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (تمہیں تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں)

فرمایا: دَاعِلِمُوا أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَوْلَادَهُمْ كَمَا كَفَرْتُمْ (جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہے)

فرمایا: إِنَّ مِنْ أَقْوَابِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عِدْوًا كَرِيهًا فَاحْذَرُوهُمْ (تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد تمہارے دشمن ہیں ان سے بچ کر رہو)

جو ان مرد صرف وہ ہے جو عافیت پر صبر کرے اور یہ صبر شکر کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب تک شکر کے حقوق ادا نہ ہوں صبر پورا نہیں ہوتا۔ اور نعمت میں صبر مشکل ہوتا ہے کیونکہ وہاں قدرت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے کھانا نہ ہونے کی صورت میں بھوکا نہ زیادہ صبر کر سکتا ہے یہ نسبت لذیذ کھانا موجود ہونے کے۔

دوسری قسم خواہشات کے مخالف ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں:

پہلی: طاعات ہیں کہ بندہ ان پر صبر کرنے کا محتاج ہے کیونکہ نفس طبعی طور پر عبودیت (غلامی) سے

بھاگتا ہے

پھر بعض عبادتیں ایسی ہیں جنہیں وہ سستی کی وجہ سے ناپسند کرتا ہے۔ جیسے نماز۔ اور بعض وہ ہیں جنہیں نخل کی وجہ سے ناپسند کرتا ہے جیسے زکوٰۃ اور بعض کو ان دونوں کی وجہ سے جیسے حج اور جہاد۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ارادہ کرنے والا تین حالات میں طاعت پر صبر کا محتاج ہے۔

ایک حالت عبادت سے پہلے کی ہے اور وہ ہے نیت کا صحیح ہونا اور ریا کے شائبے سے بھی بچنا۔

ایک حالت عین عبادت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ عبادت کے دوران میں اللہ سے غافل نہ ہو اور آداب

سنن کی ادائیگی میں سستی نہ کرے اور عمل سے فارغ ہونے تک صبر کرے کہ کوئی چیز اس میں خلل نہ ڈالے۔

تیسری حالت عمل سے فارغ ہونے کے بعد کی ہے اور وہ ہے ریا اور تمکو کے لیے عمل کو ظاہر کرنے اور بتانے

سے متعلق یعنی ہر اس چیز پر صبر کرنا جو عمل کو باطل کر دے۔ جس نے صدقہ کرنے کے بعد احسان خبانے اور تکلیف دینے سے



دوسرے درجہ تک اس فاصلہ سے دو گنا فاصلہ ہے جتنا زمین کے کنارے سے لے کر عرش کے اوپر کے کنارے تک ہے۔“

صبر کی فضیلت میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مسلمان کو جو بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے اسے اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کسی کو کائنات بھی سمجھے تو اُس سے بھی اُس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔“

ایک اور حدیث میں ہے ”مسلمان کو اگر کوئی بیماری، تھکاوٹ، نکر، غم یا تکلیف پہنچتی ہے، جتنی کہ اگر کائنات بھی جھنڈا ہے، تو اس سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرتے ہیں“۔ بخاری۔ مسلم

ایک اور حدیث میں ہے: ”مومن مرد یا عورت ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رہتا ہے۔ کبھی اپنے جسم کی، کبھی مال کی اور کبھی اولاد کی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا“

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول، سب سے زیادہ سختی کس پر آتی ہے؟ تو فرمایا: انبیاء پر، پھر نیک لوگوں پر۔ پھر درجہ بدرجہ۔“

لوگوں کا امتحان اُن کے دین کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر کوئی اپنے دین میں مضبوط ہے، تو اس پر سختی زیادہ ہوتی ہے اور اگر وہ دین میں کمزور ہو تو اس کی مصیبت ہلکی ہوتی ہے اور مومن بندے پر ہمیشہ سختی آتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور اُس کے فتنے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔“ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میرے کسی بندے پر کوئی مصیبت اُس کے بدن یا مال یا اولاد میں آتی ہے اور وہ بہترین صبر سے اس کا استقبال کرتا ہے، تو مجھے شرم آتی ہے کہ میں قیامت کے دن اس کے لیے ترازو قائم کروں یا اس کا نامہ اعمال کھول کر رکھوں۔“

## فصل دہم

## صبر کے آداب

صبر کے آداب میں سے ہے کہ حد سے کہ ابتدا میں صبر کیا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "صبر حد سے کہ ابتدا میں ہے" یہ حدیث صحیح ہے۔

صبر کے اور آداب میں سے یہ بھی ہے کہ معصیت کے وقت: **رَا نَا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَا جِعُوْنَ** کہے جیسا کہ مسلم میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔

صبر کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اعضا اور زبان کو سکون میں رکھے۔ ہاں رونا جائز ہے۔ بعض حکماء نے کہا کہ بے صبری سے چل جانے والی چیز واپس نہیں آتی، البتہ دشمن ضرور خوش ہوتا ہے۔

اچھا صبر یہ ہے کہ معصیت زدہ پر معصیت کا نشان ظاہر نہ ہو جیسا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیوی نے اپنے بیٹے کی وفات پر کیا اور یہ حدیث بڑی مشہور ہے۔ (صحیح مسلم)

ثابت بنانی نے کہا: عبد اللہ بن مطرف فوت ہو گئے تو ان کے باپ مطرف بڑے اچھے کپڑے پہن کر

سر کو تیل لگا کر باہر نکلے۔ لوگ ناراض ہوئے اور کہنے لگے غضب ہے عبد اللہ فوت ہو جائے اور تم اس طرح کے

کپڑے پہن کر اور تیل لگا کر باہر نکلو، تو کہا گیا میں اس پر اپنی حالت کی کمزوری ظاہر کر دوں حالانکہ میرے رب نے مجھ سے

تین چیزوں کا وعدہ کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک چیز مجھے دنیا و ما فیہا سے زیادہ پیاری ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا: **اَلَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَا جِعُوْنَ** اُوَلَيْكَ عَلَيْهِمْ

**صَلٰوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّاُوَلَيْكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ** (وہ لوگ کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے

تو کہتے ہیں ہم بھی اللہ کی امانت میں اور اسی کے پاس جانے والے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی نوازشیں درج تھیں ہیں۔

اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

آیت تلاوت کرنے کے بعد مطرف نے مزید کہا: 'دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کے دینے کے بدلے میں مجھے آخرت میں پائی کی ایک صراحی مل جائے تو میں نہ چاہوں کہ وہ مجھ سے دنیا میں لے لی جائے۔'  
 حضرت صلح بن اشیم اپنے بیٹے کے ساتھ ایک جنگ میں تھے کہنے لگے: 'اے بیٹا، آگے بڑھ کر جنگ کر کہ میں تیری شہادت کا ثواب حاصل کروں۔' پھر نچر اُس نے حملہ کیا اور لڑائی میں شہید ہو گیا۔ پھر یہ خود آگے بڑھے اور شہید ہوئے۔ عورتیں ان کی ماں معاذہ عذوبہ کے پاس آئیں تو اس نے کہا: 'اگر تم مجھے مبارک دینے کے لیے آئی ہو تو خوش آمدید اور اگر کسی اور مقصد کے لیے آئی ہو تو واپس چلی جاؤ۔'  
 جب کوئی ایسی مصیبت ہو جس کو چھپایا جاسکتا ہو تو اس کو چھپانا اللہ تعالیٰ کے لیے مخفی انعامات میں سے ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: 'جب نبی بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو فرشتے بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھو وہ اپنے بیمار داروں سے کیا کہتا ہے۔ پھر اگر وہ بیمار داروں کے سامنے اللہ کی تعریف کرے تو وہ جا کر بیان کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اُس کو خوب جانتا ہے۔ پھر فرماتا ہے: سنو! اگر میں نے اپنے بندے کو اپنے پاس بلا لیا تو میں اسے جنت میں داخل کروں گا اور اگر میں نے اسے شفا دی تو میں اُس کا گوشت اور خون بدل دوں گا اور اسے اس سے بہتر گوشت اور خون عطا کروں گا اور اس کے گناہ معاف کر دوں گا۔'  
 حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: 'اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور معرفت کا یہ حق ہے کہ تم اپنی تکلیف کی شکایت نہ کرو اور نہ اپنی مصیبت کا تذکرہ کرو۔'

حضرت احنفؓ نے کہا: 'چالیس سال سے میری ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی ہے۔ میں نے آج چنگ کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔'

ایک آدمی نے امام احمدؒ سے پوچھا: 'اے ابو عبد اللہ! آپ کا کیا حال ہے؟'

آپ نے کہا: 'عافیت اور بھلائی سے ہوں۔'

اُس نے کہا: 'کل رات آپ کو بیمار تھا؟ تو فرمایا: 'میں نے جب تم سے کہہ دیا کہ میں عافیت سے ہوں تو

بس کافی ہے، تم مجھ سے وہ بات کیوں کہلوانا چاہتے ہو جس کا زبان پر لانا مجھے پسند نہیں۔'

حضرت شقیق بلخیؒ نے کہا: 'جس نے اللہ کے سوا کسی کے سامنے اپنی مصیبت کی شکایت کی وہ اللہ کی عبادت

میں کبھی حلاوت نہ پائے گا۔

حکمران نے کہا ہے: ”مصیبت کا چھپانا نیکی کا خزانہ ہے۔“ سلف مصیبت کے ثواب کو دیکھتے ہوئے اس پر خوش ہوا کرتے تھے۔ اس کے متعلق ان کی بہت سی حکایات مشہور ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

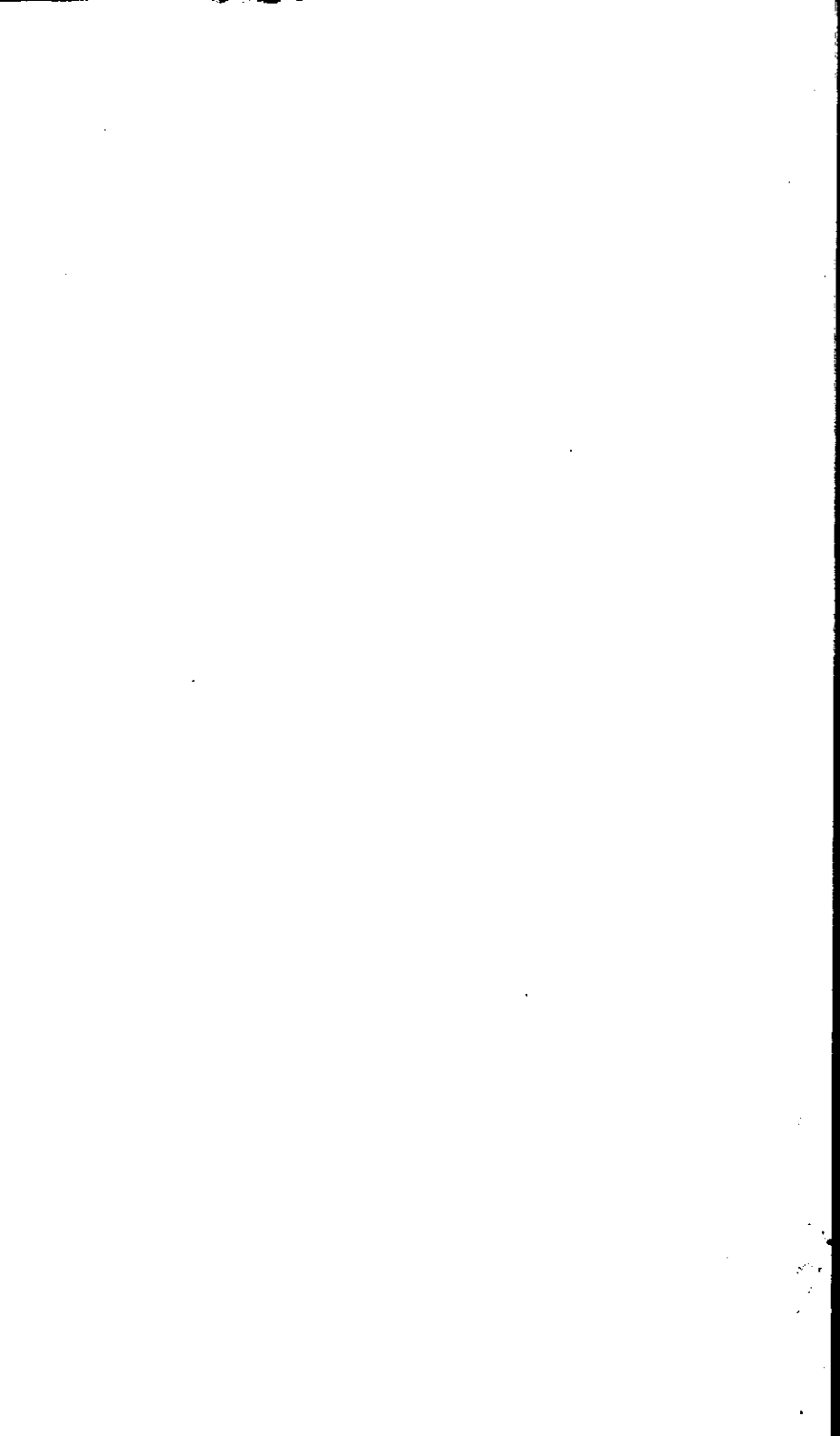
جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بیٹا عبدالملک فوت ہوا، تو حضرت عمر نے ان کو دفن کیا اور قبر پر مٹی ڈالی، پھر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے آپ کو گھیر لیا تو آپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! اللہ تجھ پر رحمت کرے تو اپنے باپ کے لیے بڑا نیک تھا اور جب سے تو پیدا ہوا میں آج تک تجھ سے خوش رہا اور اب خدا کی قسم! میں اُس سے بھی زیادہ خوش ہوں، کیونکہ تیرے مرنے کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ سے اجزا و ثواب کی امید ہے۔“

اگر کہا جائے کہ صبر سے مراد مصیبت کو بردہ نہ جھنڈا ہے، تو اس پر آدمی کا کوئی امتیاز نہیں ہے اور اگر مصیبت کے وجود سے خوشی ہے جیسا کہ تم بیان کرتے ہو تو یہ اور بھی مشکل بات ہے۔

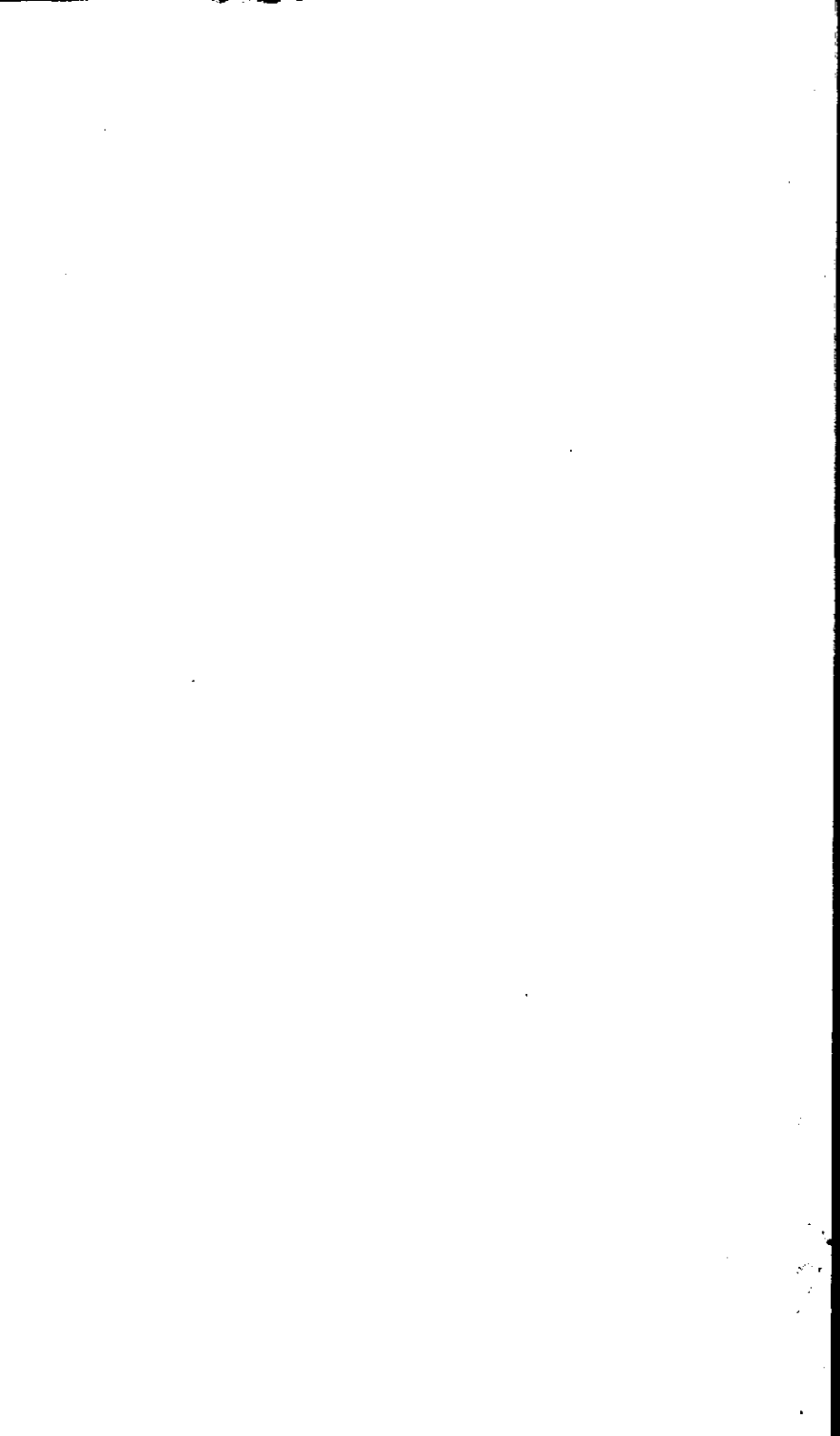
جواب یہ ہے کہ صبر یا تو غم و غم کی بردائی سے ہوتا ہے یا کسی ناپسندیدہ چیز کے آنے پر جو انسان کے اختیار میں نہیں۔ اس کی مجالت نہیں ہے اور وہ دل کی بے چینی ہے۔ مجالت صرف اختیاری چیزوں سے ہے۔ جیسے گریبان پھاڑنا اور زخار سے پٹینا اور زبان سے شکوہ کرنا۔ اور وہ جو ہم نے مصائب آنے پر بعض کی خوشی کا تذکرہ کیا ہے، تو وہ خوشی شرعی ہے۔ طبعی نہیں۔ کیونکہ طبیعت تو لازماً مصیبت کو ناپسند کرتی ہے۔

اس کی مثال اس بیمار جیسی ہے جسے علاج کے لیے کوئی پینے کی چیز بتائی جائے وہ اس کی تلاش میں کوشش کرے اور پیہن خرچ کرے پھر جب وہ خواہش پوری ہو جائے تو اس پر خوش ہو، کیونکہ اسے تندرستی کی امید ہے، لیکن اس کی طبیعت اس کو پینے سے کراہت کرتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بادشاہ کسی فقیر سے کہے جب بھی میں تجھے اس تپسی لکڑی سے ماروں، تو تجھے ہر مار پر ایک ہزار دینار دوں گا تو وہ فقیر چاہے گا کہ اس سے زیادہ مارے۔ یہ نہیں کہ مارے اسے تکلیف نہیں ہوتی، لیکن چونکہ وہ اس کے انجام کو جانتا ہے اس لیے خوش ہوتا ہے۔

یہی حال سلف کا تھا جب وہ ثواب کو دیکھتے تھے تو ان پر وہ مصیبت آسان ہو جاتی تھی۔







ہوں تو بارش کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ اسی طرح برکت اور رحمت کے اوقات میں ہواؤں کے چلنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ قصد اور دل کا انبساط بھی ہو۔ جیسے عرفة کا دن، جمعہ کا دن اور رمضان کا مہینہ۔

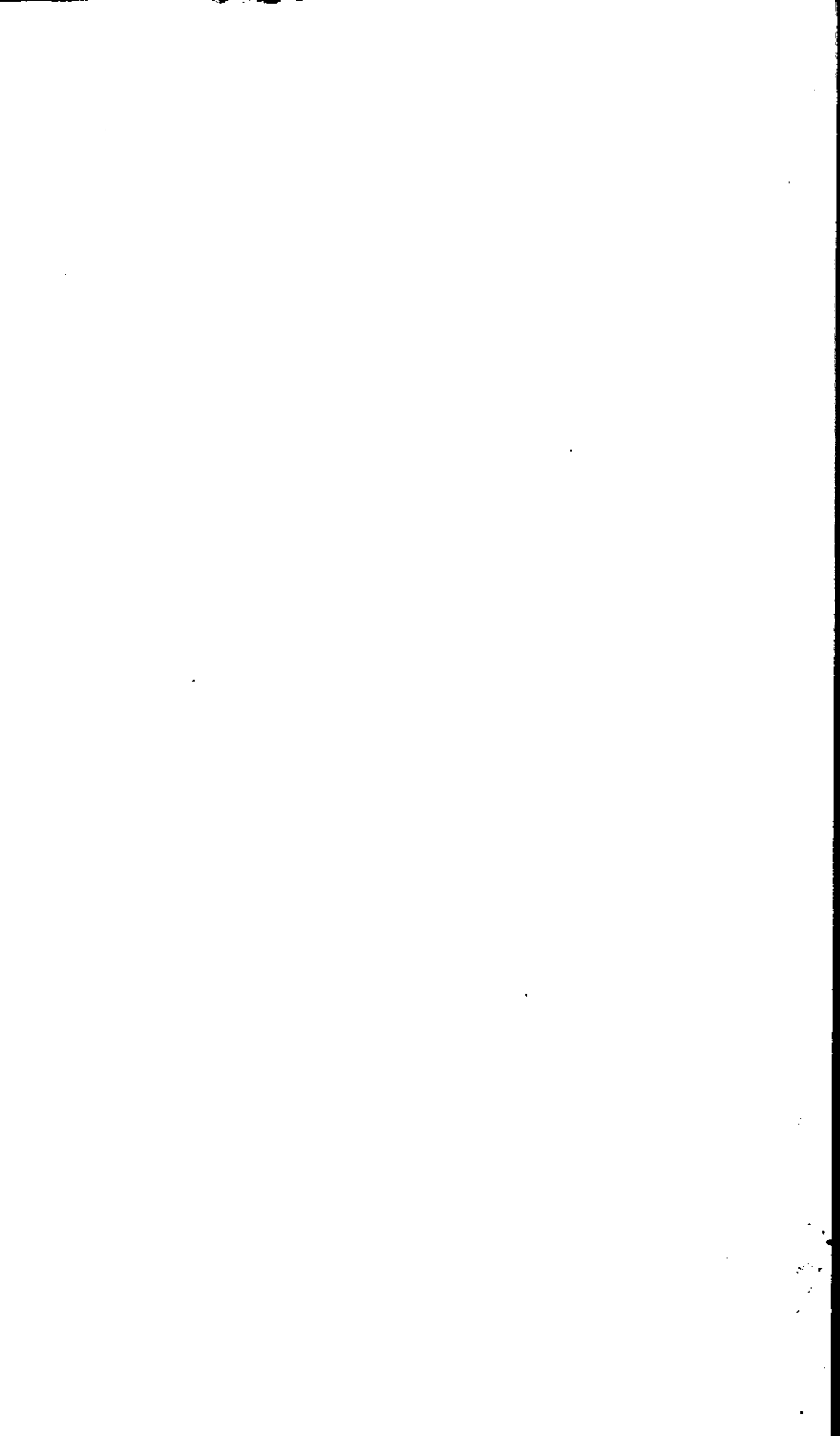
اللہ تعالیٰ کی حکمت اور تقدیر سے بہت اور انفاس، اللہ تعالیٰ کی رحمت کو لانے کے لیے اسباب بنائے گئے ہیں۔

---

# کتاب المنجیات

## حصہ دوم

- شکر، اُس کی فضیلت اور نعمتوں کا تذکرہ
- نعمتیں، اُن کی حقیقت اور اقسام
- نعمتوں کے اسباب
- وسائل حیات
- صبر اور شکر کس طرح اکٹھے ہو سکتے ہیں؟
- صبر افضل ہے یا شکر؟
- اُمید کی فضیلت
- خوف، اُس کی حقیقت اور درجات
- خوف و بھڑکت بھی ہے۔
- خوف کی اقسام۔
- خوف اور اُمید میں کس کو غالب رہنا چاہیے۔
- خوف پیدا کرنے والی باتیں۔



## فصل اول

# شکر، اُس کی فضیلت اور نعمتوں کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ (ہم جلدی ہی شکر گزاروں کو اس کا بدلہ دیں گے)  
 فرمایا: مَا يَعْبُدُ اللَّهُ بَعْدَ ابْتِهَادِ سَبْغَاتِهِمْ وَانْمَاتِهِمْ (اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ  
 کو تمہیں عذاب دینے سے کیا غرض ہے)

فرمایا: دُقِيلٌ مِّنْ مَّوَادِّ الشُّكْرِ (اور میرے تھوڑے ہی بندے شکر گزار ہیں)  
 اللہ تعالیٰ نے شکر کے ساتھ زیادہ دینے کا یقینی وعدہ فرمایا اور کہا: لَسْتُ شَاكِرًا لَّزَيْدٍ كَمَا لَسْتُ  
 تَمَّ شَاكِرًا لِّزَيْدٍ (تم شکر کرو تو میں ضرور تمہیں زیادہ دوں گا)

شکر کے علاوہ دوسری چیزوں کو اپنی مشیت پر موقوف رکھا ہے۔ جیسے فرمایا: فَاَسْفُوفٌ يَغْنِيكُمُ اللَّهُ  
 مِّنْ فَخْرِهِ اِنْ شَاءَ اللَّهُ (تو اللہ جلدی ہی تمہیں اپنے فضل سے بے نیازی عطا کر دے گا۔ اگر اس نے چاہا)  
 فرمایا: فَيَكْتَسِفُ مَا تَدْعُونَ اِلَيْهِ اِنْ شَاءَ اللَّهُ (تو دور کر دیتا ہے وہ تکلیف جن کے لیے تم اُس کو  
 پکارتے ہو اگر چاہے)

فرمایا: يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ (جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے)  
 فرمایا: وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ (اور جو اس کے علاوہ ہے وہ جسے چاہے معاف کر دے)  
 فرمایا: وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ (اور اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے)  
 جب ابلیس کو شکر کی قدر معلوم ہوئی تو نبی آدم پر طعن کرتے ہوئے کہا: وَلَا تَعْبُدُوا كُتُبَهُمْ

۱۳۵ آیت: ۱۳۵ لے سورة النساء - آیت: ۱۳۶ لے سورة سبا - آیت: ۱۳۷

۱۳۸ لے سورة ابراهيم - آیت: ۱۳۹ لے سورة التوبة - آیت: ۱۴۰ لے سورة النعام - آیت: ۱۴۱

۱۴۲ لے سورة بقرہ - آیت: ۱۴۳ لے سورة النساء - آیت: ۱۴۴ لے سورة التوبة - آیت: ۱۴۵

شکریہ (تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا)

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا قیام فرماتے کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ”آپ اتنا قیام کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پہلے پھلے گنہ معاف فرما دیے ہیں؟“ تو فرمایا: ”کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟“

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے معاذ! مجھے تم سے محبت ہے، پس تم یہ دعا کیا کرو۔“ اے اللہ! مجھے اپنے شکر اور ذکر اور اچھی عبادت کی توفیق عطا فرما۔

## شکر کس طرح کیا جائے

شکر دل، زبان اور اعضاء سے ہوتا ہے۔ دل کا شکر یہ ہے کہ تکی اور بھلائی کا ارادہ کرے اور نام مخلوق کا بھلا ملے۔ زبان کا شکر یہ ہے کہ اللہ کی تعریف کرتا ہے۔

اعضاء کا شکر یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی اطاعت میں استعمال کرے اور ان سے گناہ کی مدد کرنے سے پرہیز کرے۔ مثلاً آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کوئی عیب دیکھا ہے تو اس کی پردہ پوشی کرے۔

کانوں کا شکر یہ ہے کہ گلوں کے جو عیوب سنے ہیں ان کی پردہ پوشی کرے۔ زبان کا شکر یہ ہے کہ اللہ کی شہادت پر خوش ہونے کا اظہار کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کی نعمت کو بیان کرنا شکر ہے اور اس کا ترک کرنا کفر ہے۔“

بیان کیا گیا ہے کہ انصار کے دو آدمی آپس میں ملے۔ ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ”کیا حال ہے؟“ اس نے کہا: ”امحمد! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسی طرح کہا کرو۔“

بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سلام کیا۔ آپ نے اسے جواب دیا۔

پھر کہا: ”کیا حال ہے؟“ اس نے کہا: ”میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔“ تو حضرت عمر نے کہا: ”میں ہی چاہتا تھا۔“

سلف ایک دوسرے سے حال پوچھا کرتے تھے اور مقصد ان کا اللہ کا شکر کرنا ہوتا تھا۔ شکر گزار بھی بطبع

ہے اور اس کا اظہار کرنے والا بھی بطبع ہے۔

حضرت ابو عبد الرحمن حبیبی نے کہا جب کوئی آدمی کسی کو سلام کہتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کیا حال ہے؟ اور دوسرا سے جواب دیتا ہے۔ میں تیرے سامنے اللہ کی شکر گزاری کرتا ہوں۔ تو بائیں طرف والا فرشتہ دائیں طرف ملے سے کہتا ہے: تو اس کو کس طرح لکھے گا؟ وہ کہتا ہے: میں اس کو حمد کرنے والوں میں لکھوں گا۔

ابو عبد اللہ سے جب پوچھا جاتا: تمہارا کیا حال ہے؟ تو وہ کہتے: میں تیرے سامنے اور اللہ کی ساری مخلوق کے سامنے اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔

## شکر کے محرکات

معلوم ہونا چاہیے کہ شکر کا ادا کرنا اور ناشکری کو چھوڑنا اللہ کی پسندیدہ چیزوں کی معرفت کے بغیر پورا نہیں ہوتا کیونکہ شکر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی پسندیدہ چیزوں میں استعمال کیا جائے اور ناشکری کا مطلب اس کے خلاف ہے کہ یا تو بالکل استعمال نہ کیا جائے یا ناپسندیدہ جگہوں میں استعمال نہ کیا جائے۔

اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں کا ادراک کرنے والی دو چیزیں ہیں:

ایک کان اور دوسری دل کی بصیرت اور وہ ہے عزت کی نگاہ سے کسی چیز کو دیکھنا اور یہ چیز بہت ہی مشکل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا اور ان کے ذریعے لوگوں پر دین کا راستہ آسان کر دیا۔

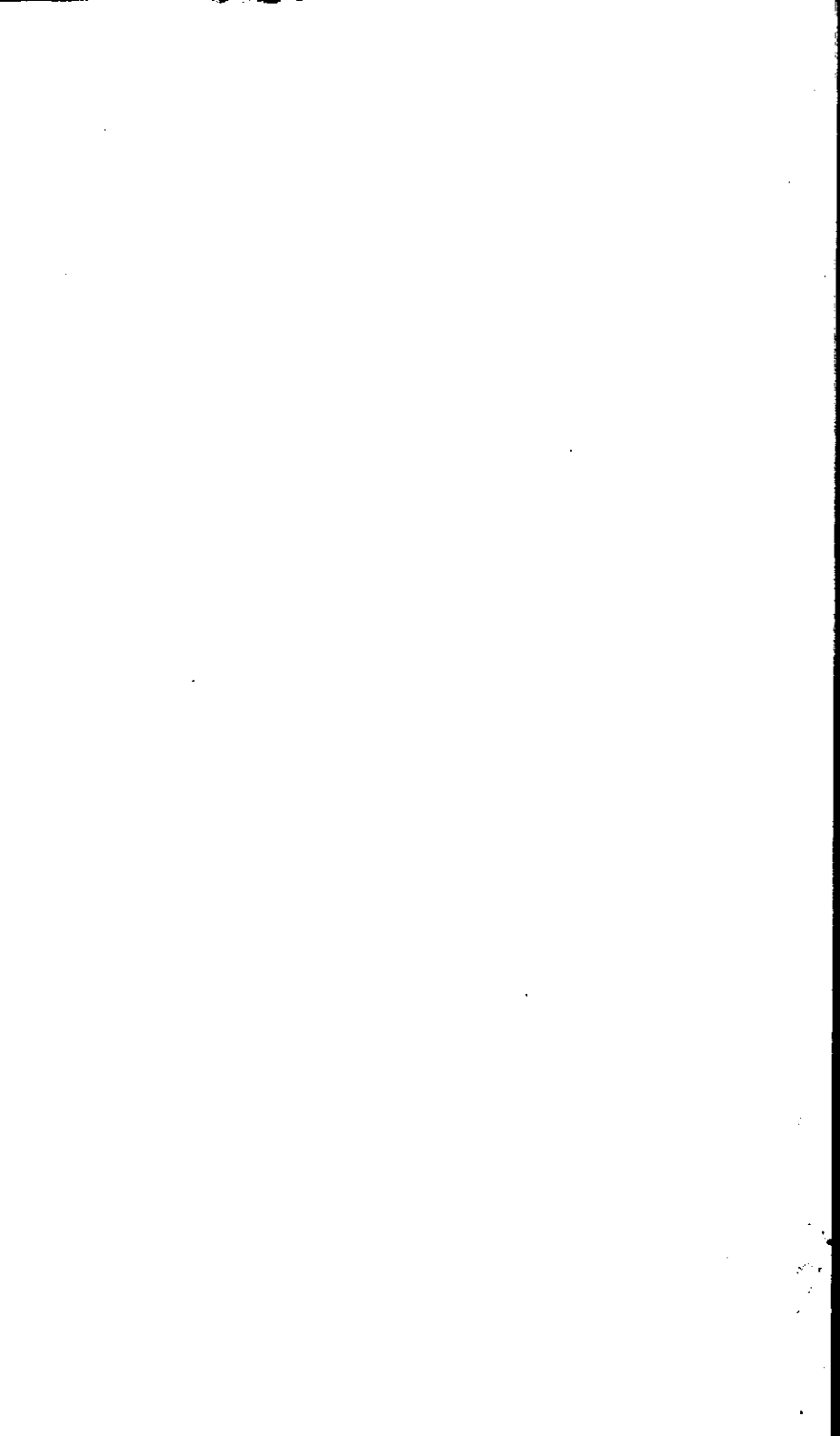
اس کی معرفت بندوں کے افعال سے متعلق ہے اور وہ شریعت کے تمام احکام کی معرفت ہے۔ جو آدمی اپنے تمام افعال میں شریعت کے حکم پر مطلع نہیں ہے، اس کے لیے شکر کا حق ادا کرنا ناممکن ہے۔

دوسری چیز عزت کی نگاہ سے دیکھنا ہے اور وہ ہے اللہ کی تمام مخلوق میں اللہ کی حکمت کا ادراک کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو چیز بھی پیدا کی ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہے اور حکمت کے تحت ایک مقصود ہے اور یہ مقصود ہی محبوب ہے۔ اس حکمت کی دو قسمیں ہیں جلی اور خفی۔

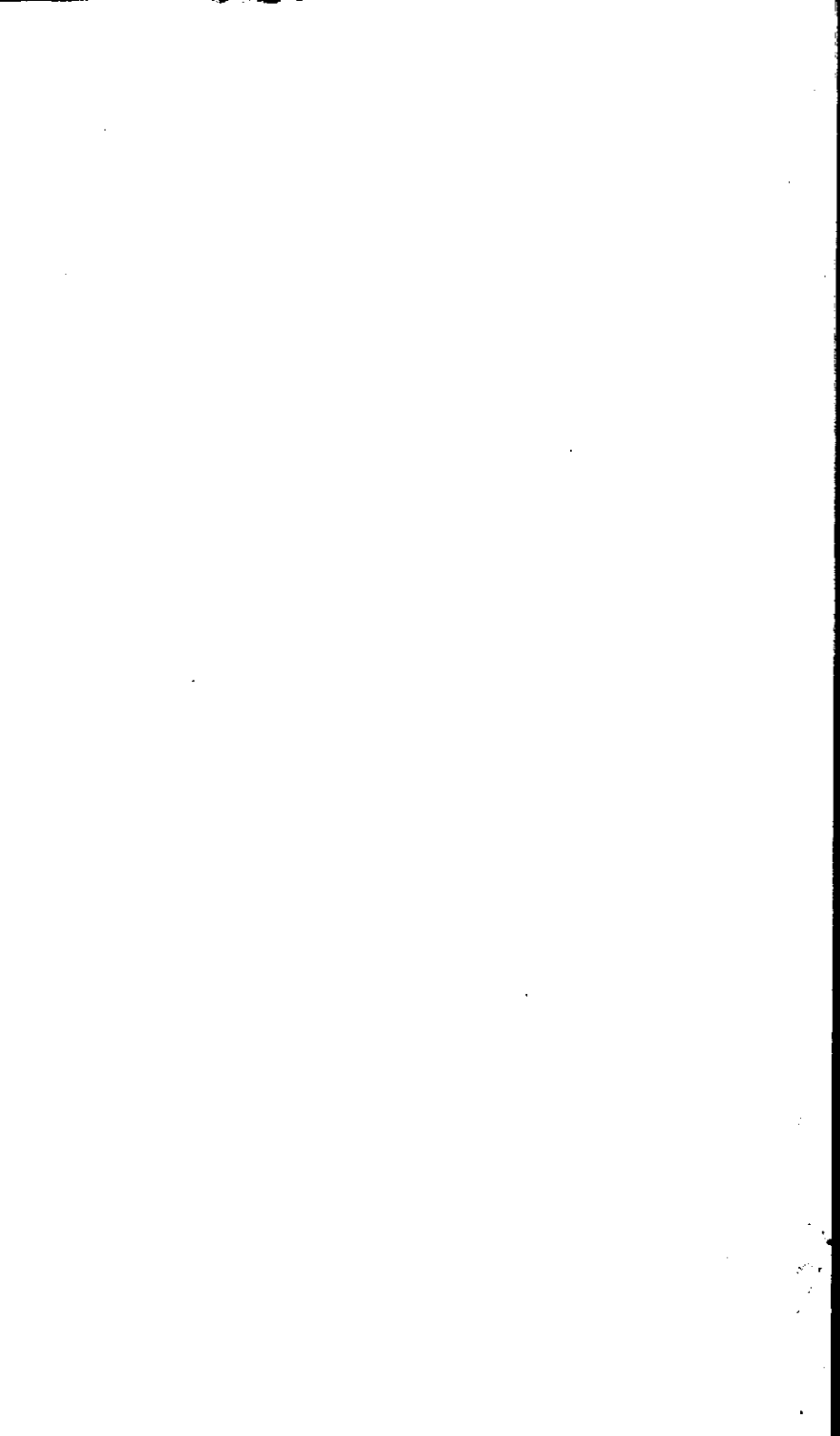
حکمت جلی: جیسے یہ علم کہ سورج کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ دن اور رات حاصل ہوں اور دن کمانی کے لیے ہے اور رات آرام کے لیے۔ سورج چڑھا ہوا ہو تو نقل و حرکت آسان ہوتی ہے اور چھپ جانے پر سکون و آرام۔ نیز یہ جاننا کہ سورج کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے نہ کہ صرف یہی ایک حکمت ہے۔ اسی طرح بادلوں اور بارش برسنے میں حکمت کا ادراک ہے۔

تاروں کے پیدا کرنے کی حکمت مخفی ہے۔ اس کو سب لوگ نہیں جانتے۔ ہاں بعض حکمتوں پر لوگ مطلع ہو جاتے ہیں، جیسے ان کا آسمان کی زینت ہونا۔

کائنات کے تمام اجزاء، ایمان تک کہ ایک ذرہ بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اسی طرح جاندار چیزوں کے







چونکہ اکثر لوگ صحیفہ کائنات پر خطِ الہی سے لکھی ہوئی سطروں کو پڑھنے سے قاصر ہیں۔ دہریہ کہ ان کا ادراک آنکھوں کی بصارت سے نہیں، بلکہ بصیرت کی نگاہ سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اپنے کلام سے خبر دی، جس کو لوگوں نے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الَّذِينَ يَكْفُرُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَفْعَلُونَ مَا فِي سَيْدِي سَلَى اللَّهُ قَبَشِوْهُمْ يَحْدَابِ الْعِجْمِ (وہ جو سونے چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی تیز سزا دو۔)

جس آدمی نے سونے چاندی کے برتن بنالئے اس نے بھی اللہ کی نعمت کا کفران کیا، کیونکہ یہ تو جمع کرنے والے سے بھی زیادہ بری حالت میں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی آدمی شہر کے مالک کو کپڑا اپنے لئے درجھاڑو دینے میں یا ان کا مول میں لگا دے جو ادنیٰ لوگ کرتے ہیں۔ ہر شخص سچے سچا ہے کہ تانبے، پتیل اور مٹی کے برتن، سونے چاندی کے برتنوں کی جگہ بخوبی کام دے سکتے ہیں، لیکن مٹی، تانبا، پتیل سونے چاندی کی جگہ کام نہیں آسکتی۔ مٹی اور تانبے کی جگہ سونا چاندی استعمال کرنا سراسر اصرافِ بیجا ہے۔ ارشاد ہوا:

”جس نے سونے اور چاندی کے برتن میں پیادہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ اٹھ لیتا ہے۔“

یہی حال اس کا ہے جو درہم اور دینار سے سودی کاروبار کرے کیونکہ اس نے بھی ان کے مقصود سے ان کو باہر کر دیا۔

یہیں مناسب ہے کہ کفرانِ نعمت اور شکرِ نعمت کا اعتبار تمام امور میں اسی مثال سے سمجھ لیا جائے، حرکت، سکون، بولنا اور خاموش رہنا۔ غرض کہ اپنے ہر کام میں شکر اور ناشکری کا خیال رکھے۔ ان میں سے بعض ناشکری کی قسمیں مکروہ ہیں اور بعض شکر گزارسی کی۔

اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو دو دو ہاتھ عنایت کیے ہیں، لیکن ایک دوسرے سے زیادہ طاقتور ہے اور زیادہ طاقت کی وجہ سے اس کو بزرگی ملی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس نے تجھے لاکھ دیے ہیں اس نے تجھے کچھ کاموں کا محتاج بھی کیا ہے۔ پھر بعض کام شریف ہیں جیسے قرآن مجید کا پکڑنا اور بعض ادنیٰ جیسے کہ نجاست کا صاف کرنا۔ پھر اگر تو بائیں ہاتھ سے قرآن پکڑے اور دائیں سے نجاست صاف

کرے تو تو نے مقصود کے خلاف کیا۔ شریفیت سے رذیل کا کام لے کر تو نے گویا ظلم کیا۔  
 اسی طرح پاؤں ہیں۔ اگر تو نے پہلے بائیں پاؤں پر مزہ پہنا تو دائیں پر ظلم کیا۔ کیونکہ مزہ پاؤں کی نفلت  
 ہے اور دایاں پاؤں، بائیں پر فضیلت رکھتا ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ اسے اولیت کا شرف دیا جائے۔  
 اسی سے دیگر امور کا تیسرا کرنا چاہیے۔

ہم کہتے ہیں کہ جس نے بغیر کسی صحیح ضرورت کے دخت کی ٹہنی کو توڑا تو اس نے درختوں کی پیدائش کی مہکت  
 کے خلاف کیا کیونکہ ان کو فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یاں صحیح غرض سے توڑا ہے تو کوئی حرج نہیں۔  
 اگر ایسا ہی دوسرے کی ملکیت میں کرے تو وہ بھی ظالم ہے اگرچہ وہ محتاج ہو مگر یہ کہ مالک اسے  
 اجازت دے دے۔

## فصل دوم

## نعمتیں، ان کی حقیقت اور اقسام

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مطلوب کو نعمت کہا جاتا ہے، لیکن حقیقی نعمت آخرت کی کامیابی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری چیزوں کو مجازی طور پر نعمت کہا جائے گا۔ ہماری طرف نسبت کے لحاظ سے یہ تمام امور چار قسم کے ہیں :-

پہلا وہ ہو دنیا اور آخرت دونوں میں مفید ہے، جیسے علم اور حسنِ خلق۔ اور یہ حقیقی نعمت ہے۔ دوسرا وہ جو دنیا و آخرت دونوں میں مضر ہے اور یہ حقیقت میں مصیبت ہے۔

تیسرا وہ جو فی الحال نافع ہے، لیکن اس کا انجام مضر ہے، جیسے لذات کا حاصل کرنا اور خواہشات کی پیروی کرنا۔ یہ عقلمندوں کے نزدیک تو مصیبت ہے، لیکن جاہل اس نعمت سمجھتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بھوکے آدے کو زہر ملا ہوا شہد مل جائے، تو اگر وہ جاہل ہے تو اسے نعمت سمجھے گا۔

چوتھا وہ جو فی الحال مضر ہے، لیکن انجام کے لحاظ سے مفید۔ یہ عقلمندوں کے نزدیک نعمت اور جاہلوں کے نزدیک مصیبت ہے۔ اس کی مثال بد مزہ دوا ہے جو بیماری کو شفا دینے والی ہو۔ جاہل کہ جب اُس کے پینے پر مجبور کیا جائے گا تو وہ اسے مصیبت سمجھے گا اور عقلمند اسے نعمت جانے گا۔ اسی طرح جب کوئی بچہ سیدھا لگوانے کا محتاج ہو، تو اس یات سے آگاہ باپ اس کو اس کے لیے بلائے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا بچہ شفا ہے اور ناواقف ماں اپنی محبت اور شفقت کی وجہ سے اسے میخ کرے گی اور بچہ اپنی جہالت کی وجہ سے ماں کا کہا مانے گا اور باپ کو دشمن سمجھے گا۔ اگر اسے عقل ہو تو ایسا نہ کرے۔ اسی لیے کہا گیا ہے جاہل دوسرا عقلمند دشمن سے بڑا ہے اور ہر انسان اپنے نفس کا دوست ہے، لیکن نفس، جاہل دوست ہے۔ یہ ایسے کاہ جاتا ہے جو دشمن بھی نہیں کر سکتا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ نعمتیں دو طرح کی ہیں: ایک وہ جو مقصود بالذات ہیں اور ایک وہ جو مقصود کے اسباب و ذرائع ہیں۔ مقصود آخرت کی سعادت ہے اور اس کا حاصل یہ چار امور ہیں:

ایسی بقیہ جس کو فنا نہیں۔ خوشی جس میں غم نہیں۔ علم جس کے ساتھ جہالت نہیں اور عینا جس کے بعد فقری نہیں۔

دوسری قسم سعادت کے اسباب و وسائل ہیں اور یہ بھی چار ہیں:

فضائلِ نفس جیسے ایمان اور حُسنِ خلقی۔

فضائلِ بدن جیسے قوت اور صحت وغیرہ۔

بدن کے محافظ، جیسے مال و جاہ و اولاد وغیرہ۔

وہ اسباب جو فضائل کے مناسب ہیں، جیسے ہدایت۔ ارشادِ سیدھا چلنا اور تائید وغیرہ۔

اگر کہا یہ جائے کہ آخرت کی راہ میں ان خارجی نعمتوں، مال و جاہ وغیرہ کی کیا ضرورت ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ

یہ چیزیں جائز دست و بازو اور مقصود کے لیے استعمال ہونے والے آلات ہیں۔ مثلاً مال کہ جب طالب علم کے پاس

بقدر کفایت مال نہ ہوگا تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے بغیر مہتاب کے جنگ کرنے والا اور اس لیے بھی کہ اس کے

اکثر اوقات روزی تلاش کرنے میں مرف ہوجائیں گے اور وہ علم اور ذکر و فکر کے حصول سے عاجز رہ جائے گا۔

یہی معاملہ جاہ و منزلت کا ہے۔ اس سے انسان اپنے نفس سے ذلت اور ظلم کو دور کرتا ہے۔ دشمن

ہمیشہ تکلیف دیتے اور ظالم حملہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مجبوراً محض اور بے نوا ہوگا تو اس کے دشمن اسے زیر کر لیں گے۔

اور اس کے دل کو رنج و غم میں مبتلا کر دیں گے۔ ایسے فساد عزت اور جاہ ہی سے دور ہو سکتے ہیں۔

رہی بات صحت اور قوت اور طبی عمر وغیرہ کی تو یہ بھی نعمتیں ہیں کیونکہ علم اور عمل انہی سے پورا ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ نقصان اٹھاتے ہیں۔ صحت اور فراغت۔

اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ بہترین آدمی کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جس کی عمر لمبی اور عمل اچھے ہوں۔

مال و جاہ اگرچہ دونوں نعمتیں ہیں اور ہم نے پہلے ان کی آفات بھی بیان کر دی ہیں، لیکن یہ دونوں چیزیں مطلقاً

بری نہیں ہیں۔

ہدایت، رشد، تسدید (سیدھا رہنا) اور تائید وغیرہ کے بڑی نعمتیں ہونے میں تو کسی کو شبہ ہی نہیں ہے۔

اور کوئی بھی آدمی ان کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

جب کسی نوجوان کو اللہ کی مدد ملے تو اس کی اپنی ساری کوششیں اس پر اٹ پڑے۔

## فصل سوم

## نعمتوں کے اسباب

معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے بعض نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے اور ہم نے بدن کی صحت کو ایک نعمت قرار دیا ہے جو دوسرے مرتبہ میں واقع ہے۔ اگر ہم ان تمام اسباب کو بیان کرنا چاہیں جن سے کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو ہمیں اس کی طاقت نہیں ہے، لیکن کچھ اسباب ظاہر ہیں۔ مثلاً کھانا صحت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ ہم بطور اشارہ کچھ اسباب کا تذکرہ کرنا چاہیں تو کہیں گے کہ اللہ کے تجرہ پر احسانات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تیرے لیے احساس کے آلے پیدا کیے اور طلب غذا میں حرکت کے لیے آلات بنائے۔ تجھے چاہیے جو اپنی ختمہ کی ترتیب میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر غور کرے۔ مثلاً پہلا حاسہ لمس (چھونا) ہے اور یہ پہلی حس سے جو جاندار چیزوں میں پیدا کی جاتی ہے۔ اور جس کا مکر در میر ہے کہ وہ جسم کے ساتھ لگنے والی چیز کو محسوس کرے۔

دور کی چیزوں کا احساس دلانے کے لیے اللہ نے تیرے اندر سو گھنے کی حس رکھی کہ دور کی چیز کا ادراک بُر سے ہو جائے۔ اس کے علاوہ اس محتاجی کا ازالہ بھی کر دیا کہ بعض اوقات معلوم نہیں ہوتا تو گیس چیز کی ہے۔ یہ جاننے کے لیے اللہ نے تجھے دیکھنے کی قوت عطا فرمائی تاکہ تو دور کی چیزوں کا ادراک کر کے اور اس کی جہت بھی معلوم کرے اور اس سے بھی آگے یہ دشواری بھی دور کر دی کہ جو چیز دلیا کر کے پیچھے ہے اس کا صحیح حال معلوم نہیں ہوتا۔ بعض اوقات دشمن ادب میں ہو کر تیرا قصد کرتا ہے، تو اللہ نے تیرے لیے کان بنائے کہ تو دلیا کر کے پیچھے آواز کا سن سکے اور پھر یہ بھی کافی نہ ہوتا اگر تجھ میں حس ذوق نہ ہوتی کیونکہ اسی سے تو تو اپنے موافق اور اپنی مضر چیزوں کا ادراک کرتا ہے۔ درخت کی مثال تیرے سامنے ہے کہ اس کی جڑوں میں جو بھی بننے والی چیز ڈال دی جاتی ہے وہ اسے جذب کر لیتا ہے۔ یہ اندازہ نہیں کر سکتا کہ کونسی چیز اسے سکھا دینے والی اور کونسی شاداب کرنے والی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تجھے ایک اور صفت سے نوازا ہے جو رب سے اعلیٰ ہے اور وہ ہے عقل اس کے ساتھ تو کھانوں اور ان کے منافع اور انجام کو معلوم کرتا ہے اور اسی سے تو کھانوں کے کپکنے اور ان کے اجزاء اور ان کے اسباب کی تیاری کرتا، اور اس کھانے سے نفع اٹھاتا ہے جو تیری صحت کا سبب ہو، یہ عقل کا ادنیٰ فائدہ

ہے اور سب سے بڑی حکمت اس میں اللہ کی معرفت ہے۔

ہم نے حواسِ خمسہ ظاہری کے بارے میں بس چند باتیں ہی لکھی ہیں تفصیل سے بیان کرنا یہاں ممکن نہیں۔ اس کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ مثلاً دیکھنا حواس میں سے ایک ہے۔ آنکھ اس کا اکر ہے اور آنکھ دس مختلف طبقات سے مرکب ہے۔ بعض رطوبتیں ہیں بعض مختلف پردے ہیں اور دس طبقات میں سے ہر ایک کی ایک الگ صفت، صورت، شکل، ہیئت، تدبیر اور ترکیب ہے۔ اگر ایک طبقہ بھی ان میں سے بگڑ جائے تو بصارت زائل ہو جائیگی۔ سننے کی حس اور دوسرے حواس کو بھی اس پر قیاس کر لو۔ ان کی پوری تفصیل تو کئی جلدوں میں بھی نہیں آسکتی۔ اس کے بعد ارادہ، قدرت اور آلاتِ حرکت کی پیدائش میں طرح طرح کی نعمتوں کا اندازہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی انسان کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھ تو سکتا ہو لیکن اُس کے دل میں انھیں نوشی جان کر نسی کی رغبت پیدا نہ ہوتی اُس کا یہ دیکھنا بے کار ہے۔ کتنے ہی مریض ہیں جو کھانے کو دیکھتے ہیں اور وہ اُن کے لیے مفید بھی ہوتے ہیں، لیکن وہ کھا نہیں سکتے کیونکہ کھانے کی خواہش نہیں ہوتی تو یہ کتنا بڑا کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے اندر کھانے کی خواہش پیدا کی اور اُسے تجھ پر مسلط کر دیا، گویا کہ وہ غذا کھانے کا تقاضا کر کے تجھے مجبور کر دیتی ہے۔ پھر یہ خواہش ضرورت کے مطابق کھانا کھا لینے کے بعد ساکن نہ ہو جاتی، تو تو بہت زیادہ کھانا اور اپنے نفس کو ہلاک کرتا، تو سیر ہونے کے بعد تجھ میں طمانیت پیدا کر دی کہ تو کھانا چھوڑ دے۔ اور یہی حال جماع کی خواہش کا ہے کہ اس میں تقاضے نسل کی حکمت ہے۔

پھر تیرے لیے اعضا پیدا کیے کہ وہ غذا کھانے میں مدد دینے والے آلات ہیں۔ ان میں سے وہ ہاتھ ہیں جو بہت سے بوڑوں پر مشتمل ہیں تاکہ مختلف جہات میں حرکت کریں اور طبع ہوں اور لپیٹ لیے جائیں۔ وہ لکڑی کی طرح گاڑے ہوئے نہیں ہیں۔ کندھا ہے، انگلیاں ہیں جن کو مختلف بنا یا۔ کوئی چھوٹی کوئی بڑی۔ اور ان کو دوصفوں میں رکھا۔ اس طرح کہ انگوٹھا دوسری جانب میں ہے جو ساری انگلیوں پر پھرتا ہے۔ اگر یہ اکٹھی اور تہہ تہہ ہوتیں تو پورا متعدد حاصل نہ ہوتا۔ اور پھر ان میں ناخن پیدا کیے اور انگلیوں کے سروں کی آپس سے ٹیک لگائی تاکہ طاقت حاصل کریں اور پھر ان سے ہر ایک سے ہر ایک چیزیں پکڑ سکتے ہیں۔

دیگر نعمتوں کا حال بھی یہی ہے۔ فرض کرو ہاتھ سے کھانا پکڑ لینا تو یہ کافی نہیں ہے۔ اللہ نے اپنی حکمت سے منہ اور دوہڑے بنائے۔ ان میں دانت رکھے اور دانتوں کو کھانے کی ضرورت کے مطابق تقسیم کیا۔ بعض کھانے کو کاٹنے والے ہیں جیسے سامنے کے دانت رباتی اور بعض سمت چیزیں توڑنے کے لیے ہیں جیسے

انیاب (ٹوکیلے دانت) اور بعض پیتے والے ہیں جیسے داڑھیں اور نیچے کے جھڑے کو حرکت دے کر وہ حرکت کرنا۔  
کیا جبکہ اوپر کا جھڑا ایک جگہ پر ثابت رہتا ہے وہ حرکت نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت دیکھو کہ مخلوق کی بنائی ہوئی چمکی کا نیچے کا پتھر ساکن رہتا ہے اور اوپر کا متحرک ہوتا ہے، لیکن جو چمکی اللہ نے بنائی ہے اس کا نیچے کا پاٹ اوپر کے پاٹ پر چلتا ہے۔ اگر اوپر کا پاٹ چلتا تو ان اعضاے شریفہ کو خطرہ تھا جو منہ کے اندر تھے۔

پھر دیکھو اللہ نے زبان دے کر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ وہ منہ کے اطراف میں پھرتی ہے اور ضرورت کے مطابق کھانے کو منہ کے وسط سے دانتوں کی طرف پھیرتی ہے جیسے سیلے کو غلہ کو چمکی کی طرف دھکیلتا ہے اور اس کے بعد اس میں بولنے کی قوت بھی ہے۔

فرض کیا کھانے کو کاٹ لیا، پیس لیا، لیکن وہ خشک ہے، اس کو نکل نہیں سکتے جب تک کہ ایک طرح کی رطوبت پھسلا کر حلق میں نہ لے جائے۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے زبان کے نیچے ایک چشمہ بنایا ہے جس سے لعاب بہتا ہے اور ضرورت کے مطابق کھانے میں شامل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ کھانا گوندھا جاتا ہے۔

پھر اس گوندھے ہوئے نرم کھانے کو منہ سے معدے تک کون لے جاتا ہے؛ کیونکہ اس کو ہاتھ سے تو منہ تک پہنچانا ناممکن ہے، تو اللہ تعالیٰ نے کوٹے اور زرخہ کو تیار کیا اور اس کے سر کے کٹی حصے بنا لئے۔ یہ کھانا لینے کے لیے کھل جاتا ہے، پھر بند ہو جاتا ہے اور نکلتا ہے، یہاں تک کہ کھانا اندر پھینکا جاتا ہے۔

اولاً روٹی اور پھل کے ٹکڑے ہوتے ہیں وہ اس کیفیت میں گوشت، ہڈی یا خون بننے کے لیے پکانے سے پہلے وہ چار اعضا سے اس کو پہنچتی ہے۔ دائیں جانب سے جگر، بائیں جانب سے تلی، آگے کی جانب سے انتڑوں اور اوچھری کی چربی اور پھلی جانب سے پیٹھ کا گوشت۔ پھر کھانا پکتا ہے اور سالیک جان بن جاتا ہے جو رگوں کے جوف میں نفوذ کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پھر وہ کھانا معدے سے جگر کی طرف چلا جاتا ہے اور اسے پکائے جانے کا عمل ایک بار پھر دہرایا جاتا ہے۔ اب وہ اعضا میں منتشر ہو جاتا ہے اور اس کا نقل (فصلہ) باقی رہ جاتا ہے جو باہر نکل جاتا ہے۔

اعصاب کے نظام پر نظر ڈالیں، تو معلوم ہوگا آدمی کے اندر بے شمار سپٹھے اور رگیں ہیں اور ہر ایک میں



حکمتِ خداوندی ہے۔ اگر کوئی متحرک رگ ٹھہر جائے یا کوئی ٹھہرنے والی پھڑکنے لگے، تو انسان ہلاک ہو جائے۔  
غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اپنے اوپر دیکھو تاکہ تمہیں شکر کی قوت حاصل ہو۔ تم اللہ کی نعمتوں میں سے صرف  
کھانے کی نعمت کو جانتے ہو سب سے معمولی ہے اور اس سے بھی تو صرف اتنا ہی کہ بھوک لگتی ہے تو کھانا یا داتا  
ہے۔ اتنا تو جانو بھی جانتا ہے کہ وہ بھوکا ہوتا ہے تو کھاتا ہے۔ ٹھکتا ہے تو سوتا ہے اور شہوت آتی ہے  
تو جماع کرتا ہے۔

اور جب کوئی اپنے نفس سے وہی کچھ جانے جو ایک گدھا بھی جانتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے  
ادا کر سکے گا۔

اور یہ جو ہم نے مختصر سا اشارہ کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے۔  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا (اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے  
لگو تو گن نہ سکو)

## فصل چہارم

## وسائلِ حیات

معلوم ہونا چاہیے کہ کھانے مختلف ہیں، بہت ہیں۔ ان کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار عجائبات ہیں اور وہ منقسم ہیں: غذا، دوا اور خواہات وغیرہ۔

ان میں سے ہم بعض غذاؤں پر گفتگو کرتے ہیں اور توجہ دلاتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس کچھ گندم ہو تو وہ اسے کھالے گا اور وہ ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد وہ بھوکا رہ جائے گا، لہذا یہ بات ضروری ٹھہرتی ہے کہ دافر مقدار میں گندم فراہم کی جائے اور اسے برقرار رکھنے کی کوشش جاری رہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کا معتبر ذریعہ کاشت کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم زمین میں بیج ڈال دو جس میں پانی ہو۔ پانی مٹی میں مقابہ ہے تو کچھ بڑھتا ہے۔ پھر یہ پانی اور مٹی کافی نہیں، کیونکہ اگر تم گیلی سخت زمین میں بیج ڈال دو گے تو وہ تشو و نما نہ پائے گا۔ کیونکہ ہوا نہیں ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ دانہ ایسی نرم زمین میں ڈالا جائے جس کے اندر ہوا داخل ہو سکے۔ پھر ہوا بذاتِ خود حرکت نہیں کرتی بلکہ ایسے اثرات کی محتاج ہے جو اسے حرکت دیں اور زور سے اس کو زمین پر پھریں، یہاں تک کہ زمین کے اندر داخل ہو جائے۔ پھر یہ سب چیزیں بھی بے کار ہیں جب تک بیج کی قسم اور خواص کے مطابق موسم کی حرارت میسر نہ ہو۔

پھر پانی کی طرف غور کرنا چاہیے جس کی زراعت محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسے پیدا کیا ہے؟ چشمے جاری کیے۔ ان سے دریا اور نہریں چلائیں اور چونکہ بعض زمینیں بلند تھیں جہاں پانی نہیں پہنچ سکتا تھا، تو وہاں بادل بھیج دیے اور ہواؤں کو ان کی سواری بنایا کہ دنیا کے مختلف اطراف تک کھینچ کر لے جائیں اور پیاسی زمین کو سیراب کریں۔

پھر دیکھو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو کیسے پانی کا محافظ بنایا ہے! ان سے آہستہ آہستہ چشمے پھوٹتے ہیں۔ اگر ایک ہی دفعہ پانی نکل آئے تو شہر غرق اور کھیتیاں تباہ ہو جائیں۔

پھر غور کرو سورج کو زمین سے دُور اُستوار کر کے کس طرح اس کو کام میں لگا دیا ہے۔ وہ کبھی وقت زمین کو

گرم کرنا ہے اور کئی وقت نہیں کرنا، کہ ضرورت کے وقت ٹھنڈک حاصل ہو اور ضرورت کے وقت گرمی۔  
اللہ ہی نے چاند کو پیدا کیا اور اس میں رطوبت پہنچانے کی خاصیت رکھی جیسے کہ سورج میں گرمی کی خاصیت ہے۔ اس سے عظیم و خیر اللہ کی حکمت کے مطابق پھیل چکے ہیں۔

اسی طرح جو بھی ستارہ آسمان میں پیدا کیا گیا ہے وہ کسی نہ کسی نامکے کے لیے سخر ہے جیسا کہ سورج اور چاند ہیں اور ہر ایک میں اتنی حکمتیں ہیں کہ کوئی انسان ان کو شمار نہیں کر سکتا اور چونکہ ہر مقام میں ہر طرح کی اجناس پیدا نہیں ہوتیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تاجروں کو مقرر فرمایا اور ان پر مال جمع کرنے کی حرم کو مسلط کیا۔ اگرچہ اپنی کوششوں میں وہ نقصان بھی اٹھاتے ہیں۔ ان کی کشتیاں دریاؤں، سمندر میں غرق ہو جاتی ہیں۔ بڑا کوٹ کر لے جاتے ہیں یا کسی غیر علاقے میں وہ مر جاتے ہیں اور ان کا مال و مال کے حاکم ہتھیالیتے ہیں، لیکن وہ اپنی جدوجہد ترک نہیں کرتے، تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسے آمید اور غفلت کو مسلط کر دیا ہے، یہاں تک کہ منافع کی امید میں کتنی سختیاں برداشت کرتے ہیں۔ سمندر کا سفر کرتے ہیں، خطرناک راہوں پر چلتے ہیں، تو وہ کھانے اور ضرورت کی چیزیں مشرق اور مغرب کے کناروں سے کھینچ کر لوگوں کے پاس لاتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مخلوق نعمت کے شکر میں کوتاہی صرف جہالت اور غفلت کی وجہ سے کرتی ہے۔ نعمت کا شکر دراصل اس کی معرفت حاصل ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ کم علم لوگ اگر وہ کسی نعمت کو جان بھی لیں تو خیرا کرتے ہیں کہ اس کا شکر صرف اتنا ہی ہے کہ کوئی اپنی زبان سے کہہ دے الحمد للہ والستکر للہ (اللہ کا شکر ہے) وہ یہ نہیں سمجھتے کہ شکر کا مطلب یہ ہے کہ اس نعمت کو اس حکمت کی تکمیل میں استعمال کیا جائے جو اس سے مطلوب ہے اور یہی اللہ کی اطاعت ہے۔

## نعمت سے غفلت کے کچھ اسباب

ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اس چیز کو نعمت نہیں سمجھتے جو عام لوگوں کو تمام حالات میں میسر ہو؛ چنانچہ اسی لیے ان نعمتوں پر شکر نہیں کرتے۔ تم دیکھو گے کہ ہوا کے چلنے پر کوئی شکر نہیں کرتا، حالانکہ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر ذرا دیر کے لیے بھی بند ہو جائے تو وہ مر جائیں۔

اگر انھیں حمام یا کتوں میں قید کر دیا جائے تو ہم سے بلکان ہو جائیں۔ پھر اگر کوئی ان مصائب سے نجات پائے تو اس کو ایک بڑی نعمت سمجھے گا اور اس پر اللہ کا شکر کرنے لگا۔ یقیناً یہ انتہائی جہالت کی بات ہے

کہ ان کا شکر اس پر موقوف ہو کہ ان سے یہ نعمت پھینک لی جائے اور اس کے واپس ملنے پر وہ اللہ کا شکر ادا کریں۔  
نعمت تو ہر حال میں شکر کی مستحق ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ آنکھوں والا آنکھوں کا شکر ادا نہیں کرتا مگر جب اندھا ہو جائے  
اور اس کی نظر ٹوٹا لی جائے تو اسے نعمت سمجھے اور اس کا شکر ادا کرے۔

یہ تو اس نامستقول غلام کی سی روش ہے جسے ہمیشہ مار پڑتی ہو اور جب ایک گھڑی مار نہ پڑے تو شکریے  
اور اسے نعمت سمجھے۔ اور اگر اسے بالکل نہ مارا جائے تو اس میں غرور پیدا ہو جائے اور شکر کرنا چھوڑ دے۔  
اب لوگ کچھ ایسے ہر پیکے ہیں کہ صرف مال کو نعمت سمجھ کر شکر کرتے ہیں۔ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی باقی نعمتوں  
کو بھول جاتے ہیں۔

بیان کیا گیا ہے کہ کسی آدمی نے ایک اہل بعیرت کے سامنے اپنی تنگ دستی کا شکوہ کیا تو اس نے کہا: کیا  
تجھے پسند ہے کہ تو اندھا ہو جائے اور تجھے دس ہزار درہم مل جائیں؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر کہا کیا تجھے پسند ہے  
کہ تو گولنگا ہو جائے اور تجھے دس ہزار درہم مل جائیں؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر کہا کیا تجھے پسند ہے کہ تجھے بیس ہزار  
درہم مل جائیں اور تیرے ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے ہوں؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر کہا کیا تجھے پسند ہے کہ تجھے دس  
ہزار درہم مل جائیں اور تو دیوانہ ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ تو اس نے کہا کیا تو شرم نہیں کرتا کہ اپنے مولا کا شکوہ  
کرتا ہے اور تیرے پاس اس کا پیاسا ہزار درہم کے برابر مال ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص تنگ دستی کے باعث پریشان ہو گیا تو اس نے خواب دیکھا ایک آدمی نے  
کہا کیا تو پسند کرتا ہے کہ تم تجھے ایک ہزار دینار دے دیں اور سورۃ انعام تجھ کو بھلا دیں؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر کہا  
سورۃ ہود؟ کہا نہیں۔ پھر کہا سورۃ یوسف؟ کہا نہیں۔ تو اس نے کہا تیرے پاس ایک لاکھ دینار کی رقم ہے اور  
پھر بھی تو شکوہ کرتا ہے؟ بیدار ہوا تو اس کا نام دور ہو چکا تھا۔

ابن مساک، ہارون الرشید کو نصیحت کرنے کے لیے گیا تو پانی کا ایک پیالہ منگایا اور کہا: اے امیر المؤمنین!  
اگر کسی وجہ سے آپ کو پانی نہ ملے اور آپ کے سارے جاہ و چشم کے بدلے ایک پیالہ پانی دینے کو کہا جائے  
تو آپ یہ سودا کر لیں گے؟ کہا ہاں۔ تو کہا اللہ بکرت دے میرا ہر حرفت میں پی لیجیے۔ جب ہارون نے پی لیا تو  
کہا ہاں اے امیر المؤمنین! اگر کسی بیماری کی وجہ سے یہ پانی آپ کے پیٹ میں ہی مرگ جائے، یعنی پیشاب بند ہو جائے  
اور کہا جائے کہ جو کچھ آپ کے پاس ہے سب دے دیں تو اس بیماری سے نجات مل سکتی ہے، تو کیا آپ یہ معاملہ  
بھی کر لیں گے؟ ہارون نے کہا۔ ہاں میں یہ بات منظور کروں گا۔ ابن مساک نے کہا۔ آپ نے جان لیا کہ ایک پیالہ

پانی کے مفاہیم آپ کی سلطنت کی حیثیت کی ہے۔

کوئی شخص غور کرے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بہت سی نعمتیں ایسی دی ہیں جن میں عام لوگ شریک نہیں، ان میں سے ایک عقل ہے۔ تمام انسان اپنی عقل کے متعلق اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں اور ہر شخص اپنے آپ کو سب سے عقلمند آدمی سمجھتا ہے۔ کوئی کم ہی اللہ تعالیٰ سے عقل کا سوال کرتا ہے اور جب یہ عقیدہ ہے تو واجب ہے کہ اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرے۔

ایک ان میں سے خلق ہے۔ عام روش یہ ہے کہ انسان دوسروں کے عیوب بیان کر کے ان کی ذمت کرتا ہے اور اپنے آپ کو ان خطاؤں سے بری سمجھتا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہو تو چاہیے کہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس کے خالق اچھے بنائے اور دوسروں کی طرح بد خلقی میں مبتلا نہ کیا۔

ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر آدمی اپنے نفس کے باطنی امور کو جانتا ہے اور ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا شکر ہو جائیں تو انسان ذلیل ہو جائے اور جب یہ حال ہے تو وہ اللہ کا شکر کیوں نہیں ادا کرتا جس نے اس کی برائیوں کو ڈھانپ رکھا ہے اور خوبیوں کو ظاہر کیا ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل صورت، اخلاق و صفات، بری بچوں، مکان و شہر، ساتھیوں اور قریبیوں۔ جاہ و منزلت اور تمام محبوب اشیاء میں کچھ ایسی چیزیں عطا کی ہیں کہ اگر وہ اس سے پھین ل جائیں اور دوسروں کو دے دی جائیں تو وہ اس پر رضا مند نہ ہو۔ مثلاً اسے مومن بنایا یا کافر نہ بنایا۔ زندہ بنایا۔ سجاد نہیں بنایا۔ انسان بنایا یا جانور نہ بنایا۔ مرد بنایا یا عورت نہ بنایا۔ تندرست بنایا یا بیمار نہ بنایا۔ صحیح سالم بنایا یا عیب دار نہ بنایا۔ یہ سب چیزیں ایسی خصوصیات ہیں جن کے لیے شکر واجب ہے۔

اگر انسان اپنے حال کو دوسرے کے حال سے بدلتا پسند نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی اس پر یہ ایسی نعمت ہے جو کسی اور پر نہیں۔ اور اگر وہ اپنے حال کو کسی کے حال سے بدلتا چاہتا ہے اور کسی کے حال سے بدلتا نہیں، تو اس کی نگاہ میں جو اچھے ہیں ان کی تعداد پر غور کرے۔ لازماً وہ دوسروں کی نسبت کم ہوں گے۔ یہ الفاظ دیگر جو اس کے حال سے نیچے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگی بہ نسبت اوپر والوں کے۔ تو کیا بات ہے کہ وہ اپنے سے اوپر والوں کو دیکھتا ہے، نیچے والوں کو نہیں دیکھتا؟

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی تم میں سے کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو اس سے مال اور خلق میں افضل ہو تو چاہیے کہ ان کو بھی دیکھے جو اس سے نیچے

ہوں اھیہ ان سے افضل ہے:

ترمذی نے ہی حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے کہ اپنے سے نیچے والے کو دکھو، اوپر والے کو نہ دیکھو۔ اس سے تم اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر تحقیر نہ سمجھو گے پڑ

جو آدمی اپنے حالات پر غور کرے گا اُسے معلوم ہوگا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے بہت سے انعامات ہیں۔ خصوصاً وہ آدمی جسے ایمان، قرآن و سنت، علم، فراغت اور صحت و امن عطا کیا گیا ہو۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ جس نے قرآن پڑھ لیا وہ غنی ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ قرآن ایسی غذا ہے جس کے بعد فقر نہیں۔ اور اس سے بڑی غذا کوئی نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے ”جس نے اپنے گھر والوں میں امن سے صبح کی اور اس کا بدن بھی تندرست

ہے اور اس کے پاس اس دن کا کھانا بھی ہے، تو گویا ساری دنیا سمٹ کر اس کے پاس آگئی۔“

بعض نے کہا ہے:

”عجب تجھے روزی، صحت اور امن کے ساتھ مل رہی ہے اور پھر بھی تو غمگین ہے، تو تیرا غم اللہ کے کبھی ختم نہ ہو“

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر سے جو دل غافل ہیں ان کا کیا علاج ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بصیرت والے ذہن تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور کر کے ان سے آگاہ ہو جاتے ہیں، لیکن

جو دل رنگ آلود ہیں وہ نعمت کو اس وقت نعمت سمجھتے ہیں جب ان پر مصیبت آتی ہے۔ تو ایسے آدمی کا علاج یہ

ہے کہ اپنے سے نیچے والوں کو دیکھے اور وہ کام کرے جو بعض متقدمین کرتے تھے۔ وہ شفاخانوں میں جا کر طرح

طرح کی بیماریوں کا مشاہدہ کرتے۔ پھر اپنی صحت اور سلامتی پر غور کرتے۔

اسی طرح مجرموں کا مشاہدہ کرتے کہ ان کو تشنگ کیا جاتا ہے اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے ہیں اور ان

کو سزائیں دی جاتی ہیں تو پھر ان سزائوں سے اپنی سلامتی پر خدا کا شکر ادا کرتے۔

وہ قبرستان میں جاتے اور جانتے کہ مردوں کے نزدیک سب سے محبوب چیز یہ ہے کہ وہ پھر دنیا میں لوٹائے

ملہ اور یہ حدیث مسلم ۴۱۲۲۵ میں بھی ہے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور اوپر والے کو

نہ دیکھو یہ بہت لائق ہے کہ تم اللہ کی نعمت کو تحقیر نہ جاؤ گے، ابو معاویہ نے جو کہ اس حدیث کا ایک راوی ہے یہ الفاظ بھی

بیان کیے ہیں اپنے سنا اوپر والے کو نہ دیکھو۔“

جائیں تاکہ گنہگار اپنے گنہوں کا تدارک کر لے اور نیک آدمی اپنی اطاعت میں اضافہ کر لے کیونکہ قیامت کا دن باریت کا دن ہے۔ پھر جب وہ قبروں کا مشاہدہ کرتے اور جانتے کہ اُن کی سب سے زیادہ پیاری چیز یہ ہے تو اس ہمت ملنے کی نعمت پر باقی عمر اللہ تعالیٰ کے شکر اور اطاعت میں گزار دیتے اور نیکو ان کا مولہ میں صرف کرتے جن کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور وہ ہے آخرت کا خوشہ تیار کرنا۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے اُن کو اپنے دل کا علاج اس بات سے کرنا چاہیے کہ وہ جان لیں کہ جب نعمت کا شکر یہ ادا نہ کیا جائے تو وہ نعمت چلی جاتی ہے۔  
حضرت فضیل رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: نعمت پر ہمیشہ شکر ادا کیا کرو، کیونکہ کم ہی کوئی نعمت ہے جو کسی قوم سے چھیننے کے بعد اُن کو دوبارہ مل گئی ہو۔

## فصل پنجم

### صبر اور شکر کس طرح اکٹھے ہو سکتے ہیں؟

شاید تم کہو۔ کہ پہلے تم نے ذکر کیا ہے ہر موجود میں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ مصیبت کا کوئی وجود ہی نہیں ہے تو پھر صبر کا کیا مطلب ہے؟ اور اگر مصیبت موجود ہے تو شکر کا کیا مطلب ہے؟ صبر اور شکر کیسے اکٹھے ہو سکتے ہیں؟ صبر تو تکلیف کی وجہ سے ہوتا ہے اور شکر خوشی کی وجہ سے۔ اور یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، تو معلوم ہونا چاہیے کہ مصیبت موجود ہے جیسا کہ نعمت موجود ہے اور ہر مصیبت پر صبر کا حکم نہیں ہے۔ مثلاً گھر کہ یہ بھی مصیبت ہے اور اس پر صبر کا حکم نہیں۔ یہی حال گناہوں کا ہے۔

یہی یہ بات کہ کہ فر اپنے کفر کو مصیبت نہیں سمجھتا، تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بیمار ہوا وغشی کے سبب اسے تکلیف کا احساس نہ ہو۔ جو گنہگار اپنے گناہ کو جانتا ہے اس پر فرض ہے کہ گناہ چھوڑ دے۔ ہر وہ مصیبت جس کا چھوڑنا انسان کے اختیار میں ہو اس پر صبر کا حکم نہیں ہے۔ مثلاً پیاس کے ہوتے اگر کوئی شخص پانی پینا چھوڑ دے، حتیٰ کہ اس کی تکلیف بڑھ جائے تو اسے صبر کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

صبر کا حکم صرف اس تکلیف پر ہے جس کا ازالہ انسان کے اختیار میں نہ ہو اور اس صورت میں صبر مصیبت نہ رہے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک لحاظ سے نعمت معلوم ہو؛ چنانچہ اسی لیے قصور کیا جا سکتا ہے کہ اس پر صبر اور شکر دونوں اکٹھے ہو جائیں۔

ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ بظاہر نعمت نظر آنے والی کوئی چیز باعث آزار ہو۔ مثلاً دولت کسی انسان کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔ مال کی وجہ سے اس کے قتل کا قصد کیا جائے۔ یہی حال صحت کا ہے، بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی کوئی بھی نعمت ایسی نہیں ہے جو کسی نہ کسی صورت میں مصیبت نہ لگتی ہو۔

کبھی بندے پر بعض امور میں مصیبت ہوتی ہے اور اس میں نعمت بھی ہوتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انسان اپنی موت سے بے خبر ہے اور یہ اس پر نعمت ہے کیونکہ اگر اس کو جان لیتا تو زندگی مکدر ہو جاتی، اور غم لیا ہو جاتا۔ اسی طرح ان چیزوں سے ناواقفی بھی نعمت ہے جو بعض آدمی اس کے لیے پوشیدہ رکھتے ہیں کیونکہ اگر وہ اس پر مطلع ہوتا، تو



اس کا دکھ بڑھ جاتا۔ اسی طرح لوگوں کی بُری صفات سے بے خبر ہونا بھی نعمت ہے کہ اگر ان سے آگاہی حاصل ہو، تو ایسے لوگوں سے دل میں نفرت پیدا ہو کہ مستقل تکدر کی صورت پیدا ہو جائے۔

قیامت۔ لیتنا القدر اور جمعہ کے دن کی مبارک ساعت کا مہم ہونا بھی ایسا ہی ہے اور یہ سب نعمتیں ہیں کیونکہ جہالت، طلب اور اجتہاد کے جذبے کو طاقت و درناتی ہے۔

غور کا مقام ہے جب جہالت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے پہلو میں یہ تو پھر علم میں کتنی نعمتیں ہوں گی؟ بیچ یہ ہے کہ ہر موجود میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، یہاں تک کہ در دہانے والے کے حق میں درد بھی نعمت ہے۔ کبھی ایک کا دکھ دوسروں کے حق میں نعمت ہوتا ہے، جیسے قیامت کے دن کافروں کو سزا ملنا کہ وہ جنتی لوگوں کے حق میں نعمت ہے کیونکہ اگر کسی قوم کو کبھی عذاب نہ ہوتا تو نعمت والے اپنی نعمت کی قدر نہ جان سکتے۔ جب دوزخ تکلیف پائیں گے تو جنتی لوگوں کی خوشی اور بڑھ جائے گی۔ دراصل تقابل ہی سے خوبیاں اور خامیاں آجا کر ہوتی ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اہل دنیا سورج کی روشنی دیکھ کر خاص طور سے خوشی کا اظہار نہیں کرتے حالانکہ ان کو اس کی ضرورت بھی بڑی ہے اس لیے کہ وہ عام و خاص سبھی کے لیے ہے۔ آسمان کی زینت دیکھ کر خاص طور سے مرتز ظاہر نہیں کی جاتی، حالانکہ وہ ہرزینت سے زیادہ خوشنما ہے۔ وجہ یہ کہ وہ بھی عام ہے۔

ان مثالوں سے ہماری یہ بات درست ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق میں کوئی نہ کوئی حکمت اور نعمت ہے۔ یاد رہے بندوں پر ہے۔ یا بعض پر، تو مصیبت کے پیدا کرنے میں بھی نعمت ہے یا مصیبت والے پر یا دوسروں پر، تو بندے پر صبر اور شکر کا وظیفہ ہر حال میں لازم ہے۔ اس لیے کہ وہ نہ تو مطلق عذاب ہے اور نہ نعمت مطلق۔ کیونکہ انسان کبھی ایک چیز سے ایک لحاظ سے خوش ہوتا ہے تو دوسرے لحاظ سے محروم۔ تو نعم کی حیثیت سے صبر ہوگا اور خوشی کی حیثیت سے شکر۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا کی مصیبتوں میں یہ پانچ چیزیں ہوتی ہیں۔ عقل مند کو ان پر خوش ہونا چاہیے اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے:

پہلی یہ کہ ہر مصیبت اور مرض کے متعلق سوچنا چاہیے کہ یہ اس سے زیادہ بھی ہو سکتا تھا، تو اس سے شکر کرنا چاہیے کہ اس سے زیادہ تکلیف نہیں ہوئی۔

دوسری یہ کہ مصیبت دین کی نہیں جو دنیا اور عقبے دونوں کو برباد کر دیتی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جس مصیبت میں بھی مبتلا کیا اس میں مجھ پر

اللہ تعالیٰ کی چار نعمتیں تھیں۔ ایک یہ کہ وہ مصیبت دین میں نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ اس سے زیادہ نہیں ہوئی۔ اور میں رضا بالقضا سے محروم نہیں ہوا اور پھر مجھے اس پر ثواب کی بھی امید ہے۔

ایک آدمی نے سہل بن عبد اللہ سے کہا: پچوڑ میرے گھر میں داخل ہوا اور میرا سامان لے گیا، تو انھوں نے کہا: اللہ کا شکر ادا کرو، اگر شیطان تمہارے دل میں داخل ہو جاتا اور ایمان بگاڑ دیتا پھر تم کیا کرتے؟ جس آدمی کو سو کوڑے مارنے کا حق ہو اگر وہ صرف دس کوڑے مارے تو وہ شکر یہ کا مستحق ہے،

تیسری یہ کہ ہر سزا کے متعلق تصور ہو سکتا تھا کہ وہ آخرت پر ڈال دی جاتی۔ دنیا کے مصائب تو ختم ہوجاتے ہیں۔ اس لیے ان میں تخفیف ہے، لیکن آخرت کی مصیبت ہمیشہ کی ہے۔ اگر ہمیشہ نہ بھی رہے تو بھی اس کی تحقیق کی کوئی صورت نہیں جس کو دنیا میں سزا دے دی گئی دوسری مرتبہ اسے آخرت میں سزا ملے گی جیسا کہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

مجھ مسلم میں ہے کہ مسلمان کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ اس کے لیے کفارہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ کوئی زخم، بلکہ کاٹنا بھی جو اس کو چھ جائے۔

پوچھی یہ کہ یہ مصیبت اس کے لیے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھی اور لازماً اس کو پہنچنے والی تھی تو دنیا میں پہنچ چکی تو یہ بھی نعمت ہے۔

پانچویں یہ کہ اس کا ثواب اس کی تکلیف سے بہت زیادہ ہے کیونکہ دنیا کے مصائب آخرت کے راستے ہیں جیسے سچے کو کھیلنے کے اسباب سے منع کرنا اس کے لیے نعمت ہے کیونکہ اگر اسے ہر وقت کھیلنے دیا جائے تو یہ اسے علم اور ادب کے حصول سے روک دے گا اور پھر وہ ساری زندگی خسارہ اٹھائے گا۔

یہی مال، مال، اہل و عیال اور اعضاء کا ہے کہ یہ چیزیں انسان کی ہلاکت کا سبب بنتی ہیں۔ بے دین لوگ آخرت کا عذاب دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش وہ دیوانے یا بچے ہوتے اور اللہ کے دین میں اپنی عقلوں سے تصرف نہ کرتے۔

جو چیز بھی ان میں سے بندے میں پائی جاتی ہے اس کے متعلق تصور ہو سکتا ہے کہ اس کی بھلائی اسی میں ہو لہذا اسے اللہ پر سن من رکھنا چاہیے اور جو مصیبت پہنچے اسے اپنے حق میں بہتر خیال کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت بڑی وسیع ہے اور وہ بندوں کی مصلحت کو بندوں سے زیادہ جانتا ہے کل روز حساب میں جب اسے اس کا ثواب دکھیں گے تو شکر ادا کریں گے جس طرح کہ بچہ جو ان ہونے کے بعد اپنے ماں باپ

اور استاد کا فکرا داکر تا رہے کہ انھوں نے ادب کھانے کے لیے اسے سزا دی تھی۔ مصائب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی ہی نادیب ہے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو بھی فیصلہ کرتے ہیں وہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔“  
معلوم ہونا چاہیے کہ ہلک گناہوں کی بنیاد دنیا کی محبت ہے اور مراد کے مطابق بغیر کسی مصیبت و ابتلا کے پلے در پلے نعمتوں کا ملنا دل میں دنیا کی محبت پیدا کرتا ہے۔

اس کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ جب مصائب زیادہ ہو جائیں تو دل دنیا سے اچاٹ ہو جاتا ہے۔ دنیا انسان کے لیے قید خانہ بن جاتی ہے اور اس سے نجات پانا اس کی انتہائی خواہش ہوتی ہے۔

اور جب صورت حال یہ ہے، تو دنیا میں تکلیف کا ہونا ضروری ہے اور یہ ایسی ہی بات ہوگی جیسے کوئی تجھے بغیر مزدوری کے سینگے لگائے۔ یا کوئی ایسی کڑوی دوا پلائے جس سے شفا کی امید ہو۔ اگر چہ مرخص درد اور تکلیف محسوس کرے گا، لیکن صاحب فہم ہونے کی صورت میں اسے یہ طمانیت بھی حاصل ہوگی کہ یہ معمولی تکلیف بڑے غلاب سے نجات دینے کا باعث ہوگی اور وہ مصیبت پر بھی شکر کرے گا۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذنات پر ایک بڑو نے ان کے بیٹے کے پاس ان الفاظ میں تعزیت کی:

”صبر کر بھی تیری وجہ سے صبر کریں گے کیونکہ رعیت کا صبر تلامر دا کے صبر ہی سے ہوتا ہے۔ بڑو کے بعد تیرا صبر تیرے لیے عباس سے بہتر ہے اور عباس کے لیے اللہ تجھ سے بہتر ہے۔“  
ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، ”اس کی تعزیت سے اچھی تعزیت مجھ سے کسی نے نہیں کی۔“

اگر کوئی یہ کہے کہ صبر کی تفصیلت میں جو احادیث آئی ہیں وہ دلالت کرتی ہیں کہ دنیا میں مصیبت، نعمت سے بہتر ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ درست نہیں، کیونکہ حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلمان کی بیماری پر سی کے لیے تشریف لائے۔ وہ مرغی کے چوزے کی طرح ہر چوکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے کوئی دعا مانگی تھی یا بیماری کا سوال کیا تھا؟ اس نے کہا ہاں۔ میں کہا کرتا تھا اے اللہ جو تجھے آخرت میں سزا دینے والا ہے وہ مجھے دنیا میں دے دے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سبحان اللہ! تو اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو نے اس طرح کیوں نہ کہا اے اللہ میں دنیا میں بھی بھلائی دے دو آخرت میں بھی بھلائی دے دو اور میں آگ کے عذاب سے بچا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک اور حدیث ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے نبی کون سی دعا افضل ہے؟ تو فرمایا: اللہ سے دنیا و آخرت میں معافی اور تندرستی کا سوال کرو۔ پھر وہ دوسرے دن آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول، کون سی دعا افضل ہے؟ تو فرمایا: اللہ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور تندرستی مانگو۔ پھر وہ تیسرے دن آیا تو پھر کہا: اللہ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور تندرستی مانگو۔ اگر تمہیں دنیا اور آخرت میں معافی اور تندرستی مل جائے تو تم کامیاب ہو۔

صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصیبت کی شدت اور بدبختی کے مسلط ہونے اور بُری تقدیر اور دشمنوں کی خوشی سے اللہ کی پناہ مانگو۔

مطرف نے کہا: اگر مجھے معافی ملے اور میں شکر کروں، تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں مصیبت میں پڑوں اور صبر کروں۔

## فصل ششم

### صبر افضل ہے یا شکر!

لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ صبر افضل ہے یا شکر سے بہتر ہے صبر ہے۔ اور اس میں لمبی بحث ہے جو مصنف رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صبر اور شکر کے کچھ درجات ہیں۔ مثلاً: صبر کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ اللہ کا شکوہ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد رخصا ہے جو صبر سے اعلیٰ مقام ہے اور اس کے بعد مصیبت پر شکر ہے اور یہ مقام رخصا سے اعلیٰ ہے۔

اسی طرح شکر کے کبھی بہت سے درجات ہیں۔ مثلاً، اللہ تعالیٰ کی پے درپے نعمتوں پر جھکا کرنا بھی شکر ہے۔ یہ بات کہ انسان اللہ کا شکر ادا ہی نہیں کر سکتا، اس کا جاننا بھی شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عظیم علم اور پردہ پوشی کو جان لینا بھی شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر کسی استحقاق کے نعمت ملنے کا اقرار کرنا بھی شکر ہے۔ یہ جان لینا کہ شکر بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے یہ بھی شکر ہے۔ نعمتوں میں تواضع اور مسکنت اختیار کرنا بھی شکر ہے اور درمیانی واسطوں کا شکر یہ ادا کرنا بھی شکر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میں نے لوگوں کا شکر یہ ادا نہ کیا اُس نے خدا کا شکر بھی ادا نہ کیا۔

منعم کے سامنے حسن ادب اور اعتراف نہ کرنا بھی شکر ہے اور نعمت کو اچھی طرح قبول کرنا اور تھوڑی نعمت کو زیادہ سمجھنا بھی شکر ہے۔

جو اعمال و اقوال شکر اور صبر کے تحت آتے ہیں وہ بے شمار ہیں اور ان کے مختلف درجات ہیں۔ ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے میں مختصر بات کافی نہیں ہو سکتی؛ تاہم جب صبر کی نسبت اس شکر کی طرف ہر جو مال کو اطاعت میں خرچ کرتے وقت کیا جائے تو شکر افضل ہے کیونکہ اس میں صبر بھی ہے۔ اللہ کی نعمت پر خوشی بھی ہے اور فقیروں پر خرچ کرنے کی تکلیف برداشت کرنا اور اپنی مباح ضرورتوں میں خرچ نہ کرنا بھی ہے۔ اور جب مال کا شکر اس طرح ہو کہ اسے نافرمانی میں خرچ نہ کرے، بلکہ جائز کاموں میں خرچ کرے، تو اس صورت میں صبر شکر سے افضل ہے اور صابر فقیر اُس شخص سے بہتر ہے جو اپنا مال اپنے جائز کاموں ہی میں خرچ کرے۔

کیونکہ فقیر نے اپنے نفس سے مجاہدہ اور اللہ کی آزمائش پر صبر کیا ہے۔

میر کی جو بھی فضیلت شکر پر بیان ہوئی ہے اس سے یہی مخصوص مرتبہ مراد ہے کیونکہ لوگوں کے ذہن میں مال کی نعمت اور اس سے دو تمند ہونے کا مفہوم آتا ہے۔ شکر کا مفہوم لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ آدمی کہے: الحمد للہ، تو اس صورت میں وہ صبر جو عام لوگوں کے ذہن میں ہے اس شکر سے افضل ہے جسے عموماً لوگ شکر کہتے ہیں۔

جب تم ہماری بات پر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ ہر بات کے لیے بعض حالات میں ترجیح ہے۔ بہت سے فقیر صابر، غنی شاکر سے بہتر ہیں جیسا کہ بیان ہوا اور بہت سے غنی شاکر، فقیر صابر سے افضل ہیں اور یہ وہ اغنیاء ہیں جو اپنے آپ کو فقیروں کی طرح سمجھتے ہیں اور ضرورت سے زائد اپنے لیے کوئی مال نہیں رکھتے۔ باقی سب خیرات کر دیتے ہیں۔

ضروری ہے کہ انسان جب خرچ کرے تو اپنی جاہ و منزلت نہ چاہے۔ ناسحان رکھے۔ ایسا غنی، فقیر صابر سے بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

## امید اور خوف

معلوم ہونا چاہیے کہ امید اور خوف دو بازو ہیں جن سے مقرب لوگ ہر اچھے مقام کی طرف اڑتے ہیں۔ یا یہ دو سواریاں ہیں جن سے آخرت کی راہ کی ہر مشکل گھاٹی کو طے کیا جاتا ہے؛ چنانچہ اسی لیے ان کی حقیقت، فضیلت، اسباب اور متعلقات کا بیان ضروری ہے۔ ہم ان باتوں کو دو حصوں میں ذکر کرتے ہیں۔ پہلا حصہ امید کے متعلق ہے اور دوسرا خوف کے متعلق۔

معلوم ہونا چاہیے کہ امید سا لکین کے مقامات اور طالبین کے حالات میں سے ہے اور جب کوئی صفت راسخ اور مضبوط ہو جائے تو اسے مقام کہتے ہیں۔ اگر عارضی اور جلد زائل ہونے والی ہو تو اسے حال کہا جائے گا۔ جیسے ایک زردی قائم رہنے والی ہے، جیسے سونے کی زردی۔ اور ایک زردی زائل ہونے والی ہے جیسے خوفزدہ کے چہرے کی زردی۔ اسی طرح دل کی صفات ان اقسام میں منقسم ہوتی ہیں۔ غیر ثابت کو حال کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دل سے پھر جاتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے ہر وہ چیز جو بے خواہ وہ مرغوب ہو یا ناپسند۔ تو وہ زمانہ حال کے متعلق ہوگی یا زمانہ

ماضی کے متعلق۔ ان میں پہلی قسم کے نام ہیں: وجد۔ ذوق اور ادراک۔

دوسری کا نام ذکر ہے اور اگر آئندہ کے متعلق دل میں کوئی خیال آجائے اور وہ دل پر غلبہ حاصل کر لے تو اس کا نام انتظار اور توقع ہوگا اور اگر انتظار محبوب چیز کا ہے تو اس کا نام ہے امید اور اگر بری چیز کا ہے تو وہ خوف ہے۔

امید نام ہے محبوب چیز کے انتظار سے خوش ہونے کا، لیکن اس توقع کے لیے ضروری ہے کہ اسباب حاصل ہوں، لیکن اگر اس کے سبب یا عدم سبب کا علم نہ ہو، تو وہ تمنا ہے۔ کیونکہ وہ بغیر کسی سبب کے انتظار رہے اور امید اور خوف کا نام اس چیز پر لولا جاتا ہے جس میں تردد ہو۔ جو طبعی اور یقینی ہو اس کو امید یا خوف نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً یہ نہیں کہا جاتا کہ مجھے سورج کے طلوع ہونے کی امید ہے اور مجھے اس کے غروب ہونے کا خوف ہے۔ کیونکہ اس کا طلوع اور غروب یقینی چیز ہے۔ ہاں یہ کہا جائے گا مجھے بارش ہونے کی امید ہے اور بارش نہ ہونے کا خوف ہے۔

اہل دل جانتے ہیں کہ دنیا آخرت کی کھینچی ہے۔ دل زمین ہے اور ایمان اس میں بیج اور طاعات زمین کو پکاک صاف کرنے، نہر کھودنے اور اس کی طرف پانی لے جانے کے مراحل ہیں۔

وہ دل جو دنیا میں غرق ہے اس شور زمین کی طرح ہے جس میں بیج نہیں اگتا۔

اس عمل میں قیامت کا دن کٹائی کا دن ہے اور ہر شخص وہی کائے گا جو لوہے کا اور یہ کھیتی ایمان کے بیج سے پیدا ہوگی۔

دل کی گندگی اور بد اخلاقی کے ہونے ایمان کم ہی نفع دیتا ہے۔ جیسا کہ شور زمین میں بیج نہیں اگتا۔

انسان کی مغفرت کو امید کی کھینچی پر قیاس کرنا چاہیے۔ جس آدمی نے اچھی زمین انتخاب کی اور اس میں اچھا بیج ڈالا۔ پھر ضرورت کے مطابق اس کو بانی دیتا رہا۔ زمین کو کانٹوں اور گھاس سے پاک کرنے سے غافل نہ ہوا اور پھر اللہ کی طرف رجوع ہو کر دعائیں مصروف رہا کہ اس کے کھیت آفات سے محفوظ رہیں، تو وہ ضرور اچھی فصل اٹھائے گا۔ اور اس کے انتظار کو امید کہا جائے گا۔

اگر کسی نے بیج شور و سیخنت اور بلند زمین میں ڈالا جہاں پانی نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کی نگرانی کی اور اس تساہل کے باوجود اچھی فصل کاٹنے کی توقع کرتا رہا، تو اس کے اس عمل کو صحت کہا جائے گا امید نہیں۔

اسی طرح اگر بیج پاکیزہ زمین میں ڈالا، لیکن پانی نہ دیا۔ بارش کا انتظار کرتا رہا، تو اس کا نام تمنا ہے

نکہ امید۔

گو یا امید کا مفہوم اس محبوب چیز کے انتظار پر صادق آتا ہے جسے حاصل کرنے کے لیے طالب نے کوشش کی تمام منزلیں طے کر لی ہوں۔ صرف وہ چیز باقی رہ گئی ہو جو اس کے اختیار میں نہ تھی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل کہ وہ موانع اور فسادات کو دور کرے۔

بندہ جب ایمان کا بیج ڈال دے۔ اسے طاعات کا پانی دے۔ دل کو ارذل اخلاق کے کانٹوں سے پاک صاف کر کے اللہ کے فضل کا انتظار کرے کہ اسے موت تک ثابت قدم رکھے اور خاتمہ بالخیر ہو تو اس کا یہ انتظار امید محمود ہے جو اسے ہمیشہ طاعات پر آمادہ کرے گی اور موت تک ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی ترغیب دے گی۔ اگر ایمان کے بیج کو کاٹ دیا اور طاعات کا پانی نہ دیا یا دل کو ردی اخلاق سے بھرا ہوا چھوڑ دیا۔ دنیا کی لذات کی طلب میں منہمک رہا، تو بخشش کا انتظار حماقت اور دھوکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَا خُدَّادُونَ عَرَضَ هَذَا الْآدَمِيُّونَ لِيَسْفَعُوا لِقَاتِلِائِهِمْ جَانْتِنًا أَمْ كُنْتُمْ لِحُكْمِ اللَّهِ قَدِيرِينَ سَيَعْفُونَ ﴿۱۸﴾ ان کے بعد نالائق جانتین آئے جو کتاب کے ارث ہوتے۔ وہ اس دنیا کا سامان لینے اور کہتے ہیں معاف کر دیا جائے گا۔

ایک اور آیت میں اس بات کے قائل کی مذمت بیان کی: وَلَسْتَ تَزِدُّهُمْ إِلَيَّ إِلَّا لِأَجْدَنَ خَيْرًا مِّنْهَا مُتَقَلِّبًا (اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا یا گیا تو اس سے بہتر سبک پاؤں گا) شہداء بن اوس نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر شیاء وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کو دبا کر رکھے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کو اپنی خواہش کے پیچھے لگا دے اور اللہ سے امید رکھے۔

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ علیہ نے کہا: جس کی قواطعت نہیں کرتا اس کی رحمت کی امید رکھنا رسوائی و حماقت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ سَيَجْزِيْهِمُ اللّٰهُ لَيَقِيْنَّ هُمْ جَوْاۤئِمًا يَّوْمَ الۡيَوْمِ (اور جنہوں نے ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ اللہ



کی رحمت کے امیدوار ہیں)

مطلب یہ ہے کہ یہی لوگ ہیں جو امید رکھنے کے مستحق ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ بس یہی امید رکھتے ہیں کیونکہ دوسرے بھی امید رکھتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ امید بڑی اچھی چیز ہے کیونکہ وہی عمل پر آمادہ کرتی ہے۔ نا امیدی بُری چیز ہے کیونکہ وہ عمل سے روک دیتی ہے۔ جو آدمی جانتا ہو کہ زمین شور ہے۔ پانی گہرا اور بیج نہیں اُگے گا تو وہ زمین کا خیال رکھنا چھوڑ دے گا اور اس کی نگرانی میں اپنے آپ کو نہ تھکائے گا۔

خوف امید کے برخلاف نہیں، بلکہ اس کا ساتھی ہے اور امید مجاہدے کا طریق بتاتی اور طاعات پر ہمیشگی پیدا کرتی ہے۔ خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ بدلتے رہیں۔ اور اس کی نشانیوں یہ ہیں کہ اللہ کے پاس جانے کی خوشی ہمیشہ رہے۔ اس کی ہم کلامی کو نعمت سمجھے اور اس کی خوشامد میں نرمی اختیار کرے۔

یہ ہر اس بندے کے حالات ہیں جو کسی بھی بادشاہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اور جب انسان سے ملاقات کے لیے ایسا عجز اختیار کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسے افعال کیوں نہ ظاہر ہوں گے، اور اگر ظاہر نہ ہوں، تو یہ مقام امید سے نا محرومی کی دلیل ہے۔ جو آدمی ان علامتوں کے بغیر بھلائی کی امید رکھتا ہے وہ دھوکے میں مبتلا ہے۔

## فصل سہمتم

### امید کی فضیلت

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہوں"

ایک اور روایت میں ہے کہ جو گمان بھی رکھے کوئی گمان رکھنے والا"

مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی آدمی کو موت نہ آئے بلکہ اس حال میں کہ اس کا اللہ کے متعلق اچھا گمان ہو۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ مجھ سے محبت رکھو اور جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں ان سے محبت رکھو اور میری مخلوق کی نگاہ میں مجھے محبوب بناؤ۔ عرض کیا اے میرے رب! تیری مخلوق کی نگاہ میں تجھے کیسے محبوب بناؤں؟ تو فرمایا: میرا اچھا تذکرہ کرو اور میرے احسانات اور نعمتوں کا تذکرہ کرو۔

عبدالرحمن اللہ نے کہا: "قیامت کے دن ایک بندہ کو دوزخ کا حکم ہوگا۔ وہ کہے گا میرا گمان اس طرح نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کہے گا تیرا گمان کیا تھا؟ وہ کہے گا۔ میرا گمان تو یہ تھا کہ تو مجھے بخش دے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کو چھوڑ دو۔"

معلوم ہونا چاہیے کہ امید کی دعا کے یہ دو آدمی بطور خاص محتاج ہیں:

ایک وہ جس پر ناامیدی غالب آچکی ہو کہ وہ عبادت چھوڑ دے۔

دوسرا وہ جس پر خوف غالب آچکا ہو یہاں تک کہ اپنے نفس اور اہل کو نقصان پہنچائے۔

وہ مغرور گنہگار جو عبادت سے منہ موڑنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھتا ہو اس کے حق میں

صرف خوف کی دوائیں استعمال کرنی چاہئیں کیونکہ امید کی دوائیں اس کے حق میں نہ شہادت ہوں گی جس طرح کہ

ٹھنڈک والے کے لیے شہد شہار، لیکن گرمی والے کے لیے مضر ہے؛ چنانچہ ضروری ہے کہ وعظ کہنے والا لطیف

انداز اختیار کرے اور بیماری کے مقام کو نگاہ میں رکھ کر بالکل درست دوا تجویز کرے۔ ویسے اس زمانہ میں لوگوں

کو امید کی دو این نزدیکی چاہئیں، بلکہ خوف دلانے میں مبالغہ کرے گا البتہ جب بیماروں کی اصلاح مقصود ہو تو امید کے اسباب کی فضیلت بیان کرے تاکہ لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اور نہ ان کو اللہ کی پکڑ کے انداز سے بے خوف ہونے دے۔"

جب تم کو یہ معلوم ہو گیا تو اب امید کے اسباب معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں بعض تو غور و فکر سے متعلق ہیں اور کچھ روایات سے۔ سچی بات یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے کتاب اشکر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے اس پر غور کرے۔ جب اسے دنیا میں بندوں پر اللہ کی رحمتوں کا علم ہو جائے اور اس کے عجائباتِ حکمت جان لے جو اس نے انسان کی فطرت میں رکھے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ہر باریوں نے بندوں کی دنیاوی مصلحتوں میں دقائق کی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی اور اس کو پسند نہیں کیا کہ مراتب کی زیادتی (بلندی) ان سے فوت ہو جائے، تو وہ اللہ کے بندوں کی ہمیشہ کی برادری پر کیسے خوش ہو گا؟ جس نے دنیا میں ہر باری فرمائی ہے وہ آخرت میں بھی ضرور ہر باری کرے گا۔ دونوں جہان کی تدبیر کرنے والا وہی تو ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: **مَلَأْنَا بَعَادَى السِّدِّينَ اسْتَفْؤَا عَلَىٰ انْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَیَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیْعًا** (کہہ دیں اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ سب گناہ بخش دے گا)

فرمایا: **وَالْمَلَائِكَةُ یُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیَسْتَغْفِرُونَ لِمَن فِی الْاَرْضِ** (اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور زمین والوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں سے آگ کا وعدہ کیا ہے اور اپنے دوستوں کو اس سے ڈرایا ہے۔ فرمایا: **لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلْمٌ مِّنَ السَّمَاءِ مَن نَّحْتِهِمْ ظَلَلٌ۔ ذٰلِكَ یُخَوِّتُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ لَعَلَّہُمْ یَتَّقُوْنَ** (اور ان کے اوپر بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے بھی۔ اس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے)

فرمایا: **وَاتَّقُوا اللّٰهَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ** (اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے)

۱۰ سورۃ زمر - آیت ۵۳ ۱۱ سورۃ شوریٰ - آیت ۴۴ ۱۲ سورۃ زمر - آیت ۱۶

۱۳ سورۃ آل عمران - آیت ۱۳۱

فرمایا: فَاتَّذَرْتُمْكَ نَارًا تَلْقَىٰ لَا يَصِلُهَا إِلَّا الْأَشْعَىٰ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ (میں نے تم کو شعلے مارتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے جس میں کوئی بڑا بد نصیب ہی داخل ہوگا جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا)  
 فرمایا: وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَعْفَرٍ وَلِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ (اور تیرا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے)

احادیث میں سے وہ بھی ہے جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا مجھے تیری عزت اور جلال کی قسم میں آدم کی اولاد کو آخری دم تک گرا کر تازہوں گا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے میری عزت اور جلال کی قسم جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں بھی ان کو بخشتا رہوں گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں سے جائے اور کوئی اور قوم لائے جو گناہ کریں، پھر بخشش مانگیں تو اللہ بخشنے کو مسلم

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال درست کرو اور لوگوں کو اللہ کے قریب کرو اور خوشخبری دو کیونکہ کوئی بھی جنت میں اپنے عمل سے داخل نہ ہوگا، صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی؟ تو فرمایا: میں بھی داخل نہیں ہو سکتا، مگر جب کہ اللہ کی رحمت مجھے ڈھانپے۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے، اے آدم! اٹھ اور جہنم میں بھیجے جانے والوں کو اٹھا، تو وہ کہیں گے: اے رب! میں حاضر ہوں، اور اسی میں سعادت ہے، اور بھلائی سب تیرے ہاتھ میں ہے۔ اے میرے اللہ! آگ کا حصہ کتنا ہے؟ تو حکم ہوگا۔ ہزار میں سے نو سو ننانوے، تو اس وقت بچے بوڑھے ہوجائیں گے اور ہر محل والی اپنا محل گرا دے گی۔ اور تو لوگوں کو مدہوش دیکھے گا اور وہ حقیقت میں مدہوش نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا، تو یہ بات لوگوں پر بڑی شاق گزری۔ یہاں تک کہ ان کے چہرے متعمر ہو گئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول

اور وہ ایک ہم میں سے کون ہو گا؟ تو آپ نے فرمایا: یا جرح ماجرح میں سے نوسوننانو سے اور تم میں سے ایک۔ تو لوگوں نے کہا اللہ اکبر، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم حجت والوں کا چوتھا حصہ ہو گے، غلطی کی قسم مجھے امید ہے کہ تم ختمیوں کا تیسرا حصہ ہو گے۔ اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں میں سے آدھے ہو گے؛ تو لوگوں نے سچیر کبھی پھر فرمایا: اُس دن تم لوگوں میں اس طرح ہو گے جیسے سیاہ بیل میں سفید بال یا سفید بیل میں سیاہ بال۔“

تو دیکھو کیسے انداز سے ڈرایا، پھر جب وہ بے چین ہوئے تو کس طرح مہربانی کا تذکرہ فرمایا۔ جب دل خواہشت میں مطمئن ہوں تو انھیں بے چین کرنا چاہیے اور جب بے چینی بڑھ جائے تو تسلی دی جائے تاکہ معاملہ مستدل رہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اللہ قیامت کے دن اتنی بخشش فرمائے گا کہ کسی کے دل میں اس کا تصور بھی نہیں آسکتا۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک مجوسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کھانا مانگا۔ آپ نے نہ دیا اور کہا۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا۔ اس پر اللہ نے ان کی طرف وحی کی۔ اے ابراہیم! میں اس کو کفر کے باوجود نوے سال سے کھلا رہا ہوں۔ تو ابراہیم علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے۔ اُسے واپس لائے اور سب حالتبایا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نوازش پر تعجب کیا اور مسلمان ہو گیا۔

یہ وہ اسباب ہیں جو خائف اور بالوس لوگوں کے دلوں میں امید کی روح پھونک دیتے ہیں۔ ہاں مزدور اور بے وقوف لوگ ایسی باتیں نہیں سنتے، بلکہ وہ ایسی باتیں سنتے ہیں جن کو ہم اسبابِ خوف میں بیان کر رہے ہیں۔ کیونکہ اکثر لوگ ایسی ہی باتوں سے درست ہوتے ہیں جیسے، وہ غلام جو لاکھی سے سیدھا رہ سکتا ہے۔

## فصل ہشتم

### خوف، اُس کی حقیقت اور درجات

معلوم ہونا چاہیے کہ خوف عبارت ہے دل کے اس درد اور جلن سے جو کسی تکلیف دہ چیز کے واقع ہونے کے سبب سے ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی آدمی بادشاہ کا گناہ کرے۔ پھر گرفتار ہو جائے اور اسے قتل ہونے کے ڈر کے ساتھ معافی کی توقع بھی ہو، ایسی صورت میں اس کے قلب کی کیفیت مزا پانے اور معاف کر دیے جانے کے اسباب کے مطابق ہوگی، یعنی اگر مزا کے اسباب کمزور ہوں گے تو خوف بھی کم ہوگا۔

کبھی خوف گناہ کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کی عظمت و جلال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں کو ہلاک کر دے تو پھر بھی اسے کوئی پروا نہ ہوگی اور نہ اسے کوئی روک سکتا ہے، تو آدمی جتنا اپنے عیوب، اور اللہ تعالیٰ کے جلال، اور اس کی بے نیازی سے واقف ہوگا اتنا ہی اس کا خوف زیادہ ہوگا۔

سب سے زیادہ خوف اس آدمی کو ہوتا ہے جو سب سے زیادہ اپنے نفس کو اور اپنے رب کو جانتا ہو۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اُس سے ڈرتا ہوں"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴿۱۷﴾ اللہ سے اس کے عالم نیدے ہی ڈرتے ہیں جب معرفت مکمل ہوتی ہے تو خوف اثر کرتا ہے اور اس کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ پھر اعضا پر ظاہر ہوتا ہے اور صفات متاثر ہوتی ہیں۔ مثلاً جسم کی کمزوری، پیرے کی زردی، رونے اور غشی بلکہ کبھی موت تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور کبھی دماغ کی طرف چڑھتی ہے تو متعلق کو بگاڑ دیتی ہے۔

حقیقی معنوں میں خوف کا اعضاء پر اثر کرنا یہ ہے کہ وہ گناہوں سے رگ جائیں اور تفسیرات کو پورا کرنے اور مستقبل کی تیاری کے لیے طاعات کو لازم پکڑیں۔

بعض نے کہا: ”جو ڈرا، اس نے رات کو سفر کیا“

دوسرے نے کہا: ”خائف وہ نہیں جو روئے، بلکہ خائف وہ ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے“

خوف کے نتائج یہ ہیں کہ وہ شہوات کو توڑتا ہے۔ لذات کو مکدر کر کے اور جب یوں ہو تو محبوب گناہ بھی

اس کی نگاہ میں مکروہ ہو جاتے ہیں جیسے کہ اس آدمی کو شہد بڑا معلوم ہو گا جسے علم ہو اس میں نہ مہ ملا ہو اسے میں

اسی طرح خوف سے شہوات جل جاتی ہیں۔ اعضاء شائستہ ہو جاتے ہیں۔ دل ذلیل اور سکین ہو جاتا ہے اور کبیرہ

کینہ اور حسد ختم ہو جاتے ہیں۔

خوف اور اپنی عاقبت کے خطرات دل پر مسلط ہو جائیں تو وہ کسی اور چیز کے لیے فارغ ہی نہیں ہوتا۔ اس

کا شغل مراقبہ، مجاہدہ اور اپنا محاسبہ کرنا ہو جاتا ہے۔ گویا اس کا حال اس آدمی جیسا ہو جاتا ہے جو ایک ظالم

دروندے کے پنجے میں آ گیا ہو۔ وہ نہیں جانتا کہ وہ غافل ہو جائے گا اور بیچ جائے گا یا وہ اس پر غلبہ حاصل کر کے

اس کو ہلاک کر دے گا۔ اس کا شغل صرف اپنا حال ہے جس میں مبتلا ہے تو جتنا خوف طاقتور ہو گا اتنا ہی

محاسبہ و مراقبہ طاقتور ہو گا اور عینی اللہ تعالیٰ کے جلال اور صفات کی معرفت ہوگی اور جتنا اپنے نفس کے

عیوب اور آئندہ کے احوال و خطرات کو جاننے کا اتنا ہی اس کا خوف ہوگا۔

خوف کا سب سے کمتر درجہ جس کا اثر اعمال میں ظاہر ہو یہ ہے کہ نواہی سے بچے، جس کے حرام ہونے

کا شہرہ اس کو چھوڑنے کا نام درج ہے اور اگر اس کے ساتھ تنہائی اور عیش سے روگردانی بھی ہو تو اس کا نام

صدق ہے۔

## خوف و جہد رحمت بھی ہے

مسلم ہونا چاہیے کہ خوف اللہ تعالیٰ کا ڈرا ہے جس سے وہ اپنے بندوں کو عظیم اور عمل کے دوام کی طرف

ناکوتا ہے؛ تاکہ اس کے ساتھ قرب کا مرتبہ حاصل کر سکیں۔

علماء کے نزدیک خوف کے تین درجے ہیں: افرط۔ اعتدال اور قلیل۔ اور ان میں سے اچھا اعتدال ہے۔ اور

جہد ایسا ہے جیسے جانور کے لیے کوڑا۔ کیونکہ جانور کے لیے بہتر یہی ہے کہ کوڑے سے واقف نہ ہو، البتہ ان میں بہانہ بھی چھانیں۔

انسان کے لیے وہ اس طرح ہے کہ کوئی آیت یا کوئی ہوناک بات سنی تو دل میں ڈر اور وہ رونے لگا، جب وہ سبب غائب ہو گیا، تو دل میں پھر غفلت آگئی۔ یہ کتر خوف ہے اور اس کا نفع قلیل ہے۔ یہ تو ایسا ہے کہ کڑو سی لالچی کسی طاقتور جانور کو ماری جائے اور اسے معمولی سی تکلیف ہو۔ اسے پوری طرح اندازہ نہ ہو کہ کیوں تیرب کی گئی ہے۔ قریب قریب یہی حالت عام لوگوں پر غالب ہے۔ سوائے عارفین اور علماء کے، یعنی وہ علماء اور عارفین جو اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کو جانتے ہیں ایسی معمولی تنبیہ سے بھی پریشیا رہ جاتے ہیں۔

پہلی قسم، یعنی خوف کی زیادتی یہ ہے کہ مایوسی اور ناامیدی پیدا ہو جائے۔ اور یہ بھی بری ہے کیونکہ یہ عمل سے روک دیتی ہے اور کبھی انسان کو دیوانگی اور موت تک پہنچا دیتی ہے۔ دراصل ہر وہ چیز جو کسی کام کے لیے مطلوب ہو اس کا محمود درجہ صرف وہ ہے جس سے مقصد حاصل ہو سکے اور جو اس سے کم ہو یا حد سے گزر جائے تو وہ برائی ہے۔

خوف کا فائدہ احتیاط، ورع، پرہیزگاری، مجاہدہ و فکر و ذکر اور عبادت کی طرف راغب کرنا ہے۔ اس کا مقصد وہ تمام اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچائیں اور یہ ساری چیزیں زندگی کے سبب سے ہیں جس میں بدن کی صحت اور عقل کی سلامتی بھی ہو۔ جب ان چیزوں میں خلل پڑے گا، تو اصل فائدہ زائل ہو جائے گا۔

اگر کہا جائے کہ جو آدمی خوف سے مر جائے اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس نے اس حالت میں موت سے ایک ایسا مرتبہ پایا ہے کہ اگر اس کے سوا مرتا تو وہ مرتبہ سے حاصل نہ ہوتا؛ تاہم اگر وہ زندہ رہتا اور معارف اعلیٰ معاملات کے رجحان تک ترقی کرتا تو یہ اس سے بہتر ہوتا کیونکہ بہترین سعادت اللہ کی اطاعت میں لمبی عمر پانا ہے۔ ہر وہ چیز جو عمر، عقل اور صحت کو ختم کر دے نقصان اور خسارہ ہے۔

## خوف کی اقسام

معلوم ہونا چاہیے کہ خائف لوگوں کے مختلف مقامات ہیں مثلاً،

بعض وہ ہیں جن کے دل پر تو بے سے پہلے ہی موت کے آنے کا خوف غالب ہوتا ہے۔

بعض وہ ہیں جن پر نعمتوں کے استدراج کا خوف غالب ہوتا ہے یا ان کو استقامت سے ہٹ جانے کا

خوف ہوتا ہے۔

بعض وہ ہیں جن کو بڑے غم کے کا خوف ہوتا ہے۔ اور ان میں سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ سابقہ زندگی کا

خوف ہو کیونکہ خاتمہ سابقہ کی شاخ ہے۔ اور اللہ جسے چاہے بغیر وسیلے کے بلند کرے اور جسے چاہے بغیر وسیلے



کے نیچے پھینک دے۔ وہ جو بھی کرے، اسے کون پوچھ سکتا ہے!!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ لوگ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں اور یہ دوزخی ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔  
خوف کھانے والوں میں سے وہ بھی ہیں جو سکراتِ موت اور اس کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ یا منکر نکیر کے سوال  
سے یا عذابِ قبر سے ڈرتے ہیں۔

بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کی بعیت اور حساب کی گرفت اور پلہراط پر گزرنے اور  
دوزخ اور اس کی ہولناکیوں یا جنت کی محرومی یا اللہ تعالیٰ سے حجاب میں سر جاتے سے ڈرتے ہیں اور خوف کی  
یہ تمام حالتیں بذاتِ خود ناپسندیدہ ہیں وہ خوف کے لائق ہیں۔

اعلیٰ ترین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے حجاب کے خوف کا ہے۔ اور یہ عارفین کا خوف ہے اور جس کا اس سے پہلے  
ذکر ہوا، وہ زاہدوں اور عابدوں کا خوف ہے۔

## فصل نہم

# خوف اور امید میں کس کو غالب رہنا چاہیے

ہر چیز کی فضیلت، طلبِ سعادت پر مدد کرنے کے لحاظ سے ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کا قرب، تو ہر وہ چیز جو اس پر مدد کرے وہ فضیلت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ اِنِّیْ (اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنت ہیں)**

فرمایا: **رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرے)**۔

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **جب اللہ کے ڈر سے بندے کی کھال پر دو گٹھے کھڑے ہو جائیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے (اندھی میں) درخت کے خشک پتے؟**

ایک اور حدیث میں ہے: **اللہ اس پر کبھی ناراض نہ ہوگا جس میں خوف ہے؟**

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت و جلال کی قسم میں بندے پر دو خوف جمع نہ کروں گا اور نہ دو امن جمع کروں گا۔ اگر دنیا میں وہ مجھ سے بے خوف رہا تو میں قیامت میں اس کو ڈراؤں گا**

اور اگر دنیا میں مجھ سے ڈرا تو میں قیامت میں اس کو امن دوں گا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **”دو آنکھوں کو کبھی الگ نہیں لگے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روٹی اور ایک وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں لڑت کو پہرا دیا“**

معلوم ہونا چاہیے کہ کہنے والے کی یہ بات کہ خوف افضل ہے یا امید؟ یہ اسی طرح کی بات ہے کہ روٹی

افضل ہے یا پانی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کہا جائے بھوکے کے لیے روٹی افضل ہے اور پیاسے کے لیے پانی۔ اور اگر دونوں جمع ہوں تو جس کی زیادہ ضرورت ہو اس کو دیکھا جائے گا۔ اگر دونوں برابر ہوں تو وہ دونوں برابر ہوں گے۔

خوف اور امید دراصل دودوائیں ہیں جن سے دلوں کا علاج کیا جاتا ہے، تو ان کی تفصیلت بیماری کے مطابق ہے۔ اگر اللہ کی پکڑ سے بے پروائی غالب ہو، تو خوف افضل ہے۔ اسی طرح اگر بندے پر نافرمانی غالب ہو تو بھی خوف افضل ہے، لیکن اگر یا لوسی اور ناامیدی غالب ہو تو امید افضل ہے۔ ویسے یہ بھی جائز ہے کہ مطلقاً کہا جائے خوف افضل ہے جیسے کہا جائے روٹی مسکینوں سے افضل ہے کیونکہ روٹی سے بھوک کا علاج کیا جاتا ہے اور مسکینوں سے صغیر ای بیماریوں کا اور بھوک کی بیماری غالب اور اکثر ہے، تو روٹی کی ضرورت بھی زیادہ ہوگی؛ چنانچہ اسی لحاظ سے افضل ہے۔

مخزون کا گناہ اور دھوکے میں مبتلا ہونا عام ہے اور اسی اعتبار سے خوف کا افضل ہونا مانا جائے گا۔ اگر ہم خوف اور امید کے مقام کو دیکھیں تو امید افضل ہے کیونکہ امید اللہ کی رحمت کے سمنڈ سے تعلق رکھتی ہے اور خوف اللہ کے غضب سے متعلق ہے۔ حق میں بہتر یہ ہے کہ اس کے دل میں خوف اور امید برابر ہوں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اگر مومن کے خوف اور امید کا وزن کیا جائے تو وہ برابر ہوں گے۔

بعض سلف تے کہا: اگر آواز دی جائے کہ ایک آدمی کے سوا باقی سب جنت میں چلے جائیں گے، تو مجھے ڈر ہے کہ وہ آدمی میں ہی نہ ہوں! اور اگر آواز دی جائے کہ ایک آدمی کے سوا سب دوزخ میں داخل ہو جائیں گے، تو مجھے امید ہے کہ شاید وہ آدمی میں ہی ہوں۔ یہ کیفیت مومن متقی کے ساتھ مخصوص ہے۔

اگر کہا جائے کہ مومن کے دل میں خوف اور امید برابر کیسے ہو سکتے ہیں، حالانکہ وہ نقوی کے مقام پر ہے؛ اس کے دل میں تو امید کو غالب ہونا چاہیے، نفاس کا جواب یہ ہے کہ مومن کو اپنے عمل کی صحت کا یقین نہیں ہوتا۔ اس کی مثال اس آدمی کی سی ہوتی ہے جو بیچ ڈالے لیکن اس کی جنس اُسے معلوم نہ ہو اور زمین کے مزاج کا پتہ ہو، تو بیچ ایمان ہے اور اس کی صحت کی شرطیں بڑی باریک ہیں اور زمین دل ہے اور اس کا ناپاک اور پاک ہونا پوشیدہ امور ہیں۔ اخلاق کی صفتیں بہت مخفی ہیں۔ یقینی طور پر ان کا ادراک نہیں ہوتا اور اسی لیے مومن کے قلب پر خوف کا غلبہ رہتا ہے۔ اس کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت حدیثہ رضی اللہ عنہ سے پوچھ رہے ہیں کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہو گیا ہوں؟ ان کو یہ خوف تھا کہ ان کے عیب ان سے پوشیدہ نہ رہ گئے ہوں۔ بہر حال اچھا خوف وہی ہے جو عمل پر آمادہ کرے اور دنیا کی طرف مائل ہونے سے

دل میں لیے چھینی پیدا کر دے۔

یاں موت آنے کے وقت انسان کے لیے بہتر یہ ہے کہ امید غالب ہو، کیونکہ خوف تو کوڑا ہے جو عمل پر آمادہ کرنے والا ہے اور اب عمل کا وقت نہیں ہے۔ اب تو خوف سے سوائے دل کی رگ کاٹنے کے اور کوئی فائدہ نہ ہوگا، البتہ اس حال میں امید اس کے دل کو طاقت دے گی اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب بنائے گا۔ کسی کو لائق نہیں کہ اللہ کی محبت کے سوا اور حالت میں دنیا کو چھوڑ کر جائے۔ سب کو اللہ پر حسن ظن رکھنا چاہیے حضرت سلیمان تمیمی نے اپنی موت کے وقت حاضرین سے کہا: مجھے رخصت کی حدیثیں سناؤ، تاکہ میں اللہ سے حسن ظن کی حالت میں ملاقات کروں۔

## فصل دہم

## خوف پیدا کرنے والی باتیں

خوف دو طریقے سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ نادان بچہ کسی مکان میں ہو اور کوئی درندہ یا سانپ آجائے، تو وہ اس سے بالکل نہیں ڈرتا، بلکہ بعض دفعہ تو کھیلنے کے لیے ہاتھ بڑھا کر اس کو پکڑنا چاہتا ہے، لیکن اگر بچے کا باپ بھی اُس کے ساتھ ہو اور وہ ڈر کر بھاگے، تو بچہ بھی ساتھ ہی ڈر جائے گا اور اپنے باپ کی موافقت میں واہل کرے گا، تو بچے کا یہ خوف نقصان پہنچانے والی چیز کی معرفت حاصل ہو جانے کی وجہ سے نہیں بلکہ باپ کی تقلید میں ہے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ کا خوف بھی دو طرح کا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف ہے اور یہ عام لوگوں کا خوف ہے۔ جب کوئی شخص اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا ہے، تو اچھے بڑے کاموں کی مناسبت سے اس کے دل میں خبت اور دوزخ کا خیال پیدا ہوتا ہے اور اس پر خوف یا رجائیت غالب آتی ہے۔

دوسرا اللہ تعالیٰ کی جلالت و کبریا کی کا خوف ہے۔ اور یہ علماء و عارفین کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ** (اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے)

اللہ تعالیٰ کی صفات ہیبت اور خوف کا تقاضا کرتی ہیں اور علماء و عارفین بعد اور حجاب سے ڈرتے ہیں۔ حضرت ذوالنون مہری نے کہا: آگ کا خوف فراق کے خوف کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے سمندر کے مقابلے میں تھرہ۔

عام لوگوں کا یہ حال نہیں ہوتا۔ وہ تو طرق کی لذت سے آشنا ہی نہیں ہوتے۔ البتہ آگ کا خوف انہیں مضطرب کرتا ہے اور وہ بھی تقلیدی طور پر۔ وہ تو بچے کے سانپ سے خوف کے شائبہ سے جو باپ کی تقلید میں ہوتا ہے، اسی لیے کمزور ہوتا ہے اور اکثر تقلیدی عقائد کو بڑھاتے ہیں۔

پھر جب بندہ اللہ کی معرفت کی طرف ترقی کرے گا، تو لازماً اس سے ڈرے گا۔ اور یہ آدمی ایسے علاج کا محتاج نہیں جو اس کے دل میں خوف پیدا کرے، بلکہ یہ خوف اس کے علم اور عقیدے کی وجہ سے ہوگا۔ جو آدمی اعمالِ حسنہ میں کوتاہی کرتا ہے اس کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اخبار و آثار کو سُنے اور خوف والوں کے حالات و اقوال کا مطالعہ کرے۔

اگر وہ اُن کی عقلوں اور ان کے منہب کو امید رکھنے والوں اور دھوکہ کھانے والوں کے مناصب کے مقابل رکھے گا، تو اُسے کوئی شک و شبہ نہ رہے گا کہ ڈرنے والوں کی اقتدا بہتر ہے کیونکہ وہ انبیاء اور علماء اور اولیاء ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انصاری بچے کے جنازہ کے لیے بلا گیا۔ تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول، یہ بڑا خوش نصیب ہے جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑی ہے جس نے رنگناہ کیا نہ گناہ کی عمر پائی، تو آپ نے فرمایا، اے عائشہ کیا اس کے سوا بھی کوئی بات ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جنت میں رہنے والے پیدا کیے اور ابھی وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے کہ ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ ہو چکا اور کچھ دوزخ کے لیے پیدا کیے اور ابھی وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے کہ ان کے دوزخی ہونے کا فیصلہ ہو چکا۔

اس ذیل میں سب سے عجیب یہ آیت ہے جس کا ظاہر تو امید ہے، حالانکہ وہ بڑی سخت طوفان والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَإِنِّي لَخَفَّارٌ لِّكُتُبٍ تَابٍ وَآمَنٍ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ** (اور میں اس آدمی کے لیے بڑا بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے عمل کرے، پھر ہدایت پر رہے) تو یہاں مغفرت کو چار شرطوں سے مشروط کیا ہے جن کی صحت بڑی مشکل ہے۔

ڈرنے والی آیات میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے: **وَالْعَصْرُ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ** (زمانے کی شہادت ہے کہ انسان ہمیشہ خسارہ میں رہا ہے)

اس کے بعد چار شرطیں ذکر کی ہیں جن سے انسان خسارے سے بچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَوْ شَاءْنَا لَأَخَذْنَا مِنْ كُلِّ قَوْمٍ مَّهْدًا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ** (اور اگر ہم چاہیں تو ہر جان کو اس کی ہدایت دے دیں لیکن ہماری یہ بات سچی ہو چکی کہ میں جہنم کو سب جنوں اور انسانوں سے

بھردوں گا

یہ تو معلوم ہے کہ اگر معاملہ نیا ہوتا تو چارہ سازی کی بہت زیادہ امید ہوتی، لیکن جو چیز پہلے ہی طے ہو چکی ہے۔ اس کا تدارک ممکن نہیں، اسے تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ اگر عارفین پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی اور امید سے ان کے دلوں کو راحت نہ ملتی تو وہ خوف کی آگ سے جل جاتے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: جو آدمی موت کے وقت ایمان چھین جانے سے بے خوف ہو، اس کا ایمان چھین ہی لیا جاتا ہے۔“

حضرت سفیان ثوریؒ کی وفات کا وقت آیا تو رونے لگے۔ ایک آدمی نے کہا: اے ابو عبداللہ! میرا خیال ہے آپ کے گناہ بہت زیادہ ہیں، تو آپ نے زمین سے کچھ مٹی اٹھائی اور کہنے لگے۔ خدا کی قسم! مجھے اپنے گناہوں کی اتنی بھی پروا نہیں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ موت سے پہلے میرا ایمان نہ چھین لیا جائے۔“

حضرت سہیل رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: مزید گناہ میں مبتلا ہونے کا ڈر ہوتا ہے اور عارف ڈرتا ہے کہ کفر میں مبتلا نہ ہو جائے۔“

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نبی نے اللہ کی بارگاہ میں بھوکا اور ننگا ہونے کی شکایت کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی فرمائی:

”اے میرے بندے کیا تو اس پر راضی نہیں کہ میں نے تیرے دل کو کفر سے محفوظ رکھا ہے کہ تو مجھ سے دنیا کا سوال کرتا ہے؟ تو اس نے مٹی اٹھا کر اپنے سر میں ڈالی اور کہا: کیوں نہیں۔ میں راضی ہوں۔ مجھے کفر سے محفوظ رکھ۔“

جبکہ عارفین کا باوجود راسخ قلم ہونے کے یہ حال ہنسنے کہ وہ خاتمے کی نثرانی سے ڈرتے ہیں تو پھر کمزور لوگ کیسے نہ ڈریں!!

موت سے پہلے ایمان چھین جانے کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ مثلاً بدعت، نفاق اور بکبر وغیرہ بری صفات۔ یہی وجہ ہے کہ سلف نفاق سے بہت ڈرا کرتے تھے۔

بعض نے کہا، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میں نفاق سے پاک ہوں تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہو۔ اور اس سے ان کی مراد عقیدے کا نفاق نہیں تھا، بلکہ اعمال کا نفاق مراد لیتے تھے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے تو بھڑٹا کرتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔“

خاتمہ کی خرابی دو طرح کی ہے۔ ان میں سے ایک بہت بڑی ہے اور وہ یہ ہے کہ معاذ اللہ اس کے دل میں شک غالب آجائے یا سکاٹ موت اور اس کی ہولناکیوں میں اللہ کا انکار کر دے تو اس سے دائمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ دوسری صورت اس سے کم ہے اور وہ یہ ہے کہ تقدیر الہی پر ناراض ہو یا اس پر اعتراض کرے، یا وصیت میں ظلم کر جائے، یا کسی گناہ پر اصرار کرتے ہوئے اس کی موت ہو جائے۔

بیان کیا گیا ہے کہ موت کی حالت میں شیطان کا حملہ سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ وہ اپنے مددگاروں سے کہتا ہے اس کو پکڑ لو، اگر یہ آج تمہارے تابو میں نہ آیا تو پھر تم اسے کبھی نہ پکڑ سکو گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعوانا لگا کرتے تھے: اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ شیطان موت کے وقت میرے سوا اس خراب کر دے۔

خطابی نے کہا: یہ اس طرح ہوتا ہے کہ شیطان اس وقت انسان پر غالب آجاتا ہے۔ اسے گمراہ کر دیتا ہے اور توبہ کرنے سے روک دیتا ہے یا اسے مظالم سے عہدہ برآ نہیں ہونے دیتا یا اسے اللہ کی رحمت سے مایوس کر دیتا ہے یا موت کو اس کی نگاہ میں ناپسندیدہ بنا دیتا ہے، تو وہ اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں رہتا۔ وہ اسباب جن کی وجہ سے خاتمہ بالخیر نہیں ہوتا بہت سے میں تفصیلی طور پر ان کو بیان کرنا ناممکن ہے، لیکن ان سب کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً:

اگر خاتمہ شک اور انکار پر ہو، تو اس کا سبب بدعت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات یا افعال کے متعلق خلاف عقیدہ رکھے۔ خواہ تقلید کی وجہ سے ہو یا اپنی رائے فاسد سے، تو جب موت کے وقت پردہ اٹھتا ہے تو اسے اپنے اس عقیدے کا باطل ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کے علاوہ جتنے بھی اسلامی عقیدے ہیں وہ سب اسی طرح ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔

جو آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق سلف کے طریق پر بغیر کسی بحث و تمحیص کے محض عقیدہ رکھے وہ ان شاء اللہ ان خطرات سے محفوظ رہے گا۔

گناہوں پر خاتمہ ہونے کا اصل سبب ایمان کی کمزوری ہوتا ہے۔ اسی سے گناہوں میں انہماک پیدا ہوتا ہے۔ گناہوں اور ایمان کو سمجھاتے ہیں اور جب ایمان کمزور ہو جاتا ہے تو اللہ کی محبت بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ پھر جب موت کے آثار شروع ہوتے ہیں تو یہ کمزوری اور زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا سے جدا ہونے کا وقت آگیا ہے تو وہ سبب جو خاتمہ کو اس مقام تک پہنچاتا ہے وہ دنیا کی محبت اور اس کی طرف میلان ہے۔ دوسری طرف ایمان کی کمزوری



اللہ کی محبت کو کمزور کرتی ہے، لیکن جس کے دل میں اللہ کی محبت دنیا کی محبت پر غالب ہو وہ ان خطرات سے محفوظ رہتا ہے اور دنیا سے اس طرح رخصت ہوتا ہے جیسے نیکو کا غلام اپنے مالک کے حضور پیش ہوتا ہے۔ اس کے دل میں مالک کے پاس آنے کی جو خوشی اور سرور ہوتا ہے وہ مخفی نہیں۔ پھر عزت افزائی اس کے علاوہ ہے۔

دوسری طرف جس کی روح اس عالم میں نکلے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا انکار دل میں آ رہا ہو یا وہ اللہ کی نافرمانی پر مصغر ہو، تو وہ اللہ کے پاس اس طرح آتا ہے جیسے کوئی زبردستی اس کو لائے تو پھر جس سزا کا وہ مستحق ہوگا وہ بھی مخفی نہیں ہے۔

جو آدمی سلامتی کی راہ چاہے اسے چاہیے کہ ملک کے اسباب سے دور رہے۔ خائفین کے دلوں کو یہی چیز بے قرار رکھتی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ دل پھرتے رہتے ہیں اور احوال بدلتے رہتے ہیں۔

صحیحین میں حضرت سہل بن سعدؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "بعض دفعہ آدمی دو فریوں کے سے کام کرتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔ اور کبھی آدمی جنت والوں کے سے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے۔"

بیان کیا گیا ہے کہ جب بندے کی روح کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: "یسعیان اللہ! یہ بیدار شیطان سے بچ کر آگیا، تعجب ہے کہ کیسے بچا؟"

جب تم نے بے خاتمے کے معنی سمجھ لیے تو اس کے اسباب سے بچو، اور اصلاح کی تیاری کرو، اس تیاری کو آئندہ پر ڈالنے سے پرہیز کرنا ضروری ہے کہ عمر بہت تھوڑی ہے اور ہر سانس خاتمے کی طرح ہے کیونکہ ممکن ہے کہ تمہاری روح اسی حال میں قبض ہو جائے۔

انسان اسی پر مرتا ہے جس پر زندہ رہتا ہے اور جس پر مرے گا اسی پر اٹھے گا۔

معلوم ہونا چاہیے اصلاح کی کوشش صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم بقدر کفایت پر قناعت کرو اور ناپائیداری کی طلب چھوڑ دو۔ ہم ڈرنے والوں کی کچھ باتیں تم کو سناتے ہیں۔ امید ہے ان سے دل کی تسخیر دور ہو جائے گی۔

یہ تو تم مانتے ہو کہ انبیاء اور اولیاء تم سے زیادہ عقلمند تھے، تو ان کے خوف کی شدت میں غور کرو، شاید تم اپنے نفس کو تیار کر سکو۔

## ملائکہ علیہم السلام کا خوف

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے: **يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ قُرْبِهِمْ** وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (وہ اپنے اوپر سے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جو اٹھیں حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں)

ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا: **اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں کہ جن کے کندھے اللہ کے ڈر سے کانپتے رہتے ہیں** اور پھر پوری حدیث بیان کی۔

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عرش اٹھانے والے فرشتوں کی آنکھوں سے نہروں کی طرح آنسو بہتے ہیں، اور جب وہ سر اوپر اٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں: **تو پاک ہے جیسے تجھ سے ڈرنے کا سہی ہے ایسا ڈرا نہیں جاتا**، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **جو میرے نام سے جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں وہ یہ بات نہیں مانتے**۔

جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **میں نے معراج کی رات جبریل علیہ السلام کو دیکھا وہ اللہ کے ڈر کی وجہ سے پرانی مشک کی طرح تھے**۔

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جبریل علیہ السلام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو رو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: **کیوں روتے ہو؟** تو کہا: **جب سے اللہ نے جہنم کو پیدا کیا ہے اس ڈر سے میری آنکھیں خشک نہیں ہوئیں کہ میں اللہ کی نافرمانی کروں اور وہ مجھے اس میں ڈال دے**۔

یزید قاشمی نے کہا: **عروش کے گرد اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جن کے آنسو قیامت تک نہروں کی طرح چلیں گے** وہ اس طرح اللہ کے ڈر سے لرزتے ہیں کہ جیسے ہوا ان کو اڑا کر لے جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **اے میرے فرشتو! تم کیوں خوف کرتے ہو جبکہ تم میرے پاس ہو؟** تو وہ کہتے ہیں: **اے رب! جتنا ہم تیری عزت اور عظمت کو جانتے ہیں اگر زمین والے جان لیں تو کھانا پینا چھوڑ دیں اور بستروں پر نہ لیٹیں، جنگلوں کی طرف نکل جائیں اور بیلوں کی طرح ڈکراتے رہیں**۔

محمد بن منکدر نے کہا: **جب جہنم پیدا ہوا، تو فرشتوں کے دل لرزنے لگے۔ پھر جب آدم پیدا ہوئے تو ان کے دلوں کو سکون ہوا**۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب ابلیس کی کارستانی ظاہر ہوئی تو جبریل اور میکائیل رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی فرمائی کہ یہ روننا کیسا ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا: اے رب! ہم تیری پکڑ سے بے خوف نہیں ہیں۔ فرمایا: اسی حالت پر رہو۔

### انبیاء علیہم السلام کا خوف

دہب نے کہا: آدم علیہ السلام حبت سے نکلنے کے بعد تین سو سال تک روئے اور غلطی ہو جانے کے بعد کبھی آسمان کی طرف اپنا سر نہ اٹھایا۔

دہب بن درون نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام پر بیٹے کے متعلق عتاب فرمایا اور کہا: اِنْ اَعْطٰتْ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ (میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ ہو) تو آپ تین سو سال تک روتے رہے۔ یہاں تک کہ رونے کی وجہ سے آنکھوں کے نیچے کھالیاں سی بن گئیں۔

الوالد داؤد رضی اللہ عنہ نے کہا: ابراہیم علیہ السلام جب نماز میں کھڑے ہوتے تو اللہ کے خوف کی وجہ سے اُن کے سینے سے ہنڈیا کے اُبلنے کی سی آواز آتی۔

جہا ہد نے کہا: جب داؤد علیہ السلام سے خطاب ہوئی، تو آپ چالیس روز تک مسجدے میں پڑے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے سبزی لگ آئی جس نے سر کو چھپا لیا۔ پھر کارا ہوا اے رب! پیشانی زخمی ہو گئی اور آنکھیں خشک ہو گئیں اور داؤد (علیہ السلام) کو اپنی غلطی کے بارے میں کوئی سواب نہیں ملا: تو اُن کو آواز آئی کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھانا دیا جائے؟ یا بیمار ہے کہ شفا دی جائے؟ یا مفلوم ہے کہ تیری مدد کی جائے؟ تو آپ کے مُنہ سے ایسی آہن نکلیں کہ ساری سبزی میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ اس وقت اللہ نے اُن کو معاف کر دیا۔

کہا گیا ہے کہ داؤد علیہ السلام کو بیمار سمجھ کر لوگ بیمار پڑسی کے لیے آتے حالانکہ اُن کو صرف اللہ کا ڈر ہوتا تھا کوئی بیماری نہ ہوتی تھی۔

عیسیٰ علیہ السلام جب موت کو یاد کرتے تو آپ کے جسم سے خون چھوٹا آتا۔

حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام اتنا روئے کہ اُن کی ڈاڑھیں ننگی ہو گئیں تو اُن کی والدہ نے منہ سے کی

دو تہیں ان کے خساروں پر باندھ دیں۔

## ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی قہقہہ لگا کر ہنستے نہیں دیکھا کہ میں آپ کے کوسے کو دیکھ لوں۔ آپ ہر تہم فرماتے اور جب بادل یا آندھی دیکھتے تو آپ کے پھرے سے خوف ظاہر ہوتا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو بارش کی امید کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں اور میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ جب آپ بادلوں کو دیکھتے ہیں تو آپ کے پھرے سے خوف ظاہر ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میں اس سے مطمئن نہیں کہ اس میں عذاب ہو۔ اور ایک قوم کو آندھی سے عذاب ہوا اور ایک قوم نے عذاب دیکھا تو کہنے لگی: یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسانے گا۔ اسے صحیحین نے روایت کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو رونے کی وجہ سے آپ کے سینے میں ہنڈیا کے ابلنے جیسی آواز آتی۔

## صحابہ رضی اللہ عنہم کا خوف

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان کو پکڑ کر کہتے: یہ ہے جس نے مجھے ہلاکتوں میں ڈالنا اور کہتے کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹا جاتا پھر جلا یا جاتا۔

اسی طرح طلحہ اور ابوالدرداء اور ابوذر رضی اللہ عنہم نے بھی کہا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قرآن کی آیتیں سنتے اور سہا رہ جاتے۔ لوگ کئی دن تک ان کی سیار پری کو اتنے۔ آپ نے ایک دن زمین سے تنکا اٹھایا اور کہا: اے کاش میں تیرے تنکا ہوتا سارے کاش میں کوئی چیز قابل تذکرہ نہ ہوتا۔ اے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی؟ رونے کی وجہ سے آپ کے پھرے پر دیو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ جب مجھ کو آندھی تو دوبارہ نہ اٹھایا جائے۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش میں ایک بیٹھا ہوتا میرے گھر والے مجھے ذبح کر دیتے اور میرا گوشت کھا لیتے اور شور باپنی لیتے؟

حضرت عمر بن حصین نے کہا: اے کاش میں راکھ ہوتا جسے ہوائیں اٹھا کر لے جائیں؟

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش میرے پاس کوئی آدمی ہو جو میرے مال کی نگرانی کرے اور میں

اپنا دروازہ بند کر لوں اور کوئی میرے پاس نہ آئے یہاں تک کہ میں اللہ سے جا ملوں۔“  
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے رخصتوں پر آنسو جاری ہونے کی لکیریں اس طرح تھیں جیسے پرانا تسمہ۔  
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے کاش! میں بھولی بسری ہوئی پیچیز ہوتی۔“  
 حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا ہے آج ان کی طرح  
 ٹاکڑی آدمی نہیں ہے۔ وہ پریشان، بال غبار آلودہ صبح کرتے، ان کی حالت ایسی ہوتی جیسے ٹا ہوا فائدہ، ان کی آنکھوں  
 کے درمیان ایسے نشانات پڑے ہوتے جیسے بکریوں کے گھٹنوں پر وہ رات اللہ کے سامنے سجدے اور قیام میں گزارتے۔  
 اللہ کی کتاب پڑھتے کبھی کھڑے ہوتے کبھی سجدہ کرتے۔ پھر صبح ہوتی اور اللہ کا تذکرہ ہوتا تو اس طرح کانپتے جیسے  
 آندھی میں درخت۔ اور ان کی آنکھیں بہتیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے بھیک جاتے۔ اور خدا کی قسم! اب تو گویا  
 قوم غافل ہو کر سو گئی ہے۔“

### تابعین اور بعد کے لوگوں کا خوف

حضرت ہرم بن حیان نے کہا: خدا کی قسم! میں پسند کرتا ہوں کہ کاش میں کوئی درخت ہوتا جسے کوئی اونٹنی کھا جاتی، پھر گنی  
 ٹی ٹکڑی میں مجھے پھینک دیتی اور میں قیامت کے دن حساب سے بچ جاتا۔ میں اس بڑی مصیبت سے ڈرتا ہوں۔“  
 حضرت حسین بن علی جب وضو کرتے تو رنگ زرد ہو جاتا۔ لوگ پوچھتے کیا بات ہے؟ تو کہتے: کیا تمہیں معلوم ہے  
 کہ میں کس کے سامنے جا رہا ہوں؟

حضرت محمد بن واسع رات کا اکثر حقہ روئے ہوئے گزارتے۔ خاموش نہ ہوتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز جب موت کا تذکرہ ہوتا تو پرندے کی طرح پھڑپھڑاتے اور دوتے، یہاں تک کہ ان کے آنسو ان کی  
 ڈاڑھی پر بہتے۔ آپ ایک رات سوئے تو گھروالے بھی رونے لگے۔ جب آنسو تھے تو آپ کی بیوی فاطمہ نے کہا:  
 اے ایڑھا! میں میرے ماں باپ قرآن۔ آپ کیوں روئے؟ تو کہا: مجھے خیال آگیا کہ لوگ اللہ کے دربار  
 سے پھر جنت کو جا رہے ہیں اور کچھ دوزخ کو۔ پھر آپ پیچھے اور بے ہوش ہو گئے۔

جب خلیفہ منصور نے بیت المقدس کا ارادہ کیا، تو آپ ایک راہب کے پاس ٹھہرے جس کے پاس

حضرت عمر بن عبدالعزیز ٹھہر کرتے تھے۔ اس سے کہا: مجھے عمر بن عبدالعزیز کی کوئی عجیب بات بتاؤ جو تم نے  
 دیکھی ہو۔“

لاہب نے کہا: "ایک رات وہ میرے اس کمرے کی چھت پر رہے۔ چھت پر رنگ دھڑکی سلیں لگی ہوئی تھیں۔ پرانے سے پانی کے قطرے گرنے لگے۔ میں نے جا کر دیکھا تو آپ سجدے میں تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے"

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت فتح موصلی خون کے آنسو روتے۔  
حضرت ابراہیم بن عیسیٰ شکر می نے کہا: "میں بحرین میں ایک آدمی کے پاس گیا جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ میں نے اس سے آخرت کا تذکرہ کیا۔ اس نے بھی موت کا تذکرہ کیا اور پھر وہ چیخنے لگا، یہاں تک کہ اس کی جان نکل گئی۔"

حضرت مسیح نے کہا: "میں عبدالواحد بن زید کے پاس گیا۔ وہ وعظ کہہ رہے تھے۔ اُس دن اُن کی مجلس میں چار آدمی فوت ہو گئے۔"

یزید بن مرتد بہت روتے اور کہتے: "خدا کی قسم! اگر مجھ سے اللہ تعالیٰ یہ کہے کہ میں تمہیں اس حمام میں قید کر دوں گا تو میرا حق تھا کہ میں ہمیشہ روتا رہتا۔ پھر میں کیسے نہ ر دوں کہ اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو وہ مجھے آگ میں قید کرے گا۔"

حضرت سمری سقظی نے کہا: "میں ہر روز آئینہ میں اپنا چہرہ اس خوف سے دیکھتا ہوں کہ میرا چہرہ سیاہ نہ ہو گیا ہو۔"

تو یہ تھا ملائکہ، انبیاء، عبادت گزاروں اور اولیاء کا خوف! ہمیں تو اُن سے بھی زیادہ ڈرنا چاہیے کیونکہ ہمارے درجات کم اور گناہ زیادہ ہیں۔

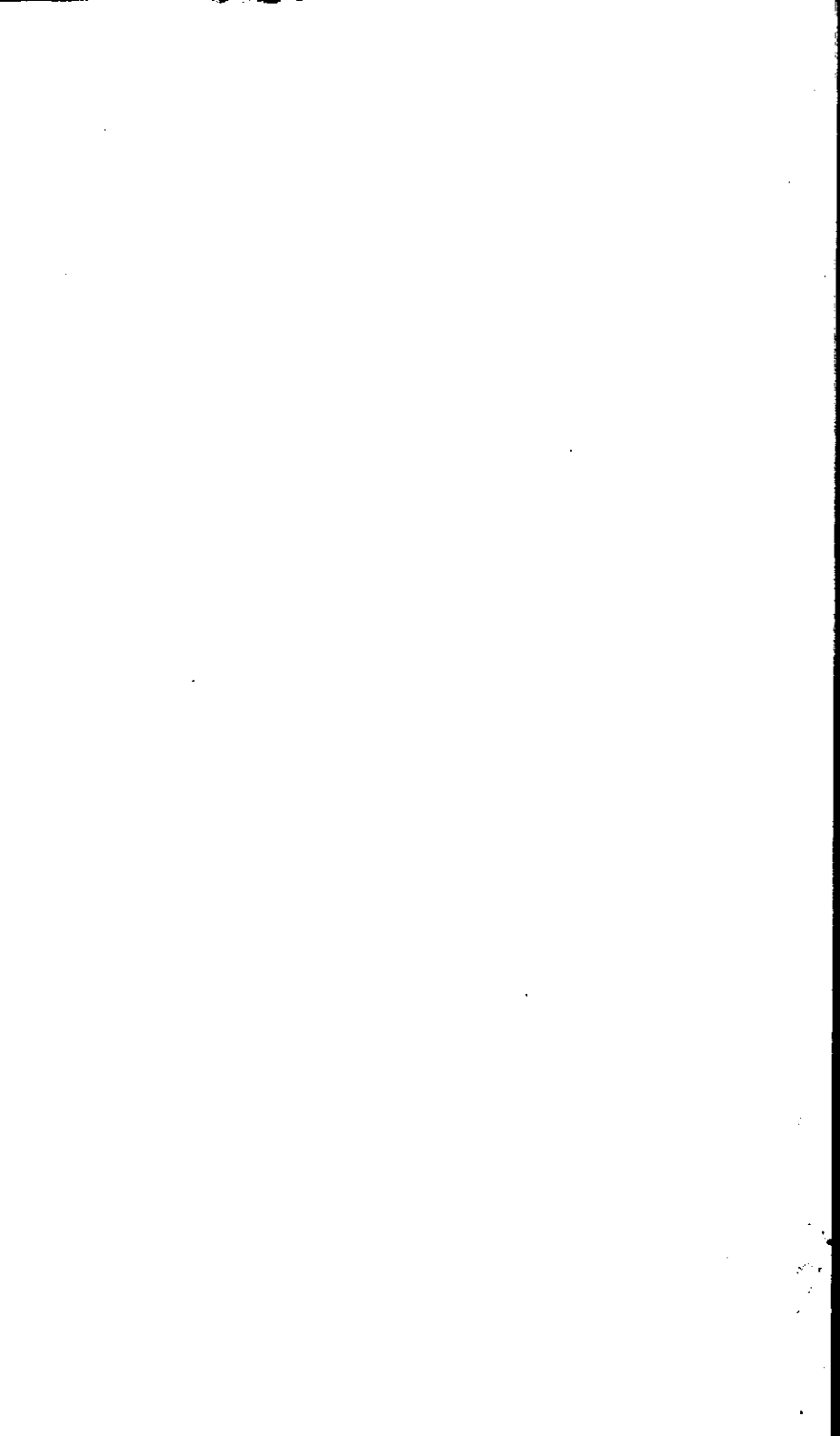
ڈر گناہوں کی کثرت سے نہیں بلکہ دل کی صفائی اور کمالی معرفت سے آتا ہے۔ ہم اگر بے خوف ہیں تو جہالت کے غلبے اور دل کی تساوت کی وجہ سے۔ صاف دل کو تھوڑا سا خوف بھی حرکت میں لاتا ہے اور سخت دل پر کوئی وعظ اثر نہیں کرتا۔

ایک بزرگ نے فرمایا: "میں نے ایک راہب سے کہا: مجھے کچھ نصیحت کرو تو اُس نے کہا: اگر تم سے ہر سکے تو اس آدمی کی طرح ہو جاؤ جس کو درندوں اور سانپ بھوڑوں نے گھیر لیا ہو۔ اور وہ ڈر رہا ہو کہ اگر ڈرا بھی غفلت کی تو درندے اس کو پھاڑیں گے۔ یا بھول گیا تو سانپ بھوڑا سے ڈس لیں گے۔"

میں نے کہا: "کچھ اور فرمائیے؟" تو کہا: "پیسے کو وہی کافی ہے جو آسانی سے مل جائے۔"

اس راہب نے ایسے شخص کی مثال دی ہے جسے درندوں اور سنترات الارض نے گھیر لیا ہو۔ یہ مثال مومن کے حق میں بالکل صحیح ہے۔ جو آدمی نور بعیرت سے اپنے اندر رکھیے گا اسے درندوں اور کیرٹھے مکوڑوں سے بھرا ہوا پائے گا۔ جیسے غضب، کینہ، حسد، تکبر، عجب اور ریاد وغیرہ۔ اگر یہ غفلت کرے گا تو یہ سب اس کو نوچیں گے اور بھاڑ کھائیں گے۔ ہاں دنیا میں ان کے مشاہدے سے سچا ہے۔ جب پردہ اٹھ جائے گا اور اسے قبر میں رکھا جائے گا تو یہ سانپ اور بچھو واضح طور پر دیکھے گا جو اس کو ڈسیں گے۔

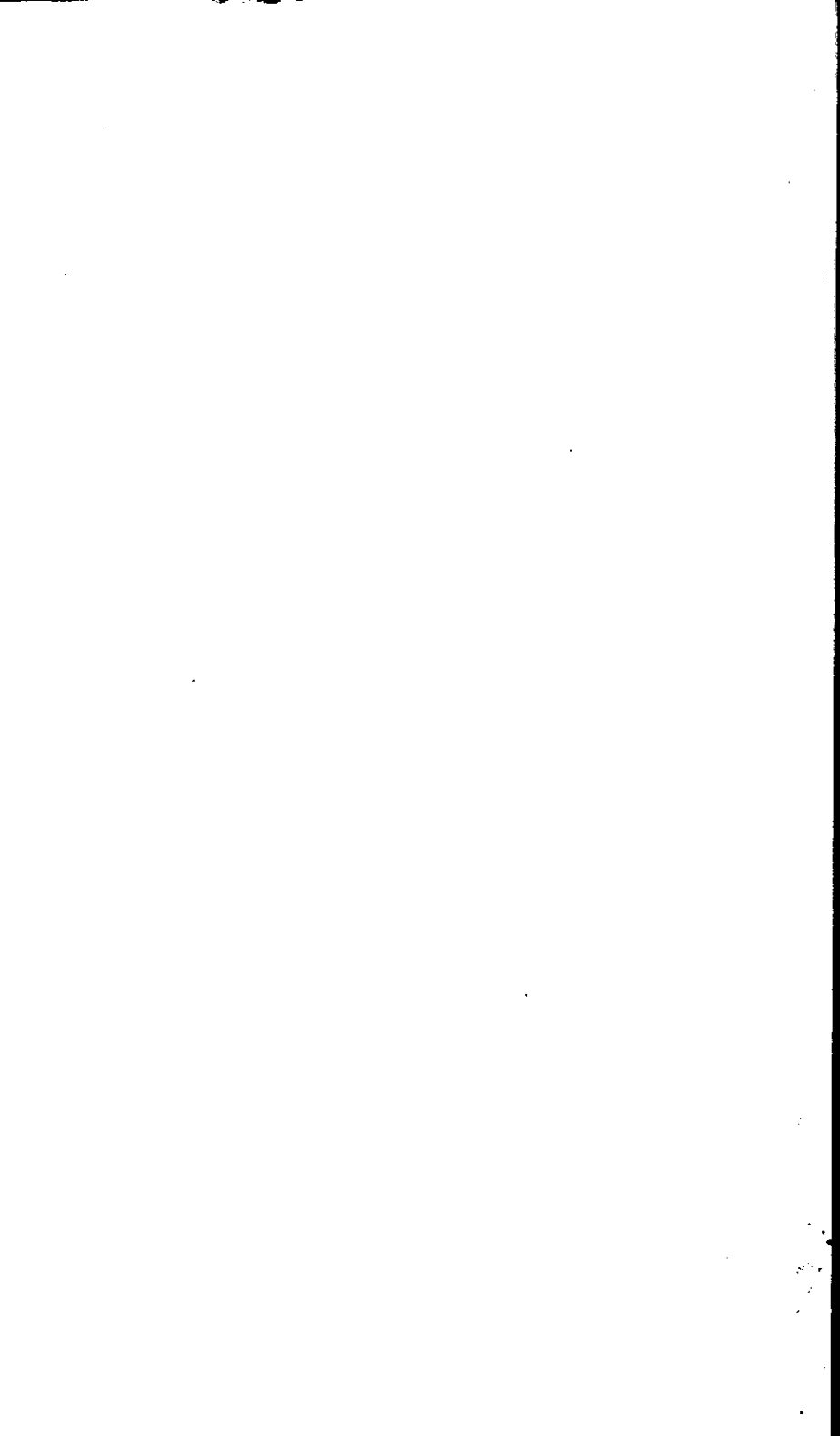
جو آدمی موت سے پہلے ان پر غالب آنا یا ان کو مارنا چاہے وہ ایسا ضرور کرے، ورنہ اپنے نفس کو ان سے ڈسوانے کے لیے تیار کر لے، اور یہ جان لے کہ وہ صرف ظاہری جسم ہی کو نہ ڈسیں گے، بلکہ دل کو بھی ڈسیں گے۔





# کتاب الفکر

- زہد و فقر
- فقر کی غنیٰ پر فضیلت
- فقیر کے آداب
- عطیہ قبول کرنے کے آداب
- مجبور فقیر کے آداب
- زہد کی حقیقت، فضیلت اور اس کے درجات
- زہد کے درجات اور اقسام
- ضروریات زندگی میں زہد کی تفصیل
- زہد کی علامتیں



## فصل اول

### زہد و فقر

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر گناہ کی جڑ دنیا کی محبت ہے اور اس سے بغض ہر نیکی کی بنیاد۔ اس کتاب کے پہلے ابواب میں دنیا کی مذمت بیان ہو چکی ہے۔ اب ہم اس سے بغض اور بے رغبتی کا تذکرہ کریں گے کہ وہ نجات دینے والی چیزوں کی جڑ ہے۔

دنیا سے مقاطعہ یا تو اس طرح ہو گا کہ دنیا بندے کو نہ ملے۔ اسی کا نام فقر ہے۔ یا بندہ اس کو چھوڑے۔ اس کا نام زہد ہے۔ کتاب کے اس حصے میں ہم فقرا اور زہداء، نیز ان کے درجات کے بارے میں بیان کریں گے۔ فقر کے بارے میں پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو بھی ہے وہ فقیر ہے، کیونکہ وہ اپنی ہر حاجت کے لیے اللہ کا محتاج ہے۔ اسے جو کچھ ملتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتا ہے۔

فقر میں یہ پانچ صورتیں متصور ہو سکتی ہیں :

- ۱- اگر مال ملے تو اُسے بُرا سمجھے اور اس کی برائی سے بچنے کے لیے لینے سے گریز کرے۔ ایسے آدمی کا نام زہاد ہے۔ اور اس کے اس فعل کا نام زہد۔
- ۲- مال کی رغبت نہ ہو کہ اس کے حاصل ہونے سے خوش ہو اور نہ اس کو ناپسند کرے کہ اُس سے اُسے تکلیف ہو۔ ایسے آدمی کو راضی کہا جاتا ہے۔
- ۳- مال کا ہونا یہ نسبت نہ ہونے کے اسے پسند ہو، لیکن رغبت اتنی نہ ہو کہ اس کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہو، بلکہ اس کے پاس حلال طریقے سے خود بخود آجائے تو اس سے خوش ہو اور لے لے۔ اور اگر اُسے اُس کی تلاش میں محنت کرنی پڑے، تو اس کے لیے تیار نہ ہو۔ ایسے آدمی کو قانع کہتے ہیں۔
- ۴- دل میں مال کی طلب ہو۔ اُس کے لیے محنت کرنے کا عزم بھی رکھتا ہو، لیکن اپنی عاجزی کی وجہ سے چھوڑ دے۔ ایسے آدمی کو حریص کہتے ہیں۔
- ۵- اپنے قصد کے لیے مال حاصل کرنے کے لیے مجبور ہو جیسے بھوکا اور تنگنا جس کے پاس کھانا یا لباس

نہ ہو۔ ایسے آدمی کو مضطر (مجبور) کہتے ہیں، خواہ تلاش میں اس کی رغبت کمزور ہو یا طاقتور۔ ان میں رب سے اعلیٰ پہلی حالت ہے اور وہ ہے زہد۔ اس کے علاوہ ایک اور مقام بھی ہے جو اس سے بھی اعلیٰ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک مال کا وجود و عدم برابر ہو جائے۔ اگر ملے تو خوش نہ ہو۔ اور نہ ملے تو دکھ نہ ہو۔

جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ان کے پاس دراہم کی دو تھیلیاں آئیں۔ آپ نے ان کو مادی تقسیم کر دیا۔ نو ٹڈی تے کہا: کیا یہی اچھا ہوتا کہ آپ ایک درہم گوشت کے لیے رکھ لیتیں، جس سے ہم روزہ افطار کر لیتے۔

آپ نے فرمایا: اگر تم یا دکر ایتیں تو میں رکھ لیتی۔

سب آدمی کی ایسی حالت ہو کر اگر اس کے پاس ساری دنیا کی دولت بھی آجائے تو اس کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ وہ مال کو اللہ کے خزانے میں سمجھتا ہے نہ کہ اپنے ہاتھ میں۔ ایسی حالت والے کو مستغنی کہا جاتا ہے۔ وہ مال کے وجود اور عدم سب سے بے نیاز ہے۔

اصحٰبِ الْاِحْوَارِی نے ابوسلیمان دارانی سے کہا کہ مالک بن دینار نے میزہ سے کہا: گھر کے اندر جا اور جو زکوٰۃ خچے دی گئی ہے وہ اٹھا کر لے جا۔ شیطان میرے دل میں دوسو سوڑا تھا ہے کہ اس کو چور لے جائے گا۔ ابوسلیمان نے کہا: یہ زہد کی کمزوری ہے۔ جب ایک شخص دنیا سے بے رغبت ہو چکا ہے تو اسے کیا خواہ اسے کوئی لے جائے۔

مال سے بھاگنا اور اس سے بے رغبت ہونا کمزوروں کے حق میں کمال ہے، لیکن انبیاء اور اولیاء کے حق میں تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں۔

کبھی تو یہی مال سے نفرت کا اظہار کرتا ہے تاکہ مال چھوڑے میں کمزور اس کی پیروی کریں۔ واللہ اعلم۔

## فقر کی غنی پر فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فقیروں کی طرح کے طور پر فرمایا، لِلْفُقَرَاءِ الْمَذِينِ احْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ (ان فقیروں کے لیے جو اللہ کی راہ میں روکے گئے)

فرمایا: لِلْفُقَرَاءِ الْمَذِينِ اخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ (ان فقیروں کے لیے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے) احادیث بھی بہت ہیں۔ ان میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو اس میں عام داخل ہونے والے فقیر لوگ تھے اور دو تندر و کے گئے تھے؟ اور پھر پوری حدیث بیان کی اور وہ صحیحین میں ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اے اللہ! آل محمد کا رزق بقدر کفایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ محمد کے گھرانے والوں نے جب سے وہ مدینہ میں آئے تین رات مترا تری گندم کی روٹی سیر ہو کر نہ کھائی۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

مسلم کے افراد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ سارا سال دن ان کو رومی قسم کی کھجور بھی پیٹ بھرنے کے لیے نہ ملتی تھیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے آپ نے فرمایا: فقراء مؤمنین اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے: تیزی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”دو تندر و کی مجلس سے بچو“ اور فرمایا: ایک بندے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اُس سے معذرت کریں گے، جیسے کہ بندہ بندے سے دنیا میں عزت کر تا ہے۔ پھر فرمائیں گے اپنی عزت اور جلال کی قسم میں نے تجھ سے دنیا کو اس لیے نہ روکا تھا کہ تو میرے نزدیک

بے قدر تھا، بلکہ اس لیے روکا تھا کہ میں نے تیرے لیے بڑی بزرگی تیار کر رکھی تھی۔ اے میرے بندے، ان صفوں کی طرف نکل، جس نے تجھے میری رضا کے لیے کھلایا یا اپنایا تھا اس کا ہاتھ پکڑ لو، میں نے انھیں تیرے لیے بخشا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا جب تم فقیر کو آتا دیکھو تو کہو: نیک لوگوں کی نشانی خوش آمدید اور حجب تم دو لہند کو آتا دیکھو تو کہو: کسی گناہ کی سزا ہے جو دنیا ہی میں دے دی گئی ہے؟

حضرت ابوالدرداء نے کہا: دو درہم والے کا حساب ایک درہم والے کی نسبت زیادہ سخت ہوگا؟

سفیان ثوری کی مجلس میں فقراء آگے بیٹھے اور اغنیاء پیچھے بیٹھا کرتے۔

ایک آدمی ابراہیم بن ادہم کے پاس دس ہزار درہم لایا۔ آپ نے قبول نہ کیے اور کہا: کیا تو چاہتا ہے کہ میرا نام فقیروں کے دفتر سے مٹا دیا جائے؟ میں ایسا نہیں کروں گا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بارگاہ ہے وہ بندہ جسے اسلام کی ہدایت ہوئی اور زندگی کفایت سے گزری۔ جو اسے اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس پر قناعت کی؟

باقی رہا یہ سوال کہ غنی اور فقیر میں سے افضل کون ہے؟ تو ظاہری مقولات فقیر کی افضلیت پر دلالت کرتی ہیں، لیکن اس کی تفصیل ضروری ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ شک اور اختلاف اس فقیر کے متعلق ہو سکتا ہے جو صابر ہو اور غنی نہ ہو اور اس غنی کے متعلق جو شک ہو اور اپنا مال نیک کاموں میں خرچ کرتا ہو۔ یا فقیر غریب یا غنی غریب کے متعلق۔ کیونکہ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ فقیر قانع، غنی نجیل اور غریب سے بہتر ہے۔ اور غنی نیک میں مال خرچ کرنے والا فقیر غریب سے بہتر ہے۔ اور اگر دولت مند مباح چیزوں میں مال سے فائدہ اٹھائے تو فقیر قانع اس سے بہتر ہے۔

اس میں اصل بات یہ ہے کہ جو چیز مقصود بالذات نہ ہو بلکہ کسی اور چیز کے لیے درکار ہو، اس کو اس کے مقصود کے منسوب کرنا چاہیے۔ اسی سے اس کی فضیلت ظاہر ہوگی۔ دنیا بذات خود بری نہیں ہے بلکہ بڑی اس لیے ہے کہ وہ وصول الی اللہ میں مانع ہے۔ اسی طرح فقر بھی بذات خود مقصود نہیں، بلکہ صرف اس لیے کہ اس سے وہ تعلقات اور مشاغل ختم ہوتے ہیں جو اللہ تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔

کتنے ہی ایسے غنی ہیں جن کی دولت ان کو خدا سے نہیں روکتی، جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہما۔ اور کتنے ہی فقیر ہیں کہ ان کا فقر ان کو مقصود سے روک دیتا ہے۔

اور انہیں اللہ کی محبت و انس سے پھیر دیتا ہے۔ اس کو مشغول کرنے والی دنیا کی محبت ہے جس کے ساتھ اللہ کی محبت جمع نہیں ہو سکتی کسی چیز سے محبت کرنے والا اس میں مشغول رہتا ہے، خواہ اس کے فراق میں ہو یا وصل میں۔

دنیا غافلوں کی معشوقہ ہے۔ جو اس سے محروم ہیں وہ اس کی طلب میں مشغول ہیں۔ اور جو اس پر قادر ہیں وہ

اس کی حفاظت اور اس سے فائدہ اٹھانے میں۔ اور اگر تم لوگوں کا خیال کرو، تو فقیہ خطرات سے محفوظ ہے کیونکہ

عیش و آرام کا فتنہ تکلیف کے فتنہ سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور یہ بھی ایک بچاؤ ہے کہ اسے نہ ملے اور چونکہ اکثر

آدمیوں کی یہی طبیعت تھی لہذا شریعت میں دو قسم کی فضیلت آئی ہے۔ ہم فیضیلت بیان کر چکے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو مہربانیت

کے دروازے پر ملیں گے۔ ایک غنی ایک فقیر۔ جو دنیا میں اکتھے تھے۔ فقیر کو جنت میں داخل کر لیا جائے گا اور غنی

کو جب تک اللہ چاہے گا روک لیا جائے گا۔ پھر اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ فقیر اس سے ملے گا اور

کہے گا: اے بھائی! آپ کیوں روک گئے تھے؟ خدا کی قسم آپ روک گئے تو مجھے آپ کے متعلق ڈر پیدا ہوا۔ وہ

کہے گا۔ اے بھائی، تمہارے بعد مجھے بہت بری طرح روک دیا گیا اور میں اتنا پسینہ بہا کرتا تھا کہ پاس آسکا ہوں

کہ اگر ہزار اونٹ کٹھے پورے کھا کر اس کو پلینے لگتے تو سب سیر ہو جاتے؟

معلوم ہونا چاہیے کہ محبوب کا فراق بڑا سخت ہوتا ہے۔ جب تو دنیا کو پسند کرے گا، تو اللہ کی ملاقات

کو ناپسند کرے گا۔ جو آدمی محبوب سے الگ ہو تو اس کی حیرائی میں اسے اسی قدر تکلیف ہوگی جتنی اس سے محبت

ہوگی پس چاہیے کہ اس سے محبت کر جو تم سے جدا نہ ہو۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ دنیا سے محبت نہ رکھو تو تم سے

جدا ہو جائے گی۔

## فقیر کے آداب

اگر اللہ نے فقر میں مبتلا کیا ہے تو اسے برا نہ سمجھنا چاہیے اور اس سے بلند مقام یہ ہے کہ اس پر

راضی اور خوش ہو۔ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھے اور اسی پر اعتماد ہو۔

اگر حال اٹک جائے۔ خلقت سے شکوہ کرے اور اللہ کا شکرا دہانہ کرے تو فقر اس کے حق میں عذاب

ہے، اسے شکوے کا اظہار نہ کرنا چاہیے، بلکہ تعفف اور تحمل کا اظہار کرے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يُحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ أَعْدِيَاءَ مِنَ السُّعْفِ**۔ (جاہل، انہیں سوال نہ کرنے

کی وجہ سے غنی تصور کرتا ہے)

فقیر کو چاہیے کہ غنی کی تواضع اس کے غنی ہونے کی وجہ سے نہ کرے اور نہ اس کے پاس رغبت سے

اٹھے بیٹھے۔

اسے یہ بھی چاہیے کہ اپنے فقر کی وجہ سے عبادت میں کوتاہی نہ کرے اور ضرورت سے زائد مال کو

خرچ کرنے میں سخی نہ کرے۔ یہ خرچ فقیر کی پر مشقت کوشش ہے۔

ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کونسا صدقہ افضل ہے؟ تو فرمایا: غریب

آدمی کی مشقت سے نکالی ہوئی چیز جو کسی فقیر کو پوشیدہ طور پر دی جائے۔“



## فصل سوم

## عطیہ قبول کرنے کے آداب

جب بغیر سوال کیے ملے تو اس میں تین چیزوں پر غور کرے نفس مال دینے والے کی غرض اور لینے کی غرض۔  
 نفس مال کے متعلق تو یہ ہے کہ وہ تمام شبہات سے پاک ہو۔ اگر اس میں کوئی شبہ ہو، تو لینے سے پرہیز کرے۔  
 پہلے حلال حرام کے بیان میں شبہ کے درجات بیان کیے ہیں کس سے بچنا واجب ہے اور کس سے مستحب۔  
 دینے والے کی غرض کے متعلق یہ ہے کہ یا تو وہ محبت کے لیے دے گا اور وہ ہدیہ ہے۔ اسے قبول کرنے  
 میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرے یہ کہ دینے والے کی غرض ثواب حاصل کرنا ہر وہ نیکو اور صدقہ ہے، تو اس پر  
 لازم ہے کہ اپنے نفس کی صفات کو دیکھے کہ کیا وہ اس کا مستحق ہے؟ اگر اس پر حال مشتبہ ہو تو وہ بھی مشتبہ ہے  
 اور اگر صدقہ ہے اور دینے والا اس کے دین کی وجہ سے دے رہا ہے تو پھر اپنے باطن کو دیکھے کہ کہیں وہ  
 باطن میں نافرمان تو نہیں ہے کہ اگر دینے والے کو پتہ چل جائے تو وہ اس سے متنفر ہو جائے۔ جیسے کہ وہ عالم سچ  
 کر دے اور وہ عالم تہہ ہو۔

تیسرے یہ کہ اگر دینے والے کی غرض شہرت، ریا یا سمعہ ہو تو اسے چاہیے کہ رد کرے اور اسے قبول نہ  
 کرے۔ کیونکہ اگر اسے قبول کرے گا تو اس کے ناسداواجے میں اس کا مددگار ہوگا۔

رہی لینے کی اپنی غرض تو غور کرے کہ وہ اس مال کا محتاج ہے یا اس سے بے نیاز؟ اگر اس سے بے نیاز  
 ہے تو نہ لے۔ اور اگر محتاج ہے اور مال بھی شبہات سے پاک ہے جو ہم نے بیان کیے ہیں تو افضل یہ ہے  
 کہ اسے قبول کر لے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مال تیرے پاس بغیر  
 کسی لالچ کے آجائے وہ لے لے۔ اور جو نہ آئے اس کے پیچھے نہ لگ؛ (صمیمین)  
 ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کے پاس اپنے بھائی سے کوئی بھلائی بغیر سوال اور لالچ کے آجائے  
 اسے قبول کر لے۔ واپس نہ کرے۔ یہ اس کو اللہ نے رزق دیا ہے؛

## مجبور فقیر کے آداب

معلوم ہونا چاہیے کہ سوال کرنے کی ممانعت اور رخصت میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ رخصت کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سوال کرنے اے کا حق ہے، اگرچہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔" احادیث میں ہے کہ سوال کرنے اے کو ضرور کچھ نہ کچھ دے دو اگرچہ جلا ہوا یا یہی کیوں نہ ہو۔ اگر سوال کرنا حرام ہوتا (حد سے گزرنا ہوتا) تو حد سے گزرنے اے کی مدد اس کے حدود سے تجاوز کرنے پر جائز نہ ہوتی۔

سوال کرنے سے ممانعت کی احادیث بھی موجود ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی تم میں سے ہمیشہ مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی کوٹھے کا اور اس کے چہرے پر گوشت کی بوٹی نہ ہوگی۔ (صحیحین)

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال سے بچنے کا ذکر فرمایا تو کہا: "اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔" (اوپر کا ہاتھ دینے والا ہے اور نیچے کا لینے والا)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو آدمی بغیر مجبوری کے مانگے وہ قیامت کے دن آئے گا اور اس کا چہرہ زخم زخم ہوگا۔" آخر تک یہ حدیث حسن ہے اور اس معنی میں اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ سوال کرنا اصل میں حرام ہے کیونکہ اس میں تین چیزیں ضرور ہوتی ہیں پہلی: اللہ کا شکوہ۔ دوسری اپنے نفس کی ذلت اور کسی مؤمن کو اپنے نفس کو ذلیل نہ کرنا چاہیے۔ اور تیسری عام طور پر جس سے مانگتا ہے اس کے لیے تکلیف کا باعث بنتا ہے۔

ضرورت کی حالت میں یا کسی ہم حاجت کے لیے جو ضرورت کے قریب ہو سوال کرنا جائز ہے اور مجبور کو جیلے بھوکے کا سوال کرنا جسے اپنی موت یا بیماری کا خوف ہو اور ننگے کا سوال کرنا جس کے پاس تن ڈھانپنے کو کچھ نہ ہو۔ یا سردی سے بچنے کے لیے کپڑے نہ ہوں اور یہی حال اس کا ہے جو چل سکتا ہے، لیکن مشقت سے اُسے جائز ہے کہ سواری کے کرایہ کا سوال کرے، لیکن سوال نہ کرنا بہتر ہے۔ جس کے پاس روٹی ہو اور سالن نہ ہو اُسے کہ بہت کے ساتھ مانگ لینا جائز ہے۔ اور یہی حال زمین کے لیے سوال کرنے کا ہے۔ جس کے پاس سواری ہو لیکن زمین نہ ہو وہ سوال کر سکتا ہے۔

سوال کرتے وقت محتاج کی طرح نہ مانگے، خود کو اللہ تعالیٰ کا محتاج خیال کرے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے شکوے کا پہلو پیدا نہ ہوگا۔

چاہیے کہ اپنے باپ یا قریبی دوست سے سوال کرے یا کسی سخی سے اپنی حاجت بیان کرے جس نے اچھے کاموں کے لیے مال رکھا ہو۔ ایسا کرنے سے یہ ذلت سے بچ جائے گا۔

اگر کسی ایسے آدمی سے لے جس کے متعلق جانتا ہے کہ اس نے محض شرم کی وجہ سے دیا ہے، تو اس کا لینا جائز نہیں بلکہ لوٹانا واجب ہے۔

فقیر کو چاہیے کہ اپنی ضرورت سے زیادہ نہ مانگے۔ اس چیز کا خیال رکھے کہ سوال کرنا محض دفع الوعی کے لیے ہے۔ زب و ذریت کے لیے نہ مانگے۔ اگر اسے علم ہو کہ ہر روز اسے کوئی نہ کوئی ایسا آدمی مل جائے گا جس سے سوال کرے تو ایک دن رات کی روزی کا بندوبست ہو جائے گا تو زیادہ مانگنا جائز نہیں۔ ہاں اگر یہ خوف ہو کہ دینے والا نہ ملے گا یا خوف ہو کہ سوال کرنے سے عیب آجائے گا، تو ایک دن کی ضرورت سے زیادہ کا سوال کرنا بھی جائز ہے۔ بہر حال ایک سال کے خرچ سے زیادہ مانگنا سنی طرح بھی جائز نہیں۔

بشیر حافی فرمایا کرتے تھے: فقیر تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ فقیر ہے جو مانگتا بھی نہیں اور اگر اسے دیا جائے تو لیتا بھی نہیں یہ فرشتوں میں سے ہے۔ اور ایک وہ فقیر ہے جو مانگتا نہیں اور اگر اسے دیا جائے تو لے لیتا ہے، تو یہ جنتی لوگوں سے ہے اور ایک فقیر وہ ہے کہ صرف ضرورت کے وقت مانگتا ہے تو اس کے سوال کرنے کا کفارہ اس کا سوال کرنے میں سچ بولنا ہے۔“

شیخ جمال الدین رحمہ اللہ نے فرمایا: میں کہتا ہوں فیصلے کی بات یہ ہے کہ اگر فقیر نیر مانگے اپنا وقت گزار سکے، تو اسے سوال کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اس کا وقت تنگی سے گزرتا ہو تو دیکھا جائے گا تکلیف قابل برداشت ہے یا ناقابل برداشت۔ اگر تکلیف ناقابل برداشت ہو تو سوال کرنا جائز ہوگا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا: ”جو بھوکا ہو اور سوال نہ کرے اور مر جائے تو وہ دوزخ میں گیا۔“

## فصل چہارم

### زہد کی حقیقت، فضیلت اور اس کے درجات

معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں زہد سا لکین کے مقامات میں سے ایک بلند مقام ہے۔ اور نہ ہذا نام ہے ایک چیز سے منہ پھیرنا تاکہ اس سے بہتر کو حاصل کر سکے۔ شرط یہ ہے کہ جس سے منہ پھیرتا ہے وہ چیز بھی کسی نہ کسی طرح سے اسے مرغوب ہو۔ جو آدمی ایسی چیز سے منہ پھیرے جو نہ تو فی نفسہ مرغوب ہو اور نہ مطلوب، تو اسے زہد نہیں کہا جائے گا۔ جیسے کوئی آدمی کھانا چھوڑ دے تو اسے زہد نہیں کہا جائے گا۔

حقیقی معنوں میں زہد اس سے کہتے ہیں جو دنیا چھوڑ دے۔ اور جو اللہ کے سوا ہر چیز کو چھوڑ دے۔ زہاد کا مل ذہبی ہے۔

جو دنیا سے منہ موڑے بلکہ جنت اور اس کی نعمتوں کی بھی رغبت رکھے تو وہ بھی زہاد ہے لیکن یہ پہلے سے کم مرتبہ۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مال کا چھوڑ دینا، یا اسے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے خرچ کرنا زہد نہیں ہے۔ زہد یہ ہے کہ دنیا کو آخرت کے مقابل حقیر سمجھ کر چھوڑ دے۔

جس کو معلوم ہو کہ دنیا برف کی طرح ہے جو پگھلتی ہے اور آخرت موتی کی طرح ہے جو باقی رہتا ہے تو اس کی خواہش ہوگی دنیا کو بیچ کر آخرت خرید لے۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے، قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا خَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ (آپ کہہ دیں وہ کاسا مان تھوڑا ہے اور آخرت پر بہتر چیزوں کے لیے بہتر ہے)

فرمایا: مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ (جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا)

زہد کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے: وَلَا تَسْتَدِنَنَّ عَيْنِكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّمَّنْهُمْ زَهْرَةً الْحَيَاةِ السُّنْيَا لِنُقِضَتْ لَهُمْ حَيَاتُهُمْ - (اور جو ہم نے ان کو آزمائش کے لیے دنیا کی زندگی کی آزمائش دی ہے اُس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کا مقصود دنیا ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے کام پر اگندہ کر دیتے ہیں۔ اس کی جائیداد منتشر ہو جاتی ہے اور اس کی پیشانی پر حجابی لکھ دی جاتی ہے۔ پھر دنیا اسے اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے لیے لکھی گئی ہے، لیکن جس آدمی کا مقصود آخرت ہو جائے اللہ اس کو یکسو کر دیتا ہے۔ اُس کا سامان محفوظ رکھتا ہے۔ اس کے دل کو غمی کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے۔“

حضرت حسنؓ نے کہا: قیامت کے دن اہل زہد کے علاوہ سب ننگے اٹھیں گے۔ کچھ لوگوں نے دنیا کی عزت کی تو اُس نے اُن کو سُورے پر پڑھایا۔ سو تم اس کو ذلیل کرو۔ جب تم اس کو ذلیل کرو گے تو اس وقت وہ بہت اچھی ہوگی۔

حضرت فضیلؓ نے کہا: تمام بڑائی ایک گھر میں رکھ دی گئی ہے اور اُس کی چابی دنیا کی محبت ہے۔ اور سب بھلائیوں ایک گھر میں رکھ دی گئی ہیں اور اس کی چابی دُنیا سے بے رغبتی ہے۔  
بعض سلف کہتے تھے: دُنیا سے بے رغبتی دل اور بدن کو آرام دیتی ہے اور اس کی رغبت غم اور فکر بڑھاتی ہے۔“

## زہد کے درجات اور اقسام

بعض لوگ دُنیا سے بے رغبت ہونا چاہتے ہیں حالانکہ وہ اس کے حائلین ہیں ہر تے ہیں، لیکن پھر وہ اپنے نفس سے مجاہدہ کرتے ہیں۔ ان کو متر پد کہا جاتا ہے اور یہ زہد کی ابتدا ہے۔  
دوسرا درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص نجوشی دُنیا سے بے رغبت ہو۔ اپنے نفس کو اس میں تکلیف نہ دے لیکن اُس کی نگاہ میں زہد کی قدر و قیمت زیادہ ہو۔ ایسا شخص جلد ہی مراد پالیتا ہے۔ اُسے یہ احساسِ حسرت بخشتا ہے کہ اُس نے ایک پیاری میز خرور چھوڑ دی ہے، لیکن اُس سے زیادہ اچھی چیز حاصل کر لی ہے۔ جیسے کوئی دو

درہم لینے کے لیے ایک درہم کو چھوڑ دے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی خوشی سے زہد اختیار کرے اور اپنے زہد سے بھی بے رغبت ہو۔ وہ یہ سمجھے میں نے کوئی چیز نہیں چھوڑی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دنیا کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آدمی چھتھرے کو چھوڑ دے اور میرا بکڑ لے۔ ظاہر ہے وہ میرے کو چھتھرے کا معاوضہ نہیں سمجھے گا۔ اور یہ کمال درجے کا زہد ہے۔

معلوم ہونا چاہیے دنیا چھوڑنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ سے ملنے جائے اور دروازے پر بیٹھا ہوا گناہ سے روک دے تو وہ روٹی کا ایک ٹکڑا اُس کے آگے ڈال کر اندر چلا جائے اور بادشاہ کا قرب حاصل کرے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ شخص بادشاہ کے پاس اپنے اس ایک ٹکڑے کا احسان جتنا لے گا جو اُس نے گتے کو ڈالا تھا؟ یقیناً نہیں۔ تو شیطان اللہ تعالیٰ کے دروازے پر کتا ہے۔ وہ لوگوں کو داخل ہونے سے روکتا ہے، حالانکہ دروازہ کھلا ہے اور پر وہ اٹھا ہوا ہے۔ دنیا لٹکے کی طرح ہے تو جس نے بادشاہ کی قربت حاصل کرنے کے لیے دنیا کو چھوڑ دیا وہ پھر اس کا خیال بھی نہ کرے گا کیونکہ اس کے بدلے میں اسے جو کچھ دیا گیا ہے بہت بیش قیمت ہے۔ اگر کسی کو ایک ہزار سال عمر دی جائے تو دنیا کی تمام نعمتوں کی مثال آخرت کی تمام نعمتوں کے مقابلے میں ایک لقمہ ہے۔

مرغوبات کی نسبت سے زہد کی تین قسمیں ہیں:

- ۱۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب، حساب اور آشدہ کی ہونگیا کیوں سے نجات کے لیے زہد اختیار کر لیا جائے۔ یہ ڈرنے والوں کا زہد ہے۔
- ۲۔ ثواب اور موجودہ نعمتیں حاصل کرنے کے لیے زہد اختیار کیا جائے۔ یہ امید رکھنے والوں کا زہد ہے کہ انھوں نے نعمتوں کو نعمتوں کے لیے چھوڑا۔
- ۳۔ سب سے اعلیٰ زہد یہ ہے کہ نہ تو دکھوں سے نجات کے لیے ہو اور نہ لذتوں کے حصول کے لیے، بلکہ صرف اللہ کی ملاقات کے لیے ہو۔ اور یہ محسنین اور عارفین کا زہد ہے۔

## فصل پنجم

# ضروریات زندگی میں زہد کی تفصیل

اہم ضرورتیں سات ہیں؛ کھانا، لباس، مکان، سامانِ خانہ، نکاح، مال اور جاہ و منزلت۔ پہلی ضرورت، یعنی کھانا۔ اس کے متعلق معلوم ہونا چاہیے کہ اس میں نہ اہد کی رغبت صرف اتنی ہے جس سے بھوک نائل ہو جائے اور بدن کے موافق ہو۔ لذت اس کے پیش نظر نہیں ہوتی۔

حدیث میں ہے کہ اللہ کے بندے عیش و عشرت میں نہیں رہتے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عروہ سے فرمایا: ہم پر ایک ایک دودو، تین تین چاند کو رعایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہ جلائی جاتی؟ تو عروہ نے کہا: اے خالد جان! آپ کس چیز پر زندگی گزارتے تھے؟ تو آپ نے کہا: ”دو سیاہ چیزوں پانی اور کھجور پر۔“ اس مضمون میں بہت سی مشہور احادیث ہیں۔

زہد عام طور پر بالکل سادہ اور معمولی کھانا کھاتے تھے لیکن یہ بات بھی نہ تھی کہ اچھے کھانے کو انھوں نے اپنے لیے حرام کر لیا ہو۔ بیان کیا جاتا ہے حضرت سفیان ثوری کے دسترخوان پر ٹھنڈا ہوا گوشت اور فالودہ ہوتا تھا۔

دراصل زہد یہ ہے کہ ایسی چیز کا فہم کرے جس سے بدن درست رہے اور عیش و عشرت میں نہ پڑے۔ اور اس میں بھی یہ بات ملحوظ رکھی جا سکتی ہے کہ کس شخص کی جسمانی حالت کیسی ہے اور کسے کس نوعیت کی غذا استعمال کرنی چاہیے، کیونکہ سب کی جسمانی حالت ایک سی نہیں ہوتی، البتہ یہ بات ضرور ملحوظ رہنی چاہیے کہ دنیا پرستی کا پہلو پیدا نہ ہو۔

بعض آدمی اپنی روزی کے لیے حلال کی چیزیں ذخیرہ کرتے ہیں۔ یہ کوئی نامرغوب بات نہیں۔ اس سے وہ زہد سے خارج نہیں ہو جاتے۔ درست بات یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حالات کے مطابق احتیاط کی زندگی بسر کرنے کی آزادی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے حضرت واؤد طائی کو میں دینار وراثت میں ملے۔ آپ نے

ان کو بیس سال میں خرچ کیا۔

دوسری ضرورت لباس ہے، تو زابداس میں اتنے پر اکتفا کرتا ہے کہ گرمی سردی سے محفوظ نظر ہے اور ستر پوشی کا مقصد پورا ہو جائے لیکن اس میں بھی کچھ خرچ نہیں کر زینت بھی حاصل ہو جائے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہننے سے بھی بعض اوقات انسان نکتے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ لوگ اسے خدا رسیدہ خیال کرنے لگتے ہیں ویسے فطری طور پر ایسی حالت ہونے کوئی خرچ نہیں۔

حضرت ابو بردہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بیوندگی چادر اور موٹے کپڑے کا تہبند نکالا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان دو کپڑوں میں ہوئی (صحیحین)

حضرت حسنیٰ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں خطبہ دیا اور آپ کی چادر میں بارہ بیوندگی ہوئے تھے۔

تیسری ضرورت مکان ہے۔ اس میں زاہد کے تین درجے ہیں: سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے لیے کوئی خاص جگہ نہ بنائے بلکہ مسجد کے گوشوں پر تقاضا کرے۔ جیسے اصحابِ صفہ تھے۔

دویمانہ درجہ یہ ہے کہ اپنی خاص جگہ بنائے، لیکن کھجور کی شانوں سے یا بانس کی کھچھوٹیوں سے یعنی ہوئی جھونپڑی ہو یا گھاس پھوس کی۔

اور دانی درجہ یہ ہے کہ اینٹوں کا حجرہ بنائے لیکن اگر اسے گھلا اور بلند بنائے تو زہد کی حد سے نکل جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپ نے اینٹ پر اینٹ نہ رکھی (یعنی صرف معمولی جھونپڑیاں بنائیں) حضرت حسنیٰ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں جاتا تو میرا ہاتھ چھت کو لگ جاتا۔

حدیث میں ہے کہ آدمی کو تمام اخراجات کا اجر ملتا ہے سوائے مٹی میں لگائے ہوئے پیسے کے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا: جب مکان بقدر کفایت ہو تو نہ اس کا اجر ہے اور نہ بوجھ۔

مختصر یہ کہ جو چیزیں ضرورت کے لیے بنائی جائیں اس میں زہد کی حدود کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

چوتھی چیز گھر کا سامان ہے۔ زاہد کو چاہیے کہ مٹی کے برتن رکھے اور اپنے کاموں میں ایک ہی برتن کو استعمال کرے۔ پیلے میں کھائے اور اسی میں پیے۔ جو آدمی بہت سے آلات بنائے یا نفیس چیزیں استعمال کرے وہ زہد سے خارج ہوا۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو دیکھنا چاہیے صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی



حدیث ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور چٹائی کے نشان آپ کے پہلو پر تھے۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خزانہ (سئور) دیکھا میں صرف ایک صاع (ٹوپے) کے قریب جو پڑے ہوئے تھے۔

بخاری کی روایت میں ہے: "خدا کی قسم! میں نے وہاں کوئی چیز نہ دیکھی جس پر نگاہ اٹک جاتی۔" یہ حدیث مشہور ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ایک میٹھھے کی کھال کے سوا ہمارے پاس کوئی بسترنہ تھا۔ ہم رات کو اس پر سو رہتے اور دن کو اس پر اونٹنی کا چارہ رکھ کر کھلاتے اور فاطمہ کے سوا میرے پاس کوئی خادم نہ تھا۔ آپ آگوندھتیں تو مشقت کی وجہ سے آپ کی پیشانی کے بال تغاری کے کنارے سے آگتے۔" (یعنی دباؤ زیادہ دینے کی وجہ سے زیادہ جھکن پڑتا)

ایک آدمی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کے گھر میں نظر دوڑانے لگا۔ پھر کہا: "اے ابو ذر! آپ کے گھر میں مجھے کوئی سامان نظر نہیں آتا؟" آپ نے کہا: "ہمارا ایک گھر ہے ہم اپنا تمام قیمتی سامان اس میں رکھتے ہیں۔" اس نے کہا: "جنگ آپ یہاں ہیں آپ کو یہاں بھی سامان کی ضرورت ہے؟" آپ نے فرمایا: "مکان کا مالک ہمیں یہاں نہیں رہنے دے گا۔"

پانچویں ضرورت نکاح ہے اور اصل نکاح میں اور اس کی کثرت میں زہد کا کوئی نقصان نہیں۔

حضرت سہیل بن عبد اللہ نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں سے محبت تھی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ زاہد ترین صحابہ میں سے تھے۔ آپ کے پاس چار بیویاں اور دس سے زیادہ نوٹدیاں تھیں۔ ابولیمان دارانی کہتے تھے جو بھی تجھے اللہ سے غافل کر دے خواہ بال بچہ ہو یا مال و دولت وہ بُرا ہے۔ اس سلسلے میں فیصلہ کن بات یہ ہے کہ جس پر شہوت غالب ہو، اور اپنے نفس سے مطمئن نہ ہو، تو نکاح اس کا مددگار ہے۔

جسے خوف نہ ہو اس کے لیے نکاح افضل ہے یا عبادت میں مشغول رہنا؛ تو اس میں عمل کا اختلاف ہے۔

بعض وہ ہیں جو قبائے نسل کے لیے نکاح کرتے ہیں اور علل کئی سے خرچ بھی پورا کر سکتے ہیں تو نکاح ان کے دین میں کوئی نقص نہیں پیدا کرتا اور نہ ان کا دل پریشان ہوتا ہے، بلکہ نکاح یکسو کرتا ہے۔ ان کی نظر کو روکتا ہے اور فکر کو اچس لاتا ہے اور انتہائی فضیلت ہے اور اسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی وغیرہ

بزرگوں کا عمل تھا۔

جو لوگ نکاح کی لذت کو ترک کرنے میں زہد سمجھتے ہیں، ان کی بات پر غور نہ کرنا چاہیے۔

بعض سلف خوبصورت عورت کے مقابل معمولی عورت کو ترجیح دیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایسی عورتیں دین کی طرف بالعموم زیادہ مائل ہوتی ہیں، ان کا خرچ کم ہوتا ہے اور ان کا اہتمام آسانی سے ہو جاتا ہے، برخلاف خوبصورت عورت کے کہ وہ دل کو پریشان اور مشغول کرتی ہے اور زیادہ خرچ کا مطالبہ کرتی ہے۔

حضرت مالک بن دینار نے کہا، آدمی قصہ کرتا ہے تو بڑی خوبصورت عورت سے نکاح کرنا ہے اور پھر کہتا ہے میں تو ریشمی بستر چاہتا ہوں اور وہ اس کے دین کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔

چھٹی ضرورت مال ہے اور یہی زندگی میں ضروری ہے، تو اس میں زائدانے پر اکتفا کرتا ہے جس سے وقت گزر سکے۔ بعض نیک لوگ تجارت کا شغول کرتے ہیں لیکن ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مانگنے سے بچیں۔

حضرت حماد بن سلمہ اپنی دوکان کھولتے اور جب دو تہجد (دو بجوے) کے برابر عبادت کا ایک سگم لکھ لیتے، تو دوکان بند کر دیتے۔

حضرت سعید بن مسیب تیل کی تجارت کرتے تھے۔ اپنے پیچھے انھوں نے چار سو دینار چھوڑے اور کہا میں نے اس لیے چھوڑے ہیں کہ ان کا وجہ سے میں اپنی عزت اور دین بچاؤں۔

ساتویں ضرورت جاہ و مرتبہ ہے۔ اور انسان کے لیے عزت بھی بڑی ضروری ہے، حتیٰ کہ ایک خادم کے دل میں بھی یہ خواہش کو جڑن ہوتی ہے، لیکن زائد کارہدیں مشغول ہونا دلوں میں اس کے لیے منزلت پیدا کرتا ہے، تو اسے چاہیے کہ اس کے سوا کوئی اور خواہش قوی ہونے کی برائی سے بچے۔

مختصر یہ کہ دنیا میں باعزت طور پر رہنے کے لیے اسباب ضروری ہیں، لیکن ان اسباب ہی کو مقصد بنا لینا درست نہیں، سلف پر حلال مال پیش کیا جاتا، تو وہ کہتے ہم نہیں لیتے میں خطرہ ہے کہ یہ مال ہمارا دین نہ بگاڑ دے۔

## زہد کی علامتیں

تم خیال کرتے ہو کہ مال کو چھوڑنے والا زہد ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ مال کا ترک کرنا اور سنت زندگی کا اظہار اس آدمی کے لیے بڑا آسان ہے جو زہد کی وجہ سے اپنی مدد کو پسند کرتا ہے۔ کتنے ہی راہب ہیں جو کوٹیاں میں رہتے ہیں، مٹھوڑا کھاتے ہیں اور اپنی ذات کی مدد کا قصور انھیں تقویت دیتا ہے اور یوں ان کی سخت کوشی ریابن جاتی ہے۔

جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

زہاد کے لیے فروری ہی ہے کہ وہ زائد از ضرورت مال اور جاہ دونوں سے بے رغبتی کرے۔ یہاں تک کہ نفس کی لذتوں کا خیال ہی باقی نہ رہے۔ ویسے زہد کی ابتدا میں معرفت مشکل ہے۔

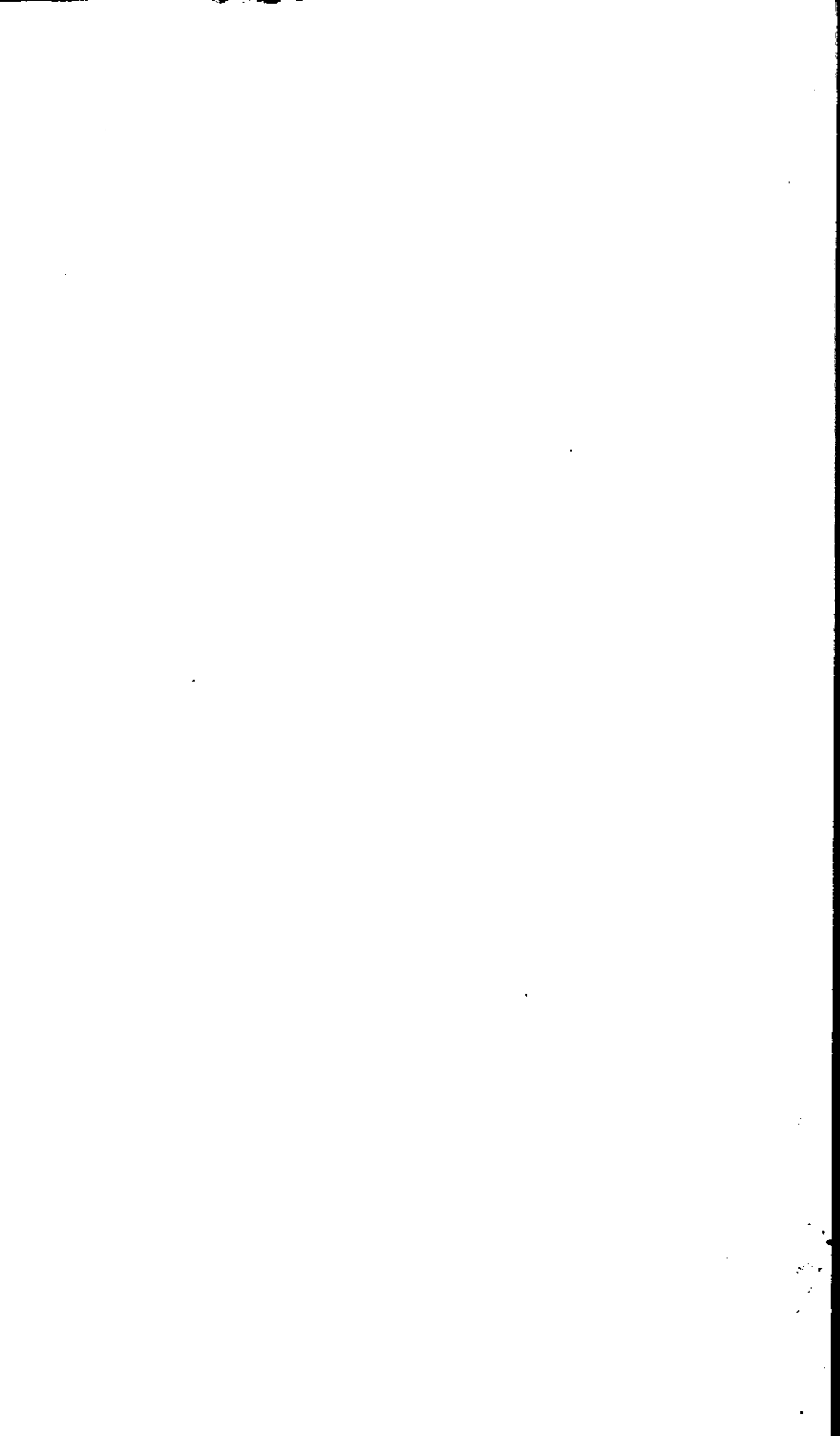
حضرت ابن مبارک نے کہا: بہترین زہد یہ ہے کہ زہد کو چھپا یا جائے اور اس میں تین علامتوں پر اکتفا کرنا چاہیے۔ پہلی یہ کہ موجود چیز پر خوش نہ ہو اور نہ ہو اس پر غمگین نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَيْكُلَا مَا سَوَّأَ عَلٰیٰ مَا فَانَكَهُ وَلَا تَفْحُوْا لِيْمَا آتَاكُمْ (تاکہ تم نہ غم نہ کھاؤ اور موجود چیز پر خوش نہ ہو)

دوسری یہ کہ اُس کے نزدیک نہرت کرنے والا اور مدح کرنے والا دونوں برابر ہوں اور یہ جاہ و منزلت کی طلب کے سلسلے میں زہد کی علامت ہے۔

تیسری یہ کہ اُس کی محبت خاص اللہ سے ہو اس لئے لپراھا عتہ کی علادت غائب ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور دنیا کی محبت کسی دل میں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی برتن میں پانی اور ہوا جمع نہیں ہو سکتے۔ جب پانی داخل ہوگا تو ہوا خارج ہو جائے گی۔

بعض سے پوچھا گیا زہد نے ان کو کہاں تک پہنچا یا بہ تو کہا اللہ کی محبت تک۔ حضرت یحییٰ بن معاذ نے کہا: ”دنیا عروس کی طرح ہے جو اسے چاہتا ہے اسے لنگھی کرتا ہے، لیکن زہاد اُس کا منہ کالا کرتا ہے، اُس کے بال تو چتا ہے اور اس کے کپڑے بھارتا ہے۔ عارف اس کو چھوڑ کر اللہ میں مشغول ہے۔

یہ ہے جو ہم زہاد اور اس کے احکام کے متعلق بیان کرنا چاہتے تھے۔ اور چونکہ زہد توکل کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اس لیے اب ہم انشاء اللہ اس کا بیان شروع کریں گے۔



# کتاب التَّوَجُّدِ وَالتَّوَكُّلِ

- توحید اور توکل کی فضیلت
- توکل کے حالات اور اس کے اعمال
- متوکلین کے اعمال



## فصل اول

## توحید اور توکل کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَلَى اللَّهِ قَلْبُكَ يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُ (اور مومنوں کو اللہ پر توکل کرنا چاہیے)۔

فرمایا: وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (اور جو اللہ پر توکل کرے اللہ اسے کافی ہے)

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ پھر آپ نے فرمایا: یہ وہ ہیں جو نہ ذرا گوارا تھے ہیں نہ گنہگار تھے نہ کراہتے ہیں، نہ خالی جیتے ہیں بس اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ صحیحین نے اسے روایت کیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: اگر تم اللہ پر پوری طرح توکل کرو تو وہ تم کو اس طرح رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبح بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پوٹے بھر کراتے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اپنے پسندیدہ اعمال اور اپنے سچے توکل اور خیر ظن کی مجھے توفیق دے۔

واضح رہے کہ توکل کی بنیاد توحید پر ہے اور توحید کے کئی طبقات ہیں۔ مثلاً،

پہلا یہ کہ دل اس کی تصدیق کرے جو اس کلمہ کا مضمون ہے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے۔ اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس یقین کرنے کی یہ شرط ہے کہ بغیر کسی دلیل کے یہ بات مانے۔

دوسرا یہ کہ مختلف اشیاء کو دیکھے اور سمجھے کہ ان کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اور وہ اپنی ذات اور صفات میں

واحد ہے۔ یہ تقریریں کا مقام ہے۔

تیسرا یہ کہ آدمی پر جب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق و مالک نہیں ہے تو پھر وہ کسی دوسرے

کی طرف نہیں دیکھتا۔ بلکہ اسی سے ڈرتا ہے۔ اسی سے اُمید رکھتا ہے، اسی پر اعتماد اور اسی پر توکل کرتا ہے۔ وہ اس عقیدے پر پوری طرح جم جاتا ہے کہ اللہ واحد ہے۔ اللہ پاک ہے اور سب اس کے تابع فرمان ہیں۔ وہ کھیتی کے پیدا ہونے میں بارش پر اعتماد نہیں کرتا، نہ بارش کے نازل ہونے میں بادل پر انحصار کرتا ہے اور نہ کشتی کے چلنے میں ہوا پر کہ ان چیزوں پر اعتماد کرنا جہالت ہے۔

جس پر یہ حقائق منکشف ہو جاتے ہیں وہ جانتا ہے کہ ہر ان خود بخود حرکت نہیں کر سکتی۔ ضروری ہے کہ اس کا کوئی محرک ہے اور وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

مشرک کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو قتل کرنے کے لیے پکڑا جائے اور پھر بادشاہ خاص مہربانی سے اس کی معافی کا فرمان جاری کر دے، تو وہ سیاہی، کاغذ اور قلم کا شکر یاد کرنے لگے جس سے فرمان لکھا گیا ہے اور کہے اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو میں نجات نہ پاتا۔ کس قدر افسوس ہے کہ وہ اپنی نجات قلم سے سمجھتا ہے۔ قلم کو حرکت دینے والے کو نہیں جانتا۔ اور یہ انتہائی جہالت ہے۔ جس کو معلوم ہو جائے کہ قلم بذات خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا وہ لکھنے والے کا شکر گزار ہوگا نہ کہ قلم کا۔ تمام مخلوق خالق کی ملکیت میں اس سے بہت زیادہ ہے۔ جبنا کہ قلم کا تب کے ہاتھ میں، تو پاک ہے وہ جو اسباب کا سبب ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

## توکل کے حالات اور اس کے اعمال

معلوم ہونا چاہیے کہ توکل و کالت سے مانوڑ ہے۔ کہا جاتا ہے فلاں آدمی نے فلاں آدمی کو اپنے کام کا وکیل بنا لیا یعنی اپنا کام اُس کے سپرد کیا اور اس میں اُس پر اعتماد کیا۔

توکل دراصل توکل پر اعتماد کا نام ہے اور کوئی انسان اس وقت تک کسی پر اعتماد نہیں کرتا جب تک کہ اس میں چند باتوں کا یقین نہ رکھتا ہو۔ مثلاً شہقت، توت اور ہدایت وغیرہ، اور جب یہ معلوم ہو گیا تو اسی پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کو قیاس کر لیں۔

جب دل میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ اللہ کے سوا کوئی بھی خالق نہیں ہے اور اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی بخیر ہو جائے گا کہ اللہ پورے علم اور قدرت اور رحمت والا ہے اور اس کی قدرت سے زیادہ کسی کی قدرت نہیں ہے۔ اور نہ اُس کے علم سے بڑھ کر کسی کا علم ہے اور نہ اس کی رحمت سے زیادہ کسی کی رحمت ہے، تو لازماً دل اسی اکیلے پر توکل کرے گا کسی دوسری ہستی کی طرف کسی طرح بھی توجہ نہ کرے گا۔



اگر نفس کی یہ حالت نہ ہو، تو اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں: (۱) یا تو ان صفات پر پختہ یقین نہیں ہے۔  
 (۲) اور یا بزدلی کے غالب ہونے کی وجہ سے دل کمزور ہے اور اس کی بے یقینی اوہام کے غلبے کی وجہ سے ہے۔  
 دل کی یہ حالت بھی وہم کی وجہ سے ہوتی ہے، حالانکہ یقین میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کی مثال کچھ ایسی ہوتی  
 ہے جیسے کوئی شخص شہدیننا چاہے اور دیکھے کہ اس میں گندگی پڑی ہوئی ہے، تو شہد خریدنے کی خواہش ماندہ جانے لگی۔  
 اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ اگر کسی عقلمند آدمی کو کہا جائے کہ میت کے ساتھ ایک مکان، بستر یا قبر میں لیٹ کر  
 رات گزارے، تو وہ اس سے اجتناب کرے گا، اگرچہ اسے یقین ہے کہ اس وقت میت جہاد (بلے جان) ہے۔  
 اور سب جانتے ہیں تمام جمادات سے طبیعت متفرق نہیں ہوتی۔ یہ دل کی کمزوری ہے اور یہ اس قسم کی کیفیت ہے  
 کہ کم ہی انسان اس سے خالی ہوں گے۔

کبھی انسان پر وہم غالب ہو جاتا ہے اور ہر چیز سے خوف کھاتا ہے، جیسا کہ کدو روزے بند کرنے کے  
 باوجود اکیلا مکان میں رات نہیں گزار سکتا، لیکن اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہا  
 گیا ہے کہ توکل دل کی قوت اور یقین کی طاقت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اور جب توکل کے معنی تمھاری سمجھ میں آگئے  
 تو معلوم ہونا چاہیے کہ قوت اور ضعف میں اس حالت کے تین درجے ہیں:

پہلا درجہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا، یعنی اس کا حال اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور اس کی کفالت اور عنایت پر ایسا  
 ہو جیسا کہ وکیل پر اعتماد ہوتا ہے۔

دوسرا درجہ زیادہ طاقتور ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا حال ایسا ہو جیسا بچے کا اپنی  
 ماں کے ساتھ، کہ بچہ پان کے سوا کسی کو نہیں جانتا۔ نہ اس کے سوا کسی کے پاس شکایت لے جاتا ہے اور نہ کسی  
 پر ویسا اعتماد کرتا ہے۔ اگر اسے کوئی معاملہ پیش آئے یا کوئی خیال آئے، تو سب سے پہلے اس کی زبان پڑاتا،  
 کا لفظ آتا ہے، چنانچہ جو اللہ کا ایسا ہی شیدائی ہو اور اس پر ویسا ہی اعتماد رکھتا ہو جیسا بچہ ماں پر رکھتا ہے،  
 تو وہ اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کر دے گا اور یہ سچا متوکل ہوگا۔

اس درجے اور پہلے درجے میں فرق یہ ہے کہ یہ متوکل اپنے توکل میں ایسا فانی ہے کہ توکل کے مفہوم پر بھی غور  
 نہیں کرتا، اور اسی لیے اپنے متوکل علیہ کے سوا کسی طرف تو بہ نہیں کرتا، نہ اس کے دل میں کسی غیر کے لیے کوئی گنجائش ہے۔  
 پہلا وہ درجہ ہے جو تکلف اور کسب سے توکل کرتا ہے اور اس حالت میں پوری طرح ڈوبا ہوا نہیں ہے۔  
 بس سرسری تو تم اس کی طرف ہے۔ اور یہ ایسا حال ہے کہ متوکل علیہ ہر وقت اس کی توجہ کا مرکز نہیں رہتا۔

تیسرا درجہ ان دونوں سے اعلیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہو جائے جیسے غسل کے ہاتھوں میں نیت۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے آپ کو نیت نہیں جانتا اور یہی فرق ہے پتے کی حالت میں اپنی ماں کے ساتھ کہ وہ اپنی ماں کے پاس شکایت لے جاتا ہے اور روتا ہے اور اس کا دامن تھامتا ہے۔ اور یہ وہ احوال ہیں جو مخلوق میں عام طور سے پائے جاتے ہیں۔ یا ان پریشانی شکل ہے۔ خصوصاً تیسرے مقام پر فائز رہتا تو بہت ہی مشکل ہے۔

---

## فصل دوم

## متوکلین کے اعمال

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ توکل کا مطلب ہر قسم کی کوششوں اور تدابیر کو ترک کر دینا اور چھوڑنے کی طرح زمین پر گر پڑنا ہے۔ یا خود کو ایسا بنا لینا ہے گویا ذبح شدہ جانور کا گوشت قصاص کے سائے پڑا ہے۔ یقیناً یہ جاہلوں کا خیال ہے اور ایسا عقیدہ شریعت میں حرام ہے۔

شریعت نے توکل کرنے والوں کو مقررین میں شامل کیا ہے اور بتایا ہے کہ توکل کی تاثیر مقاصد کے لیے انسان کی حرکت اور کوشش سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً انسان کو فی نفع حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا ہے۔ جیسے کسی موبو پوچھنے کی حفاظت کے لیے، یا کسی آنے والی تکلیف سے بچنے کے لیے، جیسے حملہ آور کو روکنا۔ یا کسی ایسی تکلیف کو دور کرنا جس میں مبتلا ہو۔ جیسے بیماری کا علاج کرنا وغیرہ۔

انسان کی سعی و جہد ان چار قسموں سے باہر نہیں ہوتی:

۱۔ نفع کا حاصل کرنا اور جن اسباب سے نفع حاصل کیا جاتا ہے ان کے تین درجے ہیں:

پہلا درجہ یہ ہے کہ اسباب یعنی ہوں، جیسے وہ اسباب جن سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت سے مسدبات ہمیشہ کے لیے وابستہ ہیں اور ان میں کبھی جدائی نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص بھوکا ہو اور سامنے رکھے ہوئے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے اور کہے میں متوکل ہوں۔ یہ توکل کی غلط تعبیر ہے۔ مطلق حرکت نہ کرنے اور کوشش سے بالکل کنارہ کش ہو جانے کا کہیں بھی حکم نہیں ہے۔ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانا۔ رقم منہ میں رکھنا، اسے چبانے اور نگلنا سب کوشش کے ذیل میں آتا ہے اور ایسی کوششوں کو کوئی بھی ترک نہیں کر سکتا، یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ بغیر کھانا کھانے کے سیر کر دے۔ یا کھانے میں حرکت پیدا کر دے کہ وہ خود بخود منہ میں آجائے یا کسی فرشتے کو مقرر کر دے کہ وہ اس کو چبائے اور معدے میں پہنچا دے۔ اگر کوئی ایسا خیال کرتا ہے، تو سنت اللہ سے بے خبر ہے۔

اسی طرح اگر کوئی یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ بغیر بیج کے کھیتی آگا دے گا تو یہ سب دیرانگی ہے۔ عمل چھوڑنا توکل نہیں ہے، بلکہ توکل ایک علم اور ایک حال کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

علم تو یہ ہے کہ تو جانے کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے اور ہاتھ اور اسباب اور حرکت کی قوت کو پیدا کیا ہے اور اسی نے تجھے کھلایا اور پلایا ہے اور حال یہ ہے کہ تیرا دل اور تیرا اعتقاد اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہے، نہ کہ ہاتھ اور کھانے پر وہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تیرا ہاتھ خشک ہو جائے اور تیری حرکت باطل ہو جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کسی کو تجھ پر غالب کر دے اور وہ تجھ سے کھانا چھین لے، تو کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانا توکل کے منافی نہیں ہے۔

دوسرا درجہ ایسا اسباب کا ہے جو یقینی نہیں ہیں، لیکن عموماً مسببات ان کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں۔ اس کی مثال ایسے آدمی کی ہے جو شہروں سے ٹورا باد ہو جائے اور سفر کی نیت سے ایسے جنگلوں کی طرف نکلے جہاں کوئی انسان شاذ و نادر ہی جاتا ہو اور اپنے ساتھ زاد راہ بھی نہ لے جائے، تو یہ آدمی اللہ تعالیٰ کا امتحان لینے والا ہے۔ اور اس کا یہ کام ناجائز ہے۔ اسے تمام معاملات پر غور کرنے اور زاد راہ لینے کا حکم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب سفر کیا تو زاد راہ بھی لیا اور منزل تک رہنمائی کرنے کے لیے کسی واقف کار کو بھی ساتھ لیا۔ تیسرا درجہ ایسا اسباب کا ہے جو کسی مقصد کے حصول میں معاون بنتے ہیں۔ انھیں اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ ہاں اگر وہ زائد از ضرورت چیزیں اکٹھی کر لے تو اسے حرام کہا جا سکتا ہے۔

یاد رہے کسب کا چھوڑنا توکل نہیں ہے۔ یہ ان کم کوش لوگوں کا کام ہے جو راحت پسند ہوتے ہیں اور بہتہ توکل کا کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، متوکل وہ ہے جو زمین میں بیج ڈالے اور پھر ایشیہ توکل کرے۔  
۲۔ دنیا کی حرص توکل کے خلاف ہے۔ اگر ایک آدمی جائز کام کر کے روزی حاصل کر لے اور اپنے حالات کا اندازہ کر کے بال بچوں کے لیے محفوظ رکھے اور ان کی آسائش کے لیے سوچے تو یہ توکل کے خلاف نہیں۔

صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کھجوروں کو بیچ دیا کرتے تھے اور اپنے گھر والوں کے لیے سال بھر کا خرچ رکھ لیا کرتے تھے۔

اگر کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ذبحہ کرنے سے منع کر دیا تھا تو جواب یہ ہے کہ انھیں ایسے جہانوں کی مینا بانی کرنی ہوتی تھی جو خالی ہاتھ ہوتے تھے، اصحاب صفحہ کا یہی حال تھا؛ چنانچہ ایسی صورت میں یہی بہتر تھا کہ کچھ حاضر ہو سب خرچ کر دیا جائے، یعنی حالات کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ذبحہ نہ کریں۔ گویا یہ معاملات احسن و نحوی سے نبھانے کی تاکید تھی۔ حلال چیزوں کے ذبحہ کرنے پر پابندی نہ تھی۔

۳۔ ایسے اسباب کا فراہم کرنا جن سے تکلیف دور ہو اور ضرر کو دور کرنے والے اسباب کو چھوڑ دینا توکل کے خلاف نہیں۔ مثلاً درندوں کی زمین۔ سیلاب کی جگہ یا گرنے والی دیوار کے نیچے سونا منع ہے۔ اسی طرح زور کا

بہننا۔ دروازہ بند کرنا اور اونٹ کو سبھی سے باندھنا توکل کے خلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلْيَاخُذُوا سُلْتَهُمْ** (اور چاہیے کہ اپنے ہتھیار اپنے پاس رکھیں)۔

ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں اونٹ کا گھٹنا باندھ کر توکل کروں یا اونٹ کو گھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا: اس کو باندھ کر توکل کرو یہ

یاں یہ بات ضروری ہے کہ ان ساری چیزوں میں بھروسہ مسبب پر رکھے نہ کہ اسباب پر اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیعلے پر راضی رہے۔

اگر کسی کا سامان چوری ہو جائے اور اُس سے یہ خیال اُسے کہ اگر اتنی طاقت تو چوری نہ ہوتا، یا اس پر اُنڈ کا شکوہ کرے، تو وہ توکل سے بہت دور چلا گیا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ تقدیر بطیب کی طرح ہے۔ اگر طبیب مریض کو کوئی چیز کھانے کو دیتا ہے تو مریض خوش ہوتا اور کہتا ہے اگر وہ اس کو میرے لیے مفید نہ سمجھتا تو مجھے نہ دیتا اور اگر منگ کرتا ہے تو پھر بھی خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے اگر میرے لیے مضر نہ ہوتی تو مجھے منع نہ کرتا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جس کا اللہ تعالیٰ اکی مہربانی میں اتنا بھی اعتقاد نہ ہو مریض کو حاذق اور شفیق طبیب پر ہوتا ہے تو وہ توکل کے عام مفہوم سے بھی آشنا نہیں۔ توکل یہ ہے کہ اگر اس کا سامان چوری ہو جائے، تو تقدیر پر خوش رہے اور لینے والے کو معاف کر دے۔

بعض آدمیوں نے بعض علماء کے پاس ڈاکے کی شکایت کی کہ اُن کا مال لے لیا گیا ہے تو کہا جتنا تجھے اپنے مال کا غم ہے اگر اتنا ہی غم اس بات پر نہ ہو کہ مسلمانوں میں ایسا آدمی کیسے پیدا ہو گیا جو ڈاکو ہے، تو حیف ہے۔ ۴۔ تکلیف کو دور کرنے کی کوشش، جیسے بیمار کا علاج کروانا وغیرہ بھی توکل کے خلاف نہیں، البتہ اس سلسلے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

معلوم ہونا چاہیے مریض کو دور کرنے والے اسباب میں قسم کے ہیں: ایک وہ جو یقینی ہیں، جیسے پیاس کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے پانی اور بھوک کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے روٹی، تو اس قسم کی چیزوں کا چھوڑ دینا ہرگز توکل نہیں۔

دوسری وہ جن کے متعلق محض گمان ہے، جیسے نصد کرانا۔ سینگلی گلوانا اور ہسل لینا وغیرہ۔ یہ بھی توکل کے منافی نہیں ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی علاج کرایا اور علاج کرانے کا حکم بھی دیا۔

علاوہ ازیں اکابر مسلمانوں نے بھی علاج کرایا ہے اور کچھ لوگوں نے علاج نہیں بھی کرایا جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ سے کہا گیا کہ ہم آپ کے لیے کسی طبیب کو بلائیں؟ تو کہا: مجھے طبیب نے دیکھا ہے۔ پوچھا گیا: پھر طبیب نے کیا کہا؟ کہا وہ کہتا ہے: ”میں جو چاہوں کرتا ہوں“

مصنف رحمت اللہ نے کہا: ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ علاج کرانا افضل ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حال کو ہم اس پر محمول کرتے ہیں کہ آپ نے پہلے علاج کرایا پھر دوا سے فائدہ اٹھانے کے بعد اسے چھوڑ دیا۔ یا ان کو علامات سے اپنی وفات کا وقت قریب ہونا معلوم ہو چکا تھا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ دواؤں کے اثرات اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ تیسری یہ کہ سبب معروضات میں سے نہ ہو جیسے داغ لگوانا، تو یہ توکل سے خارج ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متوکلین کی صفت بیان کی ہے کہ وہ داغ نہیں لگواتے۔

بعض علمائے آپ کے اس فرمان کو کہ وہ داغ نہیں لگواتے: ”اس پر محمول کیا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ عام طور پر ایسا کیا کرتے تھے۔ وہ تندستی کے زمانے میں بھی داغ لگواتے اور جھاڑ بھونک کرتے تھے تاکہ بیمار نہ ہوں؛ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انسداد فرمایا۔ اور یہ تاکید فرمائی کہ بیمار ہونے کے بعد دوا دارو کی طرف توجہ دی جائے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت اسد بن زرارہ (صحابی) نے داغ لگوا دیا تھا۔

یاد رہے بیماری کا شکوہ کرنا توکل کے خلاف ہے۔ سلف بیماریاں کی باتے ہائے کو بھی بُرا سمجھتے تھے کیونکہ یہ شرکائیت کا ایک انداز ہے۔ فضیلت کہا کرتے تھے: ”میں بیماری چاہتا ہوں بغیر بیماری پر پسی کرنے والوں کے“

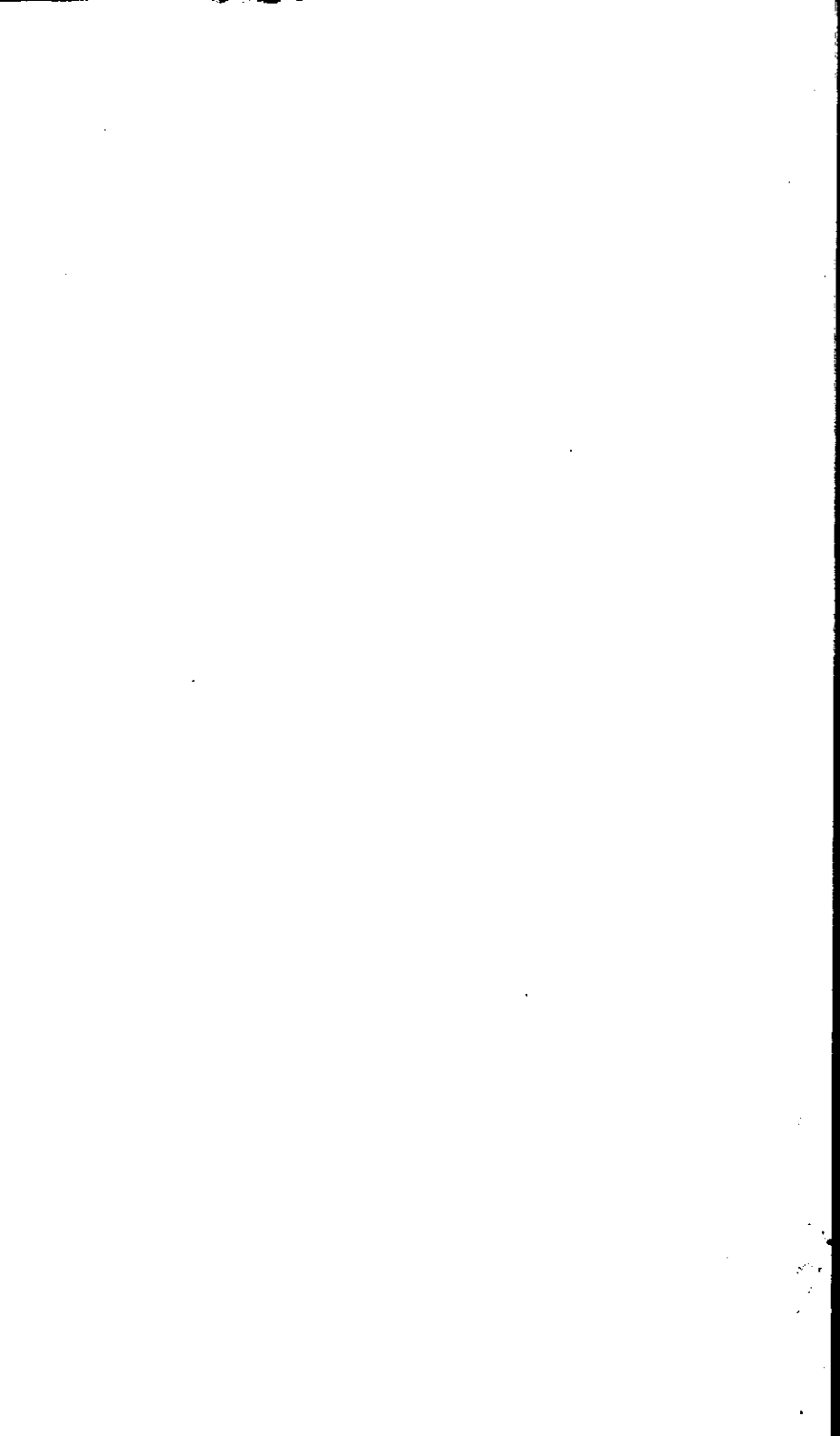
حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ سے ایک آدمی نے کہا: آپ کا کیا حال ہے؟ آپ نے کہا: اچھا ہے؛ اگر نے کہا: کُل رات آپ کو بخار تھا؟ کہا جب میں نے کہہ دیا کہ اچھا ہے تو تم میرے منہ سے ناپسندیدہ بات کیوں نکلوانا چاہتے ہو؟

ہاں اگر بیمار، طبیب سے اپنی حالت بیان کرے تو یہ ناپسندیدہ بات نہیں بعض سلف ایسا کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں اپنے متعلق اللہ کی قدرت کو بیان کرتا ہوں۔ وہ اپنے شاگرد کو اپنی تکلیف بتانا بھی بُرا نہ سمجھتے تھے تاکہ وہ بیمار میں استاؤ کی مدد کرے۔

بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دوا دیوں کو“

# کتاب الرضا

- محبت، شوق، اُس اور رضا
- اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان
- اللہ کی محبت کو تقویت دینے والے اسباب
- شوق کا مطلب
- بندے سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کا مطلب
- اللہ کی تقدیر پر راضی ہونے کا مطلب
- اللہ کی تقدیر اور انسان کی خواہش
- اللہ اور بندے کا تعلق





## فصل اول

## محبت، شوق، انس اور رضا

معلوم ہونا چاہیے اللہ کی محبت ہی مقامات میں سے انتہائی بلند مقام ہے اور جو مقام محبت کے بعد ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔ جیسے شوق، انس اور رضا۔ اور جو مقام محبت سے پہلے ہے وہ اسی کی تمہید۔ جیسے توبہ و صبر اور زہد وغیرہ۔

امت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت فرض ہے اور محبت کے ثواب میں سے اللہ کا یہ فرمان بھی ہے: **يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ** (اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: **وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ** (اور ایماندار اللہ کی محبت میں بہت سخت ہیں)۔ اور یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کے اثبات کی دلیل ہے اور اس میں محبت کے فرق کا اثبات بھی ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اُس نے کہا: اے اللہ کے رسول، میں نے اس کے لیے زیادہ نماز اور روزے کی تیاری نہیں کی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کی محبت ہوگی اور تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تیری محبت ہوگی۔ تو مسلمانوں کو اسلام کے بعد اتنی بڑی خوشی کبھی نہ ہوئی۔“

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پاس روح قبض کرنے کے لیے ملک الموت آیا تو آپ نے اس سے کہا: کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ دوست اپنے دوست کو مار ڈالے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی فرمائی: کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ دوست اپنے دوست کی ملاقات کو ناپسند کرے؟ تو آپ نے فرمایا: اے ملک الموت میری روح کو قبض کر لے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: جس نے اپنے رب کو سچا ناما، اُس نے اُس سے محبت کی اور جس نے اللہ کے واسطے کے

بجز کسی اور سے محبت کی تو اس کی وجہ اللہ کی معرفت سے جہالت اور نادانی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تو اللہ ہی کی محبت کی وجہ سے ہے اور یہی حال علم و اولیاء القیام سے محبت کا بھی ہے، کیونکہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے، بلکہ جو کچھ محبوب کرے وہ بھی محبوب ہوتا ہے۔ اور محبوب کا رسول بھی محبوب ہے۔ اور یہ سب کچھ اصل کی محبت کی طرف لڑتا ہے اور اہل بعیرت کے نزدیک حقیقت میں اللہ کے سوا اور کوئی محبوب نہیں ہے اور نہ اس کے سوا کوئی محبت کا مستحق ہے۔ اس قول کی وضاحت چند اسباب سے ہوتی ہے۔ مثلاً:

پہلا سبب یہ ہے کہ انسان اپنے نفس، اپنی بقا، کمال اور وجود کے دوام سے محبت کرتا ہے اور جو اس کے خلاف ہے یعنی ہلاکت و عدم اور نقصان اس کو ناپسند کرتا ہے اور یہ ہر جاندار کی فطرت ہے اس بات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی اس فطری جذبے سے غالی ہوگا۔ اور یوں یہ اللہ تعالیٰ سے انتہائی محبت کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ جب انسان اپنے رب کو پہچان لیتا ہے اور یقینی طور پر جان لیتا ہے کہ اس کا وجود اور دوام اور کمال صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہی اس کی استخراج کرنے والا ہے اور وہی اس کی ذات کا موجود ہے۔ اگر وہ اپنے فضل سے اس کو ایجاد نہ کرتا تو یہ عدم محض ہوتا۔ اور اگر وہ اپنے فضل سے اس کو مکمل نہ کرتا تو یہ ناقص ہی رہتا۔ حضرت حسن بصریؒ نے کہا: جس نے اپنے رب کو پہچانا اس نے اس سے محبت کی اور جس نے دنیا کو پہچانا اس نے اس سے نفرت کی۔

محبت اور علقن کا معاملہ جب یوں ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے نفس سے محبت رکھے اور اپنے رب سے محبت نہ کرے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ انسان فطرتاً اس سے محبت کرتا ہے جو اس پر احسان کرے۔ اس کی مدد کے لیے آئے اور اس کے دشمنوں کا قلع تعلق کرے۔ اور جب انسان اچھی طرح اپنے رب کو پہچان لیتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حقیقی محسن صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے احسانات بے حدود و حساب ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَإِن كُنتُمْ لَا تَحِبُّوا اللَّهَ لَا تَحِبُّوا هَٰذَا الْكُتُبَ الَّذِي نَعْمَتِي شَاكِرِينَ لَكُمْ تَوَشَّاهُمْ لَكُمْ**

ہم نے کتاب اللہ میں اس کی طرف کچھ اشارہ کیا تھا کہ لوگوں کی طرف احسان کی نسبت صرف مجازی ہوتی ہے اور حقیقت میں محسن صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم فرض کرتے ہیں ایک آدمی نے اپنے تمام خزانے اور اپنی ہر چیز تمہیں دے دی اور اس میں

اختیار دیا کہ جس طرح چاہو خرچ کرو تم سمجھتے ہو کہ یہ احسان اس کی طرف سے ہے، حالانکہ اس کا احسان اس کے مال سے اور مال پر قدرت سے اور مال خرچ کرنے کے داعیہ سے پورا ہوا، تو وہ کون ہے جس نے اس کو پیدا کیا۔ اس کے مال کو پیدا کیا یا اس کے ادا کے کو پیدا کیا؟ اور وہ کون ہے جس نے تمہیں اس کی نگاہ میں محبوب بنا یا اور اس کی توجہ تمہاری طرف مبذول کی اور اس کے دل میں ڈالا کہ اس کی دنیا اور دین کی اصلاح تم پر احسان کرنے میں ہے؟

اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو وہ تمہیں کچھ نہ دیتا۔ گویا کہ وہ خدا کا حکم تسلیم کرنے میں مجبور ہے۔ اس کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ تو اصل میں عمن تو وہ ہے جس نے اسے مجبور کیا اور اسے تمہارے لیے مستخر کر دیا۔ اس کی حیثیت تو کسی امیر کے خازن کی سی ہے کہ اس نے حکم دیا کہ فلاں آدمی کو میری طرف سے ایک خلعت عطا کرو تو امیر کی عطا کردہ خلعت کے سپرد کرنے میں خزانچی کو محسن نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ اس کی اطاعت پر مجبور ہے اور اگر امیر اسے اختیار دے دیتا تو وہ اس کو بالکل نہ دیتا۔ اسی طرح ہر ایک عمن کا حال ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ نہ ڈالے کہ وہ اپنا مال خرچ کرے، تو وہ اپنے مال میں سے ایک دانہ بھی خرچ نہ کرے۔ عارف کو چاہیے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے کیونکہ اس کے سوا کسی اور سے احسان کا صدور ناممکن ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ عمن بذات خود طبائع کو مجرب ہوتا ہے، جب یہ معلوم ہو گا کہ کوئی بادشاہ عالم، عابد، لوگوں پر نرمی اور شفقت کرنے والا ہے، تو تم اس سے محبت رکھو گے اور محبت صرف اس کے احسان کی وجہ سے ہے؛ چنانچہ یہی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت کا تقاضا کرتی ہے بلکہ یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کے سوا کسی اور سے محبت نہ کی جائے۔ اگر کسی سے ہو تو صرف اس کے تعلق کی وجہ سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ان نعمتیں ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ جیسا کہ خود فرمایا: **وَاِنْ نَعُدْ وَاَنْعِمْنَا لِلَّذِينَ لَمْ يَرْوُطُوْهُ** (اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرتے لگو گے شمار نہ کر سکو۔)

ہم کہتے ہیں کہ جو آدمی علم یا تقویٰ سے متصف ہو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ انہی صفات کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سے بھی محبت ہوتی ہے اور جب ان صفات کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے مقابل رکھ کر دیکھو گے تو ان کی صفات تم کو بہت کمزور نظر آئیں گی۔

باقی رہا علم۔ تو اللہ تعالیٰ کو پہلوں اور پچھلوں کا ایسا علم ہے جس نے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے

یہاں تک کہ اس سے ایک ذرہ برابر چیز بھی آسمانوں اور زمینوں میں پوشیدہ نہیں۔  
 اللہ تعالیٰ نے سب مخلوق کو نسیط کر کے فرمایا: **وَمَا أَدَّبْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا ذَلِيلًا** اور تمہیں حقوٹا ہی علم  
 دیا گیا ہے۔

اگر تمام زمینوں اور آسمانوں کے رہنے والے اس بات پر اکتھے ہو جائیں کہ ایک چیز می یا ایک مچھر کی پیدائش  
 کی تفصیلات جان سکیں تو اس کے سوویں حصے پر بھی غم نہیں ہو سکتے۔ اور تو اس کے علم میں سے کچھ معلوم کر سکتے ہیں، مگر  
 وہی جو وہ خود چاہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی کمال درجے کی ہے۔ جب تم تمام مخلوق کی قدرت کو اللہ کی قدرت کے مقابل رکھو گے،  
 تو معلوم ہو گا کہ جو شخص سب سے زیادہ طاقتور ہے جس کا ملک سب سے وسیع ہے جس کی پکڑ سب سے سخت  
 ہے جس کی سیاست اپنے اوپر اور دوسروں پر بھی بڑی جامع ہے۔ اس کی قدرت کی اتنا بھی یہ ہو گی کہ وہ اپنی بعض  
 صفات پر قادر ہو گا اور بعض امور میں مجبور وہ اپنے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ وہ اپنی زندگی اور موت  
 کے بعد دوبارہ اختیار رکھتا ہے، بلکہ وہ تو اپنی آنکھ کو اندھا ہونے سے۔ اپنی زبان کو گونگا ہونے سے۔  
 اپنے کانوں کو بہرہ ہونے سے اور اپنے بدن کو بیا ہونے سے بھی نہیں بچا سکتا۔ دوسروں کے ذرات پر اسے جو  
 قدرت بھی ہے وہ اس کی ذاتی نہیں بلکہ اللہ ہی اس کا اور اس کی قدرت کا اور اس کے ممکنہ اسباب کا  
 مالک ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی بہت بڑے بادشاہ پر ایک مچھر کو مسلط کر دے تو وہ اسے ہلاک کر ڈالے۔ دنیا کے ایک  
 بہت بڑے بادشاہ ذوالقرنین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ مَنَاسِكًا** (ہم نے اس کو زمین میں  
 جگہ دی) گو کیا اس کی ساری حکومت اور بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی عطا سے تھی۔

تمام مخلوق کی پیشینیاں اللہ تعالیٰ کے قبضے اور قدرت میں ہیں۔ اگر ان کو ہلاک کر دے تو اس کے ملک اور  
 بادشاہی سے ایک ذرہ بھی کم نہیں ہوتا اور اگر اس جیسی ہزاروں مخلوقات اور پیدا کر دے تو ان کے پیدا کرنے  
 میں اسے کچھ بھی دشواری نہ ہو گی۔ حقیقت میں صرف وہی قادر ہے۔ اسی کے لیے کمال، عظمت، ودیدر، کبر مائی اور  
 قہر اور غلبہ ہے۔

اگر تصور کیا جائے کہ تم ایک قادر سے محبت رکھو جس کی قدرت اور عظمت اور علم کمال درجے کا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہوگا۔ کمال درجے کی تقدیر اور تزیین اس کے متعلق تصور کی جاسکتی ہے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ایسا ہے جس کی ضد نہیں۔ وہ ایسا ہے نیاز ہے کہ کوئی اس سے جھگڑا کرنے والا نہیں۔ وہ ایسا غنی ہے جسے کوئی حاجت نہیں۔ وہ ایسا قادر ہے جو چاہے کر لیتا ہے اور جو چاہے فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے فیصلے پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں اور وہ ایسا عالم ہے جس سے زمین و آسمان کا ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

عارفین کی معرفت کا کمال یہ ہے کہ وہ معرفت سے عاجزی کا اقرار کرتے ہیں۔ وہ کمال درجے کی محبت کا مستحق ہے اور اس حق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

## فصل دوم

## اللہ تعالیٰ کی جلالیت شان

معلوم ہونا چاہیے کہ لذتیں ادراک کے تابع ہیں اور انسان کے اندر کچھ قوتیں اور طبعی چیزیں ہیں اور ہر طبعی قوت کی لذت ہے اور یہ طبعی چیزیں بے مقصد نہیں ہیں، بلکہ کسی نہ کسی غرض کے لیے ہیں۔

کھانے کی خواہش اس لیے رکھی گئی ہے کہ انسان غذا حاصل کرے جس سے زندگی کی بقا ہے۔

دیکھنے اور سننے کی لذت آنکھوں اور کانوں میں رکھی گئی ہے۔ اسی طرح دل میں ایک فطری قوت ہے اس کا نام ذراہی ہے اور اسے عقل اور باطنی بصیرت بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسے ذراہیان و یقین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قوت اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ تمام امور کے طبعی حقائق معلوم ہو سکیں۔ اس کی طبیعت کا تقاضا علم اور معرفت ہے اور یہی اس کی لذت ہے۔

علم اور معرفت سے، اگر کبھی معمولی چیز کے متعلق ہی کیوں نہ ہو خوشی حاصل ہوتی ہے اور جس کو جہالت کی طرف منسوب کیا جائے اگرچہ وہ کسی معمولی چیز ہی سے جہالت ہو، اس سے دل منوم ہوتا ہے اور یہ سب کچھ علم کی لذت اور اس کے طبعی کمال کو سمجھنے کی وجہ سے ہے۔

علم بہترین صفت اور انتہائی کمال ہے۔ اسی لیے انسان طبعی طور پر علم اور ذکاوت کی تعریف پر خوش ہوتا ہے۔ پھر کاشتکاری اور کپڑے سینے کے علم کی لذت اتنی نہیں جتنی ملکی سیاست اور لوگوں کے امور کی تدبیر کے علم میں ہے۔ اسی طرح شعر و ادب کے علوم کی لذت وہ نہیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور اسمائوں اور زمین کی بادشاہی کے علوم میں ہے۔

علم کی لذت علم کی بزرگی کے مطابق ہوتی ہے اور علم کا شرف معلوم کے شرف کے مطابق ہوتا ہے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ لذیذ وہ علم ہے جو سب سے اشراف ہے۔ اور علم کا شرف معلوم کے شرف سے ہے تو معلومات میں جو سب سے زیادہ بزرگ اور اکمل اور اشراف اور اعظم ہوگا، تو اس کے متعلق علم بھی لازماً سب سے زیادہ لذیذ اور اشراف ہوگا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ موجودات میں کوئی چیز بھی تمام اشیاء کے خالق۔ ان کو مکمل اور مزین کرنے والے۔ پہلی اور

دوسری بار پیدا کرنے والے اور ان کی تدبیر اور ترتیب کرنے والے سے زیادہ بزرگ، اعلیٰ اور اشرف اور اعلیٰ اور اعظم ہوں۔

کیا یہ تصور میں آسکتا ہے کہ کوئی بادشاہ کمال، جمال اور دبیرے اور جلال میں خدا تعالیٰ سے زیادہ ہو؟ (نعمو باللہ) معلوم ہونا چاہیے کہ معرفت کی لذت، ان تمام لذتوں سے زیادہ ہے جن کو اس شخص کے ذریعے سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ کامل لوگوں کے نزدیک باطنی لذت ظاہری لذت پر غالب ہوتی ہے۔ اگر کسی آدمی کو اختیار دیا جائے کہ یا تو عمری کا ہنسا ہوا گشت اور بادام کا حلو کھا لیا یا ریاست اور دشمنوں پر غلبے اور سرداری کا مقام پسند کر لو، تو اگر آدمی کم ہمت، مردہ دل اور سہمی خواہش سے مغلوب ہوگا، تو وہ گوشت اور حلو کے کو پسند کرے گا، لیکن اگر عالی ہمت اور عقلمند ہوگا، تو ریاست کو ترجیح دے گا۔ خواہ اس کے حصول میں اس کو کئی دن تک بھوکا رہنا اور صبر کرنا پڑے۔ اور ریاست کو پسند کرنا اس کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک یہ پاکیزہ کھانوں سے زیادہ لذیذ ہے، چنانچہ جس طرح ریاست کی لذت اس آدمی کے نزدیک لذیذ کھانوں کی لذت سے بڑھ کر ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت اور امور انہیکے اسرار کو سمجھنا اہل دانش کے نزدیک دنیا کی دیگر تمام لذتوں پر غالب ہے۔ اس کو وہی آدمی سمجھ سکتا ہے جس نے دلوں لذتیں چکھی ہوں۔ وہ عام لذتوں سے علیحدہ رہ کر فکر اور ذکر کو ترجیح دے گا۔ یہاں تک کہ ریاست کو چھوڑ دے گا، کیونکہ وہ اس ریاست اور اس کے اندر کی چیزوں کے فنا ہونے کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ ان میں کدورت شامل ہے اور ان کی موت بھی یقینی ہے۔

اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی صفات و افعال کا مطالعہ بہت ہی عظیم ہوگا، کیونکہ وہ کدورتوں سے خالی ہے۔ عارف ہمیشہ معرفت کی جنت میں رہتا ہے جس کا مرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ وہ اس کے بانوں میں کھاتا پیتا ہے، اس کے پھل چنتا ہے۔ اس کے حوضوں سے پانی پیتا ہے اور اسے تسلی ہے کہ یہ منقطع نہیں ہوں گے۔ معرفت کی جنت ابدی دوسری ہے۔ اسے موت قطع نہیں کرتی کیونکہ اس کا محل روح ہے۔ اور موت صرف روح کی فنا تبدیل کرتی ہے اسے معدوم نہیں کر سکتی۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عارظوں کے مختلف درجے ہیں۔ ان کے درجات کا اختلاف شمار و قطار سے باہر ہے اور یہ امور صرف ذوق سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ بیان کا نفع اس میں بہت محدود ہے۔ بہر حال اتنی بات سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے زیادہ لذیذ چیز ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں ہے۔

الوسیمان دارانی رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو آگ کا ڈر اور جنت کی امید اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں کر سکتی تو ایسے لوگوں کو دنیا کیسے غافل کر سکتی ہے؟

حضرت معروف سے پوچھا گیا: آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر کس چیز نے آمادہ کیا۔ کیا موت کی یاد نے؟ کہنے لگے: موت کیا چیز ہوتی ہے؟

کہا گیا: قبر کے ذکر نے؟

کہا: قبر کی چیز ہوتی ہے؟

کہا: آگ کے خوف اور جنت کی امید نے؟ انھوں نے کہا: یہ کیا چیزیں ہیں؟

”ایک بادشاہ ہے جس کے اختیار میں یہ سب کچھ ہے اگر تم اس سے محبت رکھو گے تو یہ سب چیزیں گویا تمھارے لیے وقف ہوں گی“

حضرت محمد بن فتح نے کہا: ”میں نے بشر بن عمارش کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا: معروف کونجی کا کیا بنا؟ تو انھوں نے اپنا سر ملایا پھر کہا: بہت دودھ چلے گئے۔ ہمارے اوزان کے درمیان پردے عائل ہو گئے، کیونکہ معروف نے اللہ کی عبادت نہ جنت کے شوق میں کی اور نہ آگ سے ڈر کر۔ اُس نے اللہ کی عبادت اللہ کے شوق میں کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوزان کے درمیان سے پردے اٹھا دیے۔“

جب کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے، تو اس کا دل اسی میں غرق ہو جاتا ہے۔ وہ نہ جنت کی طرف توجہ کرتا ہے اور نہ اس کی آگ سے ڈرتا ہے کیونکہ وہ ایسی نعمتوں میں پنیچ چکا ہوتا ہے جن سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں۔ بعض نے کہا:

”اس کی عبادتی اُس کی آگ سے زیادہ گرم ہے اور اس کا وصل اس کی جنت سے زیادہ اچھا ہے۔“

اور اُس لذت سے مراد اللہ کی معرفت میں دل کی لذت ہے جو کھانے پینے اور نکاح کی لذت سے بہت افضل ہے کیونکہ جنت حواس کے فائدے اٹھانے کی جگہ ہے اور دل کی لذت صرف اللہ تعالیٰ کی ملاقات میں ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذت دنیا میں اس کی معرفت سے زیادہ ہوگی۔ اور یہ اللہ کی سنت جاری رہے کہ نفس جب تک بدنی عوارضات اور شہوات سے محجوب ہے اور اس پر بشری صفات غالب ہیں وہ مشاہدے کے نہیں پہنچ سکتا بلکہ دنیا کی یہ زندگی بذات خود ایک حجاب ہے۔ اور اس کے حجاب ہونے کے سبب میں بڑی لمبی تفصیل ہے۔



جب موت سے حجاب اٹھ جائے گا تو نفس باقی رہ جائے گا، اس حال میں کہ اس میں کچھ دنیا کی آلودگی ہوگی۔ پھر جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں میل کیل سے پاک و صاف ہو جائیں گے تو جنتی جن کو دنیا میں اللہ کی معرفت حاصل ہوگی اُس کے مطابق اللہ تعالیٰ اُن پر جنتی فرمائیں گے۔

جس نے دنیا میں اللہ کو نہ پہچانا وہ اُسے آخرت میں نہ دیکھے گا۔ جس کو دنیا میں معرفت نصیب ہوئی وہی اس کو دیکھ کر لذت حاصل کرے گا۔

وَأَنَّ الْمَذَارِعَ لَا تَنْفَعُ الْبَشَرَ وَالْحَيَٰتُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اور آخرت کا گھر ہی اصل میں زندگی ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ بہترین وہ آدمی ہے جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھے ہوں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ معرفت کی تکمیل اور توسیع لمبی عمر میں ہمیشہ کے ذکر اور فکر۔ مجاہدے پر دوام۔ دنیا کے تعلقات سے منقطع ہونے اور تجویز کیسوں ہونے سے ہوتی ہے۔ یقیناً سب سے ہمارے اس بیان سے محبت اور معرفت کی لذت اور رویت کے معنی آپ کو معلوم ہو چکے اور یہ بھی کہ اہل کمال کے نزدیک معرفت کی لذت تمام لذتوں سے بہت زیادہ ہے۔

## فصل سوم

## اللہ کی محبت کو تقویت دینے والے اسباب

معلوم ہوتا چاہیے کہ آخرت میں سب سے زیادہ خوش نصیب اور اچھی حالت والا وہ شخص ہوگا جو اللہ کی محبت میں ترقی ہے، یاں یہ ضرور ہے کہ نعمت محبت کے اندازے کے مطابق ہوگی، محبت جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی لذت بھی زیادہ ہوگی۔

اصل محبت سے کوئی مسلمان خالی نہیں ہوتا، البتہ محبت کی قوت اور اس کے غلبے سے اکثر لوگ محروم ہیں اور یہ غلبہ دو چیزوں سے حاصل ہوتا ہے:

ایک یہ کہ دنیا کے تعلقات کو ختم کیا جائے اور غیر اللہ کی محبت دل سے نکالی جائے، کیونکہ اللہ کی محبت کے کمزور ہونے کا ایک سبب دنیا کی محبت کا غلبہ ہی ہے۔ جتنا دل دنیا سے مائل ہوگا اتنا ہی اس کا انس اللہ سے کم ہوگا۔ مشہور مقولہ ہے کہ دنیا اور آخرت آپس میں دو سونکیں ہیں۔ دنیا کو دل سے نکالنے کا واحد طریقہ زبردستی سے پرچلنا ہے جو عمارت ہے مبرا اختیار کرنے، خوف اور امید کے خلاف جہاد کرنے اور اللہ کی کامل فرمانبرداری سے۔

دوسرا سبب محبت کی قوت کے لیے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ جب معرفت حاصل ہوگی تو اللہ کے ساتھ محبت جی آئے گی۔ اور دنیا کے مشاغل سے انہماک کم ہوگا۔ اللہ تک ٹکرائی، دائمی اور طلب میں جہد و جد اور اللہ کے انحال سے اس پر استدلال کرنا ہی پہنچاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا سب سے چھوٹا فعل یہ نسبت ملاکہ اور آسمانوں کے زمین اور اس کی موجودات ہیں۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ:

سورج چھوٹا سا نظر آتے کے باوجود زمین سے کئی لاکھ گنا بڑا ہے، تو اس کی نسبت سے اندازہ کرو کہ زمین کتنی چھوٹی ہے۔ اور پھر اس آسمان کی نسبت جس میں سورج مرکوز ہے، یعنی پورے آسمان کی نسبت سے بھی سورج کو دیکھو کہ وہ کتنا چھوٹا ہے اور پورے آسمان اپنے سے اوپر والے آسمانوں کی نسبت چھوٹا ہے۔ پھر ساتوں آسمان کر کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے جنگل میں سات انگوٹھیاں پڑھی ہوں اور کرسی عرش کے مقابل میں حیثیت رکھتی ہے۔

پھر آدمی کو دیکھو جو مٹی سے پیدا ہوا ہے اور زمین کا ایک جزو ہے۔ اور دوسرے حیوانات کو دیکھو۔ اور پھر دیکھو کہ زمین کی لمبیت یہ کتنے چھوٹے ہیں حیوانات میں سے بالکل چھوٹا چھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو کس طرح ماقصی کی شکل پر پیدا کیا ہے جو ایک بڑا جانور ہے۔ اس کو دو پردے۔ اس کے کان اور آنکھیں بنائیں۔ اس کے پیٹ میں غذا کے اعضاء اور آلات پیدا کیے اور اس کے تمام حالات کی تدبیر کی، یعنی اس کے خڑائے جا ذیہ اور داخلہ اور باہرہ بنائے اور پھر دیکھو کہ وہ کیسے اڑتا ہے اور اس کی ایک سخت سوڈ بنائی جس سے خون چوستا ہے۔

اسی طرح شہم کی مکھی کو دیکھو کہ وہ کس طرح پھولوں کی کلیوں سے رس لیتی ہے۔ گندگی سے بچتی ہے اور اپنے سڑا کی اطاعت کرتی ہے، یہاں تک کہ جو مکھی گندگی پر بیٹھ کر آئے سردار مکھی اس کو قتل کر دیتی ہے اور دیکھو کہ وہ چھوٹے چھتے کیسے تیار کرتی ہے! نہ چار گوشہ بناتی ہے نہ گول نہ پانچ گوشہ، بلکہ چھ گوشہ، کیونکہ سڈس (چھ گوشہ) شکل میں ایک خاصیت ہے۔

سب سے زیادہ وسیع شکل گول ہے یا جو اس کے قریب ہو۔ مربع (چار گوشہ) شکل میں گوشے ضائع جاتے ہیں۔ اگر وہ اچھا چھتہ گول بناتی تو گھر سے باہر کی جانب بیگہ ضائع ہوتی۔ گول شکلوں کو ملایا جائے تو وہ لہری طرح آپس میں نہیں ملتیں۔ اور گوشوں والی کوئی شکل ایسی نہیں ہے جو جگہ گیرنے میں گول سے زیادہ ہو۔ وہ شکلیں جو آپس میں اس طرح ملیں کہ کوئی جگہ خالی نہ رہے چھ گوشہ کے سوا اور کوئی نہیں۔

پھر دیکھو کہ اس کے چھوٹا اور بڑا ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے کیسے الہام فرمایا۔ غرض یہ کہ چھوٹے چھوٹے جانور کے متعلق اس مختصر بیان سے اللہ کی صنعت کے بارے میں بصیرت حاصل کی جا سکتی ہے اور یہ ایسا پہلو ہے کہ اس پر ذہن غور کیا جائے اتنی ہی معرفت حاصل ہوتی ہے اور خالق حقیقی سے محبت بڑھتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ لوگوں میں محبت کے مختلف ہونے کا سبب کیا ہے؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ اصل محبت میں بالکل مشترک ہیں، لیکن وہ معرفت کی استعداد کی وجہ سے مختلف ہو گئے ہیں۔ بہت سے ہیں اللہ کے متعلق جن کی معرفت صرف اسماء اور صفات تک محدود ہے جن کا علم انھیں حاصل ہو سکا۔ دانا و بنا آدمی اللہ تعالیٰ کی صنعت کی تفصیل کا مطالعہ کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ چیزیں دیکھتا ہے جن سے عقل دنگ رہ جاتی ہے اور یوں اس کے دل میں اللہ کی عظمت زیادہ ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی محبت بھی بڑھتی ہے اور پھر یہ معرفت جو اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائبات ہیں اس کو ایسے سمندر کی طرت کہنے کر لے جاتی ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کو سمجھنے سے مخلوق نا مرہ ہے۔ کیونکہ مخلوق اپنے خالق کی عظمت کا اندازہ

ہنسی کر سکتی۔ البتہ صنعت سے صانع کے وجود اور اس کے علم و قدرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت و علم اور اس کی تمام صفات کی ہر وہ چیز شہادت دیتی ہے جو ہمارے مشاہدے میں آتی ہے۔ پتھر، اینٹ، تختہ، سبزی، جانور، زمین، آسمان، ستارے، نشیگی، تری سب شہادت دے رہے ہیں، بلکہ سب سے پہلی شہادت ہمارے اپنے نفس اور جسم اور حالات کا تبدیل ہونا۔ دونوں کا پھرنا۔ طور طریقے اور حرکات و سکنات ہیں۔

جو بھی اس کائنات میں موجود ہے وہ شاہد بنا طبق ہے۔ اپنے خالق اور مدبر اور تصرف کرنے والے اور حرکت دینے والے پر اور یہ چیزیں دلالت کرتی ہیں۔ اس کے علم اور قدرت اور حیات اور لطف اور حکمت و عظمت و جلال پر کیونکہ ہر ایک ذرہ بزبانِ عالی آواز دیتا ہے کہ اس کا وجود اس کا اپنا نہیں ہے، وہ اپنے موجد کا محتاج ہے، لیکن ہماری عقلیں اللہ تعالیٰ کے ادراک کی نسبت ایسی ہیں جیسے جیگا ڈرون کے وقت کہ وہ اپنی نظر کی کمزوری کی وجہ سے رات کو دیکھتی ہے دن کو نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے دن میں نہ دیکھے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ غنمی ہے، اس کے شدتِ ظہور اور اس کی تیز روشنی میں کچھ کلام نہیں۔ جیگا ڈر کی کمزور آنکھوں کی وجہ سے اسے نظر نہیں آتا۔

اسی طرح ہماری عقلیں اللہ تعالیٰ کے صحیح ادراک سے قاصر ہیں۔ تو پاک ہے وہ جو اپنے نور کی تیزی میں غنمی ہے۔ انسانوں کی بصیرت اور بصارت سے بھی وہ اسی لیے پوشیدہ ہے کہ ان میں اس کی ذات کے صحیح صحیح ادراک کی قوت نہیں۔ انسان کی قوتوں کا تو یہ حال ہے کہ ابتدائی عمر میں اس کی تمام قوتیں، یہاں تک کہ عقل بھی کمزور ہوتی ہے۔ پھر ان میں تھوڑی بیداری اور توانائی پیدا ہوتی ہے اور انسان افکار میں پختہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ اپنے ارد گرد جو اشیاء پاتا ہے ان سے مانوس ہوتا ہے اور جیسے جیسے اس کا یہ مشاہدہ اور مطالعہ آگے بڑھتا ہے پرانی چیزیں دل سے اترتی جاتی اور نئی اشیاء سے محبت بڑھتی جاتی ہے۔

اسی طرح جب انسان ناگہانی طور پر کوئی عجیب و غریب جانور کوئی سبزی یا اللہ تعالیٰ کا کوئی عجیب کام دیکھتا ہے، تو تعجب سے اس کی زبان کھلتی ہے اور کہتا ہے: سبحان اللہ! سبحان اللہ! یہ سب چیزیں قطعی شہادت دیتی ہیں کہ کوئی ان کا پیدا کرنے والا ہے، لیکن انسان ان کی شہادت کو محسوس نہیں کرتا۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی ایسا آدمی ہے جن کی حالت میں بالغ ہو پھر اس کی آنکھ سے پردہ ہٹ جائے اور وہ آسمان، زمین، درختوں، سبزی اور حیوانات کو دیکھتا ہو اور دیکھے تو ان عجائبات کے مشاہدے اور ان کے خالق کے شاہد ہونے کے تعجب سے نظر اٹکے کہ اس کی عقل نہ جاتی رہے۔ انسان کے ذہنی طور پر تبدیلیج بالغ ہونے کی حکمت یہی ہے کہ وہ فطرت کی تیز نگاہ اپنا تک دیکھ کر مہوت نہ رہ جائے۔ اللہ نے نورِ معرفت سے روشنی حاصل کرنے والے اور اس کے وسیع سمندر میں تیرنے کے رستے اسی لیے محدود رکھے ہیں۔ واللہ اعلم۔

## فصل چہارم

### شوق کا مطلب

محبت اور اس کے دلائل کے ثبوت پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔ شوق اس کے نتائج میں سے ایک نتیجہ ہے کیونکہ جس کو کسی چیز سے محبت ہوتی ہے، وہ اس کا شاق ہوتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ شوق اس چیز کا ہوتا ہے جس کا کچھ ادراک ہو اور کچھ نہ ہو۔ کیونکہ جس چیز کا ادراک بالکل نہ ہو اس کا شوق نہیں ہوتا اور کمال ادراک دیکھنے سے ہوتا ہے اور یہ آخرت میں ہوگا۔

در اصل امور الہی کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر نیکے پر بعض امور منکشف ہوتے ہیں اور باقی بے اندازہ مخفی ہوتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ ان کے وجود کو جانتا ہے اور یہ شعور بھی رکھتا ہے کہ ان کے اصل فوائد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ نیز وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو معلومات اس سے غائب ہیں وہ معلوم چیزوں سے بہت زیادہ ہیں۔ تو جب تک اصل معرفت حاصل نہ ہو جائے بندہ ہمیشہ شاق رہتا ہے اور دنیا میں پیدا ہونے والا یہ شوق آخرت میں خدا تعالیٰ کی رویت اور ملاقات سے پورا ہوگا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ دنیا میں اہل شوق کے دلوں کو سکون مل سکے۔

حضرت ابراہیمؑ بن آدم مشتاقین میں سے تھے۔ انھوں نے ایک دن کہا: اے رب! اگر تو نے اپنے کسی محبت کو کوئی ایسی چیز دی ہے جس سے اس کے دل کو سکون مل جائے تو مجھے بھی دے دے۔ مجھے مقرراری نے بڑی تکلیف دی ہے: "زلزلے میں پھر میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو اس نے فرمایا: اے ابراہیمؑ! کیا تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی؟ تو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں تجھے وہ چیز دوں جو میری ملاقات سے پہلے تیرے دل کو سکون دے دے۔ کیا کبھی دوست کی ملاقات سے پہلے کسی عاشق کے دل کو قرار ملا ہے؟ میں نے کہا: اے رب! تیری محبت میں نہیں بہک گیا۔ میں نے نہ جانا کہ کیا کہہ رہا ہوں؟"

تو یہ شوق آخرت میں جا کر پورا ہوگا۔ اور وہ جو صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اس کی کوئی انتہا نہیں۔ نہ وہ بندے پر واضح ہو سکتا ہے۔ نہ بندہ اس کو جانتا ہے۔ وہ اسی کی لذت میں مشغول ہے جو اس پر ظاہر ہوا۔ اور نعمت اور لذت دونوں ہمیشہ بڑھتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ وہ غیر معلوم چیزوں کے شوق کے احساس سے بے خبر

ہو جاتا ہے۔ بس اوار بھیرت کی اتنی مغفرا رہی شوق اور اس کے معانی کے متعلق کو کھولنے کے لیے کافی ہے۔  
احادیث کے ثواب میں سے وہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دعا سکھائی  
اور اسے حکم دیا کہ اس کی روزانہ اپنے گھر والوں پر دعوت فروری بندی کرے اور اس دعا میں یہ بھی ہے: اے اللہ!  
میں تجھ سے تیری تقدیر پر رضا اور موت کے بعد عیش اور تیرے پہرے کی طرف دیکھنے کی لذت اور تیری ملاقات  
کے شوق کا سوال کرتا ہوں“

تو ریت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میری ملاقات کے لیے نیک لوگوں کا شوق بہت زیادہ ہے اور  
مجھے اُن کی ملاقات کا اُن سے بھی زیادہ شوق ہے“

اپنے ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے ایک القاف فرمایا: میرے کچھ بندے ایسے ہیں جو مجھ سے محبت رکھتے  
ہیں اور میں اُن سے محبت رکھتا ہوں۔ مجھے اُن کا شوق ہے۔ اُن کو میرا شوق ہے۔ وہ میرا ذکر کرتے ہیں۔ میں ان  
کو یاد کرتا ہوں۔ اگر تم ان کی راہ پر چلو تو میں تم سے محبت کروں گا اور اگر تم نے اُن سے منہ موڑ لیا تو میں تم سے ناراض  
ہو جاؤں گا۔ اُس نے کہا: اے رب! اُن کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: دن کو نمازوں کے لیے سایہ کی نگلانی  
کرتے ہیں جیسا کہ مہربان چرواہا اپنی بکریوں کی نگلانی کرتا ہے اور صبح کے غروب ہونے کا خیال رکھتے ہیں جیسا  
غروب آفتاب کے وقت پرندے اپنے گھونسلوں کا خیال کرتے ہیں اور جب رات چھا جاتی ہے اور اندھیرا گہرا  
ہو جاتا ہے۔ بستروں کو چھلتے ہیں اور ہر دوست اپنے دوست کے ساتھ تنہائی میں چلا جاتا ہے تو وہ اپنے قدموں  
پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے پہرے بچھا دیتے ہیں اور میرے کلام کے ذریعے مجھ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ اور میرے  
انعامات کے تذکرے سے میری خوشامد کرتے ہیں۔ کچھ کچھ چینیے والے، کچھ رونے والے، کچھ آہیں بھرنے والے، کچھ  
شکر کے کرنے والے، کوئی کھڑا، کوئی بیٹھا، کوئی کدو میں، کوئی سجھے میں میری حمد بیان کرتا ہے۔

میری وجہ سے اُن کو تکلیف پہنچتی ہے وہ میری نظروں میں ہے اور وہ میری محبت کی وجہ سے ہوشکرے گتے  
ہیں وہ میرے کانوں میں ہیں“

## فصل پنجم

# بندے سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کا مطلب

بندے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کے بے شمار ثبوت ہیں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَاضِعِينَ** **يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ** (اللہ تو بیکرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔  
 فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا** (اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں)۔

ساتھ رہنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ جس سے محبت رکھتا ہے اُسے عذاب نہیں دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُس آدمی کا رد فرمایا جس نے اُس کا دعویٰ کیا تھا: **قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ** (کہو پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی کیوں سزا دیتا ہے)

محبت کے نیچے بخشش کی شرط رکھی: **قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ** (کہو اگر تم اللہ سے محبت رکھنے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا)۔  
 صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اللَّهُ تَعَالَى** فرماتے ہیں بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں“  
 آخر تک۔ اور یہ مشہور حدیث ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کی علامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اللہ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اُسے آزمائش میں ڈالتا ہے: **”اور سب سے قوی علامت اس کے لیے اچھی تدبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی نہیں سے اس کی تربیت بڑے احسن طریقہ سے کرتا ہے۔ اس کے دل میں ایمان لاتا ہے۔ اس کی عقل کو روشن کرتا ہے۔“**

۱۸: سورۃ بقرہ - آیت ۲۲۲      ۴: سورۃ صف - آیت ۴      ۱۸: سورۃ مائدہ - آیت ۱۸

۳۱: سورۃ آل عمران - آیت ۳۱

جس کے باعث وہ ہر اس چیز کی پیروی کرتا ہے جو اسے اللہ کے قریب کرے اور ہر اس چیز سے نفرت کرتا ہے جو اسے اللہ سے دُور کر دے۔ پھر اُس کے کام اُس کے لیے آسان کر دیتا ہے۔ اسے خلقت کے سامنے ذلیل نہیں کرتا۔ اُس کے ظاہر و باطن کو درست کرتا ہے اور اُس کے ذہن میں حرف اپنا خیال رکھ دیتا ہے اور جب محبت زیادہ ہو جاتی ہے تو اُسے ہر چیز سے بٹھا کر اپنے لیے مشغول کر دیتا ہے۔

ہر بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت، تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر آدمی محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ دعویٰ کرنا بڑا آسان ہے اور اس کو ثابت کرنا بڑا مشکل ہے تو انسان کو شیطان سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ اور یہ نفس کا دھوکا ہے کہ آدمی اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے جب تک کہ علامات سے اس کا امتحان نہ لے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ جنت میں اللہ کی ملاقات کو پسند کرے۔ یہ تو نا ممکن ہے کہ دل کسی سے محبت کرے اور اس کی ملاقات اور مشاہدے کو پسند نہ کرے اور موت کی کراہت اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ مومن موت سے کراہت کرتا ہے اور اللہ کی ملاقات موت کے بعد ہے۔

سلف میں سے بعض موت کو پسند کرتے اور بعض ناپسند کرتے تھے۔ یا تو اپنی محبت کی کمزوری کی وجہ سے۔ یا اس لیے کہ اس میں دنیا کی محبت کی آمیزش تھی یا پھر اس لیے کہ وہ اپنے گناہوں کو دیکھتے تو توبہ کے لیے زندگی میں برکت چاہتے۔ ان میں بعض وہ تھے جو اپنے آپ کو محبت کے ابتدائی مقام میں دیکھتے تو اللہ کی ملاقات کی تیاری کرنے سے پہلے موت آنے کو ناپسند کرتے۔ اس کی مثال ایسی ہے جسے محبوب کے آنے کی خبر پہنچا اور وہ چاہے کہ اس کا آنا کچھ دیر بعد ہوتا کہ وہ اپنے گھر کو تیار کر سکے، تو اس لحاظ سے موت کو مکروہ سمجھنا کمال محبت کے منافی نہیں ہے۔

ایک علامت یہ ہے کہ اپنی پسند کے مقابل ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کی پسند کو ترجیح دے، خواہش کی پیروی نہ کرے۔ سستی کو سختی سے دفع کرے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہمیشہ لگا رہے اور نوافل سے اس کا قرب حاصل کرے۔ جو زندہ اللہ سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ ویسے کبھی نافرمانی اصل محبت کے منافی نہیں ہوتی، بلکہ کمال محبت کے منافی ہوتی ہے۔ کتنے ہی ایسے انسان ہیں جن کو صحت سے محبت ہے، لیکن پھر بھی مضر چیزیں کھدیتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ معرفت کمزور اور خواہش غالب ہوتی ہے اور ایسا شخص محبت کا سچی ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس پٹھان کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا، آپ اُسے حد لگا دیتے (یعنی شراب پینے کی) بہانہ تک کہ ایک دن جب اُسے لایا گیا اور آپ نے اس کو حد لگائی تو ایک آدمی نے اس پر لعنت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، یہ اللہ اور اُس کے رسول سے محبت



رکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ گناہ نے اُس کو محبت سے خارج نہ کیا تھا، بلکہ کمالِ محبت سے خارج کیا تھا۔

علامات میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ کے ذکر پر ذلیفۃ ہو۔ اس سے اس کی زبان نہ ٹکے اور نہ اس کا دل اس سے خالی ہو۔ جو آدمی کسی چیز سے محبت رکھے تو لازماً اس کا اور اس کے متعلقات کا تذکرہ بہت زیادہ کرتا ہے۔ ہر چنانچہ اس نقطہ نظر سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت اس کا ذکر اور قرآن کی محبت جو کہ اس کا کلام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے جو اللہ کے محبوب رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنَّ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (کہو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا)

بعض سلف نے کہا: مجھے اللہ سے ہم کلامی میں لذت ملتی تھی اور میں ہمیشہ قرآن کریم کی تلاوت کرتا تھا۔ پھر میری تلاوت میں رکاوٹ ہوئی اور ہم کلامی کی لذت بھی جاتی رہی، پھر میں نے خواب میں دیکھا ایک آدمی کہہ رہا تھا۔ اگر تو میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو تو نے میری کتاب کیوں چھوڑ دی کیا تو نے اس میں میرے لطف و عقاب پر غور نہیں کیا؟

ایک علامت یہ ہے کہ خلوت اور اللہ کی ہم کلامی اور قرآن کریم کی تلاوت سے اُنس ہو۔ ہمیشہ تہجد پڑھے اور مواعظ کے انقطاع سے وقت کی صفائی اور رات کے سکون کو غنیمت سمجھے اور محبت کا کمر بن درجہ رہے کہ دوست کے ساتھ خلوت میں لذت پائے اور اُس کی ہم کلامی کو نعمت سمجھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عبادت گزار نے ایک مدت تک ایک جنگل میں اللہ کی عبادت کی۔ اُس نے ایک پرندہ دیکھا جس نے ایک درخت پر گھونسل بنا یا تھا وہ اُس میں آکر چھپاتا، تو اُس نے کہا کاش کہ میں اپنا معشوق اس درخت کے پاس لے جاتا اور اس پرندے کی آواز سے لطف اندوز ہوا کرتا۔ پھر اُس نے ایسا ہی کیا تو اللہ نے اُن کے نبی کی طرف وحی فرمائی کہ فلاں عابد سے کہو تو نے مخلوق سے اُنس حاصل کیا میں تجھے اس درجے سے گرا دوں گا جس کو تو اپنے عمل سے کبھی بھی نہیں پاسکے گا۔

محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ محبوب کی ہم کلامی سے اُنس ہو اور خلوت کو کمال درجے کی نعمت سمجھے اور ہر اس چیز سے اُس کو کمال درجہ کی وحشت ہو جو اُس کی خلوت میں مخل ہو۔

جب محبت اور اُس غالب ہو جاتا ہے تو مخلوق اور ہم کلامی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے جس سے تمام ریشہ نیا دور ہو جاتی ہیں۔ دل محبت اور اُس میں غرق ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ انسان دنیا کے کام سمجھتا ہی نہیں جب تک کہ وہ باوجود بارہ کہہ کر اسے تاکید نہ کی جائے جیسے کہ آشفقتہ حال عاشق ہوتا ہے۔

ایک علامت یہ ہے کہ ہو وقت اللہ کی یاد سے غفلت میں گزرا اس پر افسوس ہو اور اطاعت کو نعمت سمجھے۔ اسے بخیر نہ جانے اور اُس کی مشقت اُس کو معلوم نہ ہو۔

حضرت ثابت بن ابی رحمہ اللہ نے کہا: میں نے بیس سال نماز تکلف سے پڑھی اور بیس سال نعمت سمجھ کر حضرت حنفیہ نے کہا: محبت کی علامت ہمیشہ کی خوشی اور ایسی خواہش میں جانفشانی ہے جو اُس کے بدل کو خواہتلفنا پہنچائے، لیکن دل کو تکلیف نہ پہنچائے۔ اور ان سب چیزوں کی مثالیں مشاہدات میں موجود ہیں۔ محبت اپنے محبوب کی مراد میں کوشش کرنے کو بوجہ نہیں سمجھتا اور اُس کی خدمت میں دل کی لذت پاتا ہے۔ اگرچہ اس کے جسم پر بوجھ ہو اور ہر محبت لازماً غلبہ چاہتی ہے، تو جس کا محبوب جس قدر زیادہ پیارا ہوگا وہ اس کی خدمت میں مستی کو اسی قدر چھوڑ دے گا۔ ایک علامت یہ ہے کہ اللہ کے تمام بندوں پر شفق اور مہربان ہو اور اُس کے دشمنوں کے لیے سخت، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى الْكٰفِرِيْنَ لَشَدِيْدٌ مُّبِيْنٌ (وہ کافروں کے لیے سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں)

اگر اللہ کے معاملے میں کسی کی ملامت کا خوف نہ ہو اور اللہ کے لیے ناراضگی سے اس کو کوئی پیروں نہ سکے، تو یہ محبت کی علامت ہیں اور جس میں یہ سب جمع ہو جائیں اُس کی محبت کا بل ہے اور وہی آخرت میں حوض کوثر سے سیراب ہوگا۔

جس کی محبت میں غیر اللہ کی محبت کی ملاوٹ نہ ہوگی اُسے آخرت میں محبت کے اندازے کے مطابق نعمتیں ملیں گی اور اُس کے مشروب میں اس کے ایمان کے مطابق تفریق نہیں کی جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الْاٰمِلِيْنَ لَفِيْ نِعْمَةٍ كَثِيْرَةٍ (نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے)

یہاں تک کہ فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ جَمَاعَةً مِّنْكُمْ يَدْعُوْنَ اِلَى الْاِحْسَانِ وَجَاهٍ مِّنْ تَسْبِيْحٍ عِيْنًا لِّتُبَيِّنَ لَهَا الْمُقَرَّبُوْنَ (وہ پھر شدہ خالص شراب پلائے جائیں گے اور اُس کا اہتمام کستوری کا ہوگا اور اُس میں پسینے والوں کو دیکھ کر پانی پلائے جائیں گے اور اُس میں پسینے والوں کو دیکھ کر پانی پلائے جائیں گے)

۱۰ سورۃ فتح - آیت ۲۹ ۱۱ سورۃ انفطار - آیت ۱۳ ۱۲ سورۃ مطففین - آیت ۲۲ ۱۳ سورۃ مطففین - آیت ۲۵

تو جس کی محبت خالص ہوگی اُس کو شراب بھی خالص ملے گی اور جس کی محبت میں ملاوٹ ہوگی اس کی شراب میں بھی ملاوٹ ہوگی: **فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ** (جو ایک ذرہ کے برابر نیکی کرنے کا وہ بھی اس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ کے برابر برائی کرے گا وہ بھی اس کو دیکھ لے گا)

ایک علامت یہ ہے کہ اللہ کی محبت میں ہیبت اور تعظیم کی وجہ سے خوف ہو۔ اور خوف محبت کے منافی نہیں۔ خاص طور پر محبت کرنے والوں کے لیے خوف کے وہ تعامات ہیں جو دوسروں کے لیے نہیں ہیں اور بعض مقام بعض سے سخت ہیں۔ پہلا خوف اللہ کے منہ پھیر لینے کا ہے اور اس سے سخت خوف حجاب کا ہے اور اس سے سخت خوف اللہ سے دُور ہو جانے کا ہے۔

ایک علامت محبت کا چھپانا۔ دعوے سے اجتناب اور وجہ اور محبت کے اظہار میں احتیاط ہے۔ اور اس کی وجہ محبوب کی تعظیم، بزرگی، ہیبت اور اپنے راز پر غیرت ہے۔ کیونکہ محبت محبوب کے رازوں میں سے ایک لازمہ ہے۔ کبھی محبت دہشت اور بدبو شمی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس سے بے لادہ محبت ظاہر ہو جاتی ہے تو ایسا آدمی معذرو ہے جیسا کہ بعض نے کہا:

اور جس کا دل دوسرے کے پاس ہو اس کا حال کیا ہوگا اور جس کا راز اُس کی بیگنوں میں ہو وہ کیسے چھپائے۔

## فصل ششم

## اللہ کی تقدیر پر راضی ہونے کا مطلب

معلوم ہونا چاہیے کہ جس پر اُنس کا حال غالب ہو اس کی خواہش صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ تنہائی اور خلوت میں رہے۔ اللہ سے اُنس کے بعد لازم ہے کہ دوسروں سے وحشت ہو اور ایسے شخص کے دل پر سب سے بھاری چیز وہ ہوتی ہے جو خلوت میں نخل ہو۔

عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا: ”میں نے ایک لایعجب سے پوچھا، آپ کو خلوت پسند ہے؟ تو اُنس نے کہا، اگر تم کو خلوت کی لذت نصیب ہو جائے تو تمہیں اپنے وجود سے بھی وحشت ہو جائے۔ میں نے کہا۔ اللہ سے اُنس کی لذت کب نصیب ہوتی ہے؟ اس نے جواب دیا، جب محبت خاص ہو جائے۔ میں نے کہا۔ محبت خاص کب ہوتی ہے؟ کہا، جب نکل جمع ہو جائے اور صرف اللہ کی اطاعت کی فکر رہ جائے“

اگر پوچھا جائے کہ اُنس کی علامت کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُنس کی خاص علامت لوگوں کو ملنے سے تنگ دل ہونا اور بے چینی محسوس کرنا ہے۔ اور اگر بامجمہوری ملے بھی تو اُنس کی حالت ایسی ہوتی ہے گویا ان کے درمیان موجود نہیں۔ اس کا جسم لوگوں میں ہوتا ہے، لیکن دل مجبور کے پاس۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اُنس جب دائمی، غالب اور مستحکم ہو جائے، تو بعض اوقات اس میں ایک طرح کی خوشی اور ناز و خمر پیدا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات بظاہر یہ صورت بری معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں جرأت اور اللہ کی ہدایت میں کمی پائی جاتی ہے۔ اگر یہ مقام اُنس کے مقیم سے ایسی چیز برداشت کر لی جاتی ہے، لیکن جو لوگ اس مقام کو نہیں سمجھتے وہ ایسے آدمی پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابو حفص سے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دن جا رہے تھے تو آپ کو ایک پریشان حال آدمی ملا۔ آپ نے اُنس سے پوچھا: ”تجھے کیا ہوا؟“ اُنس نے کہا: ”میرا گدھا تم ہو گیا ہے اور میرے پاس اس کے علاوہ کوئی متاع نہیں“ تو ابو حفص وہیں کھڑے ہو گئے اور کہا: ”اے اللہ! مجھے تیری عزت کی قسم جب تک اس کا گدھا نہ ملے گا میں آگے ایک قدم نہ اٹھاؤں گا“ تو اسی وقت گدھا آ گیا۔

بروز عابد سے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پیاس سے پریشان ہو کر باہر نکلے اور کہا: ”اے رب! تو نخل تو نہیں

ہے۔ کیا تیرے پانی کا ذرہ ختم ہو گیا ہے، ہمیں ابھی پانی دے۔“

اور یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کہ ایک آدمی سے کوئی بات برواشت کر لی جائے اور دوسرے سے یہی بات برواشت نہ کی جائے۔ باقی رہا اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا، تو یہ تقریباً بین کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے۔ محبت کا نتیجہ ہے اور اس کی حقیقت بڑی گہری ہے۔ اسے صرف وہی سمجھ سکتا ہے جسے اللہ سمجھائے۔

رضاکے فضیلت میں وہ بھی ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اللہ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اپنی تقسیم پر راضی کر دیتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: ”اے داؤد، مجھے سب سے زیادہ خوش کرنے والا اور تیرے بوجھ کو اتارنے والا کوئی عمل ایسا نہیں جیسا کہ میری تقدیر پر خوش ہونا ہے۔“

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عدی بن حاتم کو تکلیف دیکھا تو فرمایا: ”اے عدی! کیا بات ہے میں تجھے غمزہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں؟ تو انھوں نے کہا: میں کیوں پریشان نہ ہوں میرے دو بیٹے قتل ہو گئے ہیں اور میری آنکھ پھوٹ گئی ہے۔“ تو آپ نے فرمایا: ”اے عدی! جو اللہ کی تقدیر پر راضی ہو ادہ اس پر جاری ہوگا اور اسے اجر ملے گا اور جو اللہ کی تقدیر پر راضی نہ ہو اس پر بھی تقدیر جاری ہوگی اور اس کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے انصاف اور علم سے راحت اور خوشی، یقین اور رضا میں رکھی ہے اور غم اور فکر، شک اور تقدیر پر ناراضگی میں۔“

حضرت علقمہ رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کا اس قول: ”وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ“ (اور جو اللہ پر ایمان لائے گا اللہ اس کے دل کو ہدایت دے گا) کی تفسیر میں فرمایا: ”یہ مصیبت ہے جو آدمی کو پہنچتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔ وہ اسے تسلیم کرتا ہے اور اس پر راضی ہوتا ہے۔“

ابو سعید خدریؓ نے اللہ تعالیٰ کے قول: ”خَلَقْنَاهُ مِنْ نَفْسٍ طَيِّبَةٍ“ (ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے) کے متعلق فرمایا: ”یہ رضا اور رضاقت ہے۔“

حدیث میں ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس سال کی غربت اور بھوک کی شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: کتنی مدت تک شکوہ کرتے رہو گے؟ فرمیں دو آسان کی پیدائش سے پہلے

میں نے لوح محفوظ میں تمھاری قسمت اسی طرح لکھی تھی اور تمھارے متعلق میرا یہی فیصلہ ہے اور میں نے دنیا پیدا کرنے سے پہلے تمھارے لیے یہی لکھا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمھارے لیے دنیا کی بیدائش کو از سر نو لوٹاؤں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جو میں نے تمھارے لیے تقدیر کیا ہے اسے تبدیل کر دوں اور تمھاری پسند میری پسند سے فائق ہو اور تمھاری چاہت میری چاہت سے فائق ہو جائے مجھے میری عزت و جلال کی قسم! اگر تمھارے دل میں آئندہ اس قسم کا کوئی خیال آیا تو میں تمھارا نام انبیاء کے دفتر سے مٹا دوں گا۔“

داؤد علیہ السلام کی زبرد میں یہ ہے: ”کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ پلکھارے سے کون گزرنے کا؟ وہ جو میرے فیصلے پر راضی ہیں اور ان کی زبانیں میرے ذکر سے تر ہیں۔“

داؤد علیہ السلام نے عرض کیا: ”اے رب! تیرے نزدیک سب سے بڑے لوگ کون ہیں؟“ کہا: ”وہ بندہ جو کسی کام کے متعلق مجھ سے استخارہ کرے، پھر میں اس کو اپنی پسند تباؤں اور وہ اس پر رضامند نہ ہو۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: ”تقدیر کے واقعات کے علاوہ میرے لیے کئی خوشی باقی نہیں رہی۔“

پوچھا گیا: ”آپ کیا چاہتے ہیں؟“ تو کہا: ”جو اللہ تعالیٰ میرے لیے فیصلہ کرے۔“

حضرت حسن نے کہا: ”جو اللہ کی تقدیر پر راضی ہو اس کو فراموشی ملے گی اور اللہ اسے اس میں برکت دے گا۔ اور جو راضی نہ ہوگا، نہ اسے فراموشی ملے گی نہ برکت۔“

عبدالواحد بن زید نے کہا: ”رضاء اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا دروازہ ہے، یہ دنیا کی جنت ہے، یہ عبادت گزاروں کی راحت ہے۔“

بعض بزرگوں نے کہا: ”آخرت میں سب سے بلند درجات ان کے ہوں گے جو ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔ جسے رضاعطا فرمائی گئی وہ سب سے افضل درجات پر پہنچا۔“

ایک اعرابی کے بہت سے اونٹ مر گئے تو اس نے کہا:

”خدا کی قسم! میں خدا کی غلامی میں ہوں، اور اس کا بندہ ہوں۔ اگر کبیرہ پرورشمن کے خوش ہونے کا خیال نہ ہوتا، تو میں یہ ہرگز پسند نہ کرتا کہ میرے اونٹ یاٹھے میں بوجھ دوں اور اللہ کی تقدیر نافذ نہ ہو۔“

## فصل ہفتم

## اللہ کی تقدیر اور انسان کی خواہش

بوجہ خواہش کے خلاف ہو اس میں بھی رضا کا تصور کیا جاسکتا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کو محسوس کرتا ہے، لیکن اس پر راضی ہوتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو اس کی زیادتی کی رغبت کرتا ہے کیونکہ اس کو اس کا ثواب ملتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ آدمی حجام سے فصہ کراتا ہے، سینگیان لگواتا ہے اور اسے ان کی تکلیف بھی محسوس ہوتی ہے لیکن صحت کے لیے وہ اس پر راضی ہوتا ہے۔ اس کی رغبت کرتا ہے، بلکہ سینگی لگانے والے کا احسان بھی سمجھتا ہے اور اسے اُخیرت بھی دیتا ہے۔

یہی حال اس مسافر کا ہے جو منافع کی طلب میں سفر کرتا ہے۔ وہ سفر کی مشقت اٹھاتا ہے لیکن سفر کے نتیجے کے خیال سے اسے پسند کرتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے۔ یہی حال ہر اس آدمی کا ہے جسے اللہ کی طرف سے کوئی معصیت پہنچتی ہے تو اسے یقین ہوتا ہے کہ تقنا اس سے گیا ہے اس سے بدرجہا زیادہ مل جائے گا اور وہ اس پر رضامند ہو جاتا ہے، اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے محبت غالب آجائے کیونکہ محبوب کی مراد میں محبت کو لذت ملتی ہے۔ اور محبت کی زیادتی کی وجہ سے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔

یہ عجیب بات نہیں ہے، کیونکہ خوف یا غضب کی حالت میں جنگ کرنے والے آدمی کو زخم لگتا ہے تو وہ اسے محسوس نہیں کرتا اور اس حال میں اسے زخم کا علم ہوتا ہے کیونکہ اس کا دل مستغرق ہوتا ہے۔ اور جب دل کسی کام میں غرق ہو تو دوسری کسی چیز کا خیال نہیں آتا۔ یہ بات مشاہدات میں موجود ہے۔

حضرت عنید رحمہ اللہ نے کہا: "میں نے سری ستعلیٰ سے پوچھا: کیا محبت کو معصیت کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے؟" کہا: "نہیں۔"

بہت سے اہل بلا کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے: "اگر ہمیں ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیا جائے تو پھر بھی اللہ کی محبت ہمارے دل میں بڑھتی ہی جائے گی۔"

پہلے بیان ہر ایک کا ہے کہ محبت کی زیادتی تکلیف کا احساس ختم کر دیتی ہے اور محب کو مخلوق کی محبت میں بھی مدد دیتی

ہے جیسا کہ بعض نے بیان کیا ہے کہ ہمارے ہمسایہ میں ایک آدمی تھا۔ اُسے اپنی نوذبی سے محبت تھی۔ وہ بیمار ہو گئی۔ وہ اُس کے لیے علاج بنانے لگا۔ وہ بانڈی میں چمچ چلا رہا تھا کہ نوذبی نے ہائے کہا۔ وہ گھبرا گیا۔ چچا اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اور وہ اپنا ہاتھ ہی بانڈی میں چلاتا رہا یہاں تک کہ اُس کی انگلیاں جل کر گر پڑیں اور اُسے معلوم نہ ہوا۔ اس کی تائید اُن عورتوں کے واقعات سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے اور انہیں تکلیف کا احساس بھی نہ ہوا تھا۔ تو جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خواہش کے خلاف بھی رزما کا ہونا ناممکن نہیں ہے۔ اور جب یہ مخلوق کی محبت ممکن ہے تو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی لذت کے متعلق بطریق اولیٰ ممکن ہوگا۔ اور اس کا امکان تین وجہ سے ہے :

پہلی وجہ یہ کہ مومن جانتا ہے کہ اس کے حق میں اللہ کی تدبیر اس کی اچھی تدبیر سے بہتر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کے لیے جو بھی فیصلہ کرتے ہیں اُسی میں اُس کی بھلائی ہوتی ہے۔  
حضرت کھوئے نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا آپ نے فرمایا: آدمی اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب اس کو بہتری کی رہنمائی کرتا ہے اور وہ ناپسند کرتا ہے، تو انجام کار تھوڑی مدت کے بعد ہی اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہی اس کے لیے بہتر تھا۔

حضرت مسروق نے کہا: جنگل میں ایک آدمی رہتا تھا۔ اس کے پاس گنا، گدھوا اور مرغ تھے۔ مرغ نماز کے لیے جگتا۔ گدھے پر وہ پانی اور اپنا غیر وغیرہ بار کرتا اور کتا رکھوا لیا کرتا۔ ایک دن نوذبی آئی اور مرغ کو اٹھا کر لے گئی۔ اُس آدمی نے کہا: شاید ساسی میں بہتری ہو، پھر بھڑپایا آیا اور اُس نے گدھے کو مار ڈالا۔ اُس آدمی نے کہا شاید اس میں بھی میری بھلائی ہو۔ پھر کتا بھی مر گیا، تو اُس آدمی نے اب بھی یہی کہا: شاید ساسی میں بھلائی ہو۔ اس سے کچھ دن بعد اُس نے دیکھا کہ جو لوگ ارد گرد رہتے تھے اُن پر حملہ ہوا اور سب گرفتار ہو گئے۔ اس بے سرو سامان شخص کو حملہ آوروں نے کچھ نہ کہا، دوسرے اس وجہ سے گرفتار ہو گئے کہ ان کے پاس آھاریں دینے والی چیزیں تھیں، جن سے ڈاکوؤں کو پتہ چل گیا۔ اگر اُس کا مرغ اور کتا زندہ ہوتے تو دونوں ضرور بولتے اور ڈاکو اُس کے ٹھکانے کا بھی سراغ پالیتے۔

حضرت سعید بن مسیب نے کہا: نعمان نے اپنے بیٹے سے کہا۔ اے بیٹے! تم پر جو کچھ بھی گزر جائے خواہ تم اُس کو پسند کرو یا ناپسند، بہر حال اپنے دل میں یہی سمجھا کرو کہ اسی میں تمھاری بھلائی تھی۔ بیٹے نے کہا کہ جب تک اس بات کی صحت معلوم نہ ہو جائے میں آپ کی یہ بات کیسے مان لوں۔ تو نعمان نے کہا۔ چلو اس زمانے کے پیغمبر کے



پاس چلتے ہیں۔ وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے۔ بیٹھے نہ کہا۔ ٹھیک ہے چلتے ہیں۔ تو وہ دونوں اپنے اپنے گھروں پر سوار ہوئے اور راستے کا خرچ، روٹی، بانی لے لیا۔ پھر کتنے ہی دن اور راتیں چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک صحرا ان کے سامنے آگیا اور وہ اُس میں داخل ہو گئے اور بتنی دیر لٹرنے چاہا چلتے رہے۔ یہاں تک کہ سورج سر پر آگیا۔ گرمی سخت ہو گئی اور روٹی اور پانی بھی ختم ہو گیا۔

گدھے تھکاوٹ کی وجہ سے نڈھال ہو گئے، تو وہ اتر کر سپرل چلنے لگے۔ اسی طرح چلے جا رہے تھے کہ لقمان نے اپنے سامنے نظر دوڑائی تو انھیں کچھ سیاہی اور دھواں نظر آیا۔ انھوں نے اپنے دل میں سوچا کہ سیاہی تو درخت ہیں اور دھواں آبادی کا نشان؛ چنانچہ انھوں نے اسی طرف رُخ کر لیا۔

وہ اسی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں پڑی ہوئی بڑی بڑی لقمان کے بیٹے کے پاؤں میں چھب گئی اور ایسی چھی کر تلوے سے اوپر نکل آئی۔ بیٹا غش کھا کر گر پڑا۔ لقمان نے لپک کر اُسے اٹھایا۔ دانتوں سے کپڑے بڑی نکالی اور تپتی پگڑی پھاڑ کر زخم پر باندھ دی۔

بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر لقمان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور ایک قطرہ لڑکے کے منہ پر گرا تو اُسے ہوش آگیا۔ اُس نے باپ کو روئے دیکھا تو کہا: اے میرے باپ! جب آپ اس حادثے کو میرے لیے بہتر سمجھتے ہیں تو روئے کیوں ہیں؟

لقمان نے کہا: اے بیٹے! میں باپ ہوں اور یہ روئے باپ کی محبت کی وجہ سے ہے اور یہ جو تم کہتے ہو کہ یہ حادثہ تمھارے لیے کس طرح بہتر ہے، تو شاید اس مصیبت سے بڑی مصیبت اللہ نے تمھارے دُور کر دی ہو اور میں جس مصیبت میں مبتلا ہوا ہوں شاید اس سے بڑی مصیبت سے اللہ نے مجھ کو بھی بچایا ہو۔

یہ کہتے ہوئے لقمان نے سامنے کی طرف نظر ڈالی تو اب دھواں اور سیاہی نظر نہ آئے۔ انھوں نے دل میں سوچا میں نے پہلے جو کچھ دیکھا تھا شاید میرا وہاں تھا، لیکن پھر خیال آیا اس قدر واضح انداز میں نظر آنے والی چیز وہاں نہیں ہو سکتی۔ وہ اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے کہ سامنے سے ایک سوار نمودار ہوا جس نے سفید لباس پہن رکھا تھا اور بہت تیزی سے اپنے گھوڑے کو دوڑا رہا تھا۔ لقمان اسے بخور دیکھو ویسے تھے کہ وہ اچانک نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور دُور سے آواز آئی:

کیا تم لقمان ہو؟

انھوں نے کہا: ہاں۔ تو کہا: تمھارا بے وقوف بیٹا کیا کہتا تھا؟

تعمان نے کہا: اے اللہ کے بندے تو کون ہے، میں تیری بات سنتا ہوں لیکن تیرا چہرہ نہیں دیکھتا؟  
اُس نے کہا: میں جبریل ہوں۔ مجھے کوئی ملک مقرب یا نبی مُسَلِّم ہی دیکھ سکتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم  
مجھے دیکھ لیتے۔ تمہارے بے وقوف بیٹے تم سے کیا کہا تھا؟

تعمان نے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں؟

جبریل نے کہا: مجھے تمہارے معاملے کا کچھ علم نہیں۔ تم دونوں کے گھبان فرشتے میرے پاس آئے اور تم  
دونوں کے بارے میں بتایا۔ اس سے پہلے مجھے اللہ تعالیٰ نے اس شہر، اس کے باشندوں اور مضافات کو تباہ کرنے کا  
حکم دیا تھا، تو میں نلپنے رب سے دعا کی کہ تم دونوں کو جس طرح چاہے اس بستی سے روکے تو اللہ نے تم کو  
اس طرح روکا جو تمہارے بیٹے کے ساتھ ہوا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تم دونوں بھی شہر والوں کے ساتھ تباہ ہو جاتے۔  
جبریل نے لڑکے کے قدم پر اپنا ہاتھ پھیرا تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کھانے والے برتن پر ہاتھ پھیرا، تو  
وہ کھانے سے بھر گیا اور پانی والے برتن پر ہاتھ پھیرا، تو وہ پانی سے بھر گیا۔ اس کے بعد دونوں کو بہت محبت  
کے ساتھ گھر پہنچا دیا۔

دوسری وجہ یہ کہ تکلیف پر راضی ہونا اس اُمید کی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کے بدلے بہت اجر ملے گا۔  
جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ تندستی کی اُمید میں آدمی نصد کھلوانے، سیسگی لگوانے اور کڑوی کیسی دوا میں استعمال  
کرنے پر راضی مند ہو جاتا ہے۔

تیسری وجہ رضا کی یہ ہے کہ وہ محبوب کی مراد سمجھ کر اس پر راضی ہوتا ہے اور جس میں محبوب کی رضا ہو وہ اس  
کے نزدیک سب سے زیادہ لذیذ چیز ہوتی ہے، اگرچہ اس میں اس کی جان بھی چلی جائے۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے:  
جو زخم تمہارا کوئی مرض دُور کر دے اس کی کوئی تکلیف نہیں ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ محبت کا غلبہ ایسا ہوتا ہے کہ تکلیف کا احساس نہیں رہتا اور جو اس کیفیت کو نہ چاہے  
اسے اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کو اس کا ادراک اس لیے نہیں ہوتا کہ اس کے اسباب ہیا نہیں ہیں۔  
اور وہ ہے محبت کی افراط۔ اور جس نے محبت کا مزہ نہ چکھا اُسے اس کے عجائبات بھی معلوم نہ ہوتے۔ میں قصیدہ  
کہتا ہوں کہ بہرہ نشے ادراکِ محبت کی لذت کا انکار کرے گا اور جس کے پاس دل نہ ہو وہ یقیناً اُن لذتوں کا انکار کرے گا  
جو صرف دل سے تعلق رکھتی ہیں۔

## فصل ہفتم

## اللہ اور بندے کا تعلق

معلوم ہونا چاہیے کہ دعا کرنا رضا کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح گناہوں، ان کے اسباب اور گنہگاروں کو ناپسند کرنا اور ان کے آزار کی کوشش کرنا بھی رضا کے خلاف نہیں ہے۔

در اصل دعا سے ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ایسے بندوں کی ان الفاظ میں تشریف فرمائی ہے، **يَا دُعُوْنَا دُعَاءَ دُعِيَّا** (وہ ہمیں ڈرو اور رغبت سے پکارتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء اور صالحین کا دعا کرنا معلوم اور مشہور ہے۔

گناہوں سے اجتناب اور ان پر نبوش نہ ہونے میں بھی ہم اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اللہ نے گناہوں پر نبوش ہونے والوں کی مذمت کی ہے۔ اسی طرح وہ کفار اور فجار سے بغض رکھتا اور ان پر خشکی کا اظہار کرتا ہے۔ اور اس کے شواہد قرآن و حدیث میں بے شمار ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اللہ کی تقدیر پر راضی ہونے کے متعلق احادیث وارد ہوئی ہیں اور اگر گناہ اللہ کی تقدیر کے خلاف ہیں تو یہ ناممکن ہے۔ اور اگر یہ اللہ کی تقدیر ہیں، تو ان کو ناپسند کرنا تقدیر کرنا پسند کرنا ہے۔ پھر یہ دونوں حالتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ شبہ ایسے لوگوں کو پڑ سکتا ہے جو اسرارِ علم سے واقف نہیں ہیں؛ چنانچہ اسی جہالت کی بنا پر ایک قوم کو شبہ ہوا کہ بری باتوں سے خاموش رہنا بھی رضا کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ انھوں نے اس کا نام محض "خلق" رکھا ہے۔ حالانکہ یہ خالص جہالت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رضا اور کراہت سبب ایک ہی چیز کے متعلق ایک ہی حیثیت سے وارد ہوں، تو یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یاں اگر تم ایک چیز کو ایک حیثیت سے پسند کرو اور دوسری حیثیت سے ناپسند تو یہ ایک دوسرے کی ضد نہیں ہوں گی۔ مثلاً تمہارا ایک ایسا دشمن مرنے والا ہے جو

تھامے دشمن کا بھی دشمن تھا اور تمھارے دشمن کو ہلاک کرنے کی کوشش کر رہا تھا، تو تم اس کی موت کو اس حیثیت سے تو برا سمجھو گے کہ اس کے مرنے سے تمھارے دشمن کے ہلاک ہونے کا امکان جاتا رہا، لیکن اس حیثیت سے خوش ہو گے کہ وہ تمھارا بھی دشمن تھا۔

اسی طرح گناہ کی بھی دو نسبتیں ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ وہ اس کا اختیار اور ارادہ تھا، تو تم اس وجہ سے تو خوش ہو کہ یہ مالک الملک کی ملکیت کو تسلیم کرنا ہے، لیکن ایک وجہ بندے کی طرف ہے کہ وہ اس کی کئی اور منفعت ہے اور اللہ کے نزدیک ممنوع اور برا ہونے کی علامت ہے اور چونکہ یہ دوسری اور ناراضگی کا سبب میں سے ہے، لہذا برا اور مذموم ہے۔ یہ بات ایک مثال سے واضح ہو جائے گی۔

ہم مخلوق میں سے ایک ایسا محبوب فرض کرتے ہیں جس نے اپنے محبت کرنے والوں سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنے دوستوں اور دشمنوں میں تیز کر دوں اور میں اس کے لیے ایک معیار قائم کرنا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ میں نلایں آدمی کو اتنا مارتا ہوں کہ وہ مجھے گالی دینے پر مجبور ہو جائے، پھر جب وہ مجھے گالی دے گا، تو میں اس کو اپنا دشمن سمجھوں گا۔ پھر جو بھی اس سے محبت رکھے گا وہ میرا دشمن ہوگا اور جو اس سے بغض رکھے گا میں اسے اپنا دوست اور محبت سمجھوں گا۔ پھر اس نے ایسا ہی کیا اور گالی سے اس کی مراد پوری ہوئی جو کہ بغض کا سبب ہے اور بغض حاصل ہوا جو کہ عداوت کا سبب ہے، تو جو بھی اس کی محبت میں سچا ہے اس کا سہی ہے کہ کہے کہ اس آدمی کو مارنے اور تکلیف دینے کی تیری تدبیر کو تو میں گوارا کرتا ہوں کیونکہ وہ تیری رائے اور تدبیر اور نعل ہے، لیکن اس شخص کا تجھ کو گالی دینا اس حیثیت سے کہ وہ گالی اس شخص نے دی یہ اس کی زیادتی اور تجھ پر حملہ ہے اور میں اسے ناپسند کرتا ہوں، کیونکہ میرے نزدیک اس کا فرض تھا کہ وہ مبرک کرنا اور گالی نہ دیتا۔

یہی حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر شہوات اور گناہوں کے جذبات مسلط کرنے پر رضا اور نافرمانی کی صورت میں اس سے ناراض ہونے کا ہے۔

ہر اس آدمی پر واجب ہے جو اللہ سے محبت رکھنے والا ہے کہ جسے اللہ بُرا سمجھے، اسے وہ بھی بُرا سمجھے، اور جس سے اللہ دشمنی رکھے اور اسے اپنی بارگاہ سے دور کرے اگرچہ اس نے اپنے غلبے اور قدرت سے اسے مجبور کر دیا ہے کہ اللہ سے دشمنی اور مخالفت رکھے پھر بھی وہ باندہ درگاہ اور درجاتِ قرب سے دور ہے؛ چنانچہ اس سے وہ بھی دشمنی رکھے اور تمام محبت اس کو بُرا سمجھیں اور اپنے محبوب کی موافقت کریں کہ جس پر وہ ناراض ہے اس پر وہ بھی ناراض ہوگا۔ اس مثال سے وہ تمام باتیں واضح ہو جاتی ہیں جو اللہ کے لیے بغض اور اللہ کے لیے محبت کے بارے میں ہیں

احادیث میں آئی ہیں کہ تقویٰ پرستی اور ناراہنگی بھی ہے اور اللہ کی تقدیر پر رضامندی بھی ہے کہ وہ اللہ کا فیصلہ ہے اور یہ تقدیر کا وہ راز ہے جسے افشا کرنے کی اجازت نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ نیکی اور بدی دونوں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے میں داخل ہیں، لیکن برائی مکر ہونے کے ساتھ مکروہ ہے اور نیکی مراد ہونے کے ساتھ پسندیدہ۔ اس سلسلے میں بہتر یہی ہے کہ خاموش رہے اور شریعت کے آداب کو ملحوظ رکھے۔ جس طرح لوگ عبادت کرتے ہیں اسی پر ٹھہرا رہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر خوش بھی رہے اور گناہوں کو ناپسند بھی کرے۔ واللہ اعلم۔

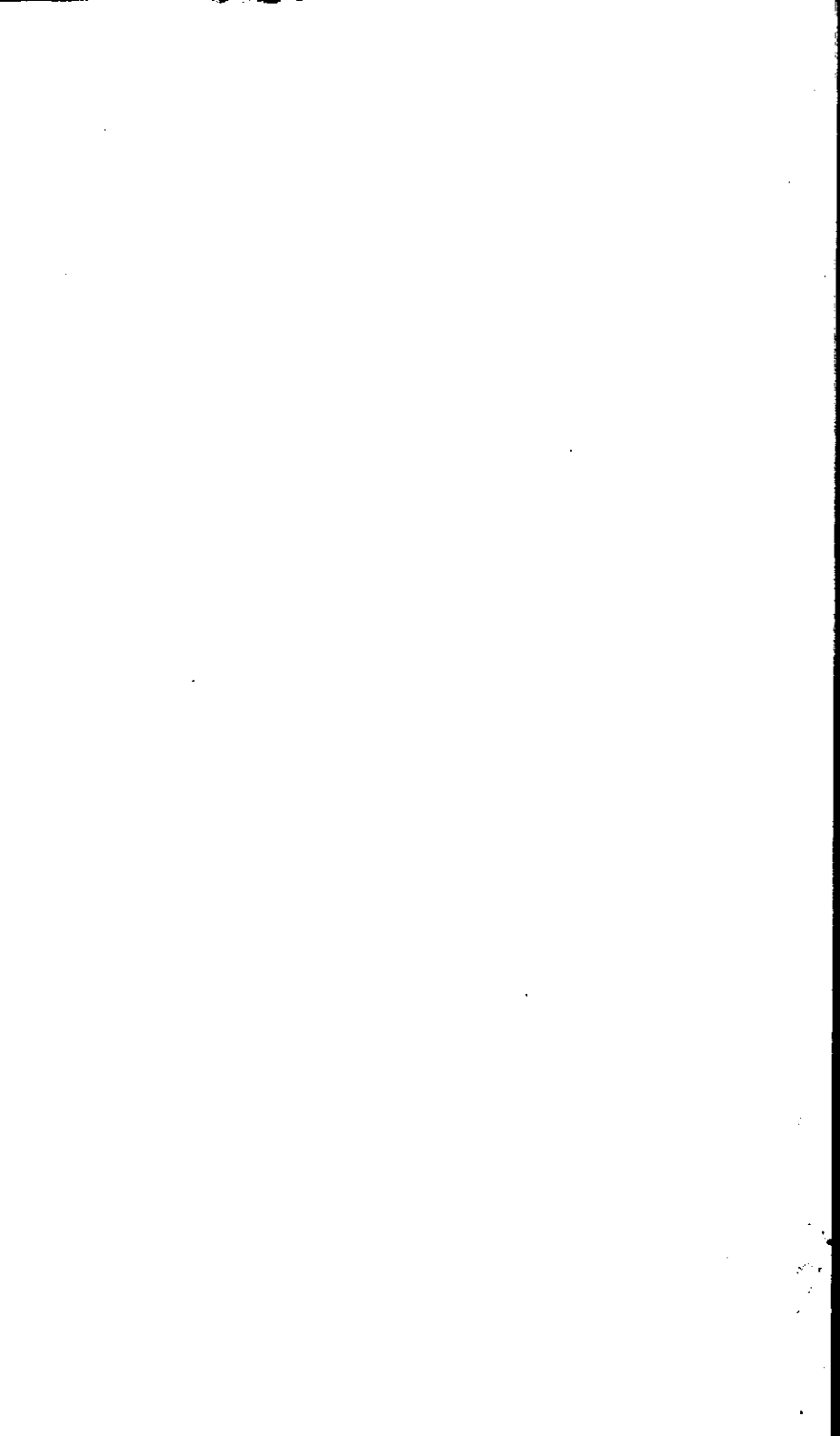
اور ان میں سے ایک چیز جو محبت سے تعلق رکھتی ہے عین ظن ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کی طرف وحی فرمائی، ”اگر تجھے سے منہ موڑنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ میں انہیں کس طرح مہلت دیتا ہوں، ان پر کیسا مہربان ہوں، اور مجھے کتنا شوق ہے کہ وہ گناہ چھوڑ دیں، تو میرے شوق میں ان کی موت واقع ہو جائے اور میری محبت سے ان کا جوڑ بھٹرا لگ ہو جائے، تو اسے داؤد! جب منہ موڑنے والوں کے تعلق میرا یہ ارادہ ہے، تو جو میری طرف ہی توجہ رکھتے ہیں ان کے تعلق میرا ارادہ کیسا کچھ ہوگا؟ اسے داؤد! بندہ سب سے زیادہ میرا محتاج اس وقت ہوتا ہے جب وہ مجھ سے بے نیاز ہو جائے۔ اور سب سے زیادہ بزرگ میرے نزدیک اس وقت ہوتا ہے جب وہ میری طرف رجوع کرے۔“ ایک عبادت گزار اور عورت کہتی تھی: ”خدا کی قسم! میں زندگی سے اکتا گئی ہوں۔ اگر موت قیلاً طی، تو میں اللہ تعالیٰ کے شوق میں اسے خرید لیتی۔“

اس سے کہا گیا: ”کیا تجھے اپنے اعمال پر اتنا اعتماد ہے؟“ تو کہنے لگی: ”نہیں، لیکن مجھے اس سے محبت اور عین ظن ہے۔ بھلا بناؤ اگر میں اس سے محبت رکھوں تو کیا وہ مجھے سزا دے گا؟“



# کتابُ الْإِخْلَاصِ

- نیت، اخلاص اور صدق
- نیت اور اس کی حقیقت
- اخلاص اور اس کی فضیلت
- اخلاص کی حقیقت
- ملاوٹ والے عمل کا حکم اور اس پر ثواب کا استحقاق
- صدق اور اس کی حقیقت و فضیلت





## فصل اول

## نیت اخلاص اور صدق

اور اب بعیرت کو انوار القرآن سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ سعادت تک پہنچنے کے لیے علم اور عبادت نہایت ضروری ہیں۔ دنیا میں سب لوگ ہلاک ہو رہے ہیں مگر علم والے۔ اور سب علم والے ہلاک ہوں گے سوائے عالمین کے۔ اور سب عمل والے ہلاک ہوں گے سوائے مخلصین کے۔ اور مخلص بھی عظیم خطرے میں ہیں۔

بغیر نیت کے عمل محض مشقت ہے اور نیت بغیر اخلاص کے زیادہ اور اخلاص بغیر تحقیق کے عبادت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَدْ مَنَّآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ جَعَلْنَاۙاَ هَبًاۙ وَصَنُوْۙا (اور ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے پریشان عبادت بنا دیا)

میں نہیں سمجھتا کہ جو نیت کی حقیقت کو نہیں جانتا اس کی نیت کیسے درست ہو سکتی ہے؟ اور اگر وہ اخلاص کی حقیقت نہیں جانتا تو اس کی نیت میں اخلاص کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ اور اگر اسے صدق کے معنی کا علم نہیں، تو مخلص اپنے نفس سے صدق کا مطالبہ کیسے کر سکتا ہے؟

ہر بندے کا جو اللہ کی اطاعت کا ارادہ کرے یہ ہلاک کام یہ ہے کہ وہ نیت کو جاننے تک اسے معرفت حاصل ہو اور پھر صدق اور اخلاص کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد اپنے عمل کو اس کے مطابق درست کرے۔ کیونکہ بندے کے لیے یہی نجات کا وسیلہ ہے۔ اور اب ہم ان چیزوں کو تین حصوں میں بیان کرتے ہیں:

## نیت اور اس کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَطْرُقُ السُّدُیْنَ یَبْدَعُوْنَ رَبِّهِنَّ بِاِلْحَادٍۙ وَالتَّشْرِیْبِیْنَ وَاوْنَ وَجْهَهُ (اور ان لوگوں کو نہ ہٹا جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور وہ اس کی رضامندی چاہتے ہیں)

ارادہ سے مزاحمت ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ: اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اور ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی، تو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوئی، تو اس کا اجر اللہ و رسول کے ذمے ہے اور جس کی ہجرت تحصیل دنیا یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہوئی، تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے ہجرت کی“

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بتائیے ایک آدمی ببادری دکھائے تو لڑتا ہے اور ایک آدمی قومی دھڑے کے لیے! اور ایک آدمی دکھلا دے کے لیے۔ ان میں سے اللہ کی راہ میں کون سی لڑائی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے لڑے وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ یہ دونوں حدیثیں صحیحین میں ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے پیچھے مدینے میں کچھ ایسے آدمی چھوڑ آئے ہو کہ تم جو بھی کوئی وادی طے کرتے ہو یا جو بھی راہ چلتے ہو وہ تمہارے ساتھ اجر میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کو سیاری نے روک رکھا ہے۔ (مسلم)

امام بخاری نے اسے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا اس کے لیے بھی ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔“

ابو کبشہ انصاری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کی مثال چار آدمیوں کی طرح ہے۔ ایک وہ ہے جسے اللہ نے مال اور علم عطا فرمایا اور وہ علم کے مطابق عمل کرتا ہے اور مال کو حق میں خرچ کرتا ہے۔ ایک وہ ہے جسے اللہ نے علم دیا ہے مال نہیں دیا۔ اور وہ کہتا ہے اگر میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اُس کی طرح اُسے خرچ کرتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں اجر میں برابر ہیں۔“

ایک وہ ہے جسے اللہ نے مال دیا ہے اور علم نہیں دیا۔ وہ اس میں پریشان ہے اور مال کو ناجائز طور پر خرچ کرتا ہے۔

ایک وہ ہے جس کے پاس نہ مال ہے نہ علم۔ وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی غلام کی طرح خرچ کرتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔“

ابو عمران جونی نے کہا: ”فرتے اعمال کے کچھڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس صحیفے کو پھینک

فرشتے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! اس نے اچھی بات کہی اور ہم نے اس کو لکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے میرے لیے نہیں کی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتے سے کہتے ہیں: فلاں آدمی کے لیے اتنی اتنی نیکی لکھو۔ وہ کہتے ہیں۔ اے رب! اس نے تو ایسا عمل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اُس نے اس کی نیت کی تھی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: سب سے افضل عمل یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے فرائض کو ادا کرے۔ اللہ کا حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرے اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کی سچی نیت کرے۔

بعض کہا کرتے تھے: مجھے کوئی ایسا عمل بتاؤ جس سے میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے کہنا لگے۔ نیک کی نیت کرو، تو ہمیشہ عامل رہے گا۔ اگرچہ عمل نہ کرے۔ تو نیت قبول ہوتی ہے اگرچہ عمل نہ ہو۔ کیونکہ جس نے رات کو نماز پڑھنے کی نیت کی پھر وہ سو گیا، تو اُسے نیت کا ثواب ضرور مل جائے گا۔

حدیث میں ہے: جس آدمی نے رات کا کوئی وقت نماز پڑھنے کے لیے مقرر کر رکھا ہو۔ پھر وہ سو جائے، تو اس کی نماز کا اجر اس کے لیے لکھا جاتا ہے۔ اور اس کا سو جانا اس پر نذر کا صدقہ ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اعمال کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم گناہ ہیں۔ یہ نیک نیت سے بنی نہیں بن سکتے جیسے کوئی آدمی حرام مال سے مسجد بنائے، تو نیت اس میں مؤثر نہیں ہوگی۔ اگرچہ بھلائی کی نیت کے لیے لکھ لکھائی جائے۔ یہ نیک نیت ہے۔ نیک صرف وہ ہے جسے شریعت نیک سمجھتی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ برائی نیک بن جائے! یہ ناممکن ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جو آدمی حرام مال سے مسجد یا مدرسہ تعمیر کر کے بادشاہ کا قرب حاصل کرنا چاہے وہ ایسا ہے جیسے علمائے سوویتوں اور شریکوں کو علم سکھاتے ہیں جو فسق و فجور میں مشغول ہیں، کیونکہ یہ لوگ جب علم حاصل کر لیں گے، تو اللہ تعالیٰ کے راستے کے ڈاکو بنیں گے۔ یہ دنیا پر رکتوں کی طرح چھٹیں گے۔ خواہشات کی پیروی کریں گے اور ان کا وبال اُن کے استاد پر ہوگا کیونکہ اُس کو ان کی بدنیتی اور علم حاصل کرنے کے مقصد کا اندازہ تھا۔

اسی طرح قصہ گو لوگوں کا قصوں کی تعلیم حاصل کرنا ہے کہ ان میں سے اکثر کا مقصد دنیا کا حاصل کرنا اور مال اکٹھا کرنا ہوتا ہے، تو ان کو تعلیم دینا فساد پر مدد کرنا ہے، اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اعانت بھی اگر بڑے رادے سے کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جائے عقودہ بھی گناہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح گناہ خواہ کسی بھی نیت سے کیا جائے نیکی نہیں بن سکتا۔ اگر اس کے ساتھ ارادہ بھی گندہ ہو، تو اس کا بوجھ اور بھی بڑھ جاتا ہے اور ایسا شخص وبالِ عظیم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

دوسری قسم عبادت کی ہے۔ اور افضلیت میں اضافہ نیت پر منحصر ہے۔ بعض لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نیت نہ ہو تو پورے نواب سے محروم رہے گا۔ اس کے نفلے میں عمل کی افضلیت کا اکتھار نیک نیتوں کی کثرت سے ہوتا ہے، کیونکہ ایک ہی اطاعت میں بہت سی نیکیوں کی نیت ممکن ہے۔ ایسی صورت میں ہر نیت پر نواب ملے گا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک مستقل نیکی ہے۔ اور پھر ہر نیکی دس گنا تک بڑھ جاتی ہے۔

اس کی مثال مسجد میں بیٹھنا ہے کہ وہ ایک نیکی ہے اور اس کے ساتھ ہی بہت سی نیتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ نماز کے انتہا میں بیٹھے۔ اعتکاف کی نیت بھی ہو سکتی ہے۔ اعضاء کو گناہ سے روکنے کی نیت بھی ہو سکتی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ نیت بھی کہ اللہ کی راہ سے روکنے والی چیزوں سے علیحدہ ہو جائے۔ خالص اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو، وغیرہ، تو یہ زیادہ نیتیں کرنے کا طریقہ ہے اسی پر تمام عبادتوں کو قیاس کرنا چاہیے۔ کوئی طاعت بھی ایسی نہیں جس میں زیادہ نیتیں نہ ہو سکتی ہوں۔

تیسری قسم مباح چیزوں کی ہے۔ اور ہر مباح میں ایک سے زیادہ نیتیں ہو سکتی ہیں اور ان سے بڑے بلند درجات حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

جو آدمی ان چیزوں سے غافل ہے اور ان کو جانوروں کی طرح استعمال کرتا ہے وہ بڑے نقصان میں ہے اور بندے کو اپنے خیالات اور اقدامات اور ننگا ہوں کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے کہ قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک کے متعلق سوال ہوگا کہ فلاں کام کیوں اور کس ارادہ سے کیا تھا؟

مباح چیزوں سے خدا کا قرب حاصل کرنے کی مثال خوشبو لگانا ہے۔ خوشبو لگانے میں سنت کا اتباع۔ مسجد کے احترام اور بدبو کو دفع کرنے کی نیت کرے کہ بدبو سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: جس کی بواچھی ہو اس کی عقل زیادہ ہوتی ہے۔

اسی طرح سر میں تیل لگانے سے ذہانت اور عقل کی تیزی پیدا ہوتی ہے اور دینی جہالت کا ادراک آسان ہو جاتا ہے۔

بعض سلف نے کہا: میں پسند کرتا ہوں کہ ہر چیز میں میری نیت ہو، یہاں تک کہ کھلنے پینے، سونے اور بیت الخلاء

میں جلدنے میں بھی نیت ہو۔ ان میں سے ہر چیز کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرنا ممکن ہے کیونکہ یہ سب چیزیں وہ ہیں جو

بدین کے بقا اور دین کے بقا اور دین کے ہمت کے لیے دل کی فراغت کا سبب ہیں۔  
جو آدمی کھانے میں عبادت کے لیے قوت حاصل کرنے کی نیت کرے اور نکاح میں اپنے دین کو بچانے۔ اپنے  
گھروالوں کا دل خوش کرنے اور نیک اولاد کے حاصل ہونے کی نیت کرے تو ان سب پر اسے ثواب ملے گا۔  
اپنے کلمات و حرکات کو حقیر سمجھو۔ حساب ہونے سے پہلے پہلے اپنے نفس سے خود حساب کرو اور جو کام بھی  
کرنا ہو اس سے پہلے اپنی نیت صحیح کرو۔ جو کچھ پڑو اس میں اپنی نیت کو دیکھو۔  
معلوم ہونا چاہیے کہ نیت نفس کی آمادگی اور اس کی مصلحت کی طرف اُس کے میلان کا نام ہے۔ خواہ موجودہ وقت  
میں ہو یا آئندہ میں۔

بعض جاہل کہتے ہیں کہ نیت کو اچھا رکھنا چاہیے تو وہ کھانا کھاتے وقت منہ سے کہتے ہیں میں نے اللہ کے لیے  
کھانے کی نیت کی۔ یا قرآن کریم کی تلاوت کے وقت کہتا ہے۔ میں نے اللہ کے لیے پڑھنے کی نیت کی۔ اور وہ اس کی نیت  
سمجھتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نیت صرف دل کے آمادہ ہونے کا نام ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے نیت  
اختیار کے تحت نہیں۔

بعض اوقات نیت بڑی آسان ہوجاتی ہے، لیکن کبھی بہت مشکل۔ اور عموماً اس آدمی کے لیے نیت آسان ہوتی  
ہے جس کا دل دنیا کے بجائے دین کی طرف مائل ہو۔ بہر حال نیت کے لحاظ سے لوگ چند قسم کے ہیں:  
بعض وہ ہیں جو خوف کی وجہ سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

بعض وہ ہیں جو امید کی وجہ سے نیت کرتے ہیں اور ایک مقام ان دونوں سے بلند تر بھی ہے اور وہ ہے  
اللہ کی عبادت و اطاعت ایسے کے جلال اور متعجب عبادت ہونے کی وجہ سے۔ اور نیت عام دنیا داروں کی میسر نہیں  
ہوتی۔ اس کو سمجھنے والے بھی بہت تنہو رہے ہیں چہ جائیکہ اس پر عمل کرنے والے۔ اس مقام والا اللہ کی محبت میں اللہ کے  
جلال پر غور کرنے اور اس کا ذکر کرنے کے علاوہ اور کچھ شغل نہیں رکھتا۔

احمد بن حنفیہ نے بیان کیا کہ انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سب لوگ تجھ  
سے مانگتے ہیں اور لوگوں کو مانگتا ہے۔

ہماری غرض تبتوں کی وجہ سے خائف ہونا ہے۔ جس کے دل پر ایک چیز غالب ہو لیا اوقات اسے اس  
کے علاوہ نیت میسر نہیں ہوتی۔ اور جس کو مباح میں نیت میسر نہ ہو اور فضیلت میں میسر نہ ہوتی جو اس کے لیے  
مباح بہتر ہے فضیلت اسی کی طرف منتقل ہوجائے گی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کھانے پینے اور سونے میں یہ نیت ہو کہ اس سے عبادت کے لیے قوت حاصل کرے گا اور اپنے بدن کو آرام دے گا لیکن فی الحال اس میں نماز اور روزے کا خیال نہ ہو، تو کھانا اور سونا افضل ہے، بلکہ اگر کثرت کی وجہ سے عبادت سے اکتا جائے اور معلوم کرے کہ اگر کچھ دیر آرام کر لے گا تو اس کی خوشی پھر لوٹ آئے گی، تو اس وقت اس کے لیے آرام کرنا عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "دلوں کو آرام دو اور حکمت کے ساتھ ان سے کام لو۔ وہ بھی جسموں کی طرح تھک جاتے ہیں۔"

بعض نے کہا: "دلوں کو آرام دو اس طرح وہ ذکر کو یاد رکھیں گے اور یہ باریک نکات ہیں جو علماء کی مجال سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ طب کا ماہر کبھی گرمی والے کا علاج گوشت سے کرتا ہے، حالانکہ وہ بھی گرم ہوتا ہے اور عاذق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ گوشت سے مرض کی قوت لوٹ آئے تاکہ علاج کو برداشت کر سکے۔"

اسی طرح جنگ کا ماہر کبھی حیدر کرتا ہے اور مقابل کے آگے بھاگ اٹھتا ہے، تاکہ اسے کسی تنگ جگہ میں کھینچ لائے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنا شیطان کے ساتھ جنگ اور دل کا علاج ہے۔ دیدہ و رآدمی اس راستے میں باریک چالوں کے لیے ٹھہر جاتا ہے، جنھیں کمزور آدمی صحیح نہیں سمجھتا۔

جس چیز کا علم نہ ہو اسے غلط نہ سمجھنا چاہیے۔ یہاں تک کہ اس کے اسرار منکشف ہوں۔

## فصل دوم

# اخلاص اور اس کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ اور انھیں حکم دیا گیا کہ صرف خالص اللہ کی عبادت کریں۔

فرمایا: أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (نمبر دار، اللہ کے لیے خالص دین ہے)۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سمان بن جہل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنا دین خالص رکھو، تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا، تو فرشتے ہر بندہ نماز اہل

لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس کو پھینک دو اور اس کو قبول کر لو۔ فرشتے کہیں گے۔ تیری عزت کی قسم! ہم نے تو وہی لکھا جو اس نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ یہ دو سروں کے لیے تھا اور میں آج صرف وہی عمل قبول کروں گا جو صرف میرے لیے تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے بندے کے عمل لے کر جاتے ہیں اور عمل بہت زیادہ بتاتے ہیں اور اسے بڑا اچھا کہتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف دھی کرتے ہیں کہ تم میرے بندے کے اعمال کی نگرانی کرنے والے ہو۔ اور میں اس کے دل کو دیکھتا ہوں۔ اس بندے نے خالص عمل نہیں کیے۔ اس کو سنجین میں رکھو۔ اور ایک بندے کے عمل لے کر جلتے ہیں اور بڑے تھوڑے عمل بتاتے ہیں، تو ان کی طرف دھی فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے اعمال کے نگران تھے اور میں اس کے دل کو دیکھتا ہوں، ان کو بڑھا دو اسے علیین میں رکھو۔

حضرت حسن سے مروی ہے کہ آپ نے کہا: ایک درخت کی اللہ کے سوال پوچھا کرتی تھی۔ ایک آدمی اس کے پاس

آیا اور کہنے لگائیں اس درخت کو ضرور کاٹوں گا، چنانچہ اللہ کے لیے غصے میں آکر اسے کاٹنے کے لیے گیا۔ شیطان اسے انسان کی صورت میں ملا اور کہا۔ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا، میں اس درخت کو کاٹنا چاہتا ہوں جس کی اللہ کے سوا پوجا ہو رہی ہے۔ شیطان نے کہا جب تم اس کی پوجا نہیں کرتے تو جو پوجا کرتے ہو ان سے تمہارا کیا نقصان ہے، اُس نے کہا۔ میں اسے ضرور کاٹوں گا، تو شیطان نے کہا میں تجھے اس سے بہتر چیز بتاؤں۔ تو اس درخت کو نہ کاٹ۔ صبح کے وقت تجھے تیرے ٹیکے کے نیچے سے ہر روز دو دینار مل جائیں گے۔ اُس نے کہا اس کا ذکر دار کون ہے؟ اُس نے کہا میں۔ وہ آدمی واپس آگیا اور جب صبح ہوئی تو اسے ٹیکے کے نیچے دو دینار مل گئے۔ پھر دوسری صبح کو کچھ بھی نہ ملا۔ پھر وہ غصے میں آکر درخت کو کاٹنے کے لیے نکلا۔ شیطان پھر اسی صورت میں اُسے ملا اور پوچھا کیا کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا میں اس درخت کو کاٹنا چاہتا ہوں جس کی اللہ کے سوا پوجا ہو رہی ہے۔ اس نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے تو اس کو نہیں کاٹ سکتا۔ وہ کاٹنے کے لیے چلا تو شیطان نے اُسے زمین پر پڑھ دیا اور اس کا گلہ گھٹنے لگا، یہاں تک کہ وہ مرنے کے قریب ہوا۔ پھر شیطان نے اس سے کہا۔ جانتے ہو میں کون ہوں، اور اسے بتایا کہ میں شیطان ہوں اور یہ بھی بتایا کہ پہلے دن تم اللہ کے لیے غضبناک ہو کر آئے تھے اور میں تم پر قابو نہیں پاسکتا تھا۔ میں نے تمہیں دو دینار کا لالچ دیا تو تم نے درخت کو چھوڑ دیا اور اب جو تم آئے ہو تو دو دیناروں کے لیے غضبناک ہو کر آئے ہو، لہذا میں نے تم پر قابو پا لیا۔“

حضرت سعید بن جبیرؓ اپنے نفس کو مارتے اور کہتے: اے نفس، عمل خالص کرتے بغیر صلا ہی ہوگی؟  
حضرت ابو سلیمان نے کہا: مبارک ہے وہ بندہ جس کا ایک ہی قدم اللہ کی رضا کے لیے اٹھا ہو۔  
بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی عورتوں کا سالیاس اپنے رکھتا تھا اور غمی خوشی میں عورتوں کے مجمع میں چلا جاتا تھا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ وہ عورتوں کے مجمع میں تھا کہ موتی پوری ہو گیا۔ انہوں نے کہا دروازے بند کر دو ہم تلاشیں لیں گے اور پھر ایک ایک کی تلاش یعنی شروع کی۔ یہاں تک کہ ایک یہ آدمی اور ایک عورت باقی رہ گئے، تو اس نے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا اگر آج میں اس درخت سے بچ گیا ہوں تو اللہ کی قسم یہاں تک کہ اس عورت سے وہ موتی مل گیا اور تلاشیں لینے والی نے آواز دی۔ موتی مل گیا ہے اس خیریت عورت کو چھوڑ دو۔“



## اخلاص کی حقیقت

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر چیز میں دوسری چیز کی ملاوٹ کا تصور ہو سکتا ہے۔ پھر جب کوئی چیز ملاوٹ سے پاک اور خالص ہو تو اس کا نام اخلاص ہے اور اخلاص کی ضد شراک ہے۔ جو مخلص نہیں وہ مشرک ہے۔ ہاں شرک کے کئی درجے ہیں اور توحید میں اخلاص کی ضد شرک فی الالہیت ہے۔ ایک شرک جلی ہے اور ایک نخی۔ اور اسی طرح اخلاص ہے۔

ہم نے زیاو کے درجات اس کے باب میں پہلے بیان کر دیے ہیں اور اب ہم اس میں گفتگو کریں گے جو قرب حاصل کرنے کے ارادے سے عمل کیا جائے، لیکن اس میں کوئی اور سبب بھی شامل ہو جائے۔ خواہ دیا یا نفس کی لذت وغیرہ ہی ہو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ آدمی تقرب کے ارادے کے ساتھ ہی اس لیے روزہ رکھے کہ روزہ رکھنے کی عزت بھی حاصل کرے۔ یا کسی غلام کو آزاد کرے تاکہ اس کی یہ خلقی اور مشقت سے بچے۔ یا اس لیے حج کرے کہ سفر کی وجہ سے اس کی صحت اچھی ہو جائے یا پیش کرنے والے شہر سے بچ جائے۔ یا اس لیے جنگ کرے کہ جنگ کرنے کا طریقہ اور اس کے اسباب اُسے معلوم ہو جائیں۔ یا رات کو نماز پڑھے تاکہ نیند دور ہو اور اپنے گھر اور سامان کی حفاظت کر سکے۔ یا علم سیکھے کہ اس سے مال حاصل کرنا آسان ہو جائے۔ یا پڑھاتے میں مشغول ہو تاکہ کلام کی لذت سے خوشی حاصل کرے۔ پھر جب اس کا سبب تقرب الی اللہ ہو اور اس کے ساتھ ان خیالات میں سے کوئی دوسرے خیالات بھی شامل ہو جائیں اور ان کی وجہ سے یہ عمل اس پر آسان ہو جائے تو یہ عمل اخلاص کی حد سے خارج ہو گیا۔

انسان کا شاید یہی کوئی فعل یا کوئی عبادت ان امور سے خالی ہو۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ بس شخص کا ساری زندگی میں ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو جائے وہ نجات پا جائے گا اور ایسا اخلاص کے نادر ہونے اور ان ملاوٹوں سے دل کے مشکل پاک ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ خالص صرف وہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے سوا اور کوئی ارادہ نہ ہو۔

حضرت ہمامؓ سے کہا گیا: 'نفس پر سب سے زیادہ سخت چیز کیا ہے؟' کہا: 'اخلاص، اس لیے کہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔'

معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ملاط میں جو اخلاص کو کم کر دیتی ہیں مختلف ہیں۔ بعض جلی ہیں اور بعض خشی۔ ہم ریا کے درجات اس کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ بعض ریا تو سپوڑی کی مجال سے بھی زیادہ خشعی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جب تک عامل عمل کی حالت میں انسان اور جانور کے مشابہہ میں فرقی کر سکتا ہے، اخلاص کی صفائی سے خالص ہے اور شیطان سے صرف وہی بچ سکتا ہے جس کی نظر نہایت باریک ہو اور اللہ کی رحمت و توفیق اس کے شامل حال ہو۔ کہا گیا ہے کہ عالم کی دو کیفیتیں جاہل کی ستر کتوں سے افضل ہیں۔ اس سے وہ عالم مراد ہے جو آفاتِ عمل سے واقف ہو اور ان سے محفوظ رکھے۔ جاہل آدمی ظاہر عبادت کو دیکھتا ہے اس کی تہنیت پر غور نہیں کرتا۔ یقیناً سونے کا ایک تیرا طے نقد پسند کرے اُس پورے دنیا سے افضل ہے جسے کوئی غیبی اور ناموزی آدمی پسند کرے۔

## ملاوٹ والے عمل کا حکم اور اس پر ثواب کا استحقاق

وہ عمل جس کی بنیاد صرف ریا پر ہوا آدمی پر وبال ہے جیسا کہ خالص عمل جو صرف اللہ کی رضا مندی کے لیے کیا جائے ثواب کا سبب ہے۔

ان دونوں قسموں میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ معاملہ صرف اس عمل کا ہے جس میں ریا اور نفس کی لذت کی ملاوٹ ہو۔ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس سے ثواب ہوگا یا عذاب یا کچھ بھی نہ ہوگا؟

صحیح علم تو اللہ پاک ہی کو ہے، لیکن جو چیز ہماری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم عمل پر آمادہ کرنے والے امور کی قوت کو دیکھیں گے۔ اگر نفسانی خواہش اور دینی جذبہ دونوں برابر ہوں، تو دونوں ساقط ہو جائیں گے اور اس عمل کا ناسے ثواب ہوگا نہ عذاب۔ اور اگر ریا غالب ہے تو وہ نقصان دہ ہے اور عذاب کا موجب ہے، لیکن اس کی سزا اس آدمی کی سزا سے کم ہوگی جس کا عمل صرف ریا کے لیے ہے۔ اور اگر دینی جذبہ ریا سے زیادہ طاقتور ہے تو یقیناً اس کی قوت ریا سے زیادہ ہوگی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُطْلِقُ مُتَّقَالٍ ذَرِيَّةً وَاِنَّ تِلْكَ حَسَنَةٌ يُصَارِعُهَا** اے شک اللہ ایک ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرے گا اور اگر نیکی ایک بھی

ہوگا تو اسے بڑھاٹے گا

ہمارے اس بیان کی تائید امت کے اس اجماع سے ہوتی ہے کہ جو آدمی حج کے لیے جائے اور تجارت بھی کرے، تو اس کا حج صحیح ہے اور اسے اس کا ثواب بھی ہوگا، حالانکہ اس میں نفس کا حصہ بھی شامل ہو چکا ہے، لیکن چونکہ اصلی محرک حج کا ارادہ تھا؛ لہذا اس سفر سے ثواب ہوگا اور اس طرح غازی ہے کہ وہ جنگ اور غنیمت دونوں کا ارادہ کرے اور غنیمت کا ارادہ بالطبع ہو تو اسے ثواب محال ہوگا، لیکن اس آدمی کے برابر نہ ہوگا جس کو غنیمت کا خیال تک نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

## فصل چہارم

## صدق اور اس کی حقیقت و فضیلت

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سچائی اختیار کرو، سچائی نیکی کی راہنمائی کرتی ہے اور نیکی عزت کا راستہ دکھاتی ہے۔ آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور اس کی جستجو کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے۔ (بخاری-مسلم)

حضرت بشیر حافی نے کہا، جس نے اللہ سے سچائی کا معاملہ کیا، اسے لوگوں سے وسعت ہوئی، معلوم ہونا چاہیے کہ صدق کا لفظ کئی ایک معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

ایک تو بات میں سچائی ہے۔ ہر آدمی کا فرض ہے کہ اپنے الفاظ پر غور کرے اور صرف سچ بولے اور زبان سے سچ بولنا یہی صدق کی سب سے شہور اور بڑا قسم ہے۔ انسان کو کلام میں توریہ سے پرہیز کرنا چاہیے کہ وہ جھوٹ کے شکار ہے، مگر یہ کہ اس کی ضرورت ہو اور بعض سوال میں مصلحت اس کا تقاضا کرتی ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو توریہ کرتے تاکہ دشمن تک خبر نہ پہنچے اور وہ جنگ کی تیاری نہ کر سکے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے اور اچھی بات کہے یا ایسی بات کہے جس سے بھلائی پیدا ہوتی ہو وہ آدمی جھوٹا نہیں ہے۔"

چاہے کہ ان الفاظ میں بھی سچائی کا لحاظ رکھے جن سے وہ اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے جیسے کہ کہے میں نے اپنا چہرہ اس اللہ کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، یہ کہتے ہوئے اگر اس کا دل دنیا میں مشغول ہو اور خدا سے پھل ہوا ہو تو وہ جھوٹا ہے۔

دوسرا صدق ارادے اور نیت کا ہے اور اس کا تعلق اخلاص سے ہے تو جو آدمی اپنے عمل میں نفس کو خوش کرنے کی غلط کرتا ہے اس کی سچائی کی نیت باطل ہوگئی، چنانچہ ایسا عمل کرنے والا جھوٹا ہے۔ جیسا کہ تین آدمیوں، عالم تاری اور مجاہد والی حدیث میں ہے کہ جب تاری کہے گا میں نے قرآن اس لیے پڑھا، تو اللہ تعالیٰ اس کو نیت اور ارادے کا جھوٹا کہیں گے نہ کہ نفس قرأت کا جھوٹا اور یہی حال اس کے دونوں ساتھیوں کا ہے۔

تیسرا صدق۔ پختہ عزم اور اس کو پورا کرنے کا ہے؛ مثلاً:

۱۔ جیسے کہے کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے مال دے، تو میں سارا مال صدقہ کر دوں گا! یہ عزیمت کبھی پختہ ہوتی ہے اور کبھی اس میں تردد ہوتا ہے۔

۲۔ جیسے عزم سچا ہو اور اپنے وعدے کو پورا کر دکھائے۔ کیونکہ جب حقائق ثابت ہو کر سامنے آجائیں اور عزیمت صاف اور واضح ہو جائے اور اس کی خواہش مغلوب ہو جائے تو اس میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ أَكْرَمٌ** (اور مومنوں میں سے کچھ آدمی ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا)۔

ایک اور آیت میں فرمایا: **وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللَّهُ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنُصَلِّبَهُ قَتْلًا** (اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے)۔

اللہ تعالیٰ کس قول تک، **وَرَبِمَا كُنَّا كَاذِبِينَ** (اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے)

پوچھا صدقاً حال میں ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اور باطن ایک سا ہو۔ یہاں تک کہ اس کے ظاہری اعمال مشروع وغیرہ جس چیز پر دلالت کریں اس کا باطن اس کے خلاف نہ ہو۔

مطرف نے کہا: جب بندے کا ظاہر اور باطن یکساں ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرا سچا بندہ ہے۔ پانچواں صدق مقامات دین میں ہے اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے جیسے خوف، امید، زہد، رضا، محبت اور توکل میں سچا ہونا۔ ان امور کے کچھ ابتدائی مراحل بھی ہیں جن کے ظاہر ہونے پر یہ نام بولا جاتا ہے اور پھر ان کی ایک انتہا اور حقیقت ہے تو بالیقین صادق وہ ہے جو ان کی حقیقت تک پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَكِنَّ الْمُسْلِمِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَآلِهِمُ الْآخِرِينَ..... رَأَىٰ قَوْلِهِ أَوَّلَكَ الْذِينَ صَدَقُوا** (لیکن یہی اس آدمی کی ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائے..... یہاں تک کہ فرمایا یہی لوگ سچے ہیں)۔

اور فرمایا: **يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَعَلَّكُمْ تُسِرُّوْنَ**..... (مومن صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کبھی شک نہ کیا)۔  
فرمایا: **أَدَلِّشْكُمْ الصَّادِقُونَ** (یہی لوگ سچے ہیں)۔

۱۵: سورۃ الحجرات: آیت: ۱۵  
۱۶: سورۃ البقرہ: آیت: ۱۶  
۱۷: سورۃ آل عمران: آیت: ۱۷  
۱۸: سورۃ آل عمران: آیت: ۱۸  
۱۹: سورۃ آل عمران: آیت: ۱۹  
۲۰: سورۃ آل عمران: آیت: ۲۰  
۲۱: سورۃ آل عمران: آیت: ۲۱  
۲۲: سورۃ آل عمران: آیت: ۲۲  
۲۳: سورۃ آل عمران: آیت: ۲۳  
۲۴: سورۃ آل عمران: آیت: ۲۴  
۲۵: سورۃ آل عمران: آیت: ۲۵  
۲۶: سورۃ آل عمران: آیت: ۲۶  
۲۷: سورۃ آل عمران: آیت: ۲۷  
۲۸: سورۃ آل عمران: آیت: ۲۸  
۲۹: سورۃ آل عمران: آیت: ۲۹  
۳۰: سورۃ آل عمران: آیت: ۳۰  
۳۱: سورۃ آل عمران: آیت: ۳۱  
۳۲: سورۃ آل عمران: آیت: ۳۲  
۳۳: سورۃ آل عمران: آیت: ۳۳  
۳۴: سورۃ آل عمران: آیت: ۳۴  
۳۵: سورۃ آل عمران: آیت: ۳۵  
۳۶: سورۃ آل عمران: آیت: ۳۶  
۳۷: سورۃ آل عمران: آیت: ۳۷  
۳۸: سورۃ آل عمران: آیت: ۳۸  
۳۹: سورۃ آل عمران: آیت: ۳۹  
۴۰: سورۃ آل عمران: آیت: ۴۰  
۴۱: سورۃ آل عمران: آیت: ۴۱  
۴۲: سورۃ آل عمران: آیت: ۴۲  
۴۳: سورۃ آل عمران: آیت: ۴۳  
۴۴: سورۃ آل عمران: آیت: ۴۴  
۴۵: سورۃ آل عمران: آیت: ۴۵  
۴۶: سورۃ آل عمران: آیت: ۴۶  
۴۷: سورۃ آل عمران: آیت: ۴۷  
۴۸: سورۃ آل عمران: آیت: ۴۸  
۴۹: سورۃ آل عمران: آیت: ۴۹  
۵۰: سورۃ آل عمران: آیت: ۵۰  
۵۱: سورۃ آل عمران: آیت: ۵۱  
۵۲: سورۃ آل عمران: آیت: ۵۲  
۵۳: سورۃ آل عمران: آیت: ۵۳  
۵۴: سورۃ آل عمران: آیت: ۵۴  
۵۵: سورۃ آل عمران: آیت: ۵۵  
۵۶: سورۃ آل عمران: آیت: ۵۶  
۵۷: سورۃ آل عمران: آیت: ۵۷  
۵۸: سورۃ آل عمران: آیت: ۵۸  
۵۹: سورۃ آل عمران: آیت: ۵۹  
۶۰: سورۃ آل عمران: آیت: ۶۰  
۶۱: سورۃ آل عمران: آیت: ۶۱  
۶۲: سورۃ آل عمران: آیت: ۶۲  
۶۳: سورۃ آل عمران: آیت: ۶۳  
۶۴: سورۃ آل عمران: آیت: ۶۴  
۶۵: سورۃ آل عمران: آیت: ۶۵  
۶۶: سورۃ آل عمران: آیت: ۶۶  
۶۷: سورۃ آل عمران: آیت: ۶۷  
۶۸: سورۃ آل عمران: آیت: ۶۸  
۶۹: سورۃ آل عمران: آیت: ۶۹  
۷۰: سورۃ آل عمران: آیت: ۷۰  
۷۱: سورۃ آل عمران: آیت: ۷۱  
۷۲: سورۃ آل عمران: آیت: ۷۲  
۷۳: سورۃ آل عمران: آیت: ۷۳  
۷۴: سورۃ آل عمران: آیت: ۷۴  
۷۵: سورۃ آل عمران: آیت: ۷۵  
۷۶: سورۃ آل عمران: آیت: ۷۶  
۷۷: سورۃ آل عمران: آیت: ۷۷  
۷۸: سورۃ آل عمران: آیت: ۷۸  
۷۹: سورۃ آل عمران: آیت: ۷۹  
۸۰: سورۃ آل عمران: آیت: ۸۰  
۸۱: سورۃ آل عمران: آیت: ۸۱  
۸۲: سورۃ آل عمران: آیت: ۸۲  
۸۳: سورۃ آل عمران: آیت: ۸۳  
۸۴: سورۃ آل عمران: آیت: ۸۴  
۸۵: سورۃ آل عمران: آیت: ۸۵  
۸۶: سورۃ آل عمران: آیت: ۸۶  
۸۷: سورۃ آل عمران: آیت: ۸۷  
۸۸: سورۃ آل عمران: آیت: ۸۸  
۸۹: سورۃ آل عمران: آیت: ۸۹  
۹۰: سورۃ آل عمران: آیت: ۹۰  
۹۱: سورۃ آل عمران: آیت: ۹۱  
۹۲: سورۃ آل عمران: آیت: ۹۲  
۹۳: سورۃ آل عمران: آیت: ۹۳  
۹۴: سورۃ آل عمران: آیت: ۹۴  
۹۵: سورۃ آل عمران: آیت: ۹۵  
۹۶: سورۃ آل عمران: آیت: ۹۶  
۹۷: سورۃ آل عمران: آیت: ۹۷  
۹۸: سورۃ آل عمران: آیت: ۹۸  
۹۹: سورۃ آل عمران: آیت: ۹۹  
۱۰۰: سورۃ آل عمران: آیت: ۱۰۰

کہتے ہیں کہ جو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے وہ اللہ سے ضرور ڈرتا ہے۔ اس حالت کو خوف کی حالت کہا جاتا ہے۔ ایسا شخص حقیقت کے درجے تک نہیں پہنچتا ہوتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی بادشاہ سے ڈرتا ہے، تو اس کا رنگ کس طرح زرد ہو جاتا ہے اور کس طرح کا پتلا ہے کہ کوئی خلافت ہندیب حرکت نہ ہو جائے۔ اسی طرح وہ جہنم کی آگ سے بھی ڈرتا ہے، لیکن مصیبت کا اثر نکاب کرتے وقت اس پر ایسی کوئی کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ اسی لیے عامر بن قیس نے کہا تھا، مجھے جنت پر تعجب ہے کہ اس کا طالب کیسے سو جاتا ہے اور روزخ پر تعجب ہے کہ اس سے بھاگنے والا کیسے سو جاتا ہے؟

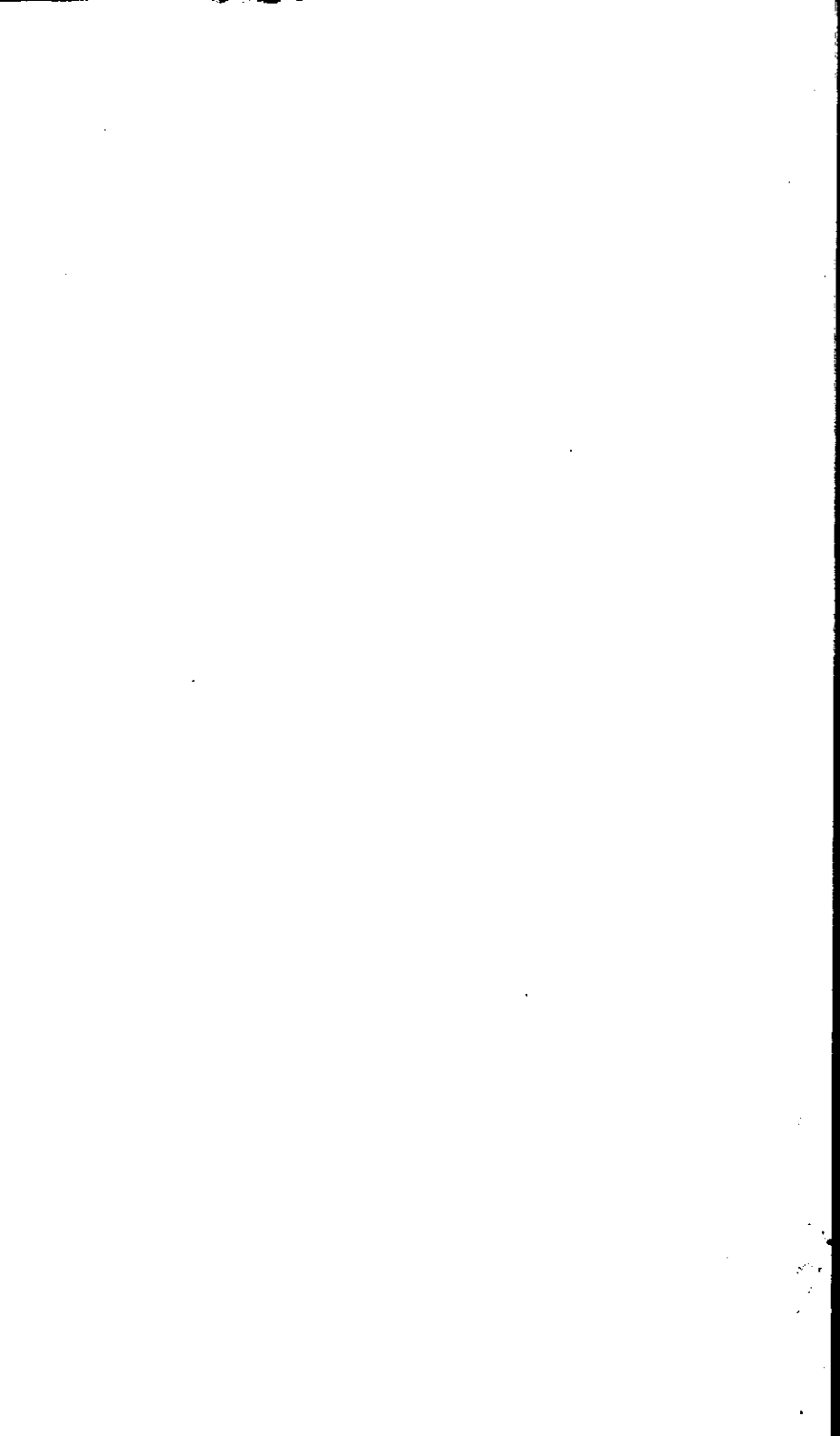
ان مقامات کی کوئی انتہا نہیں کہ پوری طرح ان کو آدمی پاسکے، لیکن ہر ایک کو اس کے حسب حال حصہ ملتا ہے۔ تھوڑا یا بہت۔ جب انسان تولی و فعل میں یکساں ہو، تو اس کا نام صادق ہوتا ہے۔ اللہ کسی بندے میں صدق کا ظہور دیکھتا ہے تو اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات بطور خاص سمجھنی چاہیے کہ تمام معاملات میں صادق ہونا اور اذات سے بے، یہ تو فتنی کسی کسی کو ملتی ہے۔ یہ تو ہوتا ہے کہ آدمی کسی معاملے میں صادق ہوتا ہے، کسی میں نہیں ہوتا، لیکن سب باتوں میں صادق کوئی کوئی ہوتا ہے۔

صدق کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنی مصیبت اور عبادت و دنوں کو چھپلے اور اس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو بہا سمجھے۔

# کِتَابُ الْمُحَاسِبَةِ

- محاسبہ و مراقبہ
- مشارطہ
- مراقبہ
- عمل کے بعد محاسبہ
- نفس کی گوشمالی
- غور و فکر





## محاسبہ و مراقبہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَوْمَ نَحْجِدُ كُلَّ نَفْسٍ مَّاعِلَتٍ مِّنْ حَبِيرٍ يُحْضَرُونَ..... اِلٰی قَوْلِهِ - وَنَحْجِدُكُمْ لَكُمْ اَنْفُسَكُمْ (جس دن ہر آدمی اپنی کمائی ہوئی سبکی کو حاضر پائے گا..... یہاں تک کہ فرمایا اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے)۔  
 فرمایا: وَفَضَّلَ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ..... اِلٰی قَوْلِهِ وَكَلَّمِي بِنَاحَا سِيِّئَةٍ (اور ہم انصاف کے ترازو رکھیں گے)۔  
 ..... یہاں تک کہ فرمایا۔ اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے)

فرمایا: وَوَضِعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ..... رَاٰی قَوْلَهُ وَلَا يَظُنُّرُكَ اَحَدًا (اور کتاب سامنے رکھی جائے گی تو تم مجرموں کو دکھو گے کہ اس کے مندرجات سے ڈرتے ہوں گے.....  
 یہاں تک کہ فرمایا۔ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا)

فرمایا: يَوْمَئِذٍ يُصَدِّقُنَا اَنْفُسُنَا تَالِيَةً اَعْمَالُنَا..... اِلٰی اٰخِرِهَا (اس دن آدمی مختلف حالتوں میں نکلیں گے تاکہ اپنے اعمال کو دکھیں) آخر سورت تک۔

یہ آیات اور ان کے مشابہ آیات آخرت کے حساب کے نظر ناک ہونے کا اظہار کرتی ہیں۔

اسبابِ بصیرت کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے خطرات سے نجات صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ آدمی اپنے نفس کا محاسبہ کر رہے ہو اور صحیح طور پر مراقبہ رکھے۔ جس نے دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا آخرت میں اس کا حساب آسان ہو جائے گا اور انجامِ بخیر ہوگا، لیکن جس نے محاسبہ چھوڑ دیا وہ کھپتے گا۔ اور چونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ نجات کی صورت صرف اطاعتِ خداوندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے صبر و درمابط کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا (اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر کی تلقین کرو اور درمابط کرو)  
 درمابط کے چھ مقام ہیں: مشاغلہ، مراقبہ، محاسبہ، معاذبہ، مجاہدہ، محاسبہ اور ان سب کا اصل محاسبہ ہے لیکن ہر ایک حساب مشاغلہ اور مراقبہ کے بعد ہوتا ہے اور اگر مشاغلہ ہو تو اس کے بعد معاذبہ اور معاذبہ ہوتا ہے اور اس مقام کی شرح لازمی ہے۔

۱۰ سورۃ آل عمران - آیت: ۳۰      ۱۱ سورۃ انبیاء - آیت: ۴۴      ۱۲ سورۃ کہف - آیت: ۲۹  
 ۱۳ سورۃ نزال - آیت: ۶      ۱۴ سورۃ آل عمران - آیت: ۲۰۰

## مشارطہ

معلوم ہونا چاہیے کہ جیسے تاجر تجارت میں فائدہ حاصل کرنے کے لیے کسی ساتھی سے مدد لیتا ہے اس سے شرطیں طے کرتا ہے اور حساب لیتا ہے اسی طرح اعمال میں عقل نفس کو شریک کار بناتی، اُس پر فرائض عائد کرتی ہے اور شرط اٹھا لگاتی ہے پھر اُسے کامیابی کا رستہ دکھاتی ہے۔ نیز اس کی نگرانی سے غافل نہیں ہوتی۔

ان چیزوں سے فارغ ہونے کے بعد ضروری ہے کہ نفس کا محاسبہ اور شرط اٹھا کر پورا کرنے کا مطالبہ کیا جائے اور چونکہ اس تجارت کا منافع جنت الفردوس ہے لہذا اس میں دنیا کے منافع کی نسبت نفس سے باریک حساب کرنا ضروری ہے؛ چنانچہ ہر ذی شعور آدمی پر فرض ملنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کے حجاب سے غفلت نہ کرے اور اس کی حرکات و سکنات اور اس کے رجحان پر کڑی نگاہ رکھے کیونکہ عمر کے سانسوں میں سے ہر سانس ایک نفس جو ہر ہے جس کا معاوضہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

جب بندہ صبح کے فریضے سے فارغ ہو جائے، تو چاہیے کہ کچھ دیر اپنے دل کو فارغ کرے اور اپنے نفس سے شرط اٹھا کر دیکھے کہ اسے کیا ہے، میرے پاس سوایہ صرف زندگی ہے۔ اگر میرا یہ سرمایہ فنا ہو گیا تو تجارت اور منافع سے مایوسی ہو جائے گی۔ اور یہ ایک نیا دن ہے جس میں اللہ نے مجھے مہلت دی ہے اور میری موت کو مؤخر کر کے مجھ پر احسان کیا ہے۔ اگر وہ مجھے دنیا سے اٹھالیتا تو میں تمنا کرتا کہ زندگی کی کچھ مہلت اور عطا کر دے، تاکہ میں کوئی نیک عمل کروں، تو اسے نفس ایسی سمجھ کر توفیق پر چکا تھا اور پھر تجھے واپس کیا گیا ہے۔ اس دن کو ضائع کرنے سے بچ جا اور جان سے کہ دن رات میں جو عین گھنٹے میں اذیوں سمجھ لے کہ نہیں کے لیے ہر روز جو عین امانیت تھو رو تظاہر رکھی ہیں۔ قیامت کے دن یہ الماریاں کھلی جائیں گی اور اللہ گھنٹے میں مائنی ہوئی نیکیوں کو دیکھے گا۔ اگر یہ نیکیوں کے ٹور سے بھری ہوں گی تو اسے اتنی خوشی ہوگی کہ اگر وہ دوزخیوں پر تعسیم کیا جائے تو جہنمی کی وجہ سے ان کو آگ کی تکلیف کا احساس نہ رہے اور اگر بدقسمتی سے صورت حال دوسری ہوئی، یعنی کوئی شخص نیکیوں کے سبب سے برائیوں میں پھنسا رہا تو فوراً جگہ اذیہ سے اور بدبو پھیلے گی اور گھنٹے میں اس نے اللہ کی نافرمانی کی ہوگی اسے عذاب الیم سے بہکتا کر دے گا۔ اسی اتنی گھبراہٹ اور ذلت محسوس ہوگی کہ اگر وہ تمام جنتیوں پر تعسیم کر دی جائے، تو ان کی نعمتیں مکمل ہو جائیں۔

بے عمل لوگوں کے لیے ایک اور خزانہ کھولا جانے کا جو خالی ہوگا۔ نہ اس میں کوئی خوشی کی بات ہوگی، نہ غمی کی اور یہ وہ گھنٹہ ہوگا جس میں یہ لوگ سوئے رہے تھے۔ ان میں سے ہر شخص اس کے خالی ہونے پر افسوس کرے گا اور اسے ایسا دکھ ہوگا جیسا کہ اس آدمی کو جو بہت سا منافع حاصل کرنے پر تیار تھا لیکن موقع ضائع کر کے اس سے محروم ہو گیا۔

ہر انسان کو چاہیے کہ اپنے نفس سے کسے آج کے دن کوشش کر کے ہر الماری کو نیک اعمال سے بھر لے۔ ایک کو بھی خالی نہ چھوڑ۔ ایسا نہ ہو کہ تیرے عقلمیں کے درجات ضائع ہو جائیں اور دوسرے اُن کو حاصل کر لیں۔

بعض نے کہا، خض کرو گناہ گار کو اگر معافی مل بھی جائے، تو کیا اس سے عسین کا ثواب فوت نہیں ہو گیا؟ اس نقصان سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے ساتوں اعضاء آکھ، کان، زبان، پیٹ، شرمگاہ، ہاتھ اور پاؤں کو پاک رکھے اور ان کو نفس کے سپرد کر دے کہ یہ اعمال کی تجارت میں اس کے خادم اور رعایا ہیں۔ انہی سے اس کے اعمال پورے ہوتے ہیں۔ یاد رہے انسان کے ان اعضاء کی تعداد کے مطابق جہنم کے بھی سات دروازے ہیں۔ نافرمان اور غیر محتاط انہی دروازوں سے داخل ہوں گے۔ نفس کو وصیت کرے کہ اپنے مددگاروں کو گناہوں سے بچائے۔ آئندہ کو حرام چیزوں کی طرف دیکھنے سے بچائے۔ کسی مسلمان کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ بے مقصد چیز کو دیکھنے سے محترز رہے اور ان کو ان چیزوں میں استعمال کرے جن میں آخرت کا نفع ہو۔ آنکھوں کی پیدائش کا صحیح مقصد عبرت کی نگاہ سے عجاہات قدرت کو دیکھنا اور کتاب اللہ میں اعمال خیر پر نگاہ دوڑانا ہے۔ یقیناً وہی شخص ذی شعور ہے جو حکمت کی کتابوں کا مطالعہ کرے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گزارے۔

اور اسی طرح لازمی ہے کہ تمام اعضاء کے متعلق ان کے مناسب حال وصیت کرے۔ خصوصاً زبان اور پیٹ کے متعلق، ہم پہلے زبان کی آفات کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ زبان کو ذکر الہی اور تعلیم و تعلم اور اللہ کے رستے کی رہنمائی اور آپس کی اصلاح وغیرہ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

پیٹ کو حکم دے کہ لذت کھانوں کی طلب سے باز رہے اور شہوات اور شہوات سے بچے۔ صرف ضرورت کے مطابق کھائے۔

اپنے نفس پر شرط عائد کرے کہ اگر نونے اور خیر میں سے کسی چیز کی خلاف ورزی کی، تو تجھے سزا ملے گی۔ پھر شرب روز کی عبادت کے متعلق اسے علیحدہ وصیت کرے کہ نوافل کا خیال رکھے اور نوافل کثرت سے ادا کرے۔ ان شرائط کو یاد دلانا روزانہ کی ضرورت ہے، یہاں تک کہ نفس ان کا عادی ہو جائے۔

ہم دیکھتے ہیں روزانہ کوئی نہ کوئی نئی بات پیدا ہوتی رہتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا سخن نالیٰ متبرہ ہے۔ اور یہی اس آدمی پر زیادہ ہوتے ہیں جو دنیاوی کاموں میں سے کسی میں مشغول ہو۔ مثلاً حاکم ہو، تاجر ہو یا کسی ایسے بی درہام میں بھگ رہتا ہو، ایسی صورت میں یہ بات ایک طرح ضروری ہے کہ دینی اور دنیاوی فراموشی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینی پر ہے۔ نفس کو وصیت کرے کہ وہ حق کا طمع نہ رہے۔

شہادین اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عقلمند وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کو اپنے تابع رکھے اور موت کے بعد کام آنے والے عمل کرے۔ اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے لگ جائے اور اللہ سے بھلائی کی امید رکھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: قیامت کا حساب ہونے سے پہلے اپنے نفسوں کا محاسب کرو اور اعمال کا وزن ہونے سے پہلے ان کو تولو اور بڑی پیشی کے لیے تیار کرو۔ **يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ** (اس دن تم پیش کیے جاؤ گے تم سے کوئی چیز مخفی نہ رہے گی)۔

## فصل دوم

# مراقبہ

جب انسان اپنے نفس کو وصیت کرے اور اس پر ذکر کردہ شرائط عائد کر چکے تو اب صرف مراقبہ اور ملاحظہ کی ضرورت ہے۔ احسان کی تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا کہ اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھتا، تو یہ سمجھے کہ وہ تجھے ضرور دیکھ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عظمت کو دل میں پوری طرح بٹھائے اور عبادت کی حالت میں اس کی نگرانی کرے۔ کہا گیا ہے کہ شبلیؒ، ابوالحسن نوریؒ کے پاس گئے۔ وہ بالکل ساکن بیٹھے تھے۔ شبلیؒ نے ان سے پوچھا: آپ نے یہ مراقبہ اور سکون کس سے سیکھا ہے؟

کہا: ہماری ایک بلی تھی، اُس سے سیکھا ہے۔ جب وہ شکار کا ارادہ کرتی تو اپنے آپ کو اس طرح ساکن کر لیتی کہ اُس کا ایک بال بھی حرکت نہ کرتا؟

انسان کو یہاں سے عمل سے پہلے بھی اور عمل کے دوران بھی مراقبہ کرے کہ آیا اس عمل کا محرک نفس ہے یا اللہ تعالیٰ کی رضا؟ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اُسے کنگڑے پر نہ چھوڑ دے اور یہی اخلاص ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ نے کہا: 'اللہ اُس بندے پر رحم کرے جو ارادہ کرتے وقت عمل پر غور کرے، اگر اللہ کے لیے ہذا تو عمل کرے اور اگر کسی اور کے لیے تو چھپے ہٹ جائے۔

دراصل تو مراقبہ طاعت میں ہے کہ وہ اس میں منہمک ہو۔ مافرمائی میں مراقبہ یہ ہے کہ تو یہ کرے، نادم ہو اور اس کو ختم کر دے۔ اسی طرح مباح میں مراقبہ یہ ہے کہ ادب کی رعایت رکھے اور نعمتوں پر شکر ادا کرے کیونکہ کوئی نعمت بھی ایسی نہیں کہ جس کے لیے شکر ضروری نہ ہو۔

حضرت دہب بن منبہ نے آل داؤد کی حکمت میں کہا: عقلمند پر لازم ہے کہ چار اوقات سے غافل نہ ہو۔ ایک گھڑی میں اپنے رب سے ہم کلام ہو۔ ایک میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ ایک گھڑی ایسے دوستوں کے پاس گزارے جو اس کو اس کے عیب بتائیں اور اس کے نفس کی خامیوں سے اسے مطلع کریں۔ اور ایک گھڑی میں

حلال لذتوں سے استفادہ اور حرام سے پرہیز کرے۔ اور یہ گھڑی پہلی تمام گھڑیوں کی معاون ہے۔ اور اسی سے قوت زیادہ ہوتی ہے اور یہ وہ گھڑی ہے جس میں وہ کھانے پینے میں مشغول ہوتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ ذکر اور فکر سے کھلتے پیتے وقت بھی غافل نہ رہے کہ وہ طعام سے کھا رہا ہے اس میں بھی بہت سے عجائبات ہیں۔ اگر وہ ان میں غور کرے، تو یہ بات اعضاء کے بہت سے اعمال سے افضل ہے۔

## عمل کے بعد محاسبہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَالْمَنظُورَ مَا خَلَدَ مَتَّ لِعِبَادِهِ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چاہیے کہ ہر آدمی اس پر غور کرے جو اُس نے کل کے لیے آگے بھیجا ہے)۔ یہ دراصل محاسبے کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "حساب لیجئے جانے سے پہلے پہلے اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو"۔

حضرت حسن نے کہا: "مومن اپنے نفس پر نگرانی کرنے والا ہے۔ وہ اپنے نفس سے حساب لیتا ہے" اور کہا: "مومن کے سامنے ناگہانی طور پر کوئی چیز آجاتی ہے۔ وہ اسے پسند آتی ہے اور کہتا ہے: خدا کی قسم! میں تجھے چاہتا ہوں اور تو میری ضرورت ہے لیکن تجھے حاصل کرنے کا میرے پاس کوئی حیلہ نہیں ہے۔ تیرا حاصل کرنا بہت دور ہو گیا ہے۔ میرے لود تیرے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے اور کچھ کوئی کوتاہی اس سے ہو جاتی ہے تو وہ ہوش میں آجاتا ہے اور کہتا ہے میں نے اس سے کیا حاصل کرنا چاہا یا، میرا اور اس کا کیا تعلق؟ میں انشاء اللہ اس کی طرف کبھی رجوع نہیں کروں گا۔"

مومن ایک ایسی قوم میں جن کو قرآن نے قید کر رکھا ہے اور ان کے دل ان کی ہلاکت کے درمیان حائل ہو چکا ہے، مومن دنیا میں دین کا قیدی ہے۔ وہ اپنی گردن آزاد کرانے کی کوشش نہیں کرتا۔ نہ کسی چیز سے بے خوف ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے، وہ جانتا ہے کہ اسے اپنے کان، آنکھ، زبان اور اعضاء کے سلسلے میں پابند کیا گیا ہے اور ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

شروع دن میں ایک ایسا وقت لازمی طور پر ہونا چاہیے جس میں انسان اپنے نفس سے شرط کرے کہ میں فلاں کام کروں گا اور فلاں کام نہیں کروں گا۔ اسی طرح آخر دن میں بھی کوئی وقت رکھے جس میں اپنے نفس سے مطالبہ کرے اور جو کچھ وہ دن میں کر چکا ہے اس کا حساب لے۔ جیسا کہ تاجر لوگ اپنے شریک کار سے حساب کرتے ہیں اور حساب

کا مطلب یہ ہے کہ اپنا سرمایہ اور منافع اور خسارہ دیکھے، تاکہ اسے نفع و نقصان کا پتہ چلے۔

دین میں اصل سرمایہ فرائض ہیں۔ تو اقل اور فضائل منافع ہیں اور گناہ خسارہ۔ پہلے اپنے نفس سے فرائض کا حساب کرے اور اگر وہ گناہ کا ارتکاب کر چکا ہو تو اسے سزا دے تاکہ جو کمی ہوئی ہے وہ پوری ہو جائے۔

کہا گیا ہے کہ تو بر بن صمد، رزق کا باشندہ اپنے نفس سے روزانہ حساب لیتا تھا۔ ایک دن اس نے حساب کیا تو وہ ساٹھ سال کا ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنے سالوں کے دن گنے، تو وہ اکیس ہزار پانچ سو دن ہوئے۔ وہ چیخ پڑا اور کہا: ”ہائے افسوس، اگر مجھ سے ایک دن کا ایک بھی گناہ ہوا، تو میں اللہ کے سامنے اکیس ہزار پانچ سو گناہ لے جاؤں گا؟“ حالانکہ ہر روز کئی ہزار گناہ ہو جاتے ہیں، پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا اور فوت ہو گیا۔ اُس وقت لوگوں نے ایک غائبانہ آواز سنی: ”جنت الفردوس کی دور کیسی اچھی رہی؟“

اسی طرح ہر آدمی کو چاہیے کہ اپنے نفس سے ایک ایک سانس کا حساب لے اور ہر قسمت دل اور اعضا کے گناہوں کا خیال رکھے۔ اگر انسان ہر گناہ کے بعد ایک پتھر اپنے گھر میں پھینکنے لگے، تو تھوڑی ہی مدت میں اس کا گھر پتھروں سے بھر جائے، لیکن وہ گناہوں کو بھول جاتا ہے حالانکہ وہ ثابت ہیں: أَحْصَاۥا۟ اَللّٰهُۥ ذُنُوبَۥکُمْۙ اِنَّکُمْ لَآ تَکُوۡنُوۡنَ اَعۡدَآءَ۟ لِّہٖۤ اِلَّا۟ اَنتُمۡۚ

## نفس کی گوشمالی

جب میرا اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور اس کی کوتاہی دیکھ کر اُسے چھوڑ دینے کے ارادے پر اکتفا کرے، تو گنہ گنہ اس کے لیے آسان اور چھوڑنا مشکل ہو جائے گا۔ اُسے چاہیے کہ لغزش ہونے کی صورت میں اپنے نفس کو جانتا سزا بھی دے، جیسے کہ اپنے بال بچہ کو مناسب سزا دیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ اپنے باغ کی طرف نکلے، پس آئے تو لوگ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے، آپ نے کہا: ”میں اپنے باغ کی طرف نکلا اور واپس آیا تو لوگ نماز پڑھ چکے ہیں۔ میرا یہ باغ مسکینوں پر صدقہ ہے۔“ لیٹنے کہا، ان کی جماعت جاتی رہی تھی نہ کہ اصل نماز۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ کسی کام میں مشغول ہوتے اور غریب کی نماز کو اتنی دیر بڑھی کہ دو تارے نکل آئے۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور دو غلام آزاد کیے۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت تیسرا داری رضی اللہ عنہما ایک رات سو گئے اور تہجد کی نماز نہ پڑھ سکے، تو آپ سال بھر تک یہ قیام کرتے رہے۔ رات بھر نہ سوتے۔ اس طرح نفس کو پوری پوری سزا دی۔

حضرت حسان بن سنان ایک بلانغانے کے پاس سے گزرے اور کہا: ”یک تعمیر ہوا تھا؟“ پھر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ”وہ باتیں پوچھتا ہے جن سے تیرا کوئی مطلب نہیں ہے۔ میں تجھے ایک سال کے روزوں کی سزا دوں گا۔ پھر آپ نے سال بھر روزے رکھے۔“

یاد رہے اپنے آپ کو ناجائز مزائیں دینا حرام ہے۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو نبی اسرائیل کے ایک آدمی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک عورت کی ران پر ہاتھ رکھ دیا، تو اس ہاتھ کو آگ میں جلا ڈالا۔ اسی طرح ایک اور آدمی متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک عورت کے پاس جانے کے لیے قدم اٹھایا پھر سوچا یہ میں کیا کرنے لگا ہوں؟ پھر جب اس نے اپنے پاؤں کو ٹٹانے کا ارادہ کیا تو کہا ایسے نہیں ہو سکتا۔ وہ پاؤں جو اللہ کی نافرمانی کے لیے نکلا وہ میرے ساتھ واپس نہیں جائے گا، تو اس نے اس پاؤں کو کاٹ دیا۔

ایک اور آدمی نے ایک عورت کو دیکھا تو اس نے اپنی آنکھ نکال دی۔ ہماری شہادت میں یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ ان کی شہادت میں جائز نہیں۔ ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ سختی الامکان گناہوں سے بچیں اور کوئی غلطی ہو جائے تو صدق دل سے توبہ کریں۔

ہمارے مذہب والے بعض آدمی بھی انہی کی راہ پر چل نکلے ہیں۔ ان کو اس پر جہالت آمادہ کرتی ہے۔ جیسا کہ غزوان زاہد سے بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایک عورت کو دیکھا تو اپنی آنکھ پر زور سے تھپڑ مارا کہ آنکھ بھول گئی۔ بعض کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ جمنی ہو گیا اور سردی سخت تھی۔ اس کے نفس نے غسل میں توقف کیا تو اس نے قسم کھائی کہ گوڈری سمیت غسل کرے گا نہ اسے اتارے گا نہ پھوڑے گا اور گوڈری خاصی ذرتی تھی۔ ۹ سیر سے بھی زیادہ۔ اور یہ سب کچھ جہالت کی وجہ سے ہے کیونکہ انسان کو اپنے نفس میں اس طرح کے تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ میں نے اپنی کتاب ”تلبیس ابلیس میں جاہل صوفیاء کے ایسے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں۔“

## مجاہدہ

مجاہدہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کا حساب کرے اور گناہ دیکھے، تو اسے سزا دے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اگر دیکھے کہ وہ سستی کی وجہ سے فضائل میں یا کسی ورد میں کوتاہی کرتا ہے تو مجاہدہ کرے کہ اسے بھاری اوراد سے سبق سکھائے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان ہوا ہے کہ آپ سے نماز کی جماعت فوت ہو گئی تو آپ نے وہ ساری رات جاگ کر گزاری۔ اگر اوراد پر اس کا نفس اطاعت نہ کرے، تو اس سے جہاد کرے اور سختی الامکان اسے



مجبور کرے۔

حضرت ابن مبارک نے کہا کہ نیک لوگوں کے نفس خود بخود بھلائی پران کی موافقت کرتے تھے اور ہمارے نفس مجبور ہو کر ہماری موافقت کرتے ہیں۔

نیک پروردگار حاصل کرنے کے لیے عبادت میں کوشش کرنے والوں کی باتیں اور ان کے فضائل یاد کرے اور ان لوگوں کے ساتھ رہے جو اعمال پر تقاد رہوں اور ان کے افعال کی پیروی کرے۔

بعض نے کہا۔ جب مجھے بنا دت میں بندش پیش آتی، تو میں محمد بن واسع کے پیرے کو دیکھتا۔ اس کے اجتہاد پر غور کرتا اور اس کے مطابق ایک ہفتے تک عمل کرتا۔

عالمین عبد قیس ہر روز نماز رکعت نماز پڑھتے اور اسوہ بن یزید اتنے روزے رکھتے کہ رنگ زرد ہو جانا۔ مسروق نے حج کیا، تو سجدے کی حالت ہی میں سوتے ڈاؤن ڈاؤن دیکھنے کی جگہ چند کڑے بھگو کر پی لیا کرتے اور دو گھونٹ کے درمیان پچاس آیات پڑھتے۔ کربن دبرہ ہر روز تین مرتبہ قرآن مجید حکم کرتے اور عمر بن عبد العزیز اور فتح موصلی خون کے آنسو روتے۔

سلف میں سے چالیس آدمیوں نے عشا کے وقت صبح کی نماز پڑھی۔

ابو محمد حریری ایک سال تک متکلف رہے۔ نہ سوئے نہ لے۔ نہ دیوار سے ٹیک لگائی اور نہ پاؤں پھیلانے۔ ابوبکر کتانی نے ان سے پوچھا۔ آپ کو اتنی قدرت کس طرح حاصل ہوئی؟ تو کہا۔ اللہ نے میرے باطن کا صدق دیکھا تو میرے ظاہر پر میری مدد کی۔

زحلہ عابدہ کے پاس لوگ گئے اور ان سے کہا: اپنے نفس پر کچھ نرمی کرو، تو انہوں نے کہا: یہ دوڑ کے دن ہیں جس سے آج کا دن فوت ہو گیا وہ کل اُسے کبھی نہ پاسکے گا۔ میرے بھائیو، خدا کی قسم! جب تک میرے اعضاء مجھے اٹھاتے رہیں گے میں نماز پڑھتی رہوں گی اور میں اپنی زندگی بھرا اللہ کے لیے روزے رکھوں گی اور جب تک میری آنکھوں میں پانی ہے میں رتوں گی۔

جو آدمی ان لوگوں کی سیتوں کو دیکھنا چاہے اور ان کے مجاہدات کے باغوں میں پھرنا چاہے، وہ میری کتاب "صفت الصفوۃ" دیکھے۔ مجاہدات گزار عورتوں کے واقعات ایسے ہیں جن کو سن کر انسان اپنے آپ کو حقیر سمجھے۔

معاذ اللہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو اللہ کے لیے اپنے نفس پر نرا راض ہوا اللہ اسے اپنی ناراضگی سے امن

سے گا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جب کہ آپ بارغ میں داخل ہوئے تھے۔ اس وقت میرے در آپ کے درمیان صرف ایک دیوار عائل تھی۔ عمر بن خطاب! تو امیر المؤمنین ہے، بہت خوب، خدا کی قسم! اسے خطاب کے بیٹے! اگر تو اللہ سے ڈرے گا تو امن میں رہے گا، ورنہ اللہ تجھے سزا دے گا۔“

حضرت مجتبیٰ بن عمار نے کہا: میں ایک عابد کے پاس گیا۔ اُس کے سامنے آگ جل رہی تھی اور وہ اپنے نفس کو ڈانٹ رہا تھا۔ وہ اسے ڈانٹتا رہا یہاں تک کہ مر گیا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں میں ہے اور برائی کا حکم دینے والا بنا کر پیدا کیا گیا ہے اور برائی کی طرف بہت مائل ہے۔ تجھے حکم ہے کہ تو اس کو سیدھا کرے۔ پاک کرے، اس کے گھاٹ اُس سے چھڑائے اور اسے قہر کی زنجیروں سے کھینچ کر اپنے رب کی عبادت کی طرف لائے۔ اگر تو نے اُس کو ذرا ڈھیل دی، تو وہ مکرش ہوگا، بدکے گا اور اس کے بعد تو اس پر قابو نہ پاسکے۔ ہاں اگر تو اُس کو ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہے گا، تو امید ہے کہ یہ مطمئن ہو جائے گا۔ تو اُسے نصیحت کرنے سے غافل نہ ہو۔ اس پر متوجہ رہو اور اس کی جہالت اور عبادت اس کے ذہن نشین کرتے ہوئے کہہ: اے نفس، تو کتنا جاہل ہے! عقلمند اور ذہین ہونے کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ تو سب سے زیادہ غبی اور بے وقوف ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ تیری جگہ یا حجت ہے یا دوزخ؟ جو یہ نہ جانتا ہو کہ وہ ان دونوں میں سے کس میں جانے والا ہے۔ وہ کیسے غافل ہو سکتا ہے۔ انسان رات یا دن میں ناگہانی طور پر مر جاتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اور موت اچانک بغیر کسی اطلاع کے آئے گی اور یہ کسی عمر پر قوت نہیں ہے، بلکہ ہر سانس پر امکان ہے کہ اس میں ناگہانی موت آجائے۔ اگر ناگہانی موت نہ بھی آئے، تو بیماری ناگہانی آسکتی ہے اور پھر وہ موت تک پہنچا دیتی ہے۔ تجھے کیا ہوا ہے؟ تو موت کی تیاری کیوں نہیں کرتا؟ حالانکہ وہ تجھ سے قریب ہے۔

اے نفس اگر اللہ پر تیری جرأت اس لیے ہے کہ وہ تیری نافرمانیوں کو نہیں دیکھتا تو تیرا یہ کفر بہت بڑا ہے۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے تو تو کتنا اتنی اور بے جیا ہے، کیا تجھ میں اللہ کا عذاب برداشت کرنے کی طاقت ہے؟ ایک گھڑی غم میں بیٹھ کر اس کا تجربہ کر یا اپنی انگلی آگ کے قریب کو دیکھ! اے نفس اگر تیری استقامت میں رکاوٹ خواہشات کی محبت سے ہے تو وہ خواہشات طلب کرو باقی رہیں اور کرداروں سے پاک صاف ہونا۔ بہت سے لقمے ایسے ہوتے ہیں جو کئی نعمتوں سے محروم کر دیتے ہیں۔

اس بیمار کی عقل کے متعلق آپ کیا کہیں گے جسے طبیب نے تاکید کی ہو تو تین دن پانی نہ پویا تم تندرست ہو جاؤ گے اور پھر ساری عمر پھیلتے رہو گے؛ یقیناً آپ یہی کہیں گے کہ مرلیٹن کو طبیب کی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا۔

ابد کی نسبت سے جو کہ جنت کی نعمتوں اور روزخ کے عذاب کی مدت ہے دنیا کی زندگی تین دن سے بھی کم ہے، بلکہ دنیا کی عمر کی نسبت ایک لحظہ سے بھی کم ہے۔ غور کرنا چاہیے اس مختصر زمانے کی آسائش کے لیے نہ ختم ہونے والی زندگی کا عذاب خرید لینا کتنی بڑی نادانی ہے۔

جو آدمی مجاہدے کی تکلیف پر صبر نہیں کر سکتا وہ آخرت میں عذاب پر کیسے صبر کر سکے گا!

کیا تجھے عز و جاہ کی محبت نے شغول کر دیا ہے؛ تو اس دنیا میں ہمیشہ نہ رہے گا اور نہ وہ جن کے نزدیک تیری منزلت ہے۔ تو نے دنیا کو کیوں نہ چھوڑ دیا کہ اس کے شر کا خمیس میں اور جس کی تکلیف بہت زیادہ اور جس کی ہر نعمت جلد فنا ہو جانے والی ہے۔ کیا تو رب العالمین کی ہمسائیگی کو بے وقوفوں کی جوتیوں میں بیٹھنے سے بدلتا چاہتا ہے۔

اکثر سرمایہ تو ضائع ہو چکا۔ کتنی عمر تھوڑی سی باقی رہ گئی۔ اگر تو اس کو پال بھی لے تو ضائع شدہ پر تجھے ندامت ہوگی اور اگر تو بچھلی کو بھی پہلی کی طرح ضائع کر دے تو پھر کیا حال ہوگا۔ چھوٹے دنوں میں بڑے دنوں کے لیے کام کر، ان سوالات کے جواب تیار کر لے جو تجھ سے قبر کی تنہائی میں پوچھے جائیں گے اور اس وقت سے پہلے اس دنیا سے آزاد لوگوں کی طرح نکل جیا کہ تجھے مجبور کر کے نکالا جائے گا۔

جو رات اور دن پر سوا رہا وہ اس کو بے جا نہیں گے۔ اگرچہ وہ جانا نہ چاہے گا۔

اس نصیحت میں نوکر اور اپنی حالت پر آنسو بہا کہ ندامت کے آنسو اللہ کی رحمت کو جوش میں لاتے ہیں۔

## فصل سوم

# غور و فکر

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا اور غور و فکر کرنے والوں کی تعریف کی ہے: **وَيَسْئَلُونَكَ** **فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَهُنَّ هَذَا أَبَاطِلًا** (آوردہ زمین و آسمان کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے یہ بے مقصد پیدا نہیں کیے)۔

فرمایا: **إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ** (اس میں نشان ہیں غور کرنے والوں کے لیے)۔  
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی نعمتوں میں غور کرو اور اللہ کے متعلق غور کرو۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک گھڑی غور و فکر کرنا ساری رات کے قیام سے بہتر ہے۔  
وہب بن منبہ نے کہا: جو زیادہ غور کرے وہ سمجھ جاتا ہے اور جو سمجھے وہ یقین کر لیتا ہے اور جو یقین حاصل کر لے وہ عمل کرتا ہے۔

حضرت بشر حافی نے کہا: اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت پر غور کریں تو اس کی نافرمانی نہ کریں۔  
حضرت فرجانی نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: **سَأَصْرَفُ عَنْ آيَاتِي الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ** (میں اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں) کے متعلق کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک ایسے لوگوں کے دلوں کو اپنے کاموں میں غور کرنے سے روک دیتا ہے۔

حضرت داؤد طائی چاندنی رات میں بھپت پڑتھے۔ آپ نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کے متعلق غور کیا تو یہ شہنشاہ ہو کر اپنے ہمسائے کے گھر میں گر پڑے۔ وہ تلواریں کر دوڑا لیکن جب آپ کو دیکھا تو کہا: اے داؤد! آپ کیوں گر پڑے؟ کہا: میں خود تہیں سمجھا۔

یوسف بن اسباط نے کہا: ”دنیا دیکھنے کے لیے پیدا نہیں ہوئی، بلکہ اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ اس سے آخرت کو دیکھا جائے۔“

حضرت سفیان ثوری کو شدتِ غم و فکر سے پیشاب کے ساتھ خون آنے لگا تھا۔

حضرت ابو بکر کتانی نے کہا: ”مغفلت سے بیدار ہونے پر ڈرنا، انسانی خواہشات سے منقطع ہونا اور خدا سے کٹ جانے کے خوف سے کانپ جانا جنتوں اور انسانوں کی عبادت سے بہتر ہے۔“

## غم و فکر کے نتائج

معلوم ہونا چاہیے کہ غم و فکر کبھی دین کے متعلق ہوتا ہے اور کبھی دوسری چیزوں کے متعلق۔ ہماری غرض دین سے ہے اور اس کی شرح بڑی طویل ہے۔ انسان کو چار چیزوں میں غم کرنا چاہیے۔ طاعات، معاصی، ہلاک کرنے والی باتیں اور نجات دینے والی صفات۔

مجھے چاہیے کہ اپنے نفس کے شر اور اپنی صفات سے غافل نہ ہو، جو یا تو اللہ سے ڈورے جانے والی ہیں یا اس کے قریب کرنے والی ہیں۔

ہر ایک مُردے کے پاس ایک کتاب ہوتی ہے جس میں وہ تمام صفاتِ مہلکہ اور تمام صفاتِ نافعہ نامِ معاصی اور طاعات کو درج کرے اور ہر روز ان کا مطالعہ کیا کرے۔ ہمارے نزدیک ہلاک کرنے والی چیزوں میں سے دس چیزوں پر غور کر لینا کافی ہے، اگر ان سے بچ گیا تو دوسری سے بھی بچ جائے گا، وہ یہ ہیں: بُخل، کبر، عُجب، ریا، حسد، شدتِ غضب، کھانے کی حرص، جماع کی حرص، مال کی محبت اور جاہ کی محبت۔

اسی طرح نجات دلانے والی دس چیزوں پر غور کرے جو یہ ہیں: گناہوں پر ندامت، مصیبت پر صبر، تقدیر پر ارضی رنما، نعمتوں پر شکر کرنا، امید اور خوف کا معتدل ہونا، دنیا سے بے رغبتی، اعمال میں اخلاص، لوگوں کے ساتھ حُسنِ خلق، اللہ تعالیٰ کی محبت اور شُروع۔

یہ میں خصلتیں ہیں۔ دس بُری اور دس اچھی۔ جب بُری خصلتوں میں سے ایک سے نجات پلے تو اپنی کتاب میں اس پر لکھیں جسے اور اب اس کے متعلق سوچنا چھوڑ دے اور اس کا میاں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ یہ سب کہہ کر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد سے ہوا ہے۔ پھر باقی لوگ طرف تو بھر کرے اور اسی طرح کرتا جائے، یہاں تک کہ سب پر لکھ کر کینچ دے۔ اس کے بعد اپنے نفس سے نجات دلانے والی صفات سے متصف ہونے کا مطالعہ کرنے اور جب ایک کے

ساتھ مصنف ہو جائے مثلاً تو باور نہ دامت سے، تو اس پر خط کھینچ دے اور باقی میں مشغول ہو جائے۔ ان باتوں کا وہ ہر ایک مرد محتاج ہے جو لاء حق میں مکر تہ ہے۔

جو نیک شمار کیے جاتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اپنی کتاب میں ظاہری گناہوں کو ضرور درج کریں۔ جیسے شہتہ پیڑوں کا کھانا، غیبت، چغلی، لڑنا جھگڑنا، اپنی مدح میں زبان کھولنا، اولیاء اللہ کی محبت میں افراط کرنا، دشمنوں سے از حد بیرکھنا اور ماہر المعروف اور نہی عن المنکر میں سستی کرنا وغیرہ۔ کیونکہ اکثر وہ لوگ بھی جو اپنے آپ کو نیکیوں میں شمار کرتے ہیں ان معاصی سے پاک نہیں ہوتے اور جب تک اعضاء گناہوں سے پاک نہ ہوں دل کی تطہیر اور اس کی آبادی میں مشغول ہونا ممکن ہی نہیں۔

حقاً طرز زندگی گزارنے کی صورت میں بھی انسان کی طبیعت میں ایک آدھ بات ایسی بالعموم ہوتی جس کی اُسرے اصلاح کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر پیر پیریزگار عالم اپنے علم کے اظہار اور شہرت کی طلب سے خالی نہیں ہوگا۔ خواہ اُس کے اظہار کا طریقہ کچھ بھی ہو۔ وہ اپنے تہمتوں کا اظہار کرے یا علم کا بہ حال ایک برائی ہوگی اور جس نے ایسا کیا وہ عظیم فتنے میں مبتلا ہوا۔ اس سے صرف حدیث ہی سمجھتے ہیں۔

بعض اوقات عالموں کا علم یہاں تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ عورتوں کی طرح ایک دوسرے سے غیرت کھاتے ہیں اور یہ سب کچھ ان بُری اور مہلک صفات کے راسخ ہونے کی دہر سے ہوتا ہے جن کے متعلق عالم سمجھتا ہے کہ وہ ان سے نجات پا چکا ہے حالانکہ وہ ان کے متعلق دھوکے میں مبتلا ہوتا ہے۔

جو شخص ان صفات کو اپنے اندر محسوس کرے اس پر لازم ہے کہ وہ گوشہ نشینی اختیار کرے اور گناہی طلب کسے۔ نیز فتویٰ دینے سے پرہیز کرے۔ صحابہ فتویٰ ایک دوسرے پر ٹالا کرتے تھے اور ان میں سے ہر آدمی یہ پسند کرتا تھا کہ کاش اس کا بھائی جواب دے دے۔

ایسے مواقع پر انسان غماشیطانوں سے بچنا چاہیے۔ وہ کہیں گے کہ یہ علم کسٹ جانے کا سبب ہے! انہیں سمجھانا چاہیے کہ دین اسلام مجھ سے بے نیاز ہے۔ اگر میں مر گیا تو دین گرنے نہیں پڑے گا۔ دوسری طرف اپنے دل کی اصلاح سے بے نسیا نہ ہوں۔ عالم کی نگران صفات کے دل میں مخفی ہونے کی طرف ہوتی چاہیے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں کے بگاڑ کو درست کرے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے پسندیدہ کام کریں۔

## ذاتِ خداوندی پر غور

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرو اور اللہ تعالیٰ کے متعلق غور و فکر نہ کرو۔“

اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور کرنا اس لیے منع ہے کہ عقل اس میں حیران رہ جاتی ہے۔ اللہ کی شان بالیقین اس سے بہت بلند ہے کہ اسے انسان کی فکر معلوم کر سکے یا دلوں میں اس کا کوئی تصور آسکے؛ لہذا کمالہ شعیٰ و هو السميع البصير (اس کی مثال کوئی چیز نہیں اور وہ سنانے والا دیکھنے والا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کے متعلق غور و فکر کر لینے کی تو قرآن مجید میں ترغیب موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ فِيْ خَلْقِ الْمَسٰلِكِ وَالْاَدْحٰى وَالاٰخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ الْاٰيَاتِ لِلَّذِيْنَ اَلْبَابُ (آسمانوں اور زمین کی پیداوار اور دن رات کے اختلاف میں عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں)

فرمایا: جَلِّ اَنْظُرُوْا مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (کہو دیکھو آسمانوں اور زمینوں میں کیا کچھ ہے) اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے تو انسان بھی ہے جو حیرت نغظ سے پیدا ہوا ہے۔ انسان کو اپنے نفس کے متعلق غور کرنا چاہیے کہ اس کی پیداوار میں کتنے ہی عجائبات ہیں جو اللہ کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کے سوویں حصے پر بھی مطلع ہونے میں عمریں ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود اپنے اندر غور کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اٰیٰتٌ لِّتَذَكَّرُوْا (اور تمہارے اپنے اندر بھی کیا تم دیکھتے نہیں ہجو)

اللہ کے نشانات میں سے وہ ہرے بھی ہیں جو پہاڑوں کے اندر دو لہجیت کیے گئے ہیں اور سونے چاندی اور فیروزہ وغیرہ کی کانیں بھی ہیں۔ غرض یہ کہ جمادات و نباتات اور حیوانات میں اس کی صنعت کے لاکھوں کوڑوں نمونے ہیں جن پر انسان غور کیا کرے۔

گہرے سمندر، جنگل، پہاڑ، دریا اور ہرے بھرے میدان وغیرہ، کون سی ایسی چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی شان ظاہر نہیں ہوتی۔

موتی کی پیداوار پر غور کرو کہ اسے سمندر کی تہ میں سیپ کے اندر کس طرح بنایا ہے اور دیکھو پانی کے نیچے ٹھوس

پتھر میں تو نگا کس طرح اگتا ہے۔ اس کے علاوہ عنبر و عود اور دوسری چیزوں کا بھی یہی حال ہے۔

کشتیوں کے عجائبات دیکھو! لٹرنے اُن کو کس طرح پانی کی سطح پر روک رکھا ہے اور عمقِ دریا میں چلایا ہے ہوائیں انہیں لیے پھرتی ہیں اور ان سب سے عجیب چیز پانی ہے کہ وہ زمین کی ہر چیز کی زندگی ہے۔ خواہ وہ حیوان ہوں یا نباتات اگر کوئی انسان یا ساہوکار اس کو اس سے روک دیا جائے تو اگر اُس کے پاس ساری دنیا کے خزانے ہوں تو پانی کو حاصل کرنے کے لیے خرچ کر دے۔ پھر اگر پی لے اور وہ باہر نکلے تو اُس کو نکلنے کے لیے تمام دنیا کے خزانے خرچ کر ڈالے۔ آدمی کو چاہیے اس نعمت سے غافل نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے نشانات میں سے ایک ہوا بھی ہے اور وہ لطیف جسم ہے جو آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ پھر اس کی شدت اور طاقت کو دیکھو اور فضا کے عجائبات پر غور کرو کہ ان میں کیا کچھ ہے! بادل، گرج، بجلی، بارش، برف، اُدے، اُلو شہاب وغیرہ۔

دیکھو پرندے اپنے پروں سے کیسے ہوا میں تیرتے پھرتے ہیں۔ جیسے کہ جانور پانی میں تیرتے ہیں۔

آسمان، اس کی عظمت اور سورج، چاند اور ستاروں کو دیکھو۔ ہر ستارے میں اُن کے رنگ، شکل اور مقامات کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ اور پھر دیکھو کیسے رات دن میں وارد دن رات میں داخل ہوتا ہے۔ سورج کی گردش پر غور کرو کہ وہ گرمی، سردی اور بہار و خزاں میں کس طرح مختلف ہوتی ہے!

ادرا کہا گیا ہے کہ سورج زمین سے ایک سو ساٹھ گنا سے کچھ اوپر بڑا ہے (موجودہ تحقیقات کے مطابق کچھ لاکھ گنا بڑا ہے) یہاں تک کہ آسمان کا چھوٹے سے چھوٹا ستارہ بھی زمین سے آٹھ گنا بڑا ہے۔ پھر جب ایک ستارے کا یہ حال ہے تو ستاروں کی کثرت کو دیکھو اور آسمان پر غور کرو جس میں یہ ستارے بڑے بڑے ہوتے ہیں اور اپنی آنکھ پر غور کرو کہ اس قدر چھوٹی ہونے کے باوجود کس طرح ان کا احاطہ کرتی ہے۔

انسان کی حالت پر افسوس ہے کہ جب وہ کسی دولت مند آدمی کے مکان میں جاتا ہے، جس میں سونے کے نقش و نگار ہوں تو اُس کی حیرت ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ جگہ اُس کا تذکرہ کرتا ہے لیکن اس عظیم کمالات کو دن رات دیکھتا ہے۔ اس کی زمین، آسمان، رنگا رنگ عجائبات اور عجیب نقش و نگار ہر وقت نگاہوں کے سامنے ہیں، لیکن ان کی طرف توجہ نہیں کرتا اور نہ اپنے خالق کی عظمت و شان پر غور کرتا ہے۔

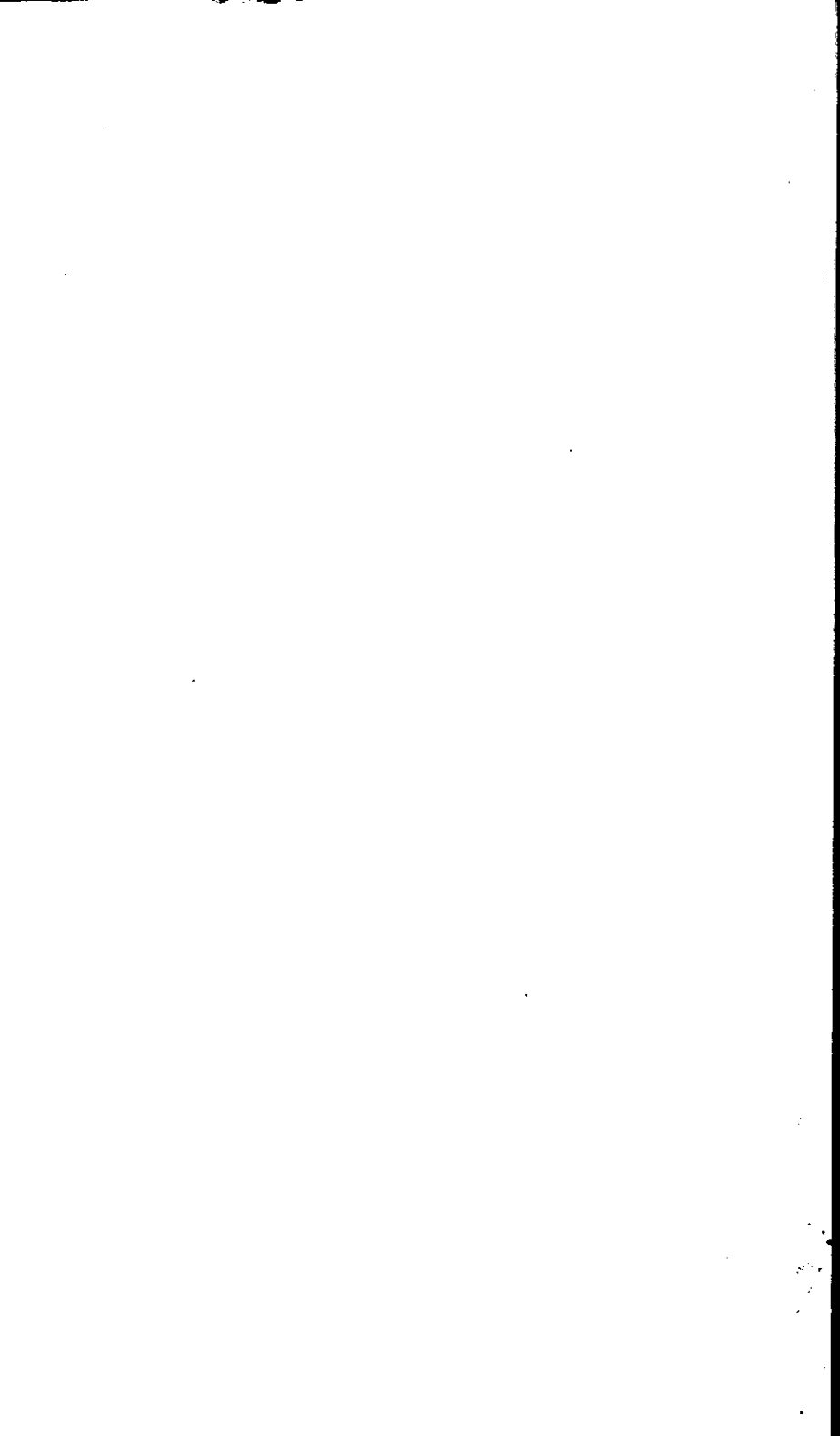
انسان دراصل اپنے رب کو بھول چکا ہے اور فانی چیزوں کی لذتوں میں مشغول ہے۔ اس کی غفلت اُس چیز نیکی کی طرح ہے جو اپنے بنائے ہوئے گھر سے نکل کر بادشاہ کے محل میں چلی جائے وہاں وہ کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہو جائے۔



کی باتیں اُسے سناتی رہے کہ کیسے بنایا ہے اور اُس میں کیا کچھ جمع کیا ہے، لیکن بادشاہ کے محل اور اُس کے سامان کی کوئی بات نہ کرے۔ یہی حال غافل انسان کا ہے۔ وہ آسمان کو آتا ہی جانتا ہے جتنا چیزیں ہی ہمارے گھر کو جانتی ہے۔ یہ بنیادی باتیں ہیں جن میں مفکرین کا فکر گردش کرنا ہے، علوم بعض مخلوقات کے احاطہ نگہ سے باہر ہیں۔ ہاں وہ یہ بات ضرور جانتے ہیں کہ عجائبات قدرت پر غور کرو گے تو صانع کے جلال کے متعلق تمہاری معرفت کا بل ہوگی۔

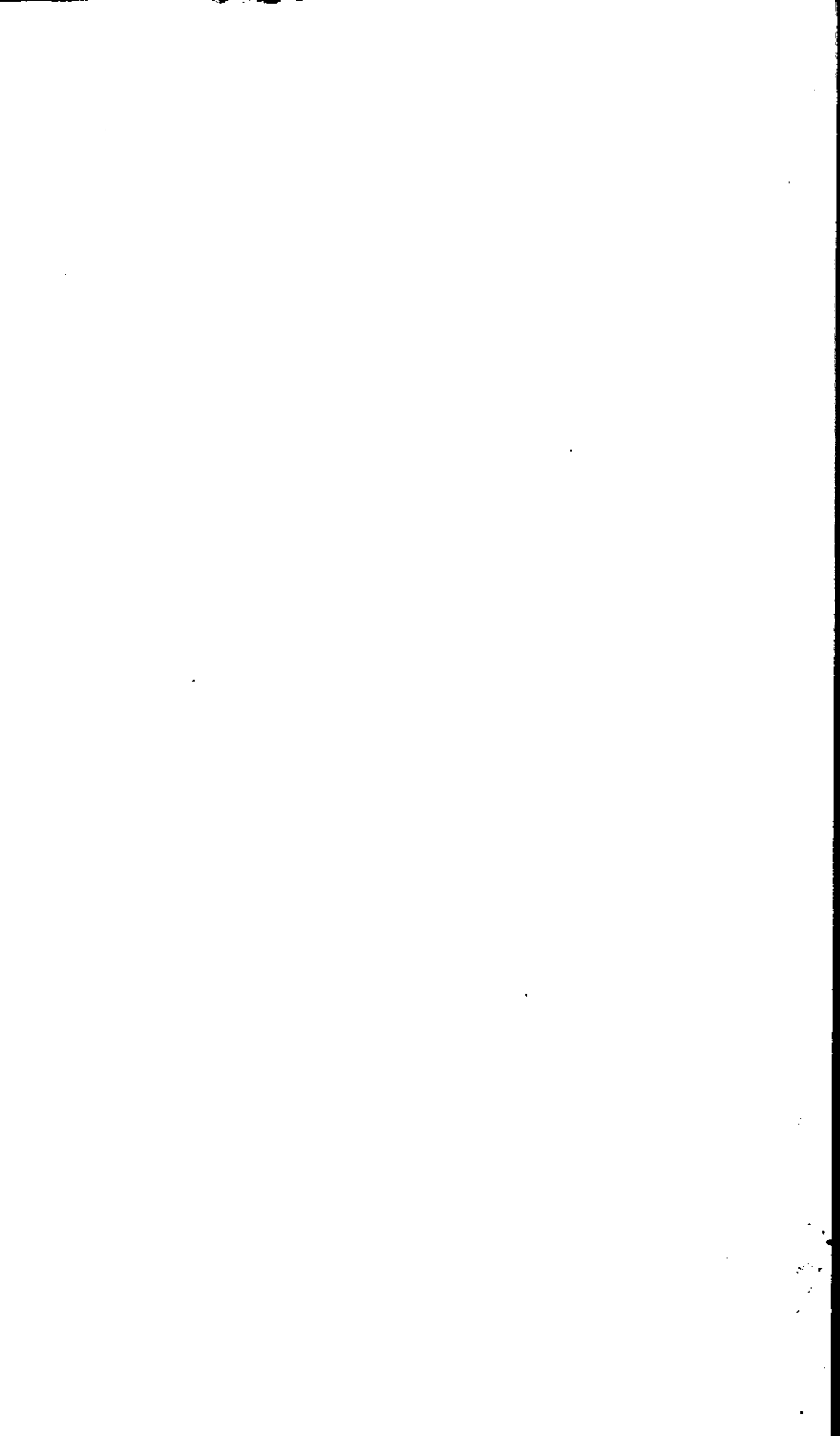
جس آدمی ننان چیزوں کو اس حیثیت سے دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور اس کی صنعت ہیں، اسے اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کی معرفت حاصل ہوگی۔ جس کی نظر ان کی تاثیرات تک محدود رہی اور اس نے سبب الاسباب سے ان کا تعلق نہ سمجھا وہ بے نصیب ہے۔ ہم جاہلوں کے پاؤں کے پھسلنے سے اور گمراہی کے اسباب کی طرف مائل ہونے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

جس مخلوق پر ملائکہ اور جنوں وغیرہ کو ہم نہیں دیکھتے ان پر غور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے مرقی چیزوں کے تذکرے پر کفایت کی ہے اور غیر مرقی کا تذکرہ نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔



## کِتَابُ الْمَوْتِ

- موت، ما بعد موت اور اس کے منعلقات کا تذکرہ
- اٹھنا اور موت
- رسول اللہ اور خلفاء راشدین کی وفات کا ذکر
- موت کے وقت صحابہ سے منقول کلمات اور زیارت قبور
- قبر کا تذکرہ



## فصل اول

## موت، ما بعد موت اور اُس کے متعلقہ کا تذکرہ

معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں منہمک اور اُس کے مصو کے میں مبتلا آدمی کا دل لازماً موت کے ذکر سے غافل ہوتا ہے۔ وہ اس کا بالکل تذکرہ نہیں کرتا اور اگر کبھی کرتا ہے تو نفرت کے رنگ میں۔ وہ دنیا کی ناپائیداری پر افسوس اور موت کی مذمت میں مشغول رہتا ہے اور یوں ایسے آدمی کو موت کا تذکرہ اللہ سے اور دُور کر دیتا ہے۔ البتہ توبہ کرنے والا موت کا تذکرہ اس لیے کرتا ہے کہ اس کے دل میں ڈر پیدا ہو اور وہ اپنی توبہ کو پورا کر سکے۔ اس سلسلے میں کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ موت کو اس لیے پسند کرتا ہے کہ عقبی کے سفر میں زاد راہ کی تیاری سے پہلے موت نہ آجائے؛ چنانچہ اُس کا موت کو ناپسند کرنا نہیں۔ یہ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے تحت نہیں آتا کہ جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اُس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے؛ کیونکہ وہ اللہ کی ملاقات سے اپنی کوتاہیوں اور گناہ کی وجہ سے ڈرتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو دوست کی ملاقات کو اس خیال سے ٹوٹ کر سے کہ اس کی پسند کے مطابق تیاری کرنے کے بعد ملاقات کے لیے جائے گا۔ ایسے آدمی کے لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ ملاقات کو پسند نہیں کرتا اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کی تیاری میں لگا رہے۔

عارف :- ہمیشہ موت کا تذکرہ کرتا ہے کیونکہ وہ اُس کے دوست کی ملاقات کے وعدہ کا وقت ہے۔ وہ موت کا اس لیے بھی مشتاق رہتا ہے کہ گنہگاروں کی دنیا سے خلاصی پا جائے اور رب العالمین کی ہمسائیگی میں منتقل ہو جائے۔  
گو یا توبہ کرنے والا موت کی کراہت اور عارف موت کی تمنا اور محبت میں متدور ہے، تاہم ان دونوں سے شخص بہت افضل ہے جو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔ وہ اپنے لیے زموت کو پسند کرتا ہے نہ زندگی کو، بلکہ اسے ہی پسند ہے جسے اس کا مولا پسند کرے۔ یہ تسلیم و رضا کا مقام ہے اور یہ آخری منزل ہے۔

بہر حال موت کے تذکرے میں ثواب اور فضیلت ہے۔ دنیا میں غرق آدمی بھی کبھی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے کہ وہ دنیا سے الگ ہو جاتا ہے کیونکہ موت کا تذکرہ دنیا کی نعمتوں کو مٹا کر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لذتوں کو توڑنے والی موت کا اکثر

تذکرہ کیا کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا۔ لوگوں نے اس کی بڑی تعریف کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آدمی موت کا تذکرہ کس طرح کرتا ہے؟ انھوں نے کہا ہم نے کبھی اسے موت کا تذکرہ کرتے نہیں سنا تو آپ نے فرمایا: تمہارا ساتھی اس درجہ کا نہیں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون آدمی زیادہ عقلمند ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جو موت کا تذکرہ زیادہ کرے اور موت کے بعد کے لیے اچھی تیاری میں لگا رہے۔ یہ عقلمند ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: موت نے دنیا کو ذلیل کر دیا عقلمند کے لیے دنیا میں کوئی خوشی نہیں ہے۔ جو آدمی بھی دل میں ہمیشہ موت کو یاد رکھے گا دنیا اس کی نگاہ میں حقیر ہو جائے گی اور دنیا کی تمام اشیاء بے قدر ہو جائیں گی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما جب موت کا تذکرہ کرتے تو پروردگار کی طرح پھرتے۔ آپ ہر رات تمہارا کونٹھا کرتے اور موت اور قیامت کا تذکرہ کرتے۔ پھر وتے گویا کہ ان کے سامنے جنازہ رکھا ہوا ہے۔

حضرت حامد قسری کہا کرتے: ہم میں سے ہر ایک کو موت کا یقین ہے، مین اس کے لیے کوئی تیاری کرتا نہیں نظر نہیں آتا۔ اور ہم میں سے سب کو جنت کا یقین ہے، لیکن اس کے لیے عمل کرنے والا نظر نہیں آتا اور سب دوزخ پر یقین رکھتے ہیں اور اس سے خوف کھانے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ تم کس چیز پر خوش ہو رہے ہو۔ تم موت کا انتظار نہیں کرتے حالانکہ وہ سب سے پہلے اللہ کے حکم میں سے بھلائی یا برائی کے ساتھ تم پر وارد ہونے والی ہے۔ اے بھائیو! اپنے رب کی طرف اچھی طرح چلو!

شمیط بن عجلان نے کہا: جس نے موت کو اپنا نصب العین بنا لیا وہ دنیا کی تلخی یا فراخی کی پروا نہیں کرتا۔ معلوم ہونا چاہیے موت کا خطرہ بڑا عظیم ہے، لوگ اس سے محض قلت فکر و ذکر کی وجہ سے غافل ہیں اور اگر کوئی اس کا تذکرہ کرتا بھی ہے، تو غافل دل سے کرتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی تمام خیالات سے کنارہ کش ہو کر موت کا تذکرہ کرے اور یوں سمجھے کہ وہ سامنے سے آ رہی ہے۔ اس کا حال ایسا ہو کہ گویا خطرناک جنگل طے کرنا چاہتا ہو یا مندا کا سفر کرنا ہو یا ایسی صورت میں وہ سب سے زیادہ خطرات کے متعلق غور کرے گا۔

اس کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ان ساتھیوں اور ہم عمروں کو یاد کرے جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ ان کی موت اور ان کے زمین کے نیچے دفن ہونے کو یاد کیا کرے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: خوش قسمت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

الجالد رواہ فی اللہ عنہ نے کہا: ”جب مردوں کا مفکرہ ہو تو اپنے آپ کو بھی انہی میں سے شمار کرو۔“  
 قبرستان میں اکثر جہائے اور حبیب دنیا کی کسی چیز میں اس کا دل اٹک جائے تو اس وقت سوچے کہ لازماً اس سے  
 جدا ہونا ہے۔ یوں اس انہماک سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کندھے سے پکڑا اور  
 کہا: ”دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی پر لسی یا راہ چلتا مسافر۔“

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے: ”جب شام ہو جائے تو صبح کی امید نہ رکھا اور اگر صبح ہو تو شام کا انتظار نہ  
 کر۔ اور اپنی صحت میں بیماری اور اپنی زندگی میں موت کا سامان کر۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف، خواہش اور لہجی امید کا ہے۔ خواہش تو حق  
 سے گمراہ کرتی ہے اور لہجی امید آخرت کو بھلاتی ہے۔

حضرت حسن نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: ”کیا تم سب جنت میں داخل ہونا چاہتے ہو؟“  
 انھوں نے کہا ہاں۔ تو فرمایا: ”امید چھوٹی رکھو اور اپنی موت کو اپنے سامنے رکھو اور اللہ تعالیٰ سے پوری طرح حیا کرو۔“  
 حضرت ابو بکرؓ نے کہا: ”یسا بن عبد الملک مسجد حرام میں تھا کہ ایک پتھر پر لکھا ہوا کتبہ لایا گیا جس پر رقم تھا:  
 ”اے آدم کے بیٹے! اگر تو اپنی موت کے قرب کو دیکھ لے تو اپنی لمبی آرزوؤں سے بے نیاز ہو جائے نیک عمل کرنے میں  
 زیادہ رغبت کرے اور اپنی حرص اور جھیلے کم کرے۔ اگر تیرے قدم پھسل گئے تو ندامت تیرا دامن نہ چھوڑے گی اور تیرے  
 اہل و عیال تجھے خاک کے سپرے کر دیں گے۔ تیری اولاد اداس تجھ سے الگ ہو جائے گا۔ پھر نہ تو دنیا کی طرف لوٹنے والا  
 ہوگا اور نہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کر سکے گا۔ لازماً ہے کہ قیامت کے لیے جسے ندامت کا دن کہتے ہیں کچھ عمل کر لے۔“  
 معلوم ہونا چاہیے کہ بعض امید کے دو سبب ہیں: دُنیا کی محبت اور جہالت۔

جب انسان دنیا کی خواہشات، لذتوں اور تعلقات سے مانوس ہوتا ہے تو اس کی جدائی دل پر گراں گزرتی ہے۔  
 اُس کا دل موت کی یاد سے رُک جاتا ہے جیسا کہ ہر آدمی اپنی ناپسندیدہ چیز کو اپنے نفس سے دُور رکھنا چاہتا ہے۔  
 انسان باطل خواہشات میں مشغول رہتا ہے وہ اپنے نفس کو ہمیشہ اپنی مراد کے موافق دنیا میں باقی رہنے کی امید دلاتا ہے  
 وہ مال، اہل و عیال، مکان و سامان اور ضرورت کی چیزوں کے خیال میں اس طرح ڈوبا رہتا ہے کہ اپنی موت سے  
 غافل ہو جاتا ہے۔ اگر کبھی اس کا خیال آ بھی جائے تو اُسے آئندہ پڑتا ہے اور اپنے نفس کو تقنین دلاتا ہے کہ  
 ابھی تو بہت زندگی بڑھ چکی ہے۔ آگے چل کر تو بے کراؤں گا۔ پھر سوچتا ہے بڑھے ہو کر تائب ہو جاؤں گا اور جب بوڑھا

ہو جاتا ہے تو کہتا ہے اس مکان کی تعمیر سے فارغ ہو جاؤں، اس زمین کو آباد کر لوں، اس سفر سے واپس آ جاؤں۔ بس اسی طرح ٹاتا جاتا ہے۔ ایک کام پورا کرنے کی حرص کرتا ہے تو اس کے ساتھ دس شغل اور چھٹ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ موت اُسے آ کر دبوچ لیتی ہے۔ اور اب یہ بات اس کی سمجھ میں آتی ہے کہ جن کاموں میں وہ الجھا رہا ایک بھی نفع پہنچانے والا نہ تھا۔

دو زخموں کا اکثر دونا اسی پھرم کر لوں گا، کا ہو گا۔ کہیں گے: پائے افسوس! اس پھرم پر جس نے نہیں تباہ کر دیا۔

یہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے غفلت ہے: ”جس سے چاہے محبت کر، آخر تو اُسے چھوڑنے والا“۔ دوسرا سبب جہالت ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی جوانی پر اعتماد کرتا ہے۔ جوانی میں موت کا آنا بعید سمجھتا ہے اور یہ اس کی بھول ہے۔ اگر وہ اپنے شہر کے بوڑھوں کا شمار کرے، تو انہیں آسانی سے شمار کر لے گا اور وہ اس لیے تھوڑے ہیں کہ لوگوں کو موت جوانی میں زیادہ آتی ہے۔ جب تک ایک بوڑھا مرنے سے ہزار بچے اور جوان مر جاتے ہیں۔

کبھی اپنی صحت سے دھوکا کھاتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ مرنے کے لیے کمزور ہونا شرط نہیں۔ موت تو ناگہانی طور پر آ جاتی ہے اور اگر یہ نہیں ہو تو مرض ناگاہ آ سکتا۔ اگر وہ غور کرے، تو معلوم ہو گا کہ موت کا کوئی وقت نہیں۔ وہ گری، سردی، بہار، خزاں، دن، رات، غرض کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ اس کے لیے عمر کا کوئی بھی حصہ مخصوص نہیں۔ جوان، ادھیڑ، بوڑھے اور سب بچے سب پراتی ہے۔

انسان کے لیے یہی بات اچھی ہے کہ موت کی تیاری کرے۔



## فصل دوم

### امید اور موت

ایسی امیدوں کے معاملے میں لوگ مختلف ہیں۔ بعض بوڑھا ہونے تک زندہ رہنے کی امید رکھتے ہیں اور بعض کی امید کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ان کا تصور کچھ ایسا ہوتا ہے گویا ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

ابو عثمان ہندی سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے کہا: میری عمر ایک سو تیس سال ہو چکی ہے۔ ہر چیز کمزور ہو گئی، لیکن امید جیسے پہلے تھی اسی طرح اب بھی ہے۔

دوسری طرف بعض لوگ گویا امید کا دامن تھاتے ہی نہیں، حضرت ابو محمد حبیب کی بیوی نے کہا: ابو محمد کہا کرتے تھے، اگر میں آج مر جاؤں تو غسل دینے کے لیے فلاں آدمی کو بلانا اور وہ اس اس طرح کرے۔ اور تم اس طرح کرنا، ان سے پوچھا گیا: کیا انھوں نے کوئی خواب دیکھا تھا؟ کہنے لگی: وہ ہر روز ایسا ہی کہا کرتے تھے:

حضرت ابراہیم بن سبط نے کہا: مجھ سے ابو زرعہ نے بیان کیا کہ میں تجھ سے ایسی بات کہہ رہا ہوں جو تیرے سوا میں نے کبھی کسی سے نہیں کہی۔ بیس سال جاتے ہیں کہ میں جب بھی مسجد سے نکلنا ہوں، تو میرے دل میں خیال آتا ہے کہ میں اب واپس نہیں آؤں گا!

بعض سے کہا گیا: تم اپنی تمہیں کیوں نہیں دھو تے؟ تو جواب دیا: موت اس سے زیادہ قریب ہے۔

محمد بن ابی تو بے نے کہا: حضرت معروف کرخنی نے اقامت کہی اور مجھ سے فرمایا آگے ہو کر نماز پڑھاؤ میں نے کہا: آج تو میں نماز پڑھا دیتا ہوں، لیکن آئندہ میں کبھی نہیں پڑھاؤں گا! تو معروف نے کہا: کیا تمہارے دل میں یہ بیستیسال آتا ہے کہ تم اور نماز بھی پڑھو گے؟ اتنی ہی امید سے خدا کی پناہ۔ یہ اچھے اعمال سے روک دیتی ہے!

امید بیکار ہونے کے معاملے میں اکثر زندہ دلوں کا یہی حال تھا۔ جب امید چھوٹی ہو جاتی ہے، تو عمل اچھا ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ آج مر جائے گا، تو وہ مرنے والے کی طرح تیار کر رہا ہے۔

اگر شام ہو جائے تو سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کرے اور سمجھے کہ اس رات میں مر جائے گا اور عمل کرنے میں جلدی کرے۔

شخصیت میں عمل اور اس کے جلدی کرنے کی ترغیب آئی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دو نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ خسارہ اٹھاتے ہیں صحت اور فراغت“ انہی میں سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ”پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ جوانی کو بڑھاپے سے۔ صحت کو بیماری سے۔ دو تہندی کو تنگدستی سے۔ فراغت کو مہروفت سے اور زندگی کو موت سے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”ہر چیز میں جلدی نہ کرنا بہتر ہے سوائے آخرت کے کاموں کے۔“ حضرت حسنؓ کہا کرتے تھے: ”ان لوگوں پر تعجب ہے جنہیں کہا گیا کہ زادِ راہ لو اور کوچ کرو۔ لوگ جانے کے لیے اٹھے ہو رہے ہیں اور وہ بیٹھ کر کھیل رہے ہیں۔“

بنی تمیم کے مولیٰ السیم نے کہا: میں عبداللہ بن عبداللہ کے پاس جا کر بیٹھا۔ آپ نے اپنی نماز مختصر کی اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ”اپنی حاجت بتاؤ میں جلدی میں ہوں۔“ میں نے کہا کونسی جلدی ہے؟ کہا، ملک الموت کے آنے کی اور آپ ہر روز ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”موت کو کھڑے ہوتے۔ وضو کرتے اور نماز پڑھتے۔ پھر پرندے کی طرح تھوڑا سا اڑکھ جاتے۔ پھر کھڑے ہوتے، وضو کرتے اور نماز پڑھتے۔ پھر اڑکھ جاتے۔ پھر کھڑے ہوتے اور نماز پڑھتے اسی طرح کئی مرتبہ کرتے۔“

عمرؓ نے مافی ہر روز ایک لاکھ مرتبہ تسبیح پڑھتے۔ ابو بکرؓ نے عیاشؓ نے کہا: ”میں نے اس گشتے میں بیٹھ کر اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا ہے۔“

اگر انسان کے سامنے موت کے سوا اور کوئی بھی مصیبت اور ہولناک منظر نہ ہو تو بھی اس پر زندگی مکتدر ہو جانی چاہیے۔ اسے چاہیے کہ اسی کے متعلق سوچتا رہے۔ انسان اگر عظیم لذتوں میں ہو اور اسے یقین ہو کہ سپاہی آکر اس کو پانچ کوٹھے مارے گا، تو اس کی لذت مکتدر ہو جاتی ہے، لیکن موت کا خیال اسے پریشان نہیں کرتا، حالانکہ اس کا آنا ایک یقینی بات ہے۔ وہ اس کے فکر سے غافل ہے، تو اس کا سبب صرف جہالت اور دھوکا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ موت تلوار کی ضرب سے زیادہ سخت ہے۔ یہ ضرب اس لیے سخت اور فریاد کرتا ہے کہ اس کی قوت ابھی باقی ہوتی ہے، لیکن موت کے وقت مرنے والے کی آواز شدت تکلیف سے منقطع ہو جاتی ہے کیونکہ تکلیف حد سے بڑھ جاتی ہے اور اس کے دل اور تمام مقامات پر غالب آ جاتی ہے۔ اس کا ہر عضو کمزور ہو جاتا ہے اور اس

میں فریاد کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔ وہ چاہتا ہے کہ رونے سنیے اور فریاد کرنے سے آرام حاصل کرے، لیکن ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کی تمام رگوں سے روح کھینچی جاتی ہے اور بے غصہ و آہستہ آہستہ مر جاتا ہے۔ سب سے پہلے قدم ٹھنڈے ہوتے ہیں پھر نینڈ لیاں پھر رانیں پھر ہاتھ تک کہ موت ہنسلی تک پہنچتی ہے۔ اس وقت اس کی نظر دنیا اور دنیا والوں سے منقطع ہو جاتی ہے اور اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جب تک بندے کی نزع کا وقت نہ شروع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔" بیان کیا گیا ہے کہ وہ دو فرشتے جو بندے پر مقرر ہیں موت کے وقت اس کو نظر آتے ہیں۔ اگر وہ نیک ہو تو اس کی شاکرتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ تجھے اچھی جزا دے اور اگر وہ بُرا ہو تو کہتے ہیں اللہ تجھے اچھی جزا دے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندے پر دو فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اس کے عمل لکھتے ہیں۔ جب بندہ مر جاتا ہے، تو کہتے ہیں: اے اللہ! یہ تو مر گیا کیا اب ہم آسمانوں پر آجائیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا آسمان میرے فرشتوں سے بھرا ہوا ہے جو میری تسبیح بیان کرتے ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کیا ہمیں اجازت ہے کہ ہم زمین پر رہیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری زمین بھی میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے وہ میری تسبیح بیان کرتی ہیں، تو وہ کہتے ہیں ہم کہاں رہیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم اس بندے کی قبر پر کھڑے ہو کر میری تسبیح و تکبیر و تحمید اور تہلیل کرتے رہو اور قیامت تک یہ میرے بندے کے لیے لکھتے رہو۔

صحیحی میں حضرت عباد بن عاصم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو جب موت آتی ہے اور اسے اللہ کی رضا مندی اور عزت افزائی کی بشارت ملتی ہے تو اسے آئندہ کی چیزیں سب سے زیادہ محبوب ہو جاتی ہیں۔ اور دوزخی بندہ جس کا خاتمہ خراب ہے تو ماہیے سخت حالات میں آگ کی بشارت سنتا ہے۔ بہت سے سلف بڑے انجام سے ڈرتے تھے۔ ہم نے کتاب الخوف میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم اللہ کریم سے دعا کرتے ہیں کہ اپنی وسیع رحمت سے ہم پر رحم فرمائے اور مہربانی کرے اور ہمارا خاتمہ اچھا کر دے آمین۔

مرنے والے کے نزدیک کون سے حالات مستحب ہیں؟ تو وہ یہ ہیں کہ اس کا اللہ کے متعلق صبر نون ہو اور اس کی زبان پر کلمہ شہادت ہو اور اس کے حال پر اللہ کی مہربانی کی علامت یہ ہے کہ اس میں بے قراری نہ ہو۔ یہ اس چیز کی شہادت ہے کہ اس نے بھلائی دیکھ لی۔

بیان کیا گیا ہے کہ مومن کی روح نکلتے وقت اسے پسینہ آجاتا ہے۔ مستحب ہے کہ اسے لا الہ الا اللہ کہنا یاد کر لیا جائے، جیسا کہ مسلم کی صحیح حدیث میں ہے کہ اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ یاد کراؤ۔

یا ذکرانے والے کو چاہیے کہ نرم رویہ اختیار کرے۔ اس پر اصرار نہ کرے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اپنے مرنے والوں کے پاس جاؤ اور انہیں لا الہ الا اللہ ما دکراؤ اور انہیں جنت کی خوشخبری دو کیونکہ موت کے وقت بردبار اور علم والا مرد یا عورت بھی پریشان ہو جاتا ہے۔ اللہ کا دشمن ابلیس ایسے وقت میں بندے کے بہت قریب ہوتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے: "تم اس حال میں مرو کہ اللہ کے متعلق تمہیں سُخُن ظن ہو"

بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس گئے وہ مر رہا تھا، آپ نے پوچھا: تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: مجھے اللہ کی رحمت کی بھی امید ہے اور اپنے گناہوں سے بھی ڈرتا ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: ایسی حالت میں جس بندے کے دل میں یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں اللہ اس کی امید پوری کرتا ہے اور جس چیز سے ڈرتا ہے اس سے بے خوف کر دیتا ہے۔"

موت کے وقت امید افضل ہے کیونکہ خوف ایک کوڑا ہے جس سے ہانکا جاتا ہے۔ موت کے وقت نظر ٹھہر جاتی ہے، تو اس پر مہربانی ہونی چاہیے اور اس لیے بھی کہ شیطان اس وقت بندے کو خدا کے فیصلے پر ناراض کرنا چاہتا ہے اور اسے آئندہ کے متعلق ڈراتا ہے۔ اس وقت سُخُن ظن سب سے طاقتور ہتھیار ہے جس سے دشمن کی ملامت کی جائے۔

سیدنا جبریل نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹے سے کہا: مجھے رخصت کی حدیثیں سناؤ تاکہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسے حال میں ملوں کہ میرا اس کے متعلق اچھا ظن ہو"

## فصل سوم

## رسول اللہ اور خلفاء راشدین کی وفات کا ذکر

معلوم ہوتا چلیے کہ ہر حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی آپ سے زیادہ اللہ کو پیارا نہیں، لیکن اس کے باوصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی سختی آئی۔

امام بخاری نے طے صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا ٹنڈا رکھا ہوا رکھا تھا۔ آپ اس میں اپنا ہاتھ ڈبو کر چہرہ پر ملتے اور فرماتے: "لألاہ الا اللہ موت کی بڑی سختیاں ہیں"

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بڑھ گئی اور آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاے ابا جان کی تکلیف! تو آپ نے ان سے فرمایا: آج کے بعد تمھارے باپ پر کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دیکھا۔ آپ کے آنسو نکل آئے اور آپ نے ہمیں اپنی وفات کی خبر دی اور فرمایا: "مرجبا، اللہ تمہیں سلامت رکھے، اللہ تمہارا نگہبان، اللہ تمہاری رعایت رکھے، اللہ تمہیں انفاق دے، اللہ تمہاری مدد کرے، اللہ تم کو توفیق دے اللہ تم کو نفع دے، اللہ تمہیں عزت دے، اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ تمہاری نگہبانی کرے" ہم نے کہا: "اے اللہ کے رسول! آپ کی وفات کب ہو رہی ہے؟" فرمایا: "وقت قریب آچکا ہے، اللہ کی طرف جانا ہے۔" سداۃ المنتہی اور یرضیۃ الماوی کی طرف اور فردوس اعلیٰ کی طرف۔ ہم نے کہا: "اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو کس چیز میں دفن کریں؟" فرمایا: "اگر تم چاہو تو میرے انہی کپڑوں میں یا میں نے سفید چادروں میں دفن دینا۔" ہم نے کہا: "آپ کا جنازہ کون پڑھائے گا؟" اور ہم نے لگے: "آپ نے فرمایا: "میرا اللہ تم پر رحم کرے اور تمھارے نبی کی طرف

سے تمہیں اچھی بجز ادا سے۔ جب تم مجھے غسل دے چکو، اور کفن پہناؤ، تو میری اس چار پائی کو میری قبر کے کنارے رکھ دو، تو تم تھوڑی دیر تک سب باہر نکل جانا۔ سب سے پہلے مجھ پر میرا دوست اور حلیب جبریل نماز پڑھے گا۔ پھر میکائیل پھر اسرافیل اور پھر عزرائیل۔ پھر بہت سے ملائکہ۔ پھر تم فرج در فرج داخل ہونا۔ مجھ پر درود پڑھنا اور سلام کہنا اور رونے سچھے سے مجھے تکلیف نہ دینا۔ سب سے پہلے مجھ پر میرے اہل بیت کے مرد نماز پڑھیں۔ پھر عورتیں۔ ان کے بعد تم۔ اور صحابہ جو موجود ہوں ان کو بھی اور جو قیامت تک میرے دین کے متبع ہوں گے ان سب کو میرا سلام کہنا۔ خبر دار میں تمہیں گواہ بنا تا ہوں کہ میں ہر مسلمان کو سلام کہہ رہا ہوں۔“

آپ کی وفات سے تین دن پہلے آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا: ”اے احمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ مجھ سے وہ بات پوچھتے ہیں جسے وہ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ کا کیا حال ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”اے جبریل میں غمزدہ ہوں اور تکلیف میں ہوں۔“ پھر دوسرے دن جبریل آئے اور وہی بات کہی۔ آپ نے وہی جواب دیا، پھر تیسرے دن آئے اور وہی بات کہی اور آپ نے وہی جواب دیا، تو اس وقت ملک الموت اگر اجازت مانگنے لگا۔ جبریل نے کہا: ”اے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ملک الموت ہے۔ اجازت مانگ رہا ہے، ماہد آپ سے پہلے ملک الموت نے کبھی کسی سے اجازت نہیں مانگی اور نہ آپ کے بعد کسی سے اجازت مانگے گا۔ تو آپ نے فرمایا: ”اُس کو اجازت دے دو؛ چنانچہ وہ اندر آیا اور آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں۔ اگر آپ مجھے حکم دیں گے کہ میں آپ کی ریح قبض کروں، تو میں کروں گا اور اگر آپ حکم دیں گے کہ میں اس کو کھچو ڈھاؤں، تو میں کھچو ڈھاؤں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے ملک الموت! کیا تم ایسا ہی کرو گے؟“ اُس نے کہا مجھے آپ کی اطاعت ہی کا حکم ہوا ہے۔ تو جبریل نے کہا: ”اے احمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کے شائق ہیں تو آپ نے فرمایا: ”اے ملک الموت! جو حکم ہوا پس اس کی تعمیل کرو؟“ جبریل علیہ السلام نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو یہ میرا زمین پر آنی پھیرا تھا۔ دنیا میں مجھے آپ ہی سے تو کام ہوتا تھا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ حضرت عائشہ کے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ کے اوپر ایک وہاری اور چادر تھی اور گاڑھے کا تہ بند تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ”ہائے باپ نے اپنے رب کی آواز پر لبیک کہا۔ اے باپ! آپ کا ٹھکانا جنت الفردوس ہے۔ اے باپ! آپ کی وفات کی خبر ہم جبریل کو دیتے ہیں۔ اے باپ! آپ اپنے رب کے کتنے قریب چلے گئے۔“

پھر جب آپ دفن ہوئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے انس! کیا تم نے خوشی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی ڈال لی تھی؟

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

- ۱- جب میں نے اپنے نبی کو زمین پر پڑے دیکھا تو مکان اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئے۔
- ۲- اور میں ایک دیوانے عاشق کی طرح ہو گیا اور میری ہڈیاں کمزور ہو کر ٹوٹ رہی تھیں۔
- ۳- اے عقیق! تجھ پر افسوس تیرا محبوب خاک میں چلا گیا اور اب تو اکیلا اور تھکا ہوا رہ گیا۔
- ۴- اے میرے ساتھی! افسوس! آپ کی وفات سے پہلے کاش میں قبر میں چلا جاتا اور مجھ کو پتھروں سے ڈھانپ دیا جاتا۔

## حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات

الإمام نے بیان کیا کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور کہا: اگر آپ میری وصیت قبول کریں، تو میں آپ کو وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ راستے کے حق ہیں جن کو وہ دن میں قبول نہیں کرتا۔ اور کچھ دن کے حق ہیں جن کو وہ راستے قبول نہیں کرنا اور جب تک فرائض ادا نہ کیے جائیں اللہ تعالیٰ انھیں قبول نہیں کرتا اور جن لوگوں کے آخرت میں وزن بھاری ہوں گے وہ حق کی اتباع کی وجہ سے بھاری ہوں گے اور یہی ان پر بھاری تھا اور ترازو کا حق ہے کلاس میں حق رکھا جائے تو وہ بھاری ہو جائے اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے وہ باطل کی اتباع کی وجہ سے ہلکے ہوں گے اور دنیا میں بھی باطل ان پر ہلکا ہوگا اور ترازو کا حق ہے کہ اگر اس میں باطل رکھا جائے تو وہ ہلکا ہو جائے۔

کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ سختی کی آیت کے ساتھ ہی امید کی آیت بھی نازل فرمائی ہیں اور امید کی آیت کے ساتھ ہی سختی کی آیت بھی ہوتی ہے مگر بندے میں ڈر اور امید دونوں رہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے اور نہ اللہ سے ناحق امید رکھے۔ اگر آپ میری یہ وصیت یاد رکھیں گے، تو کوئی غائب چیز موت سے بڑھ کر عزیز نہ ہوگی اور وہ لازماً آنے والی ہے، اور اگر میری اس وصیت کو ضائع کر دیں گے تو کوئی غائب چیز موت سے بڑھ کر بڑی نہ لگے گی اور وہ لازماً آنے والی ہے اور آپ اس سے بھاگ نہیں سکیں گے۔

کہا گیا ہے کہ آپ کی وفات کا وقت آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور انھوں نے بے شعر پڑھا ہے

”تیری زندگی کی قسم جب لیے سانس آنے لگیں اور سینہ تنگ ہو جائے تو دولت کسی آدمی کے کام نہیں آتی“  
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پہرہ سے کپڑا ہٹایا اور کہا: ایسا نہیں ہے بلکہ اس طرح کہو: وَجَاءَتْ نَسْرُكَ الْمَوْتُ  
بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتُ مِنْهُ تَحِيَّةً لِرَادِئِي كَيْ بَلِّغَ مَوْتِي كَيْ بَلِّغَ مَوْتِي يَوْمَ مَوْتِي هِيَ وَهِيَ مَوْتِي هِيَ وَهِيَ مَوْتِي هِيَ  
میرے ان دونوں کپڑوں کو دیکھو، ان کو دھو کر مجھے انہی میں کفن دے دینا جسے کپڑوں کی زندہ کو میت کی نسبت زیادہ  
ضرورت ہے“

### حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وفات

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ”جب آپ زخمی ہو گئے، تو آپ کا سر میری گود میں تھا اور یہی آپ کی موت  
کی بیماری تھی۔ آپ نے فرمایا: میرے رخصت زمین پر رکھ دو۔ میں نے کہا میری گود میں ہوں یا زمین پر آپ کو کیا فرق  
پڑتا ہے؟ اور میرا خیال تھا کہ آپ یہ بات بے چینی کی وجہ سے فرماتے ہیں؛ چنانچہ میں نے تعمیل نہ کی۔ آپ نے پھر کہا  
تیری ماں مرے، میرا رخصت زمین پر رکھ دے، اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہ کیا، تو میری بھی اور میری ماں کی بھی بربادی ہے“  
بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ زخمی ہوئے اور آپ کو اٹھا کر گھرایا گیا تو لوگ اگر آپ کی تعریف کرنے لگے۔ ایک  
نوجوان آیا اس نے کہا۔ اے امیر المؤمنین! آپ اللہ کی بشارت سے خوش ہوں، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت  
نصیب ہوئی۔ پھر اسلام میں آپ کا جو مرتبہ تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ پھر آپ خلیفہ بنے تو آپ نے انصاف کیا اور پھر  
اب شہادت نصیب ہو رہی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: ”میں چاہتا ہوں کہ معاملہ برابر رہتا رہتا ہو جائے۔ نہ میں کچھ مانگتا ہوں نہ  
مجھے کچھ پوچھا جائے“ پھر فرمایا: ”اے عبداللہ بن عمر، عائشہ ام المؤمنین کے پاس جاؤ اور کہو تم آپ کو سلام کہتا ہے  
اور امیر المؤمنین نہ کہنا کیونکہ میں آج مومنوں کا امیر نہیں ہوں۔ اور کہو عمر بن خطاب اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن ہونے  
کی اجازت مانگتا ہے؟“ تو وہ گئے اور سلام کہا اور انہیں اس کی اجازت مانگی۔ پھر انہیں گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا  
رورہی تھیں عبداللہ بن عمر نے کہا: ”عمر آپ کو سلام کہتا ہے اور اپنے ساتھیوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت مانگتا ہے“  
تو آپ نے فرمایا: ”یہاں دفن ہونے کا میرا اپنا ارادہ تھا لیکن میں ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ پھر جب عبداللہ بن عمر  
واپس آئے تو کہا گیا عبداللہ بن عمر گئے ہیں، تو آپ نے فرمایا: ”مجھے اوپر اٹھاؤ“ تو ایک آدمی نے آپ کو ٹیک دی۔ یہ



آپ نے پوچھا: کیا خبر لائے ہو؟ انھوں نے کہا جو آپ کی پسند تھی۔ انھوں نے اجازت دے دی ہے۔ تو کہا اللہ اللہ مجھے اس سے زیادہ اور کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ جب میں مراؤں تو مجھے اٹھا کر لے جاتا۔ پھر سلام کہو اور کہو عمر بن خطاب اجازت مانگتا ہے اگر اجازت دے دیں تو مجھے اندر لے جاتا اور اگر مجھے واپس کر دیں تو مجھے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیتا۔“

مسلم کے افراد میں حضرت مسور بن مخزوم کی حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم اگر میرے پاس اتنا سونا ہو کہ زمین بھر جائے تو میں بن دیکھے اللہ کے مذاب کے فدیہ میں سے دوں؟  
ایک اور حدیث میں ہے: ”خدا کی قسم! اگر میرے پاس ساری دنیا ہو تو میں اپنے فدیہ میں سے دوں؟“

## حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ کہتی ہیں: جس دن حضرت عثمان شہید ہوئے اس سے پہلے دن آپ روزہ سے تھے۔ جب روزہ افطار کرنے کا وقت آیا تو آپ نے بلوائیوں سے پانی مانگا۔ انھوں نے پانی نہ دیا تو آپ نے روزہ افطار نہ کیا اور سو گئے۔ صبح سحری کا وقت ہوا تو میں پڑوسنوں کے پاس آئی اور ان سے پینے کو پانی مانگا۔ انھوں نے مجھے ایک لٹا پانی دیا۔ میں آپ کے پاس آئی اور آپ کو بلا یا تو جاگ اٹھے۔ میں نے کہا یہ پینے کا بیٹھا پانی ہے۔ آپ نے اپنا سر اٹھایا اور کہا میں روزے کی حالت میں ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر اس مکان کی پھت سے جھانکا۔ آپ کے پاس بیٹھا پانی تھا فرمایا اے عثمان پانی پی لے۔ میں نے سیر ہو کر پایا۔ پھر فرمایا اور پیو۔ تو میں نے پھر لوری طرح پیٹ بھر کے پایا۔ پھر فرمایا: قوم عنقریب تیرا انکار کر دے گی اگر تو ان سے لڑے تو کامیاب ہوگا اور اگر ان کو چھوڑ دے گا تو روزہ ہمارے پاس اگر افطار کرنے کا پھر بلوائیوں نے اسی دن آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔“

علامہ ابن فضیل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو آپ کے خزانہ کی تلاش شروع ہوئی۔ انھوں نے مکان میں ایک متفصل صندوق دیکھا۔ اسے کھولا تو اس میں ایک ڈبیا تھی اس کو کھولا تو ایک کاغذ برآمد ہوا جس میں لکھا تھا: یہ عثمان کی وصیت ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ عثمان بن عفان شہادت دیا ہے سکا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہے اور اس کے رسول ہیں۔ اور حجت حق ہے۔ دوزخ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے روز تمام قبروں والوں کو اٹھائے گا اس میں

کوئی شک نہیں ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ ہم اسی پر زندہ رہے اور اسی پر مریں گے۔ اور اسی پر اٹھیں گے۔  
انشاء اللہ تعالیٰ

## حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت شعیبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تلوار کی ضرب لگی تو آپ نے پوچھا: میرے قاتل کا کیا نیا ہے؟ انھوں نے کہا اسے پکڑ لیا ہے۔ تو فرمایا: اُسے میرا کھانا کھلاؤ۔ میرا پانی پلاؤ۔ اگر میں زندہ رہا تو خود فیصلہ کر لوں گا۔ اور اگر میں شہید ہو گیا تو اُسے تلوار کی صرف ایک ضرب لگانا زیادہ نہ لگانا۔

پھر حضرت حسنؓ کو اپنے غسل کی وصیت کی اور فرمایا کفن قیمتی نہ ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا: کفن جن کا نہ لیا کر وہ جلدی ہی گل ٹھہر جائے گا۔ مجھے درمیان ہی چالنے کے چلانا نہ تو بہت جلدی اور نہ دیر کر کے۔ اگر بھلائی ہوگی تو مجھے اس کا طرف جلدی لے چلو گے اور اگر برائی ہوگی تو اپنے کندھوں سے مجھے جلدی اتار دو گے۔

بیان کیا گیا ہے کہ جس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا صبح کے وقت ابن سیاح آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آیا۔ آپ لیٹے ہوئے تھے طبیعت بوجھل تھی۔ اس نے دوبارہ آواز دی۔ پھر بھی لیٹے رہے۔ پھر تیسری مرتبہ آواز دی تو کھڑے ہو گئے اور چلتے ہوئے کہنے لگے:

۱- موت کے لیے تیار ہو جا، یقیناً موت تجھے آنے والی ہے۔

۲- اور موت سے نہ گھبرا اگرچہ تیری مجلس میں نازل ہو جائے۔

پھر آپ مسجد کے چھوٹے دروازہ تک پہنچے تو عبدالرحمن بن ملجم نے آپ پر حملہ کر دیا اور آپ کو تلوار مارا۔

## فصل چہارم

### موت کے وقت صحابہ سے منقول کلمات اور زیارت قبور

جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا: "میرا بستر گھر کے صحن میں لے چلو۔ آپ کو باہر نکال لایا تو کہا: اے اللہ! میں اس مصیبت پر تجھ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں کہ اتنی بڑی مصیبت مجھ پر پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔"

بیان کیا گیا ہے کہ جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا: "باہر نکل کر دیکھو صبح ہوئی یا نہیں؟" اُن کو بتایا گیا ابھی صبح نہیں ہوئی۔ کئی دفعہ ایسا ہوا تو پھر ان کو بتایا گیا۔ اب صبح ہو گئی ہے، تو آپ نے فرمایا: "اُس رات سے اللہ کی پناہ جس کی صبح دوزخ کو لے جائے۔" پھر فرمایا: "موت کو رحما، غائب زیارت کو آیا۔ دوست فردت کے وقت آیا۔ اے اللہ! میں تجھ سے ڈرا کرتا تھا اور آج میں تجھ سے امید رکھتا ہوں۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ مجھے دنیا کی محبت اس لیے نہیں تھی کہ میں یہاں نہیں کھودوں یا درخت لگاؤں، بلکہ میری محبت اس لیے تھی کہ گرمیوں کے دنوں سے رکھوں اور سردیوں میں قیام کروں اور دنیا کے اوقات میں مشقت کروں اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے گھنٹوں سے گھٹنے ملا کر ان کے ساتھ رہوں۔"

ابو مسلم نے کہا: میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ آپ جان دے رہے تھے اور کہتے تھے: کیا کوئی آدمی ہے جو موت کے لیے عمل کرے۔ کیا کوئی آدمی ہے جو میرے اس دن جیسے دن کے لیے عمل کرے۔ کیا کوئی آدمی ہے جو میری اس آخری گھڑی کے لیے عمل کرے؟ پھر آپ کی روح فیض ہو گئی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما اپنی وفات کے وقت رونے لگے۔ پوچھا گیا کیوں روتے ہو؟ تو کہا: ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا تھا کہ ہمارا سامان ایسا ہونا چاہیے جیسے کسی مسافر کا سامان (مختصر) ہوتا ہے۔ اور اب میرے پاس یہ اتنے سامان پڑے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت آپ کے پاس صرف کپڑے دھونے کا ایک برتن، ایک پیالہ اور ایک ٹوٹا تھا۔

حضرت عرفی نے کہا: میں امام شافعی کے پاس اس بیماری میں گیا جس میں آپ کی وفات ہوئی۔ میں نے اُن سے کہا

آپ کا کیا حال ہے؟ کہا: میں دنیا سے جا رہا ہوں، دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں۔ اپنے بُرے اعمال سے ملنے والا ہوں۔ موت کا پیالہ پینے والا ہوں۔ اللہ کے پاس جانے والا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میری روح جنت کی طرف جائے گی کہ میری اسے میسارک باہر دوں یا دوزخ کی طرف جائے گی کہ میں اس سے تعزیت کروں۔ پھر آپ یہ شعر پڑھنے لگے:۔

- ۱- جب میرا دل سخت ہو گیا اور میرے راستے تنگ ہو گئے تو میں نے تیری معافی کے لیے امید کی یہی گناہی۔
- ۲- میرے گناہ بہت بڑے تھے جب میں نے ان کو تیری معافی کے مقابل رکھا تو تیری معافی ان سے زیادہ بڑی تھی۔
- ۳- تو شخص اپنے احسان اور بزرگی کی وجہ سے سخاوت کر کے ہمیشہ گناہ معاف کرتا رہا۔

کہا گیا ہے کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ قبروں کے پاس بیٹھتے۔ اس کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو کہا: میں ان لوگوں کے پاس بیٹھتا ہوں جو میری آخرت یا دلدانے ہیں۔ ادا اگر میں نہ آؤں تو میری غیبت نہیں کرتے۔

حضرت میمون بن مہران نے کہا: میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے ساتھ قبرستان کی طرف گیا۔ جب انھوں نے قبروں کو دیکھا تو رونے لگے۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: اے میمون! یہ میرے باپ دادا بنی امیہ کی قبریں ہیں۔ گویا کہ وہ دنیا والوں کے ساتھ ان کے عیش و عشرت میں کبھی شریک نہ ہوئے تھے۔ کیا تم ان کو گرے ہوئے نہیں دیکھتے؟ ان کو جبرئیلؑ کی حالت درپیش میں۔ مصیبت ان پر مستحکم ہو گئی ہے۔ کیڑے ان کے جسموں میں ٹھکانے بنائے ہوئے ہیں۔ پھر مرنے اور کہا: خدا کی قسم! جو ان قبروں میں پڑے ہیں یہ اس آدمی سے زیادہ خوش حال کسی کو نہیں سمجھتا جو ان قبروں میں پھینچنے کے بعد اللہ کے عذاب سے محفوظ رہے۔

قبروں کی زیارت مستحب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبروں کی زیارت کیا کرو کہ وہ تمہیں آخرت یاد دلاتی ہیں۔ جو آدمی قبر کی زیارت کرے اسے چاہیے کہ میت کے منہ کی طرف کھڑا ہو اور کچھ قرآن پڑھ کر ان کو بدیر کرے اور جبکہ کے دن زیارت کیا کرے۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب ماہم محمد صی فوت ہو گئے تو دو سال بعد ان کے گھر والوں میں سے کسی آدمی نے ان کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا: کیا آپ فوت نہیں ہو چکے تھے؟ کہا ہاں۔ کہا اب کہاں ہو؟ تو عام نے کہا خدا کی قسم میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ہوں۔ میں ادا میرے کچھ سنا بہتی ہر جمعہ کی رات ادا اس کی صبح کو ابو بکر بن عبداللہ زنی کے پاس جا کر تمہاری خبریں حاصل کرتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا تمہارے جسم یا تمہارے ارواح، تو کہا بہت فُور کی بات ہے۔ جسم تو گل مٹ گئے۔ زمینیں ملاقات کرتی ہیں۔ میں نے کہا جب ہم تمہاری زیارت کرتے ہیں تو کیا تمہیں اس کا علم تو ہے؟ کیا ہمیں

حجرات کی شام سے لے کر ہفتہ کے سورج طلوع ہونے تک کے اوقات میں تمہارا علم ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ دوسرے دنوں کے علاوہ اس میں کیوں پتہ چلتا ہے، کہا جیسے کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے؟

عثمان بن سواد طغاری نے بیان کیا کہ ان کی والدہ عبادت گزار عورتوں میں سے تھی۔ اُسے راہبہ کہا جاتا تھا جب اس کی موت کا وقت آیا تو اُس نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا: اے میرے سامان، اے میرے ذمیرے، جس پر مجھے اپنی زندگی اور موت کے بعد بھی بھروسہ ہے۔ مجھے موت کے وقت ذلیل نہ کرنا اور قبر میں مجھے وحشت نہ ہو۔ پھر وہ فوت ہو گئی۔ میں ہر جمعہ کو اس کی قبر پر جاتا اور اُس کے لیے دعا کرتا اور استغفار کرتا۔ پھر دوسرے اہل قبور کے لیے بھی دعا کرتا۔ ایک رات میں نے اپنی ماں کو خواب میں دیکھا میں نے اُس سے پوچھا: ماں جان آپ کیسی ہیں؟

کہنے لگی: "بیٹا، موت بڑی سخت مصیبت ہے اور اللہ تمہیں بڑے اچھے برزخ میں ہوں۔ اس میں پھول کھپائے جاتے ہیں اور مُندس اور استغفری کے تیکے رکھے جاتے ہیں اور قیامت تک یہی حال رہے گا"

میں نے پوچھا آپ کو کوئی فردوس ہے پوچھنے لگی: ہاں، ہماری زیارت کے لیے جو تم آیا کرتے ہو اُسے نہ چھوڑنا۔ جب تم جمعہ کے دن اپنے گھر سے آئے ہو تو میں بہت خوش ہوتی ہوں۔ مجھ سے کہا جاتا ہے ماے راہبہ تیرا بیٹا ایسا ہے۔ پھر میں بھی خوش ہوتی ہوں اور میرے ارد گرد گئے مُردے بھی خوش ہوتے ہیں۔"

انس بن منصور نے کہا: ایک آدمی جنازوں میں شامل ہو کر نماز پڑھا کرتا تھا۔ جب شام ہو جاتی تو قبرستان کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا اور کہتا: اللہ تمہاری وحشت دُور کرے، اللہ تمہاری غربت پر رحم کرے۔ اللہ تمہاری غلطیاں معاف فرمائے۔ اللہ تمہاری نیکیاں قبول کرے۔ اس کے سوا اور کچھ نہ کہتا۔ اُس آدمی نے کہا۔ ایک دفعہ میں شاہ کو نہ گیا اور نہ دعا کی جیسے دعا کیا کرتا تھا۔ میں سویا ہوا تھا کہ بہت سے لوگ میرے پاس آئے میں نے کہا تم کون ہو؟ اور کیوں آئے ہو؟ کہنے لگے ہم قبرستان والے ہیں تو نے ہمیں ہدیر کی عادت ڈال دی ہے۔ میں نے کہا وہ ہدیر کیا ہے؟ کہنے لگے وہ دعائیں پڑھ کر کرتا ہے۔ میں نے کہا میں اُنہہ ضرور کیا کروں گا؛ چنانچہ اس کے بعد دعائیں پھوٹی۔"

بشار بن غالب نے کہا: میں نے راہبہ لہریہ کو خواب میں دیکھا اور میں ان کے لیے بڑی دعائیں کیا کرتا تھا۔ تو اُنھوں نے مجھ سے کہا: اے بشار! تمہارے تحفے نور کے تھاؤں میں رکھ کر لیشم کے رومالوں سے ڈھانپ کر کہم کو پیش کیے جاتے ہیں۔ میں نے کہا یہ کیسے؟ کہنے لگیں زندہ لوگ جب مُردوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور وہ دعائیں قبول ہو جاتی ہیں تو اسی طرح پیش کی جاتی ہیں کہ ان کو نور کے تھاؤں میں رکھا جاتا ہے۔ پھر ان کو ریشمی رومالوں سے ڈھانپا جاتا ہے۔ پھر جی ہوئے کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں اُس کو پیش کر دی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کی طرف سے یہ بد

تھیں بھیجا گیا ہے۔“

آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے موت کی حقیقت یہ ہے کہ روح اور جسم الگ الگ ہو جاتے ہیں اور روح اس کے بعد بھی باقی رہتی ہے خواہ عذاب میں ہو یا نعمت میں اور روح بذاتِ خود بعض نکالیف سے متاثر ہوتی ہے۔ جیسے غم اور فکر اور آرام بھی پاتی ہے جیسے خوشی اور سردی بھی۔

جو چیز بذاتِ خود روح کی صفت ہے وہ جسم کی جدائی کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور جو صفت اعضاء کے واسطے سے ہے وہ جسم کی موت سے معطل ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ روح جسم میں واپس آئے۔ اور یہ ناممکن نہیں کہ قبر میں بھی روح جسم میں لوٹائی جاتی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے قیامت تک موخر کیا جائے۔ یہ صحیح تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس فیصلہ کو بہتر جانتا ہے جو اُس نے اپنے ہر بندے کے متعلق کیا۔

موت کا مفہوم یہ ہے کہ جسم سے روح کے تصرفات ختم ہو جائیں اور بدن روح کا آکر نہ رہے۔ موت کے بعد انسان سے اس کے اہل اور مال کو الگ کر دیا جاتا ہے کیونکہ اب وہ کون سا عالم کی طرف جا رہا ہوتا ہے جس میں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگر دنیا میں اس کی کوئی ایسی چیز ہو جس سے وہ خوش ہوتا ہو اور آرام پاتا ہو تو موت کے بعد اس کی حسرت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر وہ صرف اللہ کے ذکر سے خوش ہوتا ہو اور اسی سے محبت لکھتا ہو تو یہ ایک بڑی نعمت ثابت ہوتی ہے۔ وہ اس کی بدولت کامل سعادت پاتا ہے۔ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہتا۔

مرنے کے بعد میت پر وہ چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں جو زندگی میں ان پر منکشف نہیں تھیں، جیسے جاگنے والے پر وہ چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں جو سونے والے پر منکشف نہیں ہوتیں۔ دراصل لوگ سوئے ہوئے ہیں۔ جب مرتے ہیں تو بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور سب سے پہلے جو چیز منکشف ہوتی ہے وہ اس کی نفع اور نقصان دینے والی نیکیاں اور بدیاں ہیں۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ یہ چیزیں کتاب میں لکھی ہوئی تھیں جو اس کے دل میں پوشیدہ طور پر رکھ دی گئی تھیں۔ دنیا کی مشغولیتوں نے اس سے مطلع نہ ہونے دیا تھا، جب وہ مشاغل ختم ہوئے تو تمام اعمال منکشف ہو گئے۔ اب وہ اپنی برائیاں دیکھتا ہے اور ان پر اتنا افسوس کرتا ہے کہ ان سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے اگر اسے آگ میں غوطہ لگانا پڑے تو وہ آگ میں کود جائے۔ یہ سب کچھ موت کے وقت ہی اس پر منکشف ہو جاتا ہے۔ گناہگار پر یہ دکھ دفن ہونے سے پہلے ہی ہجوم کرتے ہیں۔ ہم اللہ سے عاقبت چاہتے ہیں۔

جو چیزیں دلالت کرتی ہیں کہ موت سے روح ختم نہیں ہو جاتی ان میں سے یہ آیت بھی ہے: وَلَا تَحْزَنْ

قِيلُوا فِي سَيِّئِ اللَّهِ هُوَ آتَا بَلْ أَحْيَاكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں ان کو مردہ مت سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے رزق دیئے جاتے ہیں)

حضرت مسروق نے کہا: ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے کہا: اُن کی ارواح سبز پرندوں کے اجسام میں ہیں۔ ان کے لیے عرش سے نیگی ہوئی قدمیلیں ہیں۔ جنت میں جہاں جاتے ہیں کھاتے پیتے پھرتے ہیں۔ پھر ان کو قیامت میں بسیر کرتے ہر یا در پھر لوری حدیث بیان فرمائی۔

کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَّذٰرِعٰثُ وَضُوْنٌ عَلَيْهِمْ عَذَابٌ وَّاعْتِشَاءٌ وَّوَلِيْمَةٌ اَوْسِيْمَةٌ اَدْخَلُوْا اِلٰی قَرْعُوْنٍ اَشَدَّ الْعَذَابِ (وہ صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور قیامت کے دن کہا جائے گا اَلْخَرَجُوْنَ كَوْسَخْتُمْ عِلَادًا میں داخل کرو وہ۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی کہ ان کو موت کے بعد سزا دی جاتی ہے صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو صبح و شام اس کی جگہ اس پر پیش کی جاتی ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو جنت کی اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ کی۔ اور کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے۔ یہاں تک کہ تجھے اللہ قیامت کے دن اٹھائے۔“

پہلے گزر چکا ہے کہ انسان پر جب ایسی برائیاں ظاہر ہوتی ہیں تو اس کو انیسویں ہوتا ہے اور بہت تکلیف پاتا ہے۔ مومن آدمی کے متعلق عبداللہ بن عمر نے کہا: ”مومن کی مثال، جب کہ اس کی جان نکلتی ہے، اُس آدمی کی طرح ہے جو قید خانہ میں تھا اور اسے نکال دیا گیا۔ وہ زمین میں خوب سیر کرتا پھرتا ہے۔ اور یہ صحیح ہے۔ مومن پر موت کے بعد اللہ کے اتنے احسانات اور نوازشیں ہوتی ہیں کہ ان کی نسبت وہ دنیا کو قید خانہ سمجھتا ہے وہ اس طرح ہوتا ہے جیسے کوئی اندھیرے مکان میں بند تھا اور پھر اُس کا دروازہ ایک بیڑے وسیع باغ کی طرف کھول دیا گیا جس میں رنگ رنگ کے درخت ہیں۔ پھر وہ دنیا کی طرف واپس آنا پسند نہیں کرتا جیسے کہ کوئی آدمی ماں کے پیٹ میں دوبارہ جانا پسند نہیں کرتا۔ مجاہد نے کہا: مومن اپنے بعد اپنے بچے کی نیکی سے خوش ہوتا ہے اور اس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔“

## فصل نمبر

### قبر کا تذکرہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے۔"

اور یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے: افسوس تجھ پر اے آدم کے بیٹے! تجھے کس چیز نے دھوکہ دیا؟ کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میں اندھیرا گھر ہوں۔ تنہائی کا گھر ہوں اور کیرٹوں کا گھر ہوں۔"

ترمذی نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پڑھنے کی جگہ آئے تو کچھ لوگوں کو اس طرح دیکھا گو بارہ بہت زیادہ خوش ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اگر تم لذتوں کو توڑنے والی موت کا تذکرہ زیادہ کیا کرو تو میں تمہیں اس طرح زد دیکھوں۔ موت کا تذکرہ زیادہ کرو کیونکہ قبر ہر روز آواز دیتی ہے۔ میں تنہائی کا گھر ہوں، میں بے آباد ہوں، میں تپتی کا گھر ہوں، میں کیرٹوں کا گھر ہوں۔"

جب مومن بندہ دفن ہوتا ہے، تو قبر اسے کہتی ہے۔ مرحا اھلاً وسھلاً۔ میرے اوپر بتنے بھی آدمی چلنے تھے تو مجھے ان سب سے زیادہ پیارا تھا۔ آج جب تو میرے پاس آیا ہے اور میرے سپرد ہوا ہے تو تو ابھی دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔ پھر وہ حدنگاہ تک اُس کے لیے فراخ ہوجاتی ہے اور اُس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے۔

جب ناجر یا کافر بندہ دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: "تیرا آنا مبارک نہ ہو بتنے آدمی بھی مجھ پر چلتے تھے۔ تو مجھے اُن سب سے زیادہ بُرا لگتا تھا۔ اب جو تو میرے پاس آیا ہے اور میرے سپرد ہوا ہے تو تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔ پھر وہ تنگ ہوجاتی ہے جتنی کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔"

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے دکھایا۔ بعض کو بعض میں داخل کیا۔ پھر فرمایا: "اس پر ستر اُڑھ سے چھوڑ دیے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زمین پر پھینک مارے تو قیامت تک زمین سے کوئی چیز نہ اُڑھے۔"



وہ اس کو ڈسین گئے اور لپچتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اس کا حساب ہو۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو، یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔"

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: جب مومن بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے نیک اعمال نماز، روزہ، حج، جہاد اور صدقہ وغیرہ اس کو گھیر لیتے ہیں، "اور فرمایا: پھر خدا سب کے فرشتے اُس کے پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو نماز کہتی ہے: اچھے بیٹے، تم اس کو سزا نہیں دے سکتے، یہ قدموں کے ساتھ اللہ کے لیے قیام کرنا رہا ہے، پھر وہ سر کی جانب سے آتے ہیں تو روزے کہتے ہیں، تم اس کو سزا نہیں دے سکتے، یہ روزے رکھا کرتا تھا، پھر وہ اس کے جسم کی طرف سے آتے ہیں تو حج اور جہاد کہتے ہیں اچھے بیٹے، تم اس کو سزا نہیں دے سکتے، یہ حج اور جہاد کیا۔ تم اس کو سزا نہیں دے سکتے۔ پھر وہ اس کے سامنے سے آتے ہیں تو صدقہ کہتا ہے ان ہاتھوں سے اللہ کی رضا کے لیے کتنا ہی صدقہ نکلا ہے جو قبول ہو چکا ہے، تم اس کو سزا نہیں دے سکتے۔ پھر اُس سے کہا جاتا ہے: تو زندگی میں بھی پاک تھا اور مرنے کے بعد بھی پاک ہے۔ پھر رحمت کے فرشتے آجاتے ہیں: "ہاں اُس کے لیے جنت کا فرش بچھاتے ہیں۔ جنت کے کپڑے لاتے ہیں اور اس کی قبر حدنگاہ تک فراخ ہو جاتی ہے اور جنت سے فزیلیں لائی جاتی ہیں جن سے اُس کی قبر قیامت تک روشن رہتی ہے۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی قبر سے والین آتے ہیں تو وہ اُن کی جو تیوں کی آواز سنتا ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ اسے بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں: "اُدھی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہا کرتا تھا؟ تو مومن کہتا ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں: اپنی اُس کی بیگہ دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے تمہیں جنت میں جگہ دے دی ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ان دونوں جنت دوزخ کو دیکھتا ہے؟

ناجبراً متناقض اُدھی سے کہا جاتا ہے تم اس اُدھی کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؟ تو وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا میں بھی وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے، اس سے کہا جاتا ہے تم تو نے مجھ اور نہ پڑھا پھر اُسے لہے کے ہتھوڑوں سے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے۔ وہ ایسا چیختا ہے کہ جنوں اور انسانوں کے سوا اس کے قرب و جوار کی ہر چیز اس کو سنتی ہے۔ (بخاری - مسلم)

انہی میں حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمھارا قبر میں امتحان ہوتا ہے اور یہ امتحان مسیح: و مجال کے فننے کی طرح بڑا ہی سخت ہوتا ہے۔ پوچھا جاتا ہے تم اس آدمی (رسول اللہ) کے متعلق کیا کچھ جانتے ہو؟ تو مؤمن کہتا ہے وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور پھر باقی حدیث کا ذکر کیا۔

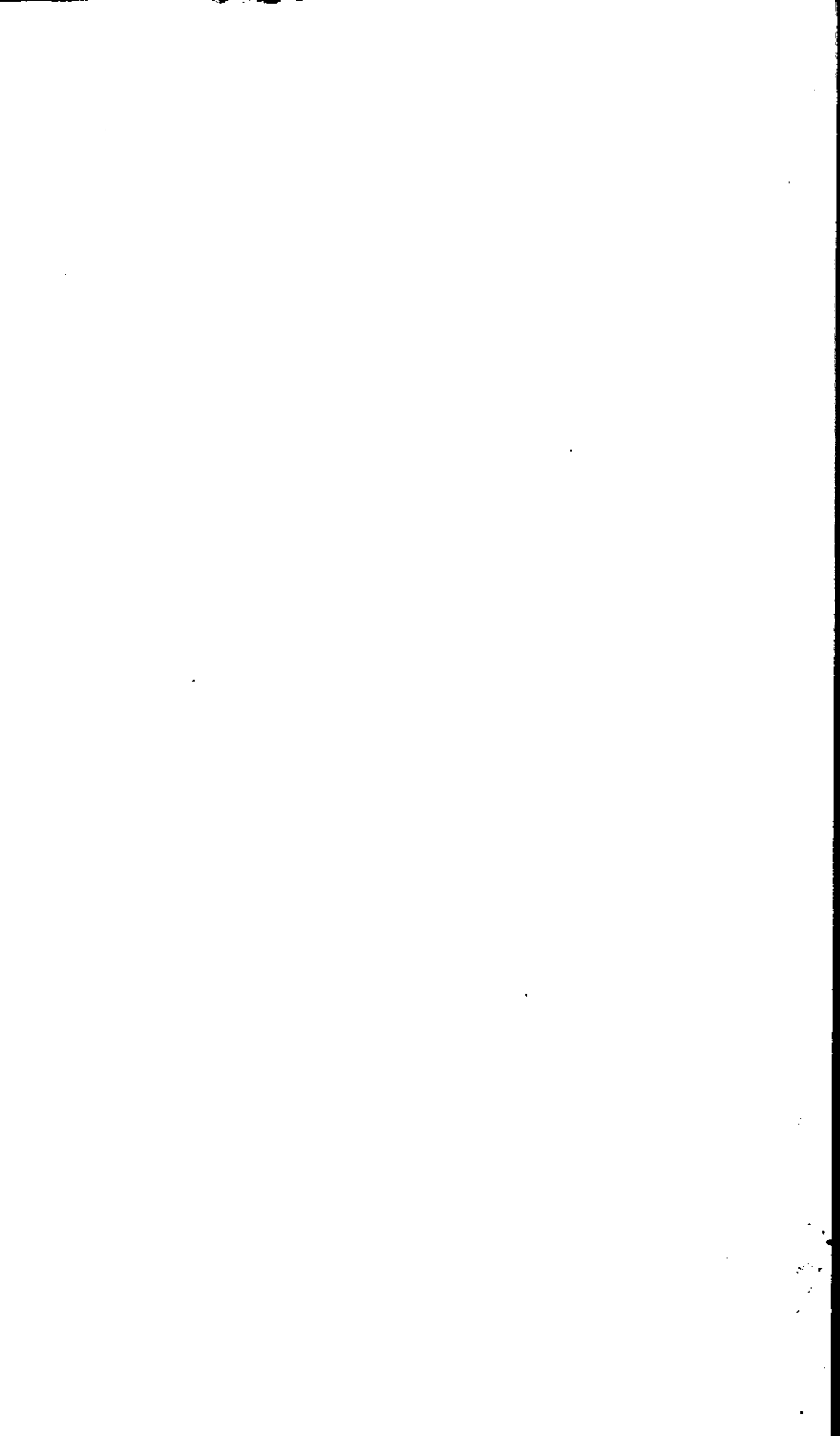
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب حضرت سعید بن معاذ کا جنازہ اٹھا اور ہم نے ان کو قبر میں دفن کر دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کوئی بھی آدمی ایسا نہیں ہے جسے قبر نہ بھینچتی ہو اور اگر کوئی آدمی اس سے بچ سکتا، تو سعید بن معاذ چرچ جانا۔ اور پھر باقی حدیث ذکر کی۔

حضرت عبداللہ صنعانی نے کہا: میں نے یزید بن ہارون کو ان کی وفات سے چار روز بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا: اللہ نے آپ سے کیا کیا؟ کہا میری نیکیاں قبول فرمائیں اور میری غلطیاں معاف کر دیں۔ میں نے پوچھا: پھر کیا ہوا؟ کہا سچی سے سخاوت ہی ہو سکتی ہے۔ اللہ نے میرے گناہ معاف کیے اور مجھے جنت میں داخل کیا۔ میں نے پوچھا یہ لوازش کس سبب سے آپ پر ہوئی؟ کہا کہ وہی مجالس میں حاضری۔ سچی کہنے۔ سچ بولنے۔ نماز میں لمبا قیام کرنے اور تنگدستی پر صبر کرنے کی وجہ سے۔ میں نے کہا۔ منکر نکیر کی بات صحیح ہے؟ کہا۔ ہاں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں انھوں نے مجھے ٹھمایا اور پوچھا تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تو میں اپنی طاعی سے مٹی بھاڑنے لگا اور کہا مجھ سے یہ سوال پوچھتے ہو؟ میں یزید بن ہارون واسطی ہوں۔ میں دنیا میں لوگوں کو سناٹھ سال تک دین سکھاتا رہا۔ اب مجھ سے ہی پوچھ رہے ہو؟ تو ایک نے ان میں سے کہا۔ سچ کہتا ہے۔ یہ یزید بن ہارون ہے۔ پھر کہا تمہی دلہن کی طرح سو جلاؤں کے بعد تجھے کوئی دہ نہیں ہے۔

حضرت مروزی نے کہا: میں نے امام احمد بن حنبل کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے دو سبز ٹھلے پہنے ہوئے تھے آپ کے سر پر نور کا تاج تھا اور وہ ایسی چال چل رہے تھے جو دنیا میں ان کی چال نہیں تھی۔ میں نے پوچھا اے احمد! یہ کون سی چال ہے؟ یہ تو آپ کی چال نہیں تھی؟ فرمایا: یہ جنت کے خادموں کی چال ہے۔ میں نے کہا یہ آپ کے سر پر تاج کیسا ہے؟ تو فرمایا۔ میرے رب نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور مجھ سے آسان حساب لیا اور مجھے ٹھلے پہنائے اور لوازش کی اور اپنے قریب کیا اور میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا تھا۔ اللہ نے مجھے یہ تاج پہنایا اور فرمایا۔ اے احمد! یہ وقار کا تاج ہے جو میں تجھے پہنارہا ہوں کیونکہ تو نے ہی کہا تھا قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق

## کتاب الجزا

- قیامت، دوزخ اور جنت کا احوال
- اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا تذکرہ



## فصل اول

## قیامت، دوزخ اور جنت کا احوال

ہر قسم کی ہونکیاں میان کرچکے ہیں اور ان سے سخت تر صور کا پھونکا جانا۔ قبروں سے اٹھنا۔ حجاب و کتاہ ترازو اور پیکل صراط سے گزرتا وغیرہ ہے اور یہ وہ ہونکاک مراحل ہیں جن پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس میں بڑا غور و فکر کرنا چاہیے۔

اکثر لوگوں کے دلوں میں تو آخرت پر ایمان راسخ ہی نہیں ہے، اگر کسی انسان نے حیوانات کے پیدا ہونے کو شہ بہ نہ کیا ہوا دیکھا ہے تو اسے بتایا جائے کہ صلح اپنی قدرت سے اس گندے نطفے سے ایسا آدمی پیدا کرتا ہے۔ جو خوب صورت، عقلمند اور بولنے والا ہوتا ہے تو اس کی تصدیق کرنے سے اس کی طبیعت انکار کرے گی، اسی سے عالم انسانوں کا کج فہمی اور علی کم مائیگی کا اندازہ کرنا چاہیے۔ جو ذی شعور آدمی پہلی پیدائش کا مشاہدہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت سے کہ وہ دوبارہ پیدا کرے گا، کیسے انکار کر سکتا ہے۔ اگر ایمان کمزور ہے تو پہلی پیدائش کو دیکھ کر اس کو مضبوط کر کے دوسری پیدائش بھی ایسی ہی ہے۔ بلکہ اس سے آسان ہے۔ اور اگر تیرا ایمان قوی ہے تو اپنے دل کو آگے لے کر خطرات سے آگاہ کر۔ ان میں غور کر کے عبرت پکڑ اور اپنی اصلاح پر کمر بستہ ہو جا۔

مردوں کے کانوں میں جو پہلی آواز پڑی گی وہ اسرائیل کی آواز ہوگی جب کہ وہ صور پھونکنے کا اور جن آواز کو تو بھول چکا ہے وہ جب اسے سنے گا تو سخت پریشان ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ (اور صور میں پھونکا جائے گا تو وہ ناگہان قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑتے ہوں گے۔)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گیسے خوش ہو سکتا ہوں جب کہ اسرائیل نے اپنی پیشانی چھبکا رکھی ہے اور اپنے کان نگا رکھے ہیں۔ وہ انتظار کر رہا ہے کہ اسے صور پھونکنے کا حکم دیا

جائے تو وہ چھوٹے، مسلمانوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم کیسی بات کہیں، فرمایا کہو: ”ہمیں اللہ کافی سب سے اور وہ اچھا کارساز ہے اور ہم نے اس پر توکل کیا“

خوردگوگ قیامت کے روز اٹھیں گے اور اٹھنے کے بعد کیسے ننگے بدن، ننگے پاؤں میدانِ محشر کی طرف چلائے جائیں گے جو صاف چھیل میدان ہوگا جس میں کوئی رحمت یا ٹیلہ نہ ہوگا جس کے سائے میں آدمی پناہ لے سکے۔ صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز خوردگوگ چھیل میدان میں اٹھے گیے جائیں گے۔ جیسے صاف لدنی کی مکیا۔“

خوردگوگوں کی اتنی بھیڑ سورج کا سروں کے قریب ہوتا، پسینے کلبے انداز بہتا اور پھر دل کی بے چینی، کیسی پریشان کن صورت حال ہوگی!!

حدیث میں ہے: ”لوگوں کا پسندانہ اعمال کے مطابق ہوگا۔“

اے نسکین! خوردگوگ جب بغیر کسی واسطہ کے تجھ سے تیارب اعمال کے متعلق سوال کرے گا تو تیرا کیا حال ہوگا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے روز خوردگوگ کی تین پیشیاں ہوں گی۔ دو پیشیوں میں تو پوچھو گچھو اور معذرتیں ہوں گی۔ تیسری پیشی میں نامہ اعمال بل جائیں گے۔ کسی کو وائیں با تھ میں، کسی کو بائیں میں۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے جب تک اس سے یہ سوال نہ ہو جائے گا کہ تم کس شغل میں گزارا؟ اس میں کیا عمل کیے، مال کہاں سے کما یا اور کہاں خرچ کیا احدجم کی تو تون کو کس چیز میں محم کیا؟

حضرت صفوان بن محرز نے کہا: ”میں جب رسول اللہ بن عمر کا ہاتھ پکڑے ہوتے تھا کہ ایک آدمی سامنے آیا اور اُس نے کہا: آپ نے قیامت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کچھ سنا ہے؟“ انھوں نے فرمایا: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اللہ عزوجل اپنے بندے کو اپنے قریب کرے گا۔ خوردگوگوں سے اس کو پر دے میں کو لے گا۔ پھر اس کے گن ہوں گا اس سے اقرار کرانے گا اور کہے گا کیا تو فلاں گناہ کو جانتا ہے؟ فلاں گناہ کو جانتا ہے، یہاں تک کہ اُس کے سارے گن ہوں گا اُس سے اقرار کرانے گا۔ تب وہ سمجھے گا کہ وہ ہلاک ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے دنیا میں بھی تیری پر وہ پیشی کی تھی اور میں آج بھی تجھے معاف کرتا ہوں۔ پھر اس کی نیسیکیوں کی کتاب اس کو ڈی جانے گی۔“

ہے کہ افراد منافق، تو ان کے متعلق گواہ کہیں گے، اَهُؤَلَاءِ الَّذِينَ كَذَّبُوا عَلٰی رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی  
 الظَّالِمِيْنَ (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر بھوٹ بولا، خبردار ظالموں پر خدا کی لعنت ہے) (بخاری - مسلم)  
 صحیحین میں ابو سعید کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جہنم پر پل رکھا جائے گا اور سب سے  
 پہلے میں گزروں گا“

صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا: ”پل لایا جائے گا اور اُسے  
 جہنم پر رکھا جائے گا۔“ صحابہ نے پوچھا: ”اے اللہ کے رسول! پل کیسا ہوگا؟“ فرمایا: ”پھسلانے والا۔“ گرانے  
 والا۔ اُس پر نہ ہے کے کٹے اور اُنکڑے اور کانٹے ہوں گے اور مومن اس سے یوں گزر جائے گا جیسے نظر گزر جاتی  
 ہے۔ کوئی سبکی کی چمک کی طرح، کوئی ہوا کی طرح، کوئی گھوڑے کی دوڑ، کوئی اونٹ کی دوڑ، کوئی صحیح سلامت  
 نجات پانے والا، کوئی خراش والا، یہاں تک کہ آخری آدمی گھٹ گھٹ کر جاتے گا۔“

## جہنم کا تذکرہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ہم نے کیا دیکھا کہ  
 سنا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا جانتے ہو کہ یہ کیا تھا؟ ہم نے کہا اللہ اور اُس کا رسول بہتر جانتے۔ تو آپ  
 نے فرمایا: ”یہ ایک پتھر جہنم میں پھینکا گیا تھا۔ ستر سال کے بعد وہ اب جہنم کے پتھر سے ملے گا۔“ (مسلم)  
 صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری اس  
 آگ سے جسے آدمی جلاتے ہیں جہنم کی آگ ستر گنا زیادہ تیز ہے۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہی کافی تھی؟ تو  
 آپ نے فرمایا: ”وہ اہتر حصے اس سے زیادہ تیز ہے اور ہر حصہ اتنا ہی گرم ہے۔“

مسلم کے خزا میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کو لایا  
 جائے گا۔ اس دن ستر ہزار بائیس اسے پڑی ہوں گی اور ہر باگ کے ساتھ ستر ہزار فرشتہ ہوگا جو اسے کھینچ کر  
 لائیں گے۔“

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: ”دو زنجیروں کو اتنی سخت بھوک لگے گی کہ وہ اسے جہنم کے عذاب کے

بڑا برسمجھیں گے۔ پھر وہ کھانا مانگیں گے تو انہیں تھوہر دی جائے گی جو نہ تو مانگا کرے نہ بھوک مٹائے۔ وہ پھر فریاد کریں گے تو ان کو گلے میں اٹک جائے والا کھانا ملے گا۔ پھر وہ یاد کریں گے کہ گلے میں اٹکے ہوئے کھانے کو پانی سے نگلا کہتے تھے اور وہ پانی مانگیں گے، تو ان کو گرم پانی ملے گا۔ لوہے کے ٹکڑوں سے ان کو دیا جائے گا۔ جب ان کے قریب ہوگا تو ان کے منہ میں کوٹھلیس دے گا اور جب ان کے پیٹ میں داخل ہوگا تو ہر چیز کو کلا کر باہر نکال دے گا۔ پھر جہنم کے داروغوں سے فریاد کریں گے کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ ایک دن عذاب میں تخفیف ہو جائے، تو وہ ان کو جواب میں کہیں گے: کیا تمہارے پاس کھلے دلائل لے کر رسول نہ آئے تھے، وہ اقرار کریں گے۔ ہاں آئے تھے۔ تو داروغہ کہیں گے اب پھر تم ہی دعا کرو اور سمجھ لو کہ کافروں کی دعا بالکل بیکار ہے، پھر آپس میں کہیں گے اچھا مالک سے سوال کرو، تو کہیں گے مالک، اے رب ہمیں موت دے دے۔ تو وہ کہے گا تم نہیں رہنے والے ہو پھر کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں یہاں سے نکال۔ اگر تم پھر ایسا کریں تو ہم ظالم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اُحْسَبُوا رِضًا وَلَا يَكْتُمُونَ (ذیل ہولاس میں رہو اور مجھ سے بات نہ کرو)

اس وقت وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور پھر خراج و پکار شروع کر دیں گے۔

جہنم کے سانپ کچھو کے متعلق غور کرو۔ حدیث میں ہے کہ اس کے سانپ نجی اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہیں اور اس کے بچھو سے نیچروں پر تھول ڈال رکھی ہو۔

حضرت حسن سے مروی ہے کہ آگ ان کو ہر روز تتر تتر ہر تیر کھاٹے گی اور پھر وہ پہلے کی طرح ہو جائیں گے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ دوزخ کے حالات بٹھے بٹھے ہیں اور ان میں سے تھوڑے سے تھوڑا بھی اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ اگر تمہارا اس پر ایمان ہے تو خبردار ہو جاؤ اور آنے والے حالات سے ڈرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر دوزخ و خوف جمع کرے گا اور خوف سے ہماری مراد دوزخوں کی نرم دلی نہیں کہ ایک گھڑی روتی ہیں اور پھر غافل ہو کر عمل چھوڑ دیتی ہیں۔ خوف سے ہماری مراد وہ خوف ہے جس سے گناہ چھوڑے جائیں اور اطاعت کی رغبت ہو۔ باقی رہا بے دوزخوں کا خوف جو خوف ہونا کیوں کے سنے پر انا کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی مدد چاہتے ہیں۔ ہمارا اللہ کی پناہ لیتے ہیں۔ اسے اللہ نہیں سلامت رکھو اور اس کے ساتھ وہ برائیوں پر اصرار کرتے رہتے ہیں۔ اور شیطان ان سے کھیلتا رہتا ہے جسے کہ وہ آدمی جس پر زندہ حملہ کرنے والا ہوا اور وہ قلعہ کے پاس ہوا وہ قلعے میں داخل نہ ہو بلکہ اپنی جگہ پر کھڑا رہے اور زبان سے کہے میں اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔



## راہِ نجات

دنیا میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا اور ان کی سنت کی تعظیم کا سر میں بن۔ شاید کہ وہ آخرت میں تیری سفارش کریں کیونکہ تمام انبیاء سے پہلے اپنی کی شفاعت قبول ہوگی۔ آپ اپنی اُمت کے بڑے گناہگاروں کی سفارش کر کے ان کو نجات دلائیں گے۔

نیک لوگوں کو دوست بناؤ کہ ہر مومن کی شفاعت ہوگی اور دھوکا کھا کر کھسکتی نکرنا اور اسے اللہ سے پر امید رہنا نہ سمجھنا کیونکہ جو کسی چیز کی امید رکھتا ہے وہ اس کو طلب کرتا ہے۔

جس آدمی کے ذمے مظالم ہوں اور وہ ان کی ادائیگی سے پہلے مر جائے تو قیامت کے دن اس کے حق دار اس کو گھیر لیں گے۔ کوئی کہے گا اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ کوئی کہے گا اس نے مجھ سے ٹھٹھا کیا۔ کوئی کہے گا اس نے میرا حق ماوا۔ کوئی کہے گا اس نے میری ہمسائیگی کا حق ادا نہ کیا۔ کوئی کہے گا اس نے مجھ سے دھوکا کیا۔ تو ان لوگوں سے بچنا مشکل ہوگا۔ کہا جائے گا آج کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مومن آگ سے بچ جائیں گے تو انہیں جنت اور دوزخ کے درمیان پل پر روک دیا جائے گا اور جو حقوق ان کے ذمے ہوں گے ان سے بدلہ لیا جائے گا اور جب وہ پلری طرح پاک ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے کہا ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ ہو نہ سامان۔ تو فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ آدمی ہے جو قیامت کے دن نماز روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہوگی۔ کسی پر تہمت لگائی ہوگی۔ کسی کا مال کھایا ہوگا۔ کسی کا خون گرایا ہوگا۔ کسی کو مارا ہوگا۔ تو یہ سب کچھ اس کی نیکیوں سے پورا کیا جائے گا۔ پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور حقوق پورے نہ ہوں گے تو مظلوموں کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے اور اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قیامت کے دن حقداروں کو ان کے حقوق ضرور ادا کرو گے، یہاں تک کہ سنگِ حالی بکری سے بے سنگ کی بکری کا بدلہ بھی لیا جائے گا۔

یہ سب احادیث صحاح میں ہیں۔

خورد کر دکھاتا تو تمھاری نیکیاں سلامت ہی کب رہیں گی کیونکہ ان میں کیا اور غلبت تو شامل ہو ہی جاتی ہے۔ پھر اگر وہ سلامت بھی رہیں تو وہ حق داروں کو دے دی جائیں گی۔

چاہیے کہ تم اپنے نفس کے لیے بیدار ہو جاؤ، اور اپنے اوقات ضائع نہ کرو۔ مسکین وہ آدمی ہے جو ختم ہونے والی لذت کو پسند کرے اور اس کے بدلے دائمی عذاب خریدے۔ ہم اللہ سے سلامتی اور نیکی کی توفیق مانگتے ہیں۔

## جنت کا تذکرہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے کہا لے اللہ کے رسول! ہمیں کچھ جنت کے متعلق بتائیے کہہ کر اس کی تمیہ کی ہے؟ فرمایا: ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی اور اس کی پانی خاص کستوری سے ہے، اس کے ٹکڑے سے عطر ہوا کرتا ہے۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ جو اس میں داخل ہوگا نعمت میں ہوگا۔ اسے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ مرے گا نہیں، نہ اس کے کپڑے پرانے ہوں گے نہ ہوائی ختم ہوگی۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن جنت کا ذکر کیا اور فرمایا: اس کے لیے کوئی کوشش کرنے والا ہے؟ رب کعبہ کی قسم، وہ بھڑکتی ہوئی خوشبو، چمکتا ہوا نور، بہتی ہوئی نہریں پاک بیویاں، خوبصورتی اور نعمت کہہ اور ہمیشہ رہنے کا مقام ہے۔ انھوں نے کہا لے اللہ کے رسول! ہم اس کے لیے کوشش کرنے والے ہیں؟ فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی اکٹھنے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر اس کا خیال ہی گزرا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی وہ جو دعویں رات کے چاند کی طرح ہوگی۔ پھر ان کے بعد جیسے کہ کوئی چمکدار ستارہ آسمان میں ہو نہ پشایاب کریں گے نہ ٹھوکریں گے۔ نہ ناک جھاڑیں گے۔ نہ کھنگھاریں گے۔ ان کی گنگھیاں سونے کی ہوں گی۔ ان کی خوشبو کستوری ہوگی، ان کی انگلیٹھیاں عود اور لوبان کی ہوں گی۔ ان کی بیویاں حور عین ہوں گی۔ ایک ہی آدمی کی طرح ہوں گے، اپنے باپ آدم کی صورت پر۔ سناٹھ ہاتھ بلند قدر

ایک اور حدیث میں ہے کہ ٹہرا ایک کی دو بیویاں ہوں گی۔ خوبصورتی کی وجہ سے ان کی پٹہ نیوں کا گرداؤن کے گشت کے اندر سے نظر آتا ہوگا، نہ ان میں اختلاف ہوگا نہ بغض، ان کے دل ایک ہی آدمی کی طرح ہوں گے۔

صبح و شام اللہ کی تسبیح کریں گے؟

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو جنت چاندنی کی ہیں۔ ان کے برتن بھی اور ان کا سامان بھی چاندنی کا ہے اور جو جنت سونے کی ہیں۔ ان کے برتن بھی اور ان کا سامان بھی سونے کا ہے۔ اور بندوں اور خدا تعالیٰ کے درمیان صرف ایک کبریائی کا پردہ ہوگا، جنت عدن میں کوئی چھینتر دیکر بلاہی میں مائل نہ ہوگی“ (بخاری - مسلم)

انہی میں حضرت ابو موسیٰ کی حدیث بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنت میں ایک جو فلا رتوتی کا نیم ہوگا جس کا عرض ساٹھ میل ہوگا اور اس کے ہر گوشے میں اس کے ایک گوشے والے دو سروں کو نہ دیکھیں گے، البتہ مؤمن ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہیں گے۔“

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کئی مقامات پر جنت کی نعمتوں کا تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے۔ پھر کئی آیات میں اسے جمع فرمایا ہے۔ ان میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے: **وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ** اس میں پروردگار نے فرمایا ہے کہ جسے نفس چاہے اور آنکھیں لذت پائیں)

یہ ارشاد بھی ہے: **لَا يَسْمَعُونَ عَنْهَا حَسْرَةً** (وہاں سے وہ کبھی منتقل ہونا نہ چاہیں گے)

اس پر یہ اضافہ فرمایا **فَلَا تَعْلَمُ لِنَفْسٍ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ** (جو کچھ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے اسے کوئی آدمی نہیں جان سکتا)

جنت کی منغات تو بہت زیادہ ہیں۔ ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

سب سے افضل چیز جو جنت میں ملے گی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ تو فرمایا: ”کیا جب بادل نہ ہو اور چودھویں رات کا چاند ہو تو اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی چیز حارج معلوم ہوتی ہے؟“ فرمایا: ”جیسا کہ دن تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے۔“

۱۸۰ آیت: ۱، ۱۸۰ آیت: ۱۸۰، ۱۸۰ آیت: ۱۸۰

## فصل دوم

## اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا تذکرہ

ہم اس کتاب کو اللہ کی رحمت کی فراخی پر غم کرتے ہیں اور ہم اس سے اس کے فضل کی امید رکھتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس سے معافی کی امید رکھیں، تاہم اس کی رحمت اور کرم سے معافی کی امید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (کہہ دو کہ میں اپنے میرے وہ بندو! جھٹولنے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے بالکل زہور، یقیناً اللہ سارے گناہ بخش دے گا بے شک وہی ہے بخشنے والا مہربان)

حضرت البرہرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو ایک کتاب میں لکھا جو اس کے پاس عرش پہنچے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے، (بخاری - مسلم)

حضرت البرہرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی سورتیں ہیں۔ ان میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک رحمت انسانوں، جنوں، کیڑوں، مکوڑوں اور چارپائے جانوروں پر اتاری ہے۔ اسی سے وہ ایک دوسرے پر مہربانی کرتے ہیں۔ اسی سے آپس میں رحم کرتے ہیں اور اسی سے جانور اپنی اولاد پر مہربان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھی ہیں۔ قیامت کے دن ان سے اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب بڑا مہربان ہے جو آدمی نیکی کا ارادہ کرے پھر اس پر عمل نہ کرے، اس کی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور وہ عمل کر لے تو اس کے بے دن سے لے کر سات سو تک لکھی جاتی ہیں۔ اور جو آدمی برائی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر عمل کر لے تو اس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ اسے مٹا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی کے لیے ہلاکت ہوگی جو پوری طرح تباہ ہونے کا مستحق ہوگا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو ایک نیکی کرے اس کے لیے دس گنا پے اور میں اس سے زیادہ بھی دوں گا، اور جو ایک برائی کرے گا تو اس کی سزا اتنی ہی ملے گی یا میں محنت کروں گا۔ اور جو میری طرف ایک یا شت بھر تزییب ہوگا میں ایک ہاتھ بھرا اس کے قریب ہوں گلا اور جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھے گا میں اس کی طرف ایک تلوہ بھر ٹھہروں گلا اور جو میری طرف میل کرے گا میں اس کی طرف دوڑ کر جاؤں گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی نے کوئی گناہ کیا پھر کہا اے رب! میں نے گناہ کیا ہے مجھے معاف کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخش بھی سکتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ پھر جب تک اللہ نے چاہا تک گیا پھر اس نے اور گناہ کیا پھر کہا۔ اے میرے رب میں نے گناہ کیا ہے مجھے معاف کر دے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخش بھی سکتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ پھر جب تک اللہ نے چاہا وہ رکا رہا پھر اس نے اور گناہ کیا اور کہا اے میرے رب! میں نے اور گناہ کیا ہے، مجھ کو معاف کر دے، تو فرمایا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے۔ میں تمہیں گواہ بنا تا ہوں کہ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔

جو چاہے عمل کرے۔ یہ سب احادیث صحاح میں ہیں۔

مصحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی لائے گئے۔ ان میں ایک قیدی عورت دوڑتی پھرتی تھی۔ جب وہ قیدیوں میں کسی بچے کو دیکھتی تو اسے پکڑ کر اپنے پیٹ سے لگا لیتی اور اسے دو دو پلائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دیکھتے ہو کہ اگر اس عورت کو اپنا بچہ مل جلتے تو کیا یہ اسے آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے کہا خدا کی قسم ہمیں نہ پھینکے گا تو آپ نے فرمایا: جتنی عورت اپنے بچے پر ہر لڑنے ہے اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔

مصحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی بھی لڑائے الا اللہ کے پھر اسی عقیدے پر جس کی محنت پہلے سے تھی تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا اگرچہ وہ نہا کرے اور پھر کیا کرے؟ فرمایا: اگرچہ وہ نہا کرے اور جو میری کسی چیز کو چھو کرے اور میری کسی چیز کو چھو کرے؟ فرمایا اگرچہ وہ نہا کرے اور پھر کیا کرے۔ پھر پوچھی مرتبہ میں فرمایا۔ ابوذر کی ناک نکل آئی ہونے کے باوجود بھی جنت میں جائے گا؟

ابنہی میں مقبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ نے اس آدمی پر آگ کا حکم کر دیا جس نے سچے دل سے لَدَالَةَ الْأَلَّانَةِ کہا۔“

ابنہی میں اس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس آدمی نے لَدَالَةَ الْأَلَّانَةِ کہا اور اس کے دل میں ایک بوجے کے برابر بھی بھلائی ہوئی، اسے آگ سے نکالا جائے گا۔ پھر اس کو نکالا جائے گا جس نے لَدَالَةَ الْأَلَّانَةِ کہا اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر بھلائی ہوئی۔ پھر آگ سے اسے نکالا جائے گا جس نے لَدَالَةَ الْأَلَّانَةِ کہا اور جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھلائی ہوئی۔“

حضرت ابو ہریرہ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر مومن کے پاس کوئی ہودی یا عیسائی لایا جائے گا اور اس کے سپرد کیا جائے گا اور کہا جائے گا: ”یہ تیرا آگ سے قدیہ ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک آدمی منتخب کر کے سب کے سامنے لائے گا۔ جس کے گناہوں کے نثار سے دفتر ہوں گے۔ ہر دفتر حد لگا ہوا تک لبا ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”کیا تم ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟“ کیا نامہ اعمال کھنے والے میرے فرشتوں نے تم پر ظلم تو نہیں کیا؟ کہے گا: ”میرے رب! بالکل نہیں۔“ پھر ارشاد ہوگا: ”کیا تمہارا کوئی غنڈ یا نیکی ہے؟“ تو وہ آدمی پریشان ہوگا اور کہے گا: ”میرے رب! کوئی نہیں تو ارشاد ہوگا: ”یاں تیری ایک نیکی پہلے سے پاس موجود ہے اور آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ پھر ایک کاغذ نکالا جائے گا اس میں لکھا ہوگا: ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“ تو کہا جائے گا: ”تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ پھر وہ سارے دفتر ایک پلٹے میں رکھے جائیں گے اور اس پر چھپے کو ایک پلٹے میں رکھا جائے گا۔ تو فرمایا وہ سب دفتر اوپر اٹھ جائیں گے اور پھر بھاری ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے نام نامی سے کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔“

حضرت فضیل بن عیاض نے عرذہ کے دن لوگوں کا تسبیحات پڑھنا اور رونا دیکھ کر فرمایا: ”دیکھو اگر یہ سارے لوگ ایک آدمی کے پاس جائیں اور اس سے ایک ذاتی (درجہ کا چھٹا حکم) مانگیں تو کیا وہ ان کو خالی ہاتھ لوٹائے گا؟“ تو کہا گیا: ”نہیں تو فرمایا خدا کی قسم اللہ کے نزدیک سعادت کر دیتا اس سے بھی زیادہ آسان ہے جتنا کہ اس آدمی کو ایک ذاتی دینا۔“

حضرت ابراہیم بن ادھم نے کہا ایک رات شدید بارش تھی اور رات انبصری تھی مجھے خانہ کعبہ کا مطاف خالی مل گیا۔ میں ساری رات سحری تک طواف کرتا رہا۔ پھر میں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا مانگی۔ اے اللہ! مجھے ہر اس چیز سے بچا جسے تو ناپسند کرتا ہے۔ تو خاندان ایک آواز آئی تو مجھ سے عصمت کا سوال کرتا ہے اور میری تمام مخلوق مجھ سے عصمت ہی کا سوال کرتی ہے۔ اگر میں تم سب کو گناہوں سے محفوظ رکھوں تو میں اپنا فضل کس پر کروں؟ ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہم سے وہ معاشرہ نہ کرے گا جس کے ہم مستحق ہیں بلکہ ہم پر وہ احسان کرے گا جو اس کی شان کے مطابق ہے اور ہم ایسے تو ال سے جو ہمارے اعمال سے مطابق نہیں رکھتے اور ہر شخص سے جس سے ہم لوگوں میں خوبصورت نظر آتے ہیں اور ہر اس علم و عمل سے جس سے ہم نے اس کی رضا کا ارادہ کیا لیکن اس میں ان کو خطاب کرنے والی چیزیں مل گئیں، ان سب چیزوں میں ہم اللہ کی بخشش مانگتے ہیں اور ہم اس کے کرم کے مدد سے اس کے کرم، اور اس کی سخاوت کے طفیل اس کی سخاوت کا سوال کرتے ہیں۔ وہ قریب ہے مجیب الدعوات ہے اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ بہت سی اور پاکیزہ اور برکت والی تعریفیں خلیعے ہمارا رب پسند کر سکتا ہے اور جیسے اس کی کریم ذات کے شایان شان ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے سوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل اور صحابہ سب پر بلے شمار رحمتیں اور سلامتی نازل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔



